خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون.... مظاہر علوم سہارن پور.... دارالعلوم کراچی
ودیگر مراکز علم سے حکیم الامت حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کے
دستیاب شدہ نادر و نایاب رسائل کی پہلی مرتبہ یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت 104

مجموعہ تالیفات

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

الحمدللہ! عرصہ دراز کی جستجو کے بعد تقریباً 325 رسائل
اس مجموعہ میں شائع کیے جارہے ہیں۔

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
(شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی)

مرتب

قاری محمد اسحاق
(مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

مقالاتِ حکیم الامت (104)

تاریخ اشاعت.................... ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ
ناشر....................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت....................سلامت اقبال پرنٹنگ پریس، ملتان
بائنڈنگ....................اشرفیہ بک بائنڈنگ....ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان

ادارہ اسلامیات........انار کلی........لاہور	دارالاشاعت........اُردو بازار........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید........اردو بازار........لاہور	قرآن محل........کمیٹی چوک........راولپنڈی
مکتبہ رحمانیہ........اُردو بازار........لاہور	مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور
اسلامی کتاب گھر......خیابان سرسید......راولپنڈی	مکتبہ اسلامیہ......امین پور بازار......فیصل آباد
اسلامک بک کمپنی......امین پور بازار......فیصل آباد	ممتاز کتب خانہ......قصہ خوانی بازار......پشاور
مکتبہ رشیدیہ......سرکی روڈ......کوئٹہ	مکتبہ ماجدیہ......سرکی روڈ......کوئٹہ
مکتبۃ الشیخ......بہادر آباد......کراچی	مکتبہ عمر فاروق......شاہ فیصل کالونی......کراچی
والی کتاب گھر...گوجرانوالہ...مکتبہ علمیہ...اکوڑہ خٹک	مکتبہ نعمانیہ...گوجرانوالہ...اسلامی کتاب گھر...ایبٹ آباد

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

تکمیل الیقین

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منھار الجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی
نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا ومصلیًا و سلمًا

مقدمہ: اس وقت ہمارے زمانہ میں جو فلسفہ شائع ہے اُس کے دوشعبے ہیں تہذیب (فلسفہ اخلاق) اور سائنس (فلسفہ طبعی) اور ہر ایک سے نئے رنگ کے شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ اس لیے دونوں قسم کو جدا جدا بالترتیب لکھنا ضرور رہوا۔

پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف طبقات کے لوگوں کے روبرو رسالت کا دعویٰ فرماتے ہوئے دیکھ کر یا سُن کر گروہ فلاسفہ کا تحقیق حق کے لئے بہ نظر انصاف مستعد ہو جانا اور اُن کی تحقیق کا مآل کار۔

فلاسفہ اخلاق کا نتیجہ تحقیقات

اُن میں سے ایک گروہ کے لوگ اخلاق وآداب کے فلاسفر تھے شرائع سابقہ سے بخوبی واقف تھے اُن کے اسرار وفوائد کی شناخت میں اُن کی نظر نہایت ہی دقیق تھی بڑے باریک بین تھے اُن کو فطرت سلیمہ کا بھی بہت کچھ حصہ ملا تھا جس کی بدولت بُرے بھلے کاموں میں اچھی طرح تمیز کر سکتے تھے انتظام ملکی اور دیگر مختلف اوصاف و اُمور کے حُسن وقبح کو خوب پہچانتے تھے وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو ظاہر بات ہے کہ خدا کے ہر رسول کے صدق ثابت کرنے کے لئے دو قسم کی دلیلیں ہوتی ہیں ایک تو وہ دلائل جن کے سمجھنے میں بہت کچھ عقل درکار ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اگر اُن کو عقلی کہا جائے تو

نہایت ہی سزاوار ہے کیونکہ اُن کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جو نہایت دانشمند اور فہیم ہوتے ہیں اور یہ باتیں نہایت ہی پاکیزہ اُصول پسندیدہ طریقے عمدہ حالات فتح پانے والے علوم اور مضبوط دلیلیں ہیں جو رسولوں کے لئے ثابت ہوا کرتی ہیں دوسری قسم معجزہ یا خارق عادت اُمور ہیں جن کا حواس سے ادراک ہوتا ہے اُس کے طلب کرنے والے دو ہی قسم کے لوگ ہوا کرتے ہیں یا تو وہ جو پاکیزہ عقلی اُصول وغیرہ کے سمجھنے کا سلیقہ نہیں رکھتے اور اُس سے قاصر ہوتے ہیں اِس وجہ سے ایسی چیز کے طالب ہوتے ہیں جس کو وہ اپنے حواس سے دریافت کرلیں یا وہ لوگ ہیں جو باوجود اس نقص کے عناد پر بھی کمر باندھ لیتے ہیں اور اُن کا مقصود محض یہ ہوتا ہے کہ ناحق جھگڑا کریں پس وہ اس رسول سے لایعنی باتوں کی فرمائش کیا کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم آپ پر یوں تو ایمان نہیں لائیں گے ہاں یا تو آپ زمین سے پانی کا چشمہ جاری کردیجئے یا آپ ایسے باغ کے مالک بن جائیں جس میں کھجوروں اور انگور کے درخت لگے ہوں جابجا نہریں بہ رہی ہوں ورنہ آپ ہمارے اُوپر آسمان ہی گرا دیجئے یا خدا اور فرشتوں کو بُلا لایئے یا تو ہم دیکھیں کہ آپ کا مکان سونے کا بن جائے یا اور کچھ نہیں تو آسمان ہی پر چڑھ جایئے اور آپ کے چڑھنے کو بھی ہم جب مانیں گے کہ آپ وہاں کوئی کتاب لیتے آیئے تاکہ ہم اُسے پڑھ بھی لیں اور اُن معاندوں کا جواب رسول کے پاس یہ ہوتا ہے کہ سبحان اللہ میں تو ایک آدمی ہوں خدا نے مجھے رسول بنا دیا ہے مجھ سے یہ مہمل سوال کیسے؟ مطلب یہ ہے کہ آدمی ہونے کی حیثیت سے میں عاجز ہوں یہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں خدا ہی جب چاہتا ہے اس قبیل کی چیزوں کو ایجاد کر کے میری تائید کر دیتا ہے اور جب اُسے منظور نہیں ہوتا تو کچھ بھی نہیں کرتا یہ ضرور ہے کہ اُس نے مجھے منصب رسالت عطا کیا ہے میرا کام اتنا ہے کہ جو کچھ اُس نے مجھے حکم دیا ہے تمہیں یہ پہنچا دوں سو وہ میں کر چکا اب تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ پھر وہ کہنے لگے کہ ہم لوگ تو اللہ کے فضل و کرم سے رسولوں کی اُن علامات کے سمجھنے سے کسی طرح قاصر نہیں

ہیں جو عقلی دلائل کے قبیل سے شمار کی جاتی ہیں بلکہ ہم تو دانش مندوں اور سمجھ داروں کے زمرہ میں داخل ہیں کچھ تو عمدہ اوصاف جو اُن رسولوں میں ہوا کرتے ہیں جنہیں خدا خلق کی ہدایت کے لئے بھیجتا ہے ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھ بھی چکے ہیں مثلاً آپ کا شریف النسب ہونا۔ خوب صورت اور خوش اخلاق ہونا نہایت تیز اور زودفہم ہونا۔ آپ کی دلیل کا قوی ہونا اور آپ کے طریق کا مستقیم ہونا۔ اب ہمیں مناسب یہ ہے کہ آپ کے دعوے کو سوچیں اور آپ کی شریعت میں غور کریں پس اگر آپ کی شریعت میں یہ سب باتیں پائی جائیں گی کہ وہ ہم کو ایسے صحیح عقیدوں کے یقین کرنے کا حکم دیتی ہوں گی جو صحیح دلیل عقلی کے موافق ہوں اور اُن سے یقینی باتوں کے خلاف نہ ماننا پڑتا ہو اور اُس کی یہ تعلیم ہوگی کہ ہم اخلاق حسنہ اور آداب مرضیہ کے ساتھ اپنے کو مزین کریں عمدہ صفات اپنے میں پیدا کریں۔ ایسے عمدہ عمل اور تدبیریں اختیار کریں جن سے ہمارے باہم معاشرت کرنے کے انتظام میں خلل نہ آنے پائے اور ہماری عبادتیں ایسی ہوں جن سے خالق اکبر کی نعمتوں کا شکر نہایت خوبی سے ادا ہوتا ہو۔

(اور بات یہ ہے کہ ان سب باتوں کے واجب کرنے میں مختلف حکمتیں ملحوظ ہوتی ہیں جن کا نفع آخر کو ہمیں لوگوں کو ملتا ہے جیسا کہ رسولوں کی سکھلائی ہوئی عبادتوں میں اس راز کی ضرور رعایت کی جاتی ہے۔ کیونکہ خود خدا کو ان کی کیا حاجت ہے وہ تو ان سب چیزوں سے بالکل بے پرواہ ہے اور آپ کی شریعت محض خرافات اور غلط عقیدوں سے روکتی بھی ہوگی جس سے آدمی کو خواہ مخواہ ایسی باتیں ماننی پڑتی ہیں جو مشاہدہ اور یقینی دلائل کے بالکل خلاف ہیں۔ اور بُری عادتوں سے منع کرتی ہوگی اور اس بات کو جائز نہ رکھتی ہوگی کہ آدمی بجائے آداب کے ساتھ موصوف ہونے کے ایسے رذیل اوصاف میں آلودہ ہو جائے جو نہایت معیوب اور مذموم خیال کئے جاتے ہیں اور ایسی بات اختیار کرے جس سے ہماری باہم معاشرت میں رخنہ پڑے اور انتظام درہم و برہم ہو جائے اور ہم کو ایسی عبادتوں کی تکلیف نہ دیتی ہوگی جس سے ہم

اپنے رب کی ناشکری کریں اور بے ادب ٹھہریں اگر یہ سب کچھ ہوگا تو بے شک آپ یقینی اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں کیونکہ رسولوں کی یہی شان ہوتی ہے اور اُن کی شریعتوں کا یہی حال ہوتا ہے خصوصاً اس صورت میں جبکہ آپ کی شریعت میں کوئی ایسی بات بھی نہ ہو جس میں آپ کا کوئی ذاتی نفع ہو اور عام مصلحت کے خلاف ہو پس اس وقت ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کرلیں گے اور اگر کہیں اس کے خلاف ثابت ہوا تو آپ کے دعوے کو الگ کریں گے اور پھر نہایت سختی سے مقابلہ پر آمادہ ہو جائیں گے یہ کہہ کر وہ آپ کی شریعت کی باتوں میں غور کرنے لگے اور انتہا درجہ کی تفتیش اور آزمائش کے بعد انہوں نے دیکھا کہ آپ کی شریعت اُنہیں واقعی اعتقادات کو بتلاتی ہے جو خرافات اور بے اصل باتوں سے بالکل الگ ہیں اور اُن کے ماننے سے کسی یقینی بات کی مخالفت بھی نہیں لازم آتی اور اُس کا یہ بھی حکم ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ اپنے میں پسندیدہ اخلاق پیدا کرے آداب اور صفات حسنہ کے ساتھ موصوف ہو۔ اعلیٰ درجہ کی تدبیروں کو اختیار کرے جس سے انتظام عالم میں خلل نہ پڑنے پائے اور وہ رخنہ اندازی سے محفوظ رہے اہل عالم کو فائدہ پہنچے اور اُس کے نقصانات سے اُن کی حفاظت ہو جن عبادتوں کا اُس نے حکم کیا ہے وہ بھی ایسی ہیں جن سے اللہ کی نعمتوں کا نہایت خوبی سے شکر ادا ہوتا ہے۔ اس میں اور بھی بہت سی حکمتیں نظر آئیں جن سے لوگوں کو قرار واقعی نفع حاصل ہوسکتا ہے۔ وہ بے اصل اور غلط عقیدوں سے جو یقینی اُمور کے خلاف ہیں منع کرتی ہے۔ آداب سے بے بہرہ ہو کر بُرے اوصاف اور معیوب خصلتوں کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اور نہ ایسے بے تدبیری کے کاموں کو جائز رکھتی ہے جن سے عالم کا انتظام مختل ہو۔ اور ایسی باطل عبادتوں سے روکتی ہے جن سے اللہ کے ساتھ بے ادبی لازم آئے اور ناشکری اُن کا ثمرہ ٹھہرے اس کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ اللہ کو ذات وصفات اور افعال کے اعتبار سے منفرد و یکتا سمجھو اور اس بات کا یقین اور

اعتقاد کرو کہ وہ تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے اور سارے نقائص سے پاک ہے چنانچہ ہر عاقل بالغ کے ذمے یہ یقین کرنا ضروری بتلاتی ہے کہ اللہ موجود ہے۔ زندہ ہے اُس کا علم نہایت ہی کامل ہے اُس کا اِرادہ نہایت ہی تام ہے۔ اُس کی قدرت نہایت ہی عظیم ہے اُس کے سوا تمام چیزیں اُسی کی محتاج ہیں اُس کو ان ساری چیزوں میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں۔ نہ وہ کسی مخلوق کے مشابہ ہے اور نہ کوئی اُس کے مشابہ ہوسکتا ہے وہ ازلی یعنی ہمیشہ سے ہے اَبدی یعنی ہمیشہ رہے گا۔ نہ اُس کی ازلیت کی کوئی ابتدا ہے اور نہ اُس کی ابدیت کی کوئی انتہا ہوسکتی ہے۔ وہ حکیم ہے سارے کام محض اپنے قصد واختیار سے حکمت کے موافق کرتا ہے اگرچہ اس کی پابندی اس کے ذمے ضروری نہیں۔ بندوں کو کسی ایسی چیز کی تکلیف نہیں دیتا جو اُن کی وسعت سے باہر ہو۔ اُس کے سوا نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور نہ تدبیر کرنے والا اُس نے خلق کو عدم سے پیدا کردیا اور پہلے ہی سے اُن کے سارے حالات کو تجویز کردیا ظلم سے بالکل پاک ہے اور نہ اُس کی نسبت ظلم کا اطلاق صحیح ہوسکتا ہے کیونکہ ظلم صرف دوسرے کی ملک میں بغیر اُس کی مرضی کے بے جا تصرف کرنے کا نام ہے اور اللہ سبحانہٗ تمام کائنات کا علی الاطلاق حقیقی مالک ہے اس دنیا کے علاوہ اُس نے دو اور ایسے مقام پیدا کیے ہیں جن میں سے ایک میں تو مطیعین کو آرام و آسائش میں رکھے گا اور دوسرے میں نافرمانوں کو سزا دے گا پس اس نے جس طرح کہ تمام خلق کو عدم سے پیدا کیا ہے اسی طرح بعد فنا ہوجانے کے اُن سب کو پھر زندہ کرے گا تاکہ مطیع کو جزا دے اور نافرمان کو سزا دے ورنہ لازم آئے گا کہ مرنے کے بعد وہ شخص جو دولت مند خوش حال۔ دوسروں پر ظلم و جبر کرنے والا اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا ہو اُس شخص کے ساتھ برابر ہوجائے جو محتاج۔ ضعیف بے چارہ مظلوم ایماندار ہو اور اُن دونوں میں کوئی فرق باقی نہ رہے حالانکہ یہ خداوندی حکمت کے خلاف ہے اللہ کو اختیار ہے کہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف کرے لیکن اللہ اس سے پاک ہے کہ اُس کے کام حکمت کے

خلاف واقع ہوں بلکہ اُس کا جو فعل ہوگا عین حکمت ہی ہوگا اور جو کچھ اُس سے صادر ہوگا اس اعتبار سے کہ خدا سے صادر ہوا ہے ضرور مستحسن ہوگا اُس نے لوگوں کے پاس رسولوں کو بھیجا ہے تا کہ وہ اللہ کی نسبت صحیح اور واقعی عقیدوں کی تعلیم کریں کیونکہ اُن کی عقلیں اگر چہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ موجود ہے اور تمام صفات کمالیہ کے ساتھ متصف ہے جیسا کہ اُس کی اُلوہیت کا مقتضا ہے لیکن اللہ کی بہت سی ایسی عظیم صفتیں ہیں کہ جب تک وہ رسولوں کے ذریعہ سے اُس کی اطلاع نہ دے محض انسانی عقل اُس کو سمجھ نہیں سکتی اسی طرح رسولوں کے بھیجنے سے یہ بھی مقصود ہے کہ لوگوں کو اُن کی مصلحت کی باتیں سکھائیں اور اُن کے تمام حالات کی تکمیل کریں کیونکہ بمقتضائے حکمت خداوند تعالیٰ نے آدمیوں کے دو قسم کے اخلاق (یعنی قوتیں یا خواہشیں) پیدا کئے ہیں ایک تو اخلاق حسنہ جن سے اُن کے حالات درست ہوتے ہیں اور دوسرے اخلاق اُن کے خلاف ہیں جو محض اس غرض سے پیدا کئے گئے ہیں کہ لوگ اُن کے ذریعے سے اس عالم کے آباد کرنے میں ترقی کریں۔ ﴿جیسا کہ ابھی معلوم ہوا جاتا ہے﴾

جہاں کہ اُنہیں ایک خاص زمانہ تک رہنا ہے لیکن اگر ہر خواہش کو ترقی اور زیادتی کے لحاظ سے کسی حد کے ساتھ محدود کر دیا جاتا تو ہر خواہش کرنے والے کو اُسی حد تک پہنچ کر رُک جانا پڑتا اور آگے قدم بڑھانے سے مایوسی ہو جاتی جس سے ترقی کی رفتار میں فرق آتا اسی لحاظ سے اخلاق (یعنی قوتوں یا خواہشوں) کی اصل فطرت میں اعتدال نہیں رکھا گیا بلکہ اُن کو اس قابل بنایا کہ اپنے قصد و اختیار کے موافق ان قوتوں سے اعتدال کے ساتھ کام لیا جا سکے اس لئے ان اخلاق سیۂ کی نسبت یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ اعتدال سے بڑھ کر بجائے نفع کے نقصان کا باعث نہ ہو جائیں اور زیادہ ضرر رساں نہ ثابت ہوں پس اب مصلحت اسی کی مقتضی ہوئی کہ ان قوتوں کی جولانی کی ایک حد مقرر کر دی جائے اور اُن سے باقاعدہ کام لیا جائے تا کہ ضرر کا اندیشہ جاتا رہے اور نفع حاصل کرنا آسان ہو جائے اسی وجہ سے خدا نے رسولوں کو بھیجا

تا کہ وہ اُن سے با قاعدہ کام لیتا اور اُن کے بے موقع جوش و جولانی کو روکنا سکھائیں یہاں تک کہ وہ ایسی حد پر آ لگیں جن سے اُن کا ضرر دفع ہو جائے اور نفع ہی حاصل ہوتا رہے اور اس طرح سے اخلاق سیئہ بھی اخلاق حسنہ بن جائیں اس کام کے لئے رسول دو مؤثر ذریعوں سے کام لیتے ہیں لوگوں کو رغبت دلاتا اور ان کو ڈراتا اور اُس کے ساتھ ہی وہ عمدہ چیزوں کی خوبی اور قبیح اشیاء کی برائی ثابت کرنے کے لئے دلائل بھی قائم کرتے ہیں جس سے ان دونوں طریقوں کی اور بھی تقویت ہو جاتی ہے اس کو ایک مثال میں آپ اس طرح سمجھئے کہ لالچ ایک بُرا وصف ہے لیکن اگر یہ نہ ہوتا تو لوگ کسب معاش کرنے باغ لگانے اور مکانات بنانے وغیرہ کی تکلیف ہرگز نہ اُٹھاتے اور اِس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جب لالچ بے اعتدالی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے تو طرح طرح کے جھگڑے اور برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پس رسول کی شریعت کا کام یہ ہے کہ اس قوت سے با قاعدہ کام لینا لوگوں کو تعلیم کرے اور یہ سکھائے کہ بجائے زیادہ مال جمع کرنے اور دوسرے کے نقصان پر اپنے نفع کو مقدم رکھنے کے اس قوت کو زندگی کی ضروریات کے حاصل کرنے اور مناسب اُمور کی کوشش میں استعمال کریں اس طرح سے اس کی ترقی کی رفتار میں فرق بھی نہ آنے پائے گا اور بلا کسی ضرر کے دنیا کی آبادی کا باعث ہوگی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے کہ "مَیں مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں" (الفاظ حدیث یہ ہیں "بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاق") اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر اللہ نے رسولوں کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ نہایت کامل صفات کے ساتھ موصوف ہوں۔ سچائی امانت داری اُن کا شعار ہو۔ ہر حال میں حق کے حامی لوگوں کے خیر خواہ اور اُن کے ساتھ نیکی اور سلوک سے پیش آنے والے ہوں اور جو اُمور منصب رسالت کے خلاف ہوں ان سے مبّرا اور پاک رہیں اسی بناء پر واہی تباہی باتیں اُن میں نہیں پائی جاتیں گناہ نہیں کرتے اور نہ اُن میں کوئی ایسا اَمر ہوتا ہے جس سے لوگوں کو اُن سے

نفرت ہو اور اُن کی طرف توجہ نہ کریں اور جہاں کہیں اُن سے کوئی بات معصیت کے مشابہ سرزد ہوگئی ہے اور اللہ نے اُس پر معصیت کا اطلاق کیا ہے وہ حقیقت میں معمولی امور ہیں جن سے نہ اُن کا مرتبہ ہی گھٹتا ہے اور نہ اُن کی شان میں کچھ کمی آتی ہے اور خدا کا ایسے اُمور پر معصیت کا اطلاق کرنا اور اُس کے جانب سے اُن سے باز پرس ہونا محض اُن کے منصب عالی اور مقام رفیع کے لحاظ سے ہے رہی یہ بات کہ اُن سے ایسے اُمور صادر ہونے میں حکمت کیا ہے وہ یہ ہے تا کہ لوگ اس بات سے متنبہ ہو جائیں کہ خدا یکتا ہے اور وہی اکیلا علی الاطلاق کمالات کے ساتھ موصوف ہوسکتا ہے کوئی مخلوق کیسی ہی عالی کیوں نہ ہو لیکن خدا کے ہم پلہ نہیں ہوسکتی۔

خلاصہ یہ کہ وہ سارے معاصی سے مبرّا ہیں کیونکہ گناہ سے تو اَدنیٰ ادنیٰ متقی پرہیز کیا کرتے ہیں رسولوں کا تو مرتبہ ہی بہت بڑا ہے وہ تمام لوگوں میں کامل اور برگزیدہ ہوا کرتے ہیں پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ معاصی سے محفوظ نہ رہیں پس بدکاری کرنا اپنے لوگوں کی آبروریزی کرنا بے حیا عورتوں سے اختلاط کرنا۔ جھوٹ بولنا۔ دغا بازی کرنا۔ کفر کرنا بت پرستی کرنا یا اور ایسے ہی گناہ ان سب سے رسول بالکل پاک و صاف ہیں۔ شریعت محمدیہ اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم تمام رسولوں کی تعریف کریں اُن کے نام تعظیم و تکریم سے لیں اُن کے ساتھ توقیر سے پیش آئیں اُن کا اَدب کریں اور جو کچھ وہ لائے ہیں اُس پر عمل کریں ہاں وہ احکام اس سے مستثنیٰ ہیں جو اُنہیں رسل سابقہ کے زمانہ کے مناسب تھے اور اس شریعت میں زمانہ کی مناسبت کے لحاظ سے خدائے خبیر و حکیم کے حکم سے بدل دیئے گئے ہیں جس نے پہلے ہی ہر زمانہ کے مناسب احکام تجویز کرنے تھے۔

اور شریعت محمدیہ ہر شخص کو کم سے کم قدر ضروری علم سیکھنے کا بھی حکم کرتی ہے جو عقیدوں کی تصحیح عبادات اخلاق۔ اور آداب میں نافع ہو اُس کا سب سے پہلا اور نہایت ہی مہتم بالشان حکم ایمان و اسلام قبول کرنا ہے یعنی جتنی چیزوں کی نسبت محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کا لانا قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے اُن کی تصدیق جازم کرنا اور جو کچھ احکام آپ لائے ہیں اُن کی بجا آوری بلا چون وچرا کرنا۔

اسی طرح اُس کا حکم ہے کہ اخلاق و عادات حسنہ کو اختیار کرنا چاہئے چنانچہ وہ حکم دیتی ہے کہ آدمی تقویٰ کرے یعنی تمام اُن چیزوں سے احتراز کرے جو اُس کے دین میں مضر ثابت ہوں اور خدا کے واسطے خالص نیت سے عمل کرے۔ نیکی کرے عمل میں احسان کی رعایت کرے اور احسان یہ ہے کہ آدمی اس طرح اپنے رب کی عبادت کرے گویا کہ وہ اُس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ خلق اللہ کے ساتھ خیر خواہی سے پیش آئے صبر کیا کرے یعنی دہشت اور اَلم کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے جو چیز خدا کی پسندیدہ ہو اُس پر راضی رہے۔ حیا کیا کرے اور حیا ارتکاب افعال شنیعہ کے خوف سے جی رُک جانے کا نام ہے۔ حلم سے پیش آئے یعنی جوش غضب میں نرمی سے کام لے عفو کیا کرے اور عفو کے معنی خطا کار سے باوجود قدرت کے بدلہ نہ لینا ہے مگر حدود ﴿یعنی تعزیرات شرعی﴾ بوجہ مضر عام ہونے کے اس سے مستثنیٰ ہیں اچھے کاموں میں لوگوں کی حرص کرے۔ سخاوت و کرم میں کوتاہی نہ کرے۔ شجاعت کرنے میں پیش قدمی کے ساتھ موصوف ہو۔ غیرت کیا کرے یعنی دین و آبرو کو تہمت سے محفوظ رکھے۔ ثابت قدم رہے یعنی خوف کے وقت نہ گھبرائے دوسروں کو اپنے فائدے پر ترجیح دے مروّت سے پیش آئے اور وہ بقدر امکان لوگوں کو نفع پہنچانے کی سچی رغبت کا نام ہے ضبط نفس کو ہاتھ سے نہ جانے دے یعنی خواہش نفسانی کے ہیجان کے وقت اپنا جی قابو میں رکھے۔ قناعت کرے۔ صاحب وقار بنے یعنی مطالب کی طرف متوجہ ہونے کے وقت سنبھلا رہے۔ سکون سے پیش آئے یعنی لڑائی جھگڑوں میں جلد بازی سے کام نہ لے رفق کا برتاؤ کرے اور وہ اَمر جمیل تک پہنچانے والی چیز کی عمدہ طور سے پیروی کرنے کا نام ہے۔ حُسن سیرت کو اختیار کرے یعنی جو چیز نفس کے کمال کا باعث ہو اُس سے محبت کرے۔ حکمت کے ساتھ موصوف ہو۔ شکر کرتا رہے۔ اللہ سے ڈرتا

رہے اُس کی ذات سے اُمید رکھے۔ اپنے سارے کام اللہ کے سپرد اور اُس کے حوالہ کردے اُلفت کا برتاؤ رکھے اور وہ اصطلاح میں تدبیر معاش میں متفق الرائے ہو کر سعی کرنے کا نام ہے وفادار بنے صلۂ رحم یعنی اپنے اہل قرابت سے سلوک کرتا رہے۔ خلق اللہ پر شفقت کیا کرے اُس کے بندوں کی اصلاح میں مصروف رہے۔ امانت دار بنے وعدہ اور عہد کو پورا کرتا رہے دوستی اور دشمنی جو کچھ کرے خدا کے واسطے کرے لوگوں کے ساتھ نیک گمان رکھے۔ سلامت روی اختیار کرے۔ کوشش پر آمادہ رہے بھاری بھرکم بنا رہے۔ نیک کاموں میں جلد باز ہو۔ دین کے معاملہ میں مضبوط ہو۔ خدا کے ساتھ اُنس حاصل کرے دل میں اُس کی محبت اور شوق پیدا کرے پارسائی اپنا شعار رکھے ورع کو ضروری سمجھے یعنی اعمال جمیلہ کو اپنے ذمے لازم کرے۔ استقامت اور راستی اختیار کرے۔ عالی حوصلہ رہے یعنی ایسی چیزیں اختیار کرے جس سے نیک نام ہو دل کا نرم رہے یعنی دوسرے کی تکلیف پر علی العموم اس کا جی دُکھے۔ پاک کمائی حاصل کرے یعنی بغیر کسی قسم کی ذلت اُٹھائے اور بدون کسی ظالمانہ کارروائی کے مال حاصل کرے۔ مال اچھے موقعوں پر خرچ کیا کرے۔ غصہ کو ضبط کرے۔ خدا کے ساتھ پستی اور بندگی سے پیش آئے آزادی اختیار کرے اور وہ شہوتوں اور خواہشوں کی پابندیوں سے اپنے نفس کو آزاد رکھنے کا نام ہے اپنے نفس کا حساب لیتا رہے۔ اور اُس کی جانچ کیا کرے اور نازیبا اُمور سے ملامت کرتا رہے خلاصہ یہ ہے کہ جتنے خصائل حمیدہ ہیں شریعت نے سبھی کا حکم دیا ہے (پس آدمی کو چاہئے کہ ان عمدہ خصائل کو اختیار کر کے اپنے نفس کا ہمیشہ علاج کرتا رہے اور یہاں تک کوشش کرے کہ کمال کی حد تک پہنچ جائے، اسی طرح یہ شریعت برائیوں سے بھی روکتی ہے چنانچہ وہ کفر کی اجازت نہیں دیتی۔ عبادت میں کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا ناجائز قرار دیتی ہے بدکاری سے منع کرتی ہے اُس کا حکم ہے کہ خدا کے اوامر و نواہی کی مخالفت نہ کی جائے، خواہش نفسانی کی پیروی سے آدمی باز رہے۔ ریاء کو چھوڑ دے یعنی لوگوں کے دِکھلانے کی

غرض سے عمل نہ کرے بلکہ محض خدا کے لئے اپنے کو بڑا نہ سمجھے۔کینہ نہ رکھے۔خود بینی سے کنارہ کش رہے اور خود بینی یہ ہے کہ آدمی عمل کر کے اپنے کو کچھ سمجھنے لگے حالانکہ چاہیئے تو یہ کہ اُس کی نظر اللہ کے فضل پر ہو جس نے اُسے عمل کرنے کی توفیق عنایت کی۔حسد نہ کرے اور وہ دوسرے سے نعمت زائل ہو جانے کی آرزو کا نام ہے۔لوگوں کی مصیبتوں پر خوش نہ ہوا کرے کسی کی عداوت پر اقدام نہ کرے ہاں جو محض خدا کیلئے ہو اُس کا مضائقہ نہیں تہوّر سے باز رہے اور وہ ایسی شے پر جو اُس کے قابو کی نہ ہو بے جا دلیری کر بیٹھنے کا نام ہے اللہ کے ساتھ بدگمانی نہ کرے۔بدشگونی اور بدفالی جس کی شریعت میں کوئی سند نہیں نہ کیا کرے بخل کو چھوڑ دے نہ لالچ کے مارے خرچ میں انتہا درجہ کی تنگی کرے اور نہ فضول خرچی اور روپیہ اُڑانے پر آمادہ ہو جائے۔نازیبا اُمور کیلئے مال سے محبت نہ کرے کاہلی اور بے کار پڑے رہنے سے احتراز کرے جلد بازی سے بچے۔سنگ دلی اور درشتی اختیار نہ کرے بے شرمی اور بے حیائی کے پاس نہ پھٹکے بے استقلالی نہ کرے کسی کی نعمتوں کے ساتھ انکار اور ناشکری سے پیش نہ آئے۔غضب وغصہ کی عادت نہ ڈالے علماء سے عداوت نہ رکھے خدا کے مقابلہ میں دلیری نہ کرے اُس کے غصہ اور عذاب سے بے خوف نہ ہو۔اُمورِ دنیا میں سے اگر کوئی چیز فوت ہو جائے تو اس پر افسوس نہ کرے دین کے معاملوں میں ڈھیلا نہ ہو سبکی اور اوچھے پن سے اپنے آپ کو بچاتا رہے ناحق کسی کی الزام دہی کے درپے نہ ہو۔حق بات سے جان بوجھ کر انکار نہ کرے اور نہ اپنی بڑائی کے زعم میں اُس کے مقابلہ پر آمادہ ہو۔سرکشی اور انکار کرنے سے باز رہے لالچ اور حرص نہ کرے پژمردہ دلی سے علیحدہ رہے گناہوں پر اصرار نہ کرے بے موقع غصہ نہ کرے اللہ کے دین کی حمایت کے سوا جوش میں نہ آجائے۔اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو ظالموں اور مجرموں سے محبت نہ رکھے نیکوں سے عداوت نہ کرے۔ایسا دل سخت نہ کر لے کہ کسی مضطر کی مدد نہ کر سکے۔زبان کی بہتیری آفتیں ہیں جن سے آدمی کو چاہیئے کہ ہمیشہ بچتا رہے مثلاً چغل خوری نہ

کرے یعنی کسی کی ایسی بات ظاہر نہ کردے جس کا ظاہر ہونا اُسے ناگوار ہو کسی کا راز فاش نہ کرے مسخرہ پن اور دل لگی بازی نہ کرے لوگوں کی سبکی اور تذلیل کے درپے نہ ہو۔ لعن طعن اور گالی گلوچ کرنے سے اپنے کو محفوظ رکھے بے ہودہ چیزوں کو کھلے کھلے الفاظ میں نہ کہہ بیٹھا کرے۔ لوگوں کے حسب ونسب میں عیب نہ نکالا کرے۔ ناحق نہ جھگڑے یعنی دوسرے کی بات میں بلا اس قصد کے کہ حق ظاہر ہو جائے خواہ مخواہ اعتراض نہ کرے۔ محض دوسرے کے تنگ کرنے کیلئے گفتگو نہ کرے۔ بے جا باتوں میں دخل نہ دیا کرے۔ ندیدہ پن نہ کرے ہاں جو بھوکوں مرنے لگے وہ معذور ہے۔ منہ دیکھی باتیں نہ کرے لوگوں سے دو فصلی باتیں نہ کہے۔ بے موقع سفارش نہ کرے۔ نیکی سے منع اور برائی کا حکم نہ کرے۔ سخت کلامی اور درشتی سے باز رہے۔ مانگنے سے بچے۔ لوگوں کے عیبوں کی تفتیش نہ کرے ظالم کی زندگی کی دُعا نہ مانگے، مسجدوں میں دنیاوی باتیں نہ کرے لوگوں کے نام بگاڑ بگاڑ کے نہ لیا کرے۔ اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھائے زیادہ قسم کھانے سے اگرچہ سچی بات پر کیوں نہ ہو خدا کے نام کی عظمت قائم رکھنے کیلئے احتراز کرے۔ اپنے بھائی کی معذرت قبول کرلے رد نہ کرے قرآن شریف کی من گھڑت تفسیر نہ کرے۔ بغیر کسی مصلحت شرعی کے دوسرے کی بات نہ کاٹے ہر شخص جس کے ماتحت ہو اُس کے کلام کے قبول کرنے سے جب تک کہ شرع کے خلاف نہ ہو انکار نہ کرے اور اُس کی مخالفت سے بچے کسی تیسرے کے سامنے دو شخص سرگوشی نہ کریں جس سے اُسے رنج ہو۔ پرائی جوان عورت سے باتیں نہ کرے جو گناہ کرنے کا اِرادہ کرتا ہو اُس کو گناہ کا راستہ نہ بتائے ایسی خوش خوشی نہ کرے جس کی شرع نے اجازت نہ دی ہو یا جس سے شر اُٹھ کھڑا ہو لایعنی باتوں کے تکلم سے علیحدہ رہے غلام کو اُس کے مالک سے اور عورت کو اُس کے شوہر سے بہکا کر برگشتہ خاطر نہ کرے۔ جھوٹی شہادت نہ دے۔ سچی گواہی دینے سے جان نہ چُرائے، بھولی پارسا عورتوں کو تہمت نہ لگائے۔ مردوں کو گالیاں نہ دے بادشاہوں کو دشنام سے یاد نہ

کرے اُن کی صلاحیت کی دُعا سے باز نہ رہے۔ علم نہ چھپائے۔ جان بوجھ کر خدا و رسول پر جھوٹ نہ باندھے مفسدہ پردازی کی باتوں سے اجتناب کرے تا کہ لوگ ضرر سے محفوظ رہیں بے حیائی کی باتوں میں بہت نہ رہا کرے جس سے کہ لوگ اندیشناک ہو جائیں۔ مانگنے میں ایسا بھی الحاح نہ کرے جس سے دینے والے کو ایذاء پہنچے۔ خیرات کر کے احسان نہ جتائے مخلوق کے احسان کی ناشکری نہ کرے جس سے کہ خدا کی نعمتوں کا ناشکر ٹھہرے۔ مریض پر جو کچھ قرض ہو اُسے نہ چھپائے بلکہ صاف اقرار کر دے۔ کسی کے نسب کا نہ جھوٹا اقرار ہی کرے اور نہ اُس سے انکار کرے۔ لوگوں کی آبرو ریزی میں زبان درازی نہ کرے اپنا باپ چھوڑ کر دوسرے کو باپ نہ بنائے اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر ترک نہ کرے۔ غیبت سے بچے اور وہ کسی کی نسبت اُن کی غیبوبت میں ایسی بات کہنا ہے جو اُسے بُری معلوم ہو اور یہ زبان کی ایسی آفت ہے کہ لوگ اس میں اکثر مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس سے ضرر بھی نہایت ہی عظیم ہوتا ہے اس کے علاوہ اور بہتیرے قبیح اعمال و افعال سے بھی شریعت منع کرتی ہے۔ مثلاً وہ عہد کو توڑنے اور وعدہ خلافی کرنے سے ممانعت کرتی ہے دغابازی اور مکاری اور دھوکے بازی کی اجازت نہیں دیتی فتنہ پردازی کی سخت مخالف ہے اور وہ لوگوں میں گڑبڑ مچا دینے کا نام ہے۔ خلل اندازی اور بغیر کسی دینی مصلحت کے اختلاف کرنے کو جائز نہیں رکھتی خونریزی خودکشی حرام کاری اور لواطت کو اگرچہ اپنی ہی عورت کے ساتھ کیوں نہ ہو ناجائز بتلاتی ہے کیونکہ ان اُمور میں خداوندی حکمت کی مخالفت لازم آتی ہے اور اِنسانی نسل گھٹتی ہے خصوصاً زنا سے تو لوگوں کے نسب محفوظ نہیں رہتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باہم ہمدردی نہیں رہتی نسب کے بارے میں لوگ دھوکا کھاتے ہیں۔ مال و متاع کے ایسے لوگ مالک بنائے جاتے ہیں جن کا ذرا بھی استحقاق نہیں بچا اس وجہ سے کہ اُس کا پورے طور سے کوئی پرورش کرنے والا نہیں ہوتا جدا ضائع ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ اس میں طرح طرح کی قباحتیں پائی جاتی ہیں کہاں تک

کوئی بیان کرے شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے کہ پرائی عورت کو کوئی چھوئے یا تنہائی میں اُس کے پاس ٹھہرے کیونکہ اس سے ناجائز تعلق کا اندیشہ ہے علیٰ ہذا القیاس بے ریش لڑکے کے بارہ میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اُس کا حکم یہ بھی ہے کہ عورتوں کے معمولی ایام میں اُن سے مقاربت نہ کی جاوے اس لئے کہ اس میں سراسر گندگی ہے۔ اور نہ کسی عورت کو ایسی جگہ سفر کرنے کی اجازت ہے جہاں اُسے اپنی آبرو کے جانے کا اندیشہ ہو۔ مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی وضع اختیار کرنے سے روکتی ہے اور اس بات کا اَمر کرتی ہے کہ صحبت کے وقت ذرا بھی بے پردگی نہ ہونے پائے اور اُس کے حکم کے موافق جو نکاح پر قدرت رکھتا ہو اور اُس کو کوئی وجہ عذر کی نہ ہو تو وہ بے نکاح نہیں رہ سکتا کیونکہ اس میں نسل کی افزائش کے اعتبار سے خداوندی حکمت کی مخالفت لازم آتی ہے اگر کسی کے اختیار میں کوئی عورت ہو یعنی وہ اُس کا ولی ہو تو نکاح کرنے سے اُسے ہرگز نہ روکے مرد اپنی عورت کا اور عورت اپنے مرد کا راز فاش نہ کرے بن سنور کر کوئی عورت نہ نکلے کوئی مرد اپنی عورت کے معاملہ میں بے غیرتی نہ اختیار کرے۔ اسی طرح کوئی پرائے مرد اور عورتوں میں متوسط نہ بنے کوئی نشہ نہ پیے کیونکہ اس میں عقل ایسی افضل نعمت جو خدا نے انسان کو عنایت کی ہے جاتی رہتی ہے اور نشہ باز جو کچھ نہ کر گذرے تھوڑا ہے کسی گناہ یا فعل شنیع سے بند نہیں۔ پھر اُس کے نقصانات کے مقابل میں جو کچھ اُس سے نفع خیال کیا گیا ہے کیا حقیقت رکھتا ہے۔ کوئی قمار بازی نہ کرے کیونکہ اس سے مال ناحق خطرے میں پڑ جاتا ہے اپنے اسباب کی نکاسی کے لئے کوئی جھوٹی قسمیں نہ کھایا کرے۔ ناپ تول میں کمی نہ کرے صاحبِ وسعت باوجود مطالبہ کے کسی کا حق نہ ٹالا کرے بے جا موقعوں پر مال نہ اُڑائے اپنے پڑوسی کو اگرچہ غیر مذہب والا کیوں نہ ہو کسی قسم کی تکلیف نہ دے۔ چوری ڈاکہ زنی نہ کرے۔ سود نہ لے کیونکہ سود لینے سے مال دار جو قرض دے کر لوگوں کے ساتھ احسان کرتا تھا اور حاجت مند کا اس طرح پر آسانی سے کام نکل جاتا تھا اُس کا

دروازہ بالکل بند ہو جاتا ہے۔تجارتی مال لانے والوں سے بالا بالا مل کر دام نہ توڑ لیا کرے۔اگر کوئی کچھ سودا چکا رہا ہو تو اُس پر بھاؤ نہ کرنے لگ جایا کرے۔آپس میں شرکاء ایک دوسرے سے خیانت نہ کریں مالک کی بے اجازت عاریت میں کوئی بے جا تصرف نہ کرے۔مزدور سے کام کرا کر اُس کی مزدوری نہ مارے بلکہ اُس کے ادا کرنے میں دیر بھی نہ لگائے جن چیزوں کی عام طور پر یا کسی خصوصیت کے ساتھ اجازت ہو اُس سے لوگوں کو نہ روکے کسی خاص راستہ میں مالک کی بلا اجازت کوئی تصرف نہ کرے۔اسی طرح عام راستوں میں کوئی ایسا اُمر نہ کرے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔امانت میں خیانت نہ کرے جانداروں کی نہ تصویر کھینچے اور نہ اُن کی تصویروں کو اپنے مکان میں رکھے تا کہ حیوانات اور اُن کی تصویر کی پرستش کرنے والوں کی مشابہت سے بچا رہے کھانا اتنا زیادہ بھی نہ کھائے کہ جس سے صحت میں فرق آجائے اور ضرر پہنچے ظلم اور تعدی کی راہ سے اپنی کئی عورتوں میں سے بعض کو بعض پر ترجیح نہ دے ناراض ہو کر کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ بول چال نہ چھوڑے۔ آپس میں بگاڑ کرنے اور عداوت کرنے سے باز رہے۔اپنے بال بچوں کو ضائع نہ ہونے دے بلا اجازت شرعی نہ کسی کو مارے اور نہ کسی کو ہتھیار سے دھمکائے۔جادو کے سیکھنے سکھانے اور اُس کے عمل پر کچھ لینے سے باز رہے۔فال گوئی اور نجوم سے پرہیز کرے اور اس کے جاننے والوں کی طرف رجوع نہ ہو۔اپنے حاکم سے بغاوت نہ کرے اور نہ کسی دنیاوی غرض کے فوت ہونے کی وجہ سے اُس سے عہد شکنی کرے ایسی حالت میں ہرگز حکومت نہ قبول کرے جب یہ جانتا ہو کہ مجھ سے ضرور خیانت ہوگی۔اسی طرح کوئی انتظام کسی ظالم یا فاسق کے ہرگز سپرد نہ کرے کسی لائق شخص کو معزول کر کے اُس سے کم درجہ والے کو مقرر نہ کرے۔ذی اختیار لوگ ظلم نہ کریں کوئی حاکم ایسے موقع پر اجلاس نہ کرے جہاں مستغیثوں کو رسائی مشکل ہو نہ اپنے مذہب والے پر اور نہ کسی غیر مذہب والے پر ظلم کریں مثلاً ضرب وشتم سے نہ پیش آئیں کوئی

حاکم ہونے پر کسی ایسے کا نذرانہ قبول نہ کرے جس سے اس قسم کے پہلے سے مراسم نہ ہوں۔ اسی طرح اُس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں اس کی خصوصیت مدنظر رکھی گئی ہو کسی سے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر رشوت نہ لے ایسے ہی وہ شخص جو دغا بازی کے در پے ہو رشوت نہ دے ہاں جو شخص حق پر ہو اور وہ اپنی پریشانی دفع کرنے کے لئے مجبوراً کچھ دے دِلا کر کام نکال لے تو اُس پر کچھ گناہ نہیں۔ رشوت کے لینے دینے میں دلالی نہ کرے۔ اگر مظلوم کی مدد کرنے کی قوت ہو تو اُس سے علیحدگی نہ اختیار کرے۔

نصیحت کرنے کے لئے کسی کے عیوب کی جستجو اور پردہ دری کے در پے نہ ہو۔ بغیر اذن کے کسی کے گھر کی دیکھ بھال نہ کرے یہاں تک کہ دروازہ سے بھی نہ جھانکے ایسے لوگوں کی باتیں نہ سُنے جو اُس کو سنانا پسند نہیں کرتے۔ جب دشمن سر ہی پر آ پڑے تو اُس وقت کم ہمتی نہ کرے اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نہ چھوڑے۔ جو لوگ عہد و پیمان کر کے مسلمانوں کی امان میں آ گئے ہوں عہد شکنی کر کے نہ اُنہیں قتل کرے اور نہ کسی قسم کا اُن پر ظلم روا رکھے۔ فنونِ حرب سیکھ کر نہ بھلاوے۔ ایسے شخص کو اختیارات نہ سپرد کرے جسے جانتا ہو کہ اپنی جہالت یا ظلم کی وجہ سے کار منصبی کے ادا کرنے میں قاصر رہے گا۔ ناحق نہ جھگڑے اپنے مقابل پر قابو حاصل کرنے یا ستانے کے لئے جھوٹ نہ بولے براہِ عناد اپنے مقابل کو ہرا دینے کی غرض سے جھگڑا نہ کرے بانٹنے میں تقسیم کرنے والا بے انصافی نہ کرے۔ اسی طرح اشیاء مشترکہ کی قیمت لگانے میں بے انصافی سے بچے۔ بدوضع اور آوارہ لوگوں کے پاس نہ بیٹھے۔

کسی باردار درخت کے نیچے یا دریا یا نہر کے کنارہ قضائے حاجت نہ کرے گناہوں سے توبہ کرتا رہے توبہ سے باز نہ رہے خلاصہ یہ کہ جتنی چیزیں نظام عالم جان مال۔ عقل یا آبرو کو ضرر پہنچانے والی ہیں سب کے سب ممنوع ہیں کہاں تک کوئی بیان کرے کیونکہ اگر اُن سب کو مع اُن دلائل کے جو قرآن و حدیث سے معلوم ہوئے ہیں بیان کیا جائے تو کتنی ہی ضخیم جلدیں بھر جائیں اور پھر بھی ختم نہ ہوں۔

شریعت محمدیہ کی عبادتوں کی جو شان ہے اور جو ان کی حکمتیں ہیں فرقہ پر ظاہر ہوئیں ان کا اجمالی بیان

اس کے بعد ان لوگوں نے ان عبادتوں میں غور کرنا شروع کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مطیعین پر واجب کی ہیں پس انہوں نے دیکھا کہ اس میں ایسے امور پائے جاتے ہیں جن سے خالق کی سراسر عظمت ظاہر ہوتی ہے اس کی بے شمار نعمتوں کا تھوڑا بہت شکر ادا ہوتا ہے علاوہ بریں ان میں اسرار حکمتیں اور طرح طرح کے فائدے بھی موجود ہیں جن کی بدولت عبادت کرنے والے کو کامیابی اور سعادت کے بڑے سے بڑے مرتبے تک رسائی نصیب ہوتی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو مہذب بناتا ہے اخلاق ذمیمہ کو ترک کر کے عمدہ خصلتیں اختیار کرتا ہے جو اس کی زینت کا باعث ہوتی ہیں۔ اپنے خالق کی یاد میں لگا رہتا ہے تاکہ شور وغل دنیوی جو اس کے دل کو گھیرے رہتے ہیں کہیں اس کو غضب میں نہ ڈال دیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہوں سے بچتا ہے اور شیطانی امیدوں کو الگ کرتا ہے وہ اس بات کا دھیان کیا کرتا ہے کہ اس کا کوئی نہایت ہی شفیق نگہبان ہے جو گویا ہر وقت اس کے قریب ہی رہتا ہے۔ ان عبادتوں میں یہ فائدہ بھی مدنظر رکھا گیا ہے کہ اوقات عبادات میں تمام لوگ یکجا جمع ہو جایا کریں جس سے آپس میں محبت بڑھے ایسے لوگوں کے حالات معلوم ہوں جن کو مدد کی ضرورت ہے حاجت مندوں کی مدد کرنے میں سہولت ہو ان کے درد ناک حالات معلوم ہو سکیں تاکہ از راہ شفقت واحسان ان کے کام نکال دیئے جایا کریں رسل سابقہ اور ان کے کنبہ والوں کے حالات یاد آیا کریں کہ جنہوں نے اپنے رب کی عبادت کی ہے اس کے حکموں کو مانا ہے اس کے منہیات سے احتراز کیا ہے تاکہ اسی طرح سے لوگوں کو ان کی اقتداء کرنے کی رغبت پیدا ہو اور یہ بھی انہیں کی روش اختیار کریں۔ پھر ان کی اور ان کے مطیعین کی تعریف کرتے رہیں

مسلمانوں کی جماعت بڑھانے میں کوشش کر سکیں مخالفین کو راہِ راست دکھائیں۔ خدا وندی دین کی اشاعت کریں۔ اسی طرح پر اُن عبادات میں جا بجا طرح طرح کے ثمرات مفیدہ اور تدابیر نافعہ موجود ہیں جنہیں ہر شخص نہیں سمجھ سکتا اُن کا سمجھنا کچھ اہل علم ہی کا حصہ ہے جو شخص ان عبادتوں پر ظاہری نظر ڈالے اور اُن کے حکم، اسرار اور فوائد سے غافل رہے تو اس کی ایسی ہی مثال ہے جس طرح کہ کوئی نفیس موتیوں سے بھری ہوئی سیپ کو پتھر کا ٹکڑا خیال کر کے بے توجہی سے پھینک دے اور اُس کی کچھ قدر نہ کرے اُس کی نظروں کو اُس کے ساتھ کچھ بھی دلچسپی نہ ہو۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسا نادان بڑی قیمتی شے کو جس کے حاصل کرنے میں سیکڑوں روپے صرف ہوتے ہیں بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنے ہاتھ سے ضائع کرتا ہے بہتیرے نادان ایسے بھی ملیں گے جنہیں تمیز تو خاک نہیں لیکن ان عبادتوں میں نقص نکالنے کیلئے آمادہ ہیں اُنہیں خوبیاں بھی عیب نظر آتی ہیں ایسے لوگوں کی ٹھیک مثال اُس مریض کی سی ہے جس کو پانی بھی بدمزہ معلوم ہوتا ہو اور شیرینی کو تلخ بتلاتا ہو کاش یہ لوگ بھی جب انہیں عبادتوں کی خوبیاں نظر نہ آئیں تو اسی مریض کی طرح کریں جو کڑوی دوا کو مفید سمجھ کر زبردستی گلے سے اُتار ہی جاتا ہے اگرچہ اس میں کچھ کلفت ہی کیوں نہ اُٹھانا پڑے خدا اس جہالت کا بُرا کرے سارے گل اسی کے کھلائے ہوئے ہیں ان لوگوں کو تو اُس نے اپنا کھلونا بنا رکھا ہے اسی کی وجہ سے اُن کو طرح طرح کے نقصانات اُٹھانے پڑتے ہیں۔

(نماز اس کے توابع اذان، اقامت میں کیا حکمتیں ہیں اذان و اقامت میں جو الفاظ ہیں ان سے کیا اشارہ مقصود ہے پر سامعین ان کا کیا جواب دیتے ہیں)

اب آیئے آپ کو اس فرقہ کے لوگوں کو جو شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادتوں کے اسرار نظر آئے ہیں اُس کی تھوڑی سی تفصیل کہہ سنائیں پہلے تو اُنہوں نے دیکھا کہ یہ ہر عاقل بالغ کو منجملہ اور عبادات کے ایک عبادت ادا کرنے کا جسے نماز کہتے ہیں حکم دیتی ہے نماز چند مخصوص اقوال و افعال کے مجموعہ کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی

عظمت کے اظہار یعنی تکبیر سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہو جاتی ہے نماز پڑھنے والا اس کو اس طرح پر ادا کرتا ہے گویا کہ وہ اللہ سامنے حاضر ہے اسے مقرر کیا ہے کہ جب نماز کا وقت آئے تو ایک منادی یعنی موذن سارے نمازیوں کو نہایت فصیح الفاظ میں بلایا کرے چنانچہ اس کے حکم کے موافق وہ چار مرتبہ خدا کی عظمت کا اعلان کرتا ہے گویا وہ کہتا ہے کہ اے لوگو تم جو دنیوی اور اخروی مرغوبات میں پھنسے ہوئے ہو یہ بھی خبر ہے کہ خدا نہایت ہی بڑا اور اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ ساری مرغوبات کو چھوڑ کر اس کی جناب کی طرف راغب ہو جاؤ پھر دو مرتبہ گواہی دیتا ہے کہ خداوند تعالیٰ معبود یکتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں گویا وہ یہ جتاتا ہے کہ تمہاری دنیوی اور اُخروی حاجتوں کو وہی پورا کر سکتا ہے کہ جو معبود حقیقی ہو اور اپنے ماسوا سے بے نیاز ہونے میں یکتائی اس کے اخص اوصاف میں شمار ہو اور ساری خلق اسی کی محتاج ہو اور ایسا معبود اللہ ہی ہے جس کی ذات واقعی معبودیت کے شایان اور اس امر میں یکتائی کے ساتھ موصوف ہے پس تمہیں چاہئے کہ اپنی ساری حاجتیں خواہ دنیوی ہوں یا اُخروی سب اسی کی جناب میں لے جاؤ اور اسی کی درگاہ کی طرف رجوع کرو۔ پھر دو بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دیتا ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ یہی رسول تمہارے اور تمہارے ذی عظمت معبود کے درمیان میں واسطہ ہیں انہیں کے ذریعے سے تمہیں اپنی دنیوی اور اخروی مصلحتوں کی اطلاع ہوئی ہے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو ورنہ کم سے کم دلیل سے تو ضرور تمہیں اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ یہ تمہارے بڑے ہی خواہ اور تمہیں بھلائی کے طریق سکھانے والے ہیں پس اب تمہیں چاہئے کہ تم اس عبادت کے ادا کرنے میں بدل و جان سے کوشش کرو جو انہوں نے تمہارے لئے مقرر کی ہے اور جس میں تمہارا سراسر نفع متصور ہے۔ اس کے بعد وہ دو دفعہ نماز کی طرف متوجہ کرتا ہے اس کو اس مضمون کی تفریع سمجھنا چاہئے جس کی طرف وہ تکبیر و تشہد میں اس سے پہلے اشارہ کر چکا ہے کہ اس ذی عظمت خدا کی درگاہ میں تمہیں ضرور التجا

کرنا چاہئے۔ یا یوں سمجھئے کہ پہلے کلام کا یہ نتیجہ ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ جب اللہ یہ سارے بڑوں سے بڑا اور معبودیت اور تمام خلق کی حاجت برآری کے اعتبار سے یکتا ٹھہرا اور اس خیر خواہ رسول نے تمہیں اُس کی عبادت کی تعلیم کی اور یہ وعدہ کیا کہ تم اس کی بدولت اپنی اُمیدیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگے تو تم کو چاہئے کہ نماز کی طرف ضرور متوجہ ہو جاؤ، خدائے جلیل کی درگاہ میں حاضر ہو اور نماز ادا کر کے اس کے وسیلہ سے اللہ کی درگاہ میں اپنی چھوٹی بڑی حاجتوں کی درخواست پیش کرو پھر وہ نماز کے فوائد اور ثمرات کی طرف اجمالی طور پر ''حی علی الفلاح'' یعنی کامیابی اور رستگاری کی طرف دوڑو کہہ کر اشارہ کرتا ہے گویا وہ یہ کہتا ہے '' آدمی کے لئے فلاح ساری مرغوبات سے بڑھ کر ہے اور فلاح خواہ دنیوی ہو یا اُخروی اسی عبادت سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس سے اخلاق درست ہوتے ہیں خلّاق کی عظمت کا نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ قیامت میں اس کی جزا کے ملنے کی اُمید ہو جاتی ہے پس اس فلاح و کامیابی کو غنیمت سمجھو اور اُس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اس کے بعد وہ مرغوبات میں سے جو نہایت ہی کامل شے ہے اُس کی طرف نمازیوں کے خیالات کو متوجہ کرتا ہے اور اس بات پر اُن کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ جب اس عبادت کی طرف متوجہ ہوں تو کہیں خدا کے سوا کوئی دوسری چیز کو مقصود اصلی نہ ٹھہرا لیں بلکہ اُن کی مشتاق نظریں اُسی کی جناب کی طرف رہیں اُسی کا تقرب مدنظر ہو اور اُن کا مقصد اصلی اور مدعائے دلی کیا دنیا اور کیا آخرت دونوں میں خدا ہی خدا ہو اسی وجہ سے وہ اس موقع پر دو مرتبہ تکبیر کہتا ہے اور خدا کی معبودیت کے لحاظ سے یکتائی ظاہر کرتا ہے یہ تو مؤذن کی کیفیت تھی اب لیجئے سننے والے کیا کرتے ہیں وہ لوگ بھی مؤذن کے اقوال کو دُہراتے جاتے ہیں گویا کہ وہ اُس کی ہر بات میں تصدیق کرتے ہیں اور اس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ وہ بھی اُس کے ساتھ متفق ہیں لیکن جب وہ اُن کو نماز اور فلاح کی طرف بلاتا ہے تو اُس کے الفاظ کو نہیں دُہراتے کیونکہ بُلانے والے کے الفاظ جواب میں بھی کہنا تو مسخرہ پن کی بات

ہے اس لئے وہ ''لا حول ولا قوۃ اِلا باللہ'' پڑھا کرتے ہیں گویا وہ کہتے ہیں کہ نماز میں داخل ہوکر اس خیر عظیم کا حاصل کرنا اور فلاح کا پالینا سوائے خداوندی مدد اور قوت کے کسی اور طور پر ممکن نہیں ہم تو اُسی کی مدد کے طلب گار ہیں اور اُن کا یہ قول بطور استکراہ و تنفر کے نہیں ہوا کرتا جیسا کہ بعض ناواقف یہ سمجھ کر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ پھر جب اس موقع پر جو کہ اسی عبادت کے ادا کرنے کے لئے مخصوص ہوتا ہے لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو ندا کرنے والا مزید تاکید کیلئے اُنہیں الفاظ کا اعادہ کرتا ہے تاکہ یہ سب باتیں لوگوں کے خوب ذہن نشین ہو جائیں اور وہ شخص بھی سُن لے جس نے اذان نہیں سُنی تھی اور بلا اذان سُنے ہی آ گیا تھا یہاں تک کہ اس بارگاہ عالی کی حضوری کے وقت یہ سارے مضامین پورے طور سے پیش نظر ہوں اسی واسطے وہ اب کے مرتبہ الفاظ سابقہ ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ قد قامت الصلوٰۃ اور بڑھا دیتا ہے یعنی اب نماز قائم ہوگئی۔

نماز کیلئے طہارت کے مشروط ہونے کی حکمت

شریعت نے اس عبادت کے ادا کرنے کیلئے جو شرطیں لگائی ہیں اور جو آداب مقرر کئے ہیں وہ بھی سُن لیجئے چنانچہ اُس نے یہ مقرر کیا ہے کہ نماز پڑھنے والے کا بدن پاک ہو اُس کا لباس طاہر ہو اس مکان میں جہاں وہ نماز ادا کرے گا کسی قسم کی نجاست نہ پڑی ہو اُس کا بدن حکمی ناپاکی سے بھی پاک ہو اور اس سے ایسے حالات مراد ہیں جو حدث کے نام سے موسوم ہوتے ہیں اور اُن کا اُس وقت اعتبار کیا جاتا ہے جب بدن سے کسی قسم کی نجاست نکلے۔ اور اس طہارت سے نمازی کو اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہوتی ہے کہ اُس کا نماز میں داخل ہونا گویا اپنے مولیٰ کے سامنے اور اُس کی بارگاہ عالی میں اُس کے احسان کا اُمیدوار بن کر شکر کے لئے حاضر ہونا ہے۔ پس جس طرح کہ شاہان دنیا میں سے کسی کے دربار میں جب جانا مقصود ہوتا ہے تو اس بات کا بڑا اہتمام کیا کرتے ہیں کہ کہیں بادشاہ کی نظر کسی چیز پر نہ جا پڑے جو اُسے ناگوار خاطر ہو اسی

طرح یہاں بھی یہ نہایت ضروری اَمر ہے کہ خداوندی دربار میں حاضری کے وقت سارے اعضاء تمام ایسے ناپسندیدہ اعمال سے بالکل پاک وصاف ہوں جن کا منشاء خواہ اُس کی خواہش نفسانی اور میلان طبع ہو یا دوسروں کی وسوسہ اندازی سے اُن کا مرتکب ہوا ہو اور جملہ اخلاق ذمیمہ سے اس کا دل بھی پاک ہو یہاں تک کہ سارے میل کچیل کو توبہ اور پشیمانی کے پانی سے دھوڈھلا کر صاف وستھرا بن گیا ہو علاوہ بریں بدن کو پانی سے دھونے کی وجہ سے جس خوشی کا اثر روح تک پہنچتا ہے وہ بھی مخفی نہیں کیونکہ روح اور بدن میں جو علاقہ پایا جاتا ہے اُس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا اسی لئے جب ان دونوں میں سے ایک میں بھی کوئی چیز اثر کرتی ہے تو دوسرے میں اُس کا اثر نمایاں ہوجاتا ہے چنانچہ رُوح بدن دھونے کے وقت کیسی شاداں وفرحاں نظر آتی ہے اور اُس کی ساری کسلمندی دُور ہوجاتی ہے گویا کسی نے اُس کے سارے بندھن کھول دے جس میں وہ جکڑی ہوئی تھی خصوصاً اُس حالت میں جبکہ عورتوں سے صحبت کرنے کے بعد غسل کیا جائے اور طبی فوائد اس کے علاوہ ہیں جو کسی پر چنداں مخفی نہیں۔

غسل، وضو، اور تیمّم کا بیان

شریعت نے اُن اعتباری حالات سے طہارت کرنے کو جو حدث کے نام سے موسوم ہیں دو قسموں پر منقسم کیا ہے ایک کا نام طہارت کبریٰ ہے جس سے سارے بدن کا دھونا یعنی غسل مراد ہے دوسرے کو طہارت صغریٰ یا وضو کہتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ بعض اعضاء کو دھویا جائے اور بعض کا مسح کیا جائے اب اُس نے سارے بدن کا دھونا اُس وقت واجب کیا ہے جب منی نکلے چاہے حکماً ہی کیوں نہ ہو (اور حکماً منی نکلنے کی یہ صورت ہے کہ جماع کرنے سے منی نکلنے کا پتہ نہ لگے) یا ہمیشہ عورت کے رحم سے حیض یا نفاس کا خون جاری ہو۔ چونکہ ان نجاستوں کا کچھ نہ کچھ حصہ سارے بدن سے آتا ہے اس لئے شریعت نے بھی اُس اعتباری حالت یا نجاست کے ساتھ جو منی

کے نکلنے سے پیدا ہوتی ہے سارے بدن کو ملوث قرار دیا اور اسی وجہ سے اُن کا نام حدث اکبر رکھا گیا گویا سارے بدن کے دھونے اور پاک کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُن سارے گناہوں سے توبہ کر کے پاک ہونا چاہئے جن کو تمام بدن سے علاقہ ہے نہ کسی خاص عضو سے خصوصاً اخلاق سیئہ سے پاک ہونا اور بھی ضروری ہے اور دوسرے حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ یہی چیزیں ہیں جن سے بچہ بنتا ہے چنانچہ منی حمل ٹھہرنے اور بچہ کی صورت بننے کا مادہ ہے اور خون رحم سے بچے کو غذا پہنچتی ہے اور اُس کو نمو حاصل ہوتا ہے اور ظاہر ہے جو بچہ اس سے پیدا ہوا کرتا ہے وہ کبھی نیک بخت ہوتا ہے اور کبھی بد بخت۔ بچہ کے نیک بخت ہونے کے لحاظ سے بچہ کا پیدا ہونا شرعاً قابل تعریف اعمال میں سے شمار کیا جاسکتا ہے اور یہ اُمید ہوسکتی ہے کہ ان دونوں میاں بی بی کو جن کی مباشرت سے نیک بچہ ہوا ہے بہت عمدہ جزا ملے خصوصاً اُس وقت تک جب کہ اُن دونوں کی نیت بھی نیک ہو اور یہ مقصود ہو کہ اس طرح نسل میں خدا کے مطیع ہو جانے کی ترقی ہو اور بچہ کے نیک بخت ہونے کے لحاظ سے ان چیزوں کے خارج ہونے کے وقت مکلّف کیلئے گویا یہ اشارہ نکلتا ہے کہ یہ شے جو تیرے بدن سے خارج ہوئی ہے اور جس میں تیرا سارا بدن شریک ہے بچہ کے پیدا ہونے کا مادّہ ہے اور ممکن ہے کہ اس سے ایسا بچہ پیدا ہو جو خدا کی نافرمانی اور اُس کے ساتھ کفر کرے پس سارے بدن کے دھونے سے اس بات پر آگاہی حاصل کرنا چاہئے کہ ایسے اَمر سے بھی توبہ کرنا مناسب ہے جس میں گناہ کی سببیت کا احتمال بھی ہو۔ اور وہ گویا زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ ان چیزوں کے خارج ہونے سے جن میں میرا سارا بدن شریک ہے مجھے اس بات کی تشخیص ہوگئی کہ (اگر ایسا بچہ پیدا ہوا جو تیری نافرمانی کرے تو میں ضرور اس کا سبب ٹھہروں گا اس لئے میں اپنا سارا بدن دھوئے ڈالتا ہوں اور میں اس کو اپنی اُس توبہ کا عنوان قرار دیتا ہوں جو مجھے اس سببیت سے تیرے سامنے کرنا چاہئے اور یہ بات گناہ سے انتہا درجہ کی علیحدگی اور توبہ میں نہایت ہی

مبالغہ اور اہتمام کرنے پرمبنی ہے اگر چہ حقیقۃً یہ کوئی گناہ نہیں ہے محض گناہ کا امکان اور اندیشہ ہے اب رہیں ایسی نجاستیں جو تمام بدن سے نہیں آتیں خواہ وہ حقیقۃً خارج ہوں جیسے کہ بدن سے خون بہے یا قضائے حاجت کے دونوں مقاموں میں سے کسی سے سوائے منی۔ خون حیض یا نفاس کے کوئی اور شے خارج ہو اور خواہ حکماً اُن کا خروج پایا جائے جیسے کہ اس طرح سونے کے وقت جب اعضاء ڈھیلے ہو جائیں اعتبار کیا جاتا ہے پس ان کے پائے جانے کے وقت شریعت نے اُس اعتباری نجاست سے جو حدث اصغر کے نام سے موسوم ہے خاص خاص اعضاء کو ملوث قرار دیا ہے گویا اس طہارت صغریٰ کے حکم سے جسے وضو کہتے ہیں (اور وہ بعض اعضاء کے دھونے اور بعض کے مسح کرنے کا نام ہے) اُس کا یہ اشارہ ہے کہ انہیں خاص خاص اعضاء کے گناہوں سے توبہ کرنا چاہئے اور اُن اعضاء کی تخصیص اور اُس ترتیب میں جو اُن کی طہارت میں اعتبار کی گئی ہے عجیب نکتہ کی رعایت مدنظر ہے بیان اُس کا یہ ہے کہ سارے بدن میں یہی ایسے اعضاء ہیں جو مخالفت کرنے کیلئے نہایت سُرعت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اسی لئے اُن کے دھونے سے اُن کی طہارت باطنی کے اہتمام پر تنبیہ ہو جائے گی اور مقصد اس سے یہ ہے کہ اُن کے کثیر الوقوع گناہوں سے توبہ کی جائے۔ اعضاء کے دھونے میں جو ترتیب اختیار کی گئی ہے اس میں یہ لحاظ ہے کہ جو عضو مخالفت میں نہایت سُرعت سے حرکت کرتا ہو اُسی کو سب سے مقدم کیا جائے پھر اُس کے بعد اُس سے کم اسی طرح آخر تک سمجھنا چاہئے پس سب سے پہلے چہرہ کے دھونے کا حکم ہے جس میں منہ ناک اور آنکھیں پائی جاتی ہیں اور چہرہ میں سے پہلے مُنہ سے دھونا شروع ﴿یعنی کلی کی جاتی ہے اور کلی سے پہلے جو ہاتھ گٹے (کلائیوں) تک دھوئے جاتے ہیں وہ اصل میں کلی ہی کرنے کے لئے صاف کر دیئے جاتے ہیں۔ مترجم﴾ کیا جاتا ہے اس لئے کہ تمام اعضاء میں سے زبان مخالفت کرنے میں زیادہ چلتی ہے کیونکہ اُسی سے کلمہ کفر کا کہا جاتا ہے اُسی سے غیبت چغل خوری کی جاتی ہے۔ فحش بکا جاتا ہے اس سے علاوہ بھی زبان کی

بہت سی آفتیں ہیں جن میں سے کچھ پہلے بھی بیان ہو چکی ہیں۔

پس مُنہ کے دھونے سے جب یاد آ جاتا ہے کہ طہارت ظاہری سے باطن کی تطہیر کی طرف اشارہ ہے تو اللہ کی طرف وہ توبہ کرنے لگ جاتا ہے اور زبان سے جو کچھ اُس نے بے جا کہا تھا اُس سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے اسی طرح ناک میں پانی ڈالنے کے وقت یاد کر کے اُن چیزوں سے جن کو اُس نے بلا اجازت شرعی سونگھا ہے توبہ کرتا ہے اسی طرح اُن چیزوں سے بھی توبہ کرتا ہے جن کا دیکھنا حرام تھا اور اُس نے اُنہیں دیکھا ہے چہرہ کے بعد کہنی تک دونوں ہاتھوں کے دھونے کا حکم ہے اس لئے کہ جہاں زبان سے کوئی بات نکلی اور کسی پر نظریں پڑیں تو فوراً دست درازی کرنے کے لئے ہاتھ بڑھتا ہے اور کسی نہ کسی موقع پر جا ہی لگتا ہے پس جب اُن دونوں کی نوبت آئے گی تو خواہ مخواہ اُن کی طہارت باطنی کا بھی خیال پیدا ہوگا اور اپنی دست درازیوں سے توبہ کرے گا اس کے بعد سر کے مسح کرنے کا حکم ہے اور غسل کا حکم نہیں دیا گیا اور محض مسح ہی گویا اس لئے کافی سمجھا گیا کہ نفس سر سے کوئی مخالفت سرزد نہیں ہوئی تھی اگر ہوئی تھی تو زبان اور آنکھ سے ہوئی تھی جو سر سے ملی ہوئی ہیں اسی وجہ سے سر کے لئے متوسط درجے کا حکم یعنی مسح تجویز کیا گیا اور غسل کا حکم نہیں دیا۔

اسی طرح چونکہ کان میں بسا اوقات بلا قصد کوئی بات آ پڑتی ہے اس کے لئے بھی مسح ہی پر اکتفا ہوا اور غسل کی طرح اب مسح کرتے وقت بھی توبہ کی یاد آ جائے گی کانوں نے جو کچھ بے جا سنا ہوگا اور سر سے بباعث مجاورت ان اعضا کے جو کچھ سرزد ہوا ہوگا اُس سے بھی اپنے ناپاک کر لے گا۔ گردن کے مسح کی نسبت بھی اسی طرح کہا جا سکتا ہے اِس کے بعد پیروں کے دھونے کا حکم ہے اس لئے کہ جب آنکھیں دیکھ چکتی ہیں زبان سے کچھ باتیں ہو جاتی ہیں ہاتھ بڑھ چکتے ہیں کانوں میں آواز آ لیتی ہے اُس وقت پیروں کی باری آتی ہے اور آدمی اُن سے چلتا ہے پس مخالفت میں سب سے پیچھے پیر ہی ٹھہرے اس لئے سب سے پیچھے اُن کے دھونے کا حکم ہوا اور اُن کے

دھونے سے بھی پیروں کے لحاظ سے باطنی طہارت کی فکر ہوتی ہے اور جہاں کہیں اُس سے بے جا قدم اُٹھا ہوتا ہے اُس سے توبہ کرتا ہے۔ پھر اعضاء کے تین تین مرتبہ دھونے میں ایک عجیب دقیق نکتہ پایا جاتا ہے گویا کہ توبہ کے تینوں ارکان کا پورا پورا مقابلہ ہے اور توبہ کے تینوں رُکن یہ ہیں:

(۱) جو گناہ ہو چکا ہو اُس پر نادم ہو۔

(۲) اُس گناہ سے باز آئے اور

(۳) اس بات کا پختہ قصد کرلے کہ آئندہ اُس کا مرتکب نہ ہوگا پس ہر مرتبہ دھونے سے توبہ کے ایک ایک رُکن پر تنبیہ ہوتی ہے۔

وضو کرنے والا جب وضو سے فارغ ہو چکتا ہے اور توبہ کر کے طہارت باطنی حاصل کر لیتا ہے تو اُسے مناسب ہے کہ یہ دُعا پڑھے:

”اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین“

یعنی اے خدا مجھے توبہ کرنے والوں اور پاک و صاف بننے والوں کے زمرے میں کردے اس میں اُس کے لئے گویا یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ سے وہ یہ استدعا کرے کہ اُس نے جہاں توبہ اور تطہیر باطن کی توفیق دے کر اُس پر احسان کیا ہے اُسے قبول بھی کرلے۔ اور جب نمازی کو پانی کا میسر آنا مشکل ہو یا بوجہ مرض کے اُس کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو اُس وقت شریعت نے بجائے غسل یا وضو کے تیمم مقرر کیا ہے اور وہ کسی پاک چیز سے جو کہ مٹی کے قبیل سے ہو نیت تطہیر کے ساتھ چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے کہنیوں تک مسح کرنے کا نام ہے اور یہی ایسے اعضاء ہیں کہ انسان کو جن کے پاک کرنے کی اور اعضاء سے زیادہ حاجت ہوتی ہے اور اس میں گویا بندہ کے لئے یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ جب اُس پر توبہ کے سارے ارکان ادا کرنا دُشوار ہوں اور اُن کے حاصل کرنے کی اُسے توفیق نہ ہو تو اس سے تو گیا گذرا نہ ہو کہ اپنے گناہ دیکھ کر عجز اور انکسار کرنے لگے کیا عجب کہ اسی بہانہ خدا اُس کے گناہ

بخش دے چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ جو گناہ عجز و انکسار پیدا کرے وہ ایسی اطاعت سے تو اچھا ہی ہے کہ جس سے آدمی عجب و تکبر کرنے لگے علاوہ بریں جب اس مسح کے اس اشارہ کی طرف لحاظ کیا جاتا ہے تو یہ بھی کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا کہ اُس پر اب توبہ کے تمام ارکان کا حاصل کرنا بھی آسان ہو جائے اور وہ حقیقۃً توبہ ہی کرلے پھر چونکہ اعضائے وضو میں سے پیروں کے دھونے میں زیادہ پانی صرف ہوتا تھا اور کچھ مشقت کا بھی اندیشہ تھا۔ اس وجہ سے اگر چرمی موزے پہن لئے جائیں تو بغرض آسانی خاص شرطوں کے ساتھ اُن پر پانی سے مسح کرنا بھی جائز رکھا گیا اور اس طرح پر اُن کے گناہوں سے توبہ کرنے کی طرف اشارہ بھی فوت نہیں ہونے پایا۔

شریعت نے یہ بھی مقرر کیا ہے کہ نماز ننگے ہو کر نہ پڑھی جائے بلکہ نمازی بدن ڈھانک لیا کرے اور اس سے جو کچھ ادب کی رعایت پائی جاتی ہے وہ تو ظاہر ہی ہے علاوہ اس کے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بندہ کو گناہوں اور اخلاق ذمیمہ سے اگر پورے طور پر توبہ کر کے پاک وصاف بننا نصیب نہ ہو تو جب نماز پڑھنے لگے یا یوں کہئے کہ اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے لگے تو کم سے کم باقتضائے ادب اتنا تو کرے کہ ان ساری مخالفتوں کو دبائے رکھے تاکہ اُن کا زور و شور گھٹا رہے اور اُن کی یہ حالت ہو جائے کہ گویا اُنہیں پردہ میں چھپا دیا ہے اگرچہ خدا سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔

بدن چھپانے میں ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ جب اُس کی نظر اعضاء پر نہ پڑے گی تو ادھر اُدھر جی نہ بھٹکنے پائے گا اور چونکہ عورتوں کے سارے بدن میں یہ قباحت پائی جاتی تھی کہ اُس پر نظر پڑنے سے طبیعت بگڑتی تھی اس لئے اُسے حکم ہے کہ سارا بدن چھپائے ہاں آزاد عورت کے لئے اتنے بدن کے کھولنے کی اجازت ہے جس کے کھولنے کی اکثر احتیاج پڑتی ہے جیسے چہرہ، کلائی تک دونوں ہاتھ اور قدم ان کا چھپانا ضروری نہیں اور وہ عورت لونڈی ہو تو چونکہ کام کاج کرنے میں ان اعضاء کے علاوہ اور

اعضاء بھی اکثر کھل جاتے ہیں اور اُن کے چھپانے کے واجب کرنے میں حرج متصور تھا اس لیے اُس کو ان کے علاوہ بھی کسی قدر اور بدن کھلا رکھنے کی اجازت دی گئی۔

شریعت نے یہ بھی مقرر کیا ہے کہ نمازی کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اس لئے کہ انسان کیلئے کئی جہت پائی جاتی ہیں جن کا کہ وہ اپنے کاروبار میں عادی ہے اور اُن جہتوں کے نام یہ ہیں۔ آگے پیچھے دہنے یا جائیں اُوپر نیچے پس اگر اُسے اختیار دے دیا جاتا کہ جدھر چاہے منہ کر کے نماز پڑھ لے حالانکہ نماز میں مقصود یہ ہے کہ اللہ کی طرف یک سو ہو جائے اور اپنے خیالات کو مجتمع کر کے اللہ ہی کے کام میں لگا دے تو اُس کا جی پریشان ہو جاتا اور کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑتا اور اسی حیرت میں رہ جاتا کہ کدھر منہ کروں کدھر نہ کروں معلوم نہیں کہ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے لائق تر کون سی جہت ہے کہ جس سے میری دُعا مقبول ہو جائے پس خدا نے بہ نظر تلطّف انسانی عقل و فطرت کا لحاظ کر کے کعبہ مکرمہ کو مقرر کر دیا کہ اُس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے کیونکہ اللہ نے اس قطعۂ زمین کو مشرف و مکرم بنا دیا ہے اور خدا کو اختیار ہے کہ اپنے ملک میں سے جس شے کو چاہے فضیلت دے کر منظم و مکرم بنا دے اس لئے کہ وہ فاعل مختار اور تمام چیزوں کا علی الاطلاق مالک ہے۔ اللہ نے کعبہ کا ''بیت اللہ'' یعنی اللہ کا گھر نام رکھا ہے۔ اگرچہ اللہ کو مکان کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ وہ اس سے بالکل پاک و منزہ ہے۔ لیکن اس تعیین سے مقصود یہ ہے کہ نمازی کا دل اللہ سے عرض و معروض کرتے وقت یکجا رہے اور اُس کے جی کو اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے اعتبار سے اُس نے تمام جہتوں میں سب سے افضل اور نہایت ہی مناسب جہت اختیار کی ہے جس سے اُمید ہے کہ اُس کی دُعا ضرور مقبول ہو جائے گی۔ پس یہاں سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوگئی کہ نماز اور جو کچھ کہ نماز میں مثل رکوع و سجدہ وغیرہ کے پایا جاتا ہے اگرچہ اُس وقت منہ کعبہ کی طرف رہتا ہے لیکن اُس سے مقصود جناب باری تعالیٰ ہی ہے کعبہ ہرگز مقصود نہیں اس لئے کہ جو شخص (خدا پناہ میں

رکھے) اپنے سجدہ سے غیر خدا کو قصد کرے اُس کی نسبت شریعت کفر کا حکم دیتی ہے
پس اس عبادت سے کعبہ کی مقصودیت کا گمان کرنا انتہا درجہ کی ناواقفی پر مبنی ہے۔

نماز کی تکبیر سے شروع ہونے اور شروع کرتے وقت ہاتھ اُٹھانے کی حکمت

پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے کہ "نماز" اللہ کی تعظیم وتکبیر سے شروع ہوتی ہے اور اُس سے مقصود بندہ کا "اللہ اکبر" کہنا ہے اور اس وقت نمازی اگر مرد ہوتا ہے تو اپنے کانوں تک ہاتھ اُٹھاتا ہے اور عورت اپنے مونڈھوں (کندھوں) تک اُٹھاتی ہے اللہ اکبر کہنے میں اوّل تو تعظیم پائی جاتی ہے دوسرے اس طرح بارگاہِ شاہی میں گویا تحیت و سلام عرض کیا جاتا ہے اور حاضری کی اجازت مانگی جاتی ہے اور باوجود ان باتوں کے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بندہ کو یہ مضمون پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اُس کا مولیٰ جس کے سامنے وہ حاضر ہونے کو ہے تمام چیزوں سے بڑا ہے کوئی شے اُس کی کبریائی وعظمت کو نہیں پہنچ سکتی۔ پس مناسب ہے کہ اپنے مولیٰ کے سوا خواہ دنیوی تعلقات ہوں یا اُخروی مرغوبات سب سے اپنے دل کو پاک کر کے اُس کے حضور میں حاضر ہو اور دونوں ہاتھوں کے اُٹھانے سے بھی اسی بات کی تاکید ہوتی ہے جیسے کہ کوئی شخص اعراض کر کے اُس چیز سے جو اُس کے سامنے ہو ہاتھ کھینچتا ہے گویا کہ نمازی نے یہ فرض کیا ہے کہ اللہ کے سوا تمام اشیاء اس کی آنکھوں کے روبرو حاضر ہیں اور یہ کہہ کر خدا جملہ اشیاء سے بڑا ہے وہ اُن سب سے ہاتھ اُٹھاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کے سوا کسی چیز کو نہیں لیتا اُسی کو اختیار کرتا ہوں اور لو میں اپنی ساری مرغوبات کو چھوڑے دیتا ہوں مَیں تو اُسی کی بارگاہ عالی میں حاضر ہونے کا پختہ قصد کر چکا۔ مرد کے خلاف بجائے کانوں تک کے عورتوں کے شانوں ہی تک ہاتھ اُٹھانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے جی کو

قابو میں رکھنے پر قادر ہونے کے لحاظ سے مردوں سے عورتوں کا مرتبہ ذرا گھٹا ہوا ہے گویا کہ مرد وعورت دونوں اپنے اپنے مرتبہ کو زبان حال سے بیان کرتے ہیں علاوہ بریں عورتوں کیلئے محض شانوں ہی تک ہاتھ اُٹھانا کافی سمجھے جانے میں اُن کے پردہ کی بھی رعایت ہو جاتی ہے۔ پھر بندہ تکبیر کہہ کر غلاموں کی طرح اپنے مالک کے سامنے نہایت ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اس کی نظر ہے کہ زمین کی طرف لگی ہوئی ہے دونوں قدم برابر رکھے ہیں نہ کوئی عضو ہلنے پاتا ہے نہ اِدھر اُدھر جُھکتا ہے۔

اس کے بعد وہ نماز شروع کرنے کی دُعا ﴿اور وہ دُعا یہ ہے سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولا اِلٰہ غیرک۔۱۲ مترجم﴾ پڑھتا ہے جس میں پہلے تو اپنے رب کی پاکی اور تمام عیوب سے براءت بیان کرتا ہے۔ پھر اُس کی تعریف کرتا ہے اُس کا نام نہایت تعظیم وتکریم سے لے کر اُس کی سلطانی عظمت و جبروت کو ظاہر کرتا ہے اُس کی وحدانیت کا مقر ہوتا ہے اس کو یوں سمجھئے جیسے کہ بادشاہوں سے کچھ عرض کرنے سے پہلے چند القاب ذکر کیا کرتے ہیں جن سے اُن کی عظمت ظاہر ہو اسی طرح اللہ سے بھی عرض کرنے کے وقت اِس کی رعایت کی گئی پس تکبیر گویا درگاہ خداوندی میں حاضر ہونے کے وقت آداب بجا لانا ہے اور یہ دُعا گذارش کرنے سے پہلے بمنزلہ القاب ذکر کرنے کے ہے پھر چونکہ انسان پر شیطان مسلط کیا گیا ہے اور اُسے یہی فکر رہتی ہے کہ کسی طرح اس کے دل میں وسوسہ ڈال کر اللہ سے عرض ومعروض کرنے میں جی نہ لگنے دے اور اُسے پریشان کر دے اس لئے شیطان کی عداوت سے بچنے کے لئے ''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' پڑھتا ہے۔ یعنی میں اس مردود شیطان کے شر سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آیا جاتا ہوں۔

اس طرح اپنے دشمن شیطان سے بچنے کیلئے اللہ کی پناہ مانگ کر ذرا اُس کے دل کو سہارا ہو جاتا ہے۔ اب اللہ سے عرض ومعروض کرنے کا وقت آ پہنچتا ہے۔ (بسم اللہ اور آیات سورۃ فاتحہ کے اشارات کی تفصیل اور آمین کے معنی ۱۲) چنانچہ وہ ''بسم اللہ''

پڑھ کر "سورہ فاتحہ" پڑھنا شروع کر دیتا ہے اس کے پڑھنے سے جن اُمور کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اُس کا بیان یہ ہے کہ پہلے ﴿یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنے کی حکمت ہے۔مترجم﴾ تو وہ اللہ تعالیٰ سے توسل حاصل کرنے کیلئے نہایت ہی شریف وسیلہ کو ذکر کر کے برکت حاصل کرتا ہے اور وہ وسیلہ اُس کا نہایت ہی باعظمت اسم مبارک ہے کہ اُس کے سوا کوئی اُس کے ساتھ موسوم نہیں اور چونکہ وہ اپنے کو ایسے مقام میں پاتا ہے کہ جس کے اعتبار سے اُس کو اس بات کی نہایت احتیاج ہوتی ہے کہ خدا اپنی رحمت اور احسان کے صدقہ میں اُس کو طرح طرح کی نعمتیں عنایت کرے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں خدا کی بخششوں کی اُمید کی جاتی ہے اس لئے وہ اپنے رب کی تعریف میں یہ ذکر کرتا ہے کہ وہ رحمٰن و رحیم یعنی بے نہایت و بے پایاں رحمت والا ہے گویا کہ یہ اشارہ ہے کہ اُس کی دُعا مقبول ہونے کے لئے سوائے خدا کی کامل اور عام رحمت کے کوئی ذریعہ نہیں۔

پھر حق سبحانہ وتعالیٰ ﴿الحمد للہ رب العالمین کہنے کی حکمت ہے ۱۲۔مترجم﴾ کی عظمت اور اُس کی نعمتوں کی وسعت خصوصاً اس کے پرورش کرنے کے احسان کو کہ جو ابتدائے پیدائش سے برابر اُس پر ہوتا رہا خیال کر کے اُس کی ذات عالی کی جو کہ تمام اعلیٰ سے اعلیٰ محامد کی شایاں ہے تعریف کرتا ہے اور اُس کے کامل احسانات کی توصیف میں مشغول ہوتا ہے جن میں سے سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو فنا ہونے سے بچاتا ہے اور ظاہری و باطنی رزق برابر جاری رکھ کر اُس کی پرورش کرتا ہے۔

پھر یہ دیکھ ﴿یہ الرحمٰن الرحیم کی حکمت ہے۔۱۲۔مترجم﴾ کر بہتیرے لوگ اُس کی اُس نعمت کی بے قدری کرتے ہیں اور اُس کا کماحقہ شکر ادا نہیں کرتے اور اس خوف سے کہ کہیں اس کا بھی اُنہیں لوگوں میں شمار نہ ہونے لگے خداوندی رحمت کی طرف متوجہ ہو کر التجا کرنے لگتا ہے اور اپنے رب کو رحمت کے ساتھ موصوف کر کے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تیری وسیع رحمت کے سوا اُن لوگوں کا کوئی کارساز نہیں ہوسکتا۔

اور یہ خیال ﴿یہ مالک یوم الدین کی حکمت ہے۔۱۲۔مترجم﴾ کر کے کہ بعض لوگ ایسے

بھی پائے جاتے ہیں کہ جب اُن پر احسان ہوتا ہے تو اور زیادہ تر اترانے لگتے ہیں اور جب تک کہ اُن کے ساتھ عدل نہ برتا جائے اور اُن کی تادیب نہ کی جائے اُن کی اصلاح نہیں ہوسکتی اِس لئے اُس کی صفت جلال کو یوں ظاہر کرتا ہے کہ وہ انصاف و جزا کے دن کا بادشاہ اور مالک ہے پس جس طرح کہ بندہ کو اللہ سے انتہا درجہ کی اُمید کرنا چاہئے اسی طرح یہ بھی ضرور ہے کہ اُس سے ڈرتا بھی زیادہ رہے اب وہ ﴿ایاک نعبد وایاک نستعین۔۱۲۔مترجم﴾ اپنے رب کے حضور میں اپنی عبادت کو جو کہ اُس کی نعمتوں کا تھوڑا بہت شکر ہوا کرتا ہے پیش کرتے وقت دو ضروری اُمروں کا لحاظ کرتا ہے اوّل تو یہ کہ وہ اپنے کو حق عبادت ادا کرنے میں قاصر خیال کرتا ہے اس لئے اپنے اُن موحد بھائیوں کی عبادت کے ساتھ ملا کر اپنی عبادت کو پیش کرتا ہے جن میں سے اکثروں نے نہایت خلوص کے ساتھ اپنی پوری انسانی طاقت صرف کر کے عبادت میں کوشش کی ہے تا کہ اُنہیں کے طفیل سے کیا عجب کہ اس کی عبادت بھی خدا کی درگاہ میں مقبول ہو جائے۔

دوسرے وہ یہ دیکھتا ہے کہ مشرکوں نے اس اللہ کی عبادت میں جس کے سوا کوئی عبادت کے شایان نہیں بہتیرے شریک بھی ٹھہرائے ہیں اس لئے وہ اپنی عبادت پیش کرتے وقت اس طور پر بیان کرتا ہے کہ جس سے محض اللہ تعالیٰ ہی کیلئے عبادت کا انحصار معلوم ہو پھر جب اس موقع پر اُس کی نظر اپنے حال کی طرف جاتی ہے تو اپنے کو عبادت اور اُس شکر کے ادا کرنے سے نہایت ہی عاجز پاتا ہے ہاں اُس وقت وہ کچھ کر سکتا ہے جبکہ اللہ اُس کی مدد کرے اور اُس کے کاموں کو درست کر دے اُس کے دل میں اس کی رغبت پیدا کر دے اور سارے موانع دور کر دے اور چونکہ یہ بات اللہ ہی کی قدرت میں ہے اس لئے وہ اُس سے اس طور پر مدد کا طلب گار ہوتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ کے سوا کسی اَور کی اعانت اُسے مطلوب نہیں۔

پھر اس بات ﴿یہ اهدنا الصراط المستقیم کہنے کی حکمت ہے۔۱۲۔مترجم﴾ کا خیال کر کے کہ اللہ کو وہی کام پسند آتے ہیں جو کہ راستی کے ساتھ کئے جائیں اور اُس

میں کجروی کو دخل نہ دیا جائے وہ اللہ سے راہِ راست کی راہنمائی کی درخواست کرتا ہے تا کہ اِس ذریعہ سے اُس کی عبادت کو مقبولیت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے اور وہ کامیاب ہو۔ اب چونکہ لوگ تین قسم کے پائے جاتے ہیں بعض ﴿یہ صراط الذین انعمت علیھم سے مراد ہیں۔۱۲۔ مترجم﴾ تو وہ جنہوں نے اعتقاد اور عمل دونوں کی حیثیت سے راہِ راست کو پالیا اور اس طرح سے وہ فائز المرام ہو گئے اور بعض ﴿یہ غیر المغضوب علیھم سے مراد ہیں۔۱۲۔ مترجم﴾ عمل میں کجروی کو دخل دے کر اللہ تعالیٰ کے مورد غضب بن گئے اور بعض ﴿یہ ولا الضالین سے مراد ہیں۔۱۲۔ مترجم﴾ نے اپنے عقیدے درست نہ رکھے اور اس طرح سے حق سے بھٹک گئے پس نمازی کو راہِ راست کی درخواست کے بعد یہ رغبت بھی پیدا ہوئی کہ یہ بھی اُنہیں لوگوں میں سے ہو جائے جو اپنے عقیدے اور عمل درست کر کے خداوندی نعمتوں سے مالا مال ہو گئے تا کہ اس ذریعہ سے یہ بھی اُن کے انوار وثمرات سے خوشہ چینی کر کے بہرہ یاب ہو اس میں یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ آدمی کیلئے کوئی نہ کوئی ضرور راہنما ہونا چاہئے کہ جو اُس کو راہِ راست سے آگاہ کرے اور نافرمانوں اور گمراہوں سے علیحدگی اختیار کرنے کی ترغیب دے پس گویا نمازی یوں کہتا ہے کہ اے رب میں اپنے موحد بھائیوں سمیت تجھ سے اُسی فرقہ کی راہِ راست کا طالب ہوں جس پر تو نے عقیدے اور عمل دونوں کے درست ہونے کی وجہ سے اپنی نعمتیں نازل کیں تا کہ ہم لوگ بھی اُنہیں کے زمرہ میں داخل ہو کر اُن کی نیک صحبت کی برکت سے کامیاب ہو جائیں اور اُن لوگوں کے طریقے سے بچے رہیں جن پر اس وجہ سے کہ اُنہوں نے بُرے عمل کئے تو غضب ناک ہوا یا جو غلط عقیدوں کی وجہ سے راہِ راست سے بھٹک گئے اے ہمارے رب ان لوگوں سے ہمیں بچائے ہی رکھنا کہیں ہم بھی اسی آفت میں نہ مبتلا ہو جائیں اور پھر اُنہیں کی طرح ہم کو بھی نقصان اُٹھانا پڑے۔ اب وہ مقبولیت کی درخواست پر اپنی اس دُعا کو ختم کرتا ہے چنانچہ اسی لئے وہ اس موقع پر لفظ آمین کہتا ہے یعنی اے رب اب ہماری دُعا کو قبول

کرلے کیونکہ تو نے اپنے رسول کی زبانی ہم سے وعدہ کر کے ہمیں اُمیدوار بنا رکھا ہے اور تیری تو عادت ہی ہے کہ دُعا کرنے والے کی بہت جلد سُن لیا کرتا ہے پھر چونکہ قاعدہ ہے کہ جب طبیب سے کوئی شخص علاج کراتا ہے تو اُس کے لئے وہ جو دوا تجویز کر دیتا ہے اُس کو استعمال کرتا ہے اور اُس کے حکم کی تعمیل اپنے ذمہ ضروری سمجھا کرتا ہے اسی طرح یہاں بھی سمجھئے کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ سے راہِ راست کی راہنمائی کا طالب ہونا گویا کہ اپنے بے جا اعمال اور بُرے عقیدوں کے امراض کے لئے دوائے شافی مانگنا ہے پس گویا اللہ کی جانب سے اُس کے جواب میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ کی حکمت ۱۲﴾ تمہارا علاج یہی ہے کہ تم میرے کلام کی تلاوت کرو اور اس میں سے جو کچھ پڑھ سکو پڑھو اس سے تم کو شفا حاصل ہوگی کیونکہ یہی کلام ایسی شافی دوا ہے کہ جس سے فسق۔ شرک۔ ریا، تکبر، حسد، کینہ وغیرہ سارے مرضوں کو صحت حاصل ہوتی ہے اس لئے کہ اُس میں کافی طور پر دلائل بیان ہوئے ہیں پوری پوری نصیحتیں کی گئی ہیں پس اگر تم اسے پڑھو گے تو تمہیں تمہاری بیماری سے شفا حاصل ہو جائے گی اور تمہارا مرض زائل ہو جائے گا اس وجہ سے کہ نمازی بعد سورہ فاتحہ کے کہ جو بمنزلۂ مرض بیان کرنے کے تھی اپنے طبیب کی بتلائی ہوئی دوا کے طور پر قرآن میں سے تھوڑا بہت اس کے سوا کچھ اور بھی پڑھ لیا کرتا ہے۔

اب اس دوا کو استعمال کر کے یعنی کلام اللہ سے کچھ پڑھ کر وہ اپنی کمزوری اور عاجزی پر نظر ڈالتا ہے اور اس دوا کی واقفیت و شفاء حاصل کرنے کیلئے اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کا محتاج پاتا ہے اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ یہ بات سوائے اللہ کے اور کسی کے قبضۂ قدرت میں نہیں پس اس وقت اپنی ہیئت سے بھی اپنا عجز ظاہر کرنے کیلئے اپنے مولیٰ کی بڑائی بیان کرتا ہوا اُس کے سامنے جھک جاتا ہے اور اسی کو رکوع کہتے ہیں۔

پھر وہ اسی حالت میں اپنے باعظمت مولیٰ کی کہ جو سب سے بے نیاز ہے اور جس کے سب محتاج ہیں پاکی بیان کرتا ہے اور بعد اس کے کہ اُس نے اپنی ہیئت سے

بھی اپنی عاجزی ظاہر کر دی اس کی طرف اپنے محتاج ہونے کا اقرار بھی کر لیا۔ اُس کی عظمت و جلال کی تعظیم بھی کر چکا وہ اپنے اس مالک کا شکر ادا کرنے کے لئے سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے۔ جس نے کہ دواء، شافی عنایت کر کے اُس پر بڑا احسان کیا ہے اور اپنے جی کو اس طرح سمجھاتا ہے کہ اگرچہ وہ نہایت ہی کمزور اور بڑا ہی ذلیل ہے اور اُس کا مالک بہت ہی بڑی عظمت و جلال والا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں کی سُنتا بھی ہے اور اُن کی دعائیں قبول کرتا ہے اور جو اس کی تعریف کرتا ہے وہ اُسے بھی سُن لیتا ہے۔ پس اسی وجہ سے اپنے جی کو اطمینان دلانے کے لئے ''**وہ سمع اللہ لمن حمدہ**'' کہا کرتا ہے جو اللہ کی تعریف کرتا ہے اللہ اُس کی سُن لیتا ہے۔ پھر وہ اپنی تعریف وحمد'' **اللّٰھم ربنا لک الحمد**'' کہہ کر پیش کر دیتا ہے۔

اس کے بعد جب یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ کی نعمتیں تو بے پایاں اور غیر محصور ہیں اور وہ اگر ابد تک بھی اطاعت اور عاجزی کرتا رہے جب بھی سو حصوں میں سے ایک حصہ بھی شکر کا ادا نہیں ہو سکتا۔ پس اس موقع پر گویا زبان حال سے وہ یہ کہنے لگتا ہے کہ اے میرے رب میں تو تیری نعمتوں کے شکر ادا کرنے سے بہت ہی قاصر ہوں اور تو تمام چیزوں سے بے نیاز ہے پھر میں کون سا کام کروں کہ تیرے بڑے بڑے احسانوں کا بدلہ ہو سکے تیری شان جو نہایت ہی عالی ہے میں ہزار کوشش کروں لیکن بھلا مجھ بے چارے سے کیا ہو سکتا ہے سب سے بڑھ کر تیرے مقابلہ میں جو کچھ کر سکتا ہوں وہ یہی ہے کہ مَیں اپنے اعضاء میں سے جو نہایت ہی شریف اور باعزت ہے اور وہ میرا چہرہ ہے تیری عظمت و جلال کی تعظیم کرنے کیلئے زمین پر تیرے سامنے رکھ دوں اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تیری کبریائی و عظمت میں اس سے کچھ زیادتی نہ ہو جائے گی کیونکہ تو سب بڑوں سے بڑا ہے پس وہ اپنے مولیٰ کی تعظیم کے لئے ''**اللہ اکبر**'' کہتا ہوا سجدہ میں گر پڑتا ہے اور اپنی پیشانی اُس کے سامنے زمین پر رکھ دیتا ہے اور سجدہ میں اپنے کو نہایت ہی پستی کی حالت میں پاتا ہے اور چونکہ اُس نے یہ حالت

اپنے ایسے مولیٰ کی تعظیم کی غرض سے اختیار کی ہے جو سب بڑوں سے بڑا ہے اس لئے وہ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' کہنے لگتا ہے یعنی میرا رب جو جملہ چیزوں سے عالی ہے تمام عیبوں سے پاک ہے اور پھر یہ خیال کر کے کہ اگر وہ تمام عمر بھی اللہ کے سامنے عاجزی کرتا رہے جب بھی اُس کی تعظیم کا پورا پورا حق ادا کر کے سبکدوش نہیں ہو سکتا ''اللہ اکبر'' کہتا ہوا اپنا سر سجدہ سے اُٹھالیتا ہے گویا وہ اس اَمر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اُس کی عظمت و کبریائی کے سامنے تمام لوگوں کی تعظیم وتکریم ہیچ ہے اُس کا کماحقہٗ کوئی حق ادا ہی نہیں کر سکتا پھر سجدہ سے سر اُٹھانے کے بعد وہ دیکھتا ہے کہ سجدہ کی حالت تو میری نہایت ہی شرف و بزرگی کی حالت تھی اور ابھی تو اس مقصد عالی سے میرا مدعا حاصل ہی نہیں ہوا ہے اور بھی یاد کرتا ہے کہ شیطان نے تو اپنی بدبختی کی وجہ سے ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا اللہ کا شکر ہے کہ مجھے سجدہ کرنا تو نصیب ہوا یہ سمجھ کر شیطان کے خلاف پھر اُس بارگاہِ عالی میں اپنے مولیٰ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے سر کو سجدہ میں رکھ دیتا ہے اب بعد اس کے سجدہ سے سر اُٹھا کر نماز کے بقیہ اعمال و افعال کے پورا کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور اسی طرز سابق سے جس میں کہ طرح طرح کی حکمتیں اور راز پائے جاتے ہیں اپنی نماز کی تکمیل کے درپے ہوتا ہے اگر اُن سب کا بیان کیا جائے تو کلام نہایت ہی طویل ہو جائے پھر وہ اپنے ضروری کاروبار کے انتظام اور دوسری عبادتوں کی بجا آوری کے لئے اس بارگاہ عالی سے باہر آنے پر آمادہ ہو کر غلاموں کی طرح باادب دوزانو بیٹھ جاتا ہے اور اپنے مولیٰ کے حضور میں جو کہ زمین و آسمان کا مالک ہے ''التحیات لِلّٰہ والصلوٰت و الطیبات'' کہہ کر تحیت و سلام عرض کرنے لگتا ہے ٹھیک اسی طرح سے جیسے کہ شاہی دربار سے باہر آتے وقت آداب بجالایا کرتے ہیں اب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے کو یاد کرتا ہے جن کے ذریعے سے اُس کو اس بارگاہ عالی میں باریاب ہونا نصیب ہوا ہے پس وہ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور آپ کے لئے برکت و رحمت کی دُعا کرتا ہے اِسی لئے اس

موقع پر ''السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ'' کہتا ہے پھر اُسے یہ رغبت پیدا ہوتی ہے کہ جہاں اللہ نے اُسے اس عبادت کے فوائد سے بہرہ یاب کیا ہے وہ اُس کو اور اُس کے موحد بھائیوں کو امن و امان میں بھی رکھے پس وہ ''السلام علینا '' کہہ کر اس رغبت کو خدا کے حضور میں ظاہر کرتا ہے پھر اُسے اپنے اُن بھائیوں کی یاد آتی ہے جن کی عبادت کے ساتھ ملا کر اس نے اپنی عبادت اللہ کی درگاہ میں بامید قبول پیش کی تھی اور اس وجہ سے اُن کا حق اُس کے اُوپر کسی قدر خصوصیت کے ساتھ ثابت ہو گیا تھا چنانچہ اللہ نے جو کچھ نعمتیں انہیں دی تھیں اُن کیلئے بھی حفاظت کی دعا کرتا ہے اور '' و عَلٰی عباد اللّٰہ الصالحین '' کو اور بڑھا دیتا ہے پھر گویا کہ یہ بات اُس کے پیش نظر ہو جاتی ہے کہ منعم حقیقی خداوند تعالیٰ ہے اور اس بھلائی تک جن کے ذریعے سے رسائی ہوئی ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے پس صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی معبودیت کے اعتبار سے یکتا ہونے کی شہادت دیتا ہے اور اپنی کلمہ کی اُنگلی اُٹھا کر اسی یکتائی کی طرف اشارہ کرتا ہے تا کہ اعتقاد۔ قول اور فعل جملہ اعتبار سے موحد بن جائے اور اس میں یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ معبودیت کے لحاظ سے وہی یکتا خیال کیا جا سکتا ہے جو احسان و انعام کرنے کے اعتبار سے بھی فرد ہو۔ اس کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اللہ کی عبودیت کی جو کہ نہایت ہی کامل مرتبہ ہے اور رسالت کی جو بہت ہی شریف منصب ہے شہادت ادا کرتا ہے اور ''اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ '' کہتا ہے۔

اب اُس کا اس بات کی دعا کی جانب میلان ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے کنبے والوں پر خلق کی رہنمائی کے بدلے میں رحمت و برکت نازل فرمائے جس طرح کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں پر پہلے لوگوں کی رہنمائی کے عوض میں رحمت و برکت نازل کی تھی اور یہ خیال کر کے کہ اُس کو خواہ دنیوی خواہ اخروی ساری ضرورتوں میں اللہ ہی کی طرف احتیاج ہے اس لئے اپنی

حاجتوں کے لئے بھی درخواست کرتا ہے۔ اب چونکہ اس بات کا وقت آ پہنچا ہے کہ اس بارگاہِ عالی سے باہر اگر دوسری عبادتوں کے ادا کرنے میں مشغول ہو اور اپنی معاش وغیرہ کی تحصیل کی فکر کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے ذمہ ضروری کر دیا ہے کیونکہ اُس نے اِس عالم کا یہی قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ تمام چیزوں کے کچھ نہ کچھ سبب ہوا کرتے ہیں اور وہ اشیاء بذریعہ اپنے سبب ہی کے حاصل ہوا کرتی ہیں۔

اِس لئے اس درگاہ سے وہ اس طرح علیحدہ ہوتا ہے کہ اپنے دِل کو اُسی کی طرف رہنے دیتا ہے اور فقط چہرہ اِدھر اُدھر پھیر لیتا ہے گویا کہ اپنی زبان حال سے اس مضمون کو ادا کرتا ہے کہ اگر مجھ کو ضرورت نہ درپیش ہوتی تو اس بارگاہِ عالی سے کبھی جدا نہ ہوتا اور اس کی جدائی کا صدمہ نہ اُٹھاتا جہاں کہ طرح طرح کی عبادتوں سے بہرہ یاب ہوا ہوں اور وہ عبادتیں اللہ کی یاد کرنا۔ اُس سے دُعا مانگنا۔ اُس کی تعظیم کرنا۔ اُس کے سامنے رکوع و سجدہ کرنا عاجزی اور فروتنی سے پیش آنا ہیں۔

اب وہ اپنے مسلمان بھائیوں اور فرشتوں کی طرف جن کی جانب اتنی دیر تک ملتفت نہ رہا تھا۔ ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰه'' کہہ کر متوجہ ہو جاتا ہے اور اپنے کاروبار میں مصروف رہتا ہے۔

نماز پنجگانہ کو ان کے

خاص خاص اوقات میں ادا کئے جانے کی حکمت

پھر چونکہ انسان جب سو کر جاگتا ہے تو گویا وہ مر کر زندہ ہوتا ہے کیونکہ سونا بھی اس اعتبار سے کہ آدمی کے حواس احساس کرنے سے معطل رہتے ہیں مرنے ہی کی مثل ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ اللہ نے اُس کو اُس حالت سے جو موت کے مشابہ ہے اُٹھا کھڑا کیا اور اپنے کاروبار میں ہاتھ پیر ہلانے اور دماغی قوت سے کام لینے کی وجہ سے جو کچھ اُس کی قوتوں میں ضعف ہو چلا تھا اس نیند سے اُس کی تلافی کر دی۔ کہاں تو وہ بالکل

تھکا ماندہ سویا تھا اور اُٹھنے کے وقت اس کا سارا کسل دور ہو گیا طبیعت خوش اور بشاش ہو گئی علاوہ اس کے اللہ نے اس کو سونے کی حالت میں تمام موذی چیزوں سے بھی محفوظ رکھا اور اس کا کھانا بخوبی ہضم کر کے اُس کو ایسی عجیب وغریب صورت سے جس کے سمجھنے میں عقل چکر میں آجاتی ہے جزو بدن بنا دیا اور اُس کو اس کا پتہ بھی نہ لگا کہ فعل انہضام نے کیونکر انجام پایا اور اُس سے اُس کو کیا کیا فائدے پہنچے اور کون کون سی مضر چیزیں دفع ہوئیں اُس کی غایت درجہ کی کوشش یہ تھی کہ اُس نے کھانا نگل کر معدہ میں پہنچا لیا تھا اور اس طرح سے اُس نے کھانے کی لذت حاصل کر لی تھی۔ اس کے بعد ہضم وغیرہ کا خیال بھی اُس کے دل میں نہ گذرا تھا صرف ان فوائد پر کیا موقوف ہے نیند سے اور بھی بہتیرے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کتنی ہی بے شمار نعمتیں پائی جاتی ہیں کہ جو سب تحریر وتقریر میں آ ہی نہیں سکتیں اس لئے اُس کے ذمے یہ بات ضروری ہو گئی کہ بیدار ہونے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی غرض سے نماز پڑھے چنانچہ وہ اِسی وجہ سے صبح کی نماز ادا کرتا ہے پھر جب آدھا دِن گذر جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اُس پر بڑے بڑے احسانات ہو لیتے ہیں مثلاً یہ کہ اللہ زمین کو تا کہ اُسے اپنی معاش کی راہیں صاف نظر آنے لگیں روشن کر دیتا ہے اُس کے حواس کو تقویت پہنچا دیتا ہے جن کے ذریعے سے وہ نافع اور مضر چیزوں میں تمیز کر لیتا ہے اُس پر کسبِ معاش کے ذریعے آسان ہو جاتے ہیں اُس کو غذا مل چکتی ہے کوئی کہاں تک بیان کرے اس کے علاوہ بھی بے انتہا احسانات اللہ کی جانب سے اُس پر ہو لیتے ہیں اُس وقت بھی اُس کے ذمے اللہ کا شکر ادا کرنا لازمی اَمر ہو جاتا ہے پس وہ ظہر کی نماز ادا کرتا ہے پھر جب دیکھتا ہے کہ دن چلنے لگا اور ختم ہونے کے قریب آ گیا اور اس عرصہ میں اللہ کے بڑے بڑے احسانات اُس پر ہو چکے اور اُس نے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر اپنے مکان کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تو اُس وقت بھی اس پر اس خدمت کی بجا آوری واجب ہو جاتی ہے اور پھر وہ عصر کی نماز ادا کرتا ہے اس کے بعد جب

دیکھتا ہے کہ دن ختم ہوگیا اور رات آ پہنچی جس میں کہ اُسے راحت نصیب ہوگی اور یہ بات نہ ہوئی کہ ہمیشہ دن ہی رہتا جس میں اُسے راحت وآرام کرنے کا موقع ہی نہ ملا تھا بلکہ وہ بخیر وخوبی ختم ہوگیا تو اُس پر اس وقت بھی یہ اَمر ضروری ہو جاتا ہے کہ خدا کی عبادت کی طرف پھر متوجہ ہو جائے جو کہ اس کے لئے عین سعادت کا باعث ہے پس وہ نماز مغرب ادا کرتا ہے، پھر جبچاروں طرف تاریکی چھا جاتی ہے اور سونے کا وقت آ پہنچتا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ جو نعمتیں صبح سے لے کر اب تک اِس پر ہوتی رہیں اُن کا شکر ادا نہ کر سکا اور جو کچھ عبادت میں نے کی بھی اُس سے سو حصوں میں سے ایک حصہ بھی شکر کا ادا نہیں ہوا اور دیکھتا ہے کہ خدا کا اس وقت کو پیدا کرنا بھی کہ جس میں بہت اچھی طرح سے آرام کیا جا سکتا ہے اُس کی بے شمار نعمتوں سے ایک بہت ہی بڑی نعمت ہے اور پھر وہ بھی اُس حالت میں جبکہ اُسے کسی کا خوف نہ ہو اور اپنے مکان میں نہایت ہی نرم بچھونے پر اُسے آرام کرنا نصیب ہو پس وہ عشاء کی نماز ادا کرنے لگتا ہے تا کہ خدا کا جو کچھ شکر ادا ہو سکے اُتنا ہی ادا کر دے پورے طور سے شکر ادا کر کے سبکدوش ہو جانا تو ساری عمر صرف کرنے پر ممکن نہیں ہے چاہے وہ ہزار عبادت کرے رات ودن بلکہ ہر لحظہ عبادت ہی میں مصروف رہے لیکن اُس کی عظمت و بے شمار نعمتوں کے مقابلہ میں ہمیشہ عاجز اور قاصر ہی سمجھا جائے گا۔

پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ادائے شکر کیلئے جو نمازیں ضروری ٹھہرائی ہیں تو اُس شخص کے لئے جو مسافر نہ ہو بیس رکعتیں ہیں دس دن کو اور دس رات کو اور مسافر کے لئے تخفیف کر کے چودہ رکعتیں کر دی گئی ہیں چھ دن کو کیونکہ یہی سفر میں زیادہ چلنے کا وقت ہے اور آٹھ رات کو کیونکہ یہ ایسا وقت ہے جس میں مسافر ٹھہرا کرتا ہے ان پنج وقتی نمازوں کے ساتھ کچھ اور نمازیں بھی مقرر کی ہیں کہ جو واجب تو نہیں ہیں لیکن شارع علیہ السلام نے اُن کے ادا کرنے کا اس غرض سے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کہیں فرض نمازوں کے ادا کرنے میں کچھ نقصان رہ گیا ہو تو اُن کے ذریعے سے وہ پورا کر دیا

جائے اور ایسی نمازوں کو سنت کہتے ہیں اور ماہِ رمضان کی طرف خاص توجہ کر کے اُس میں بیس رکعتیں سنت علاوہ ان کے اور مقرر کی ہیں تا کہ اُس کی نمازوں کی اور زیادہ تکمیل کر دی جائے۔ یہ تو ہو چکا اگر ابھی اِن نمازوں میں اور غور کیا جائے تو بے انتہا فائدے اور حکمتیں نظر آئیں گی مثلاً اُن سے لوگوں کے نفوس مہذب ہوتے ہیں خصوصاً جابروں اور متکبروں کے نفوس جو کہ زمین سے اپنے دامنوں کے چُھو جانے سے بھی ناک چڑھاتے تھے اور اس سے بھی انہیں عار آتا تھا، چہ جائیکہ وہ اپنی پیشانی زمین پر رکھیں۔ اللہ کے سامنے عاجزی کرنے کی عادت پڑتی ہے۔

غافلوں اور اُن لوگوں کو جو کہ دنیاوی تفکرات میں اپنے کو کھپائے ڈالتے ہیں اسی بہانہ سے اپنے پیدا کرنے والے اور اپنے نگہبان کی یاد آ جاتی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس خدمت گذاری کیلئے اپنے پروردگار کے سامنے نہ کھڑے ہوتے اور اس اَمر کی اطاعت اُن کے ذمہ ضروری نہ کر دی جاتی تو دن تو دن سالہا سال تک بھی بعضوں کے خیال میں یہ بات نہ گذرتی کہ اُن کا کوئی خدا بھی ہے جسے اُنہیں حساب دینا ہوگا اور وہ اُن کی حرکات وسکنات سے بخوبی واقف ہے اور اس اَمر کی شہادت کیلئے یہ کیا کم ہے کہ یہ لوگ اب بھی اس غفلت میں پڑ کر طرح طرح کی مخالفت کا سبب بن جاتے ہیں اور تمام فسادات کے باعث ہوتے ہیں علاوہ بریں نماز کے وقت از سرِ نو توبہ کرنی بھی نصیب ہوتی ہے اسی موقع سے اس راز کا بھی پتہ لگتا ہے کہ نماز بندہ کو اُس کے پروردگار سے ملانے کا کیونکر ذریعہ ہے اور بے شرمی کی باتوں سے کیسے باز رکھتی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں نماز کی نسبت واقع ہوا ہے۔

جماعت سے نماز پڑھنے اور عیدین اور حج وغیرہ عبادتوں میں مجتمع ہونے کی حکمت

اب لیجئے جماعت سے نماز پڑھنے اور تمام اعمال نماز میں مقتدیوں کی اپنے امام کی اطاعت کرنے کا نکتہ سنیئے اور وہ یہ ہے کہ لوگ اپنے سردار کی تابعداری اور پیروی کے عادی ہو جائیں جیسا کہ ہم سردارانِ لشکر کو دیکھتے ہیں کہ وہ فوجی لوگوں سے ایسے کاموں کی خوب مشق کرایا کرتے ہیں جن کی نسبت اُن کا یہ خیال ہوتا ہے کہ میدانِ جنگ میں وہ اُن کی بخوبی رعایت نہ کرسکیں گے اور اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ فوجی سپاہی اپنے سپہ سالار لشکر کے حکموں کی تعمیل کرنے کے عادی بنے رہیں اور اس نکتہ کو فارسیوں کے سپہ سالار رُستم نے خوب ہی سمجھا تھا جبکہ اُس نے صحابہ کو دیکھا کہ اپنے پیشوا کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں اور ساری حرکات وسکنات میں اُسی کی پیروی کرتے ہیں چنانچہ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت جو کچھ اُس نے کہا تھا وہ تاریخ میں بخوبی مذکور ہے۔

جماعت سے نماز پڑھنے میں ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اوقات نماز میں مسلمانوں میں باہم ملاقات ہو جاتی ہے اور اس طرح سے آپس میں محبت و ہمدردی کے سلسلہ کو نہایت استحکام ہوتا ہے اسی لئے اس اَمر کی اَور عبادتوں میں بھی رعایت مد نظر رکھی گئی ہے اور یہ کام اس طور پر انجام پاتا ہے کہ ہر محلّہ کے لوگوں کیلئے یہ اَمر مناسب قرار دیا گیا ہے کہ اپنے محلّہ کی مسجد میں پانچوں وقت نماز پڑھنے جایا کریں اسی طرح اہل شہر کو بھی چاہئے کہ ہفتہ میں ایک دن جمعہ کی نماز پڑھنے کیلئے جامع مسجد میں جمع ہو جایا کریں۔ رہی عید الفطر وعید الاضحیٰ کی نماز اُس کیلئے شہر تو شہر اُس کے قرب و جوار تک کے لوگ بھی سال میں دو بار جمع ہوا کرتے ہیں علاوہ بریں سارے عالم کے مسلمانوں پر یہ بات لازم کردی گئی ہے کہ اُن میں سے خدا جن جن کو مقدرت دے وہ

تمام عمر میں کم سے کم ایک مرتبہ تو ضرور ہی حج کے لئے جمع ہو جایا کریں چنانچہ حج کے بیان میں اس کا ذکر آتا ہے (خطبہ کی حکمت) اِس شریعت محمد یہ نے اپنے پیروی کرنے والوں کیلئے ان دینی مجمعوں سے بعض بعض میں یہ بھی مقرر کیا ہے کہ اُن کا پیشوا لوگوں کو مخاطب کر کے خطبہ پڑھے یعنی اُن کے سامنے کچھ تقریر بیان کرے جس میں اُن کو نصیحت کے مضامین سُنائے نازیبا اُمور سے زجر و توبیخ کرے اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس سے اُن کیلئے لائے ہیں اُس کی اُنہیں یاد دِلائے اور اُن لوگوں پر یہ ضروری ہے کہ خاموش ہو کر بگوش دل اُس کو سنتے رہیں چنانچہ آپ دیکھتے ہوں گے کہ وہ لوگ اس وقت کیسے چُپ چاپ گھٹنوں کے بل سر جھکائے بیٹھے سنا کرتے ہیں نہ کسی کو حرکت ہوتی ہے اور نہ اُن میں سے کسی بات کی تحسین کے لئے کوئی تالیاں بجاتا ہے اور نہ کسی اَمر کے قبح ثابت کرنے کیلئے شور کرتا ہے وجہ یہ ہے کہ اُنہیں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ خطیب شریعت کے خلاف کچھ نہیں بیان کرتا جو کچھ کہتا ہے اُن کی شریعت کے موافق کہتا ہے ہاں بالفرض اگر وہ شرعی حدود سے قدم باہر نکالنے لگے (اگرچہ ایسا کبھی واقع ہوا نہیں کرتا) تو سب کو چاہئے کہ اُس کی بات تسلیم نہ کریں اور ہر اعلیٰ وادنیٰ کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ اُس کے قول کی تردید کر دے۔

نماز کے فوائد اور جو لوگ اس سے جی چراتے ہیں اور اس کے فوائد سے محروم رہتے ہیں ان کی تہدید اور ان کے واہی تباہی عذروں کا معقول جواب ۱۲

چونکہ نماز میں کثرت سے فائدے پائے جاتے ہیں اِسی لئے نماز کا ترک کرنا شریعت میں بہت بڑا گناہ شمار کیا گیا ہے اُس کے ترک کرنے والے کی بہت سختی سے مخالفت کی گئی ہے اور وہ دنیا اور آخرت دونوں میں نہایت سخت سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے یہاں تک کہ نماز کا ترک کرنا بھی کفر کی علامتوں میں سے شمار کیا گیا ہے جیسے کہ برابر نماز پڑھنا ایمان کی علامت قرار دی گئی ہے اِس موقع سے اُن لوگوں کی نادانی بخوبی واضح ہو جاتی ہے جو نماز کے بارے میں بے پروائی کرتے ہیں چونکہ کاہلی نے

اُنہیں گھیر رکھا ہے یا شیطان کا اُن کے دِلوں پر پورا تسلط ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اُنہیں نماز کی واقعی خوبی نظر نہیں آتی اصل مغز کو چھوڑ کر پوست کو لے بیٹھتے ہیں اور اپنی نادانی کی وجہ سے اُس کے ترک کرنے کی واہی تباہی وجہیں نکالا کرتے ہیں اور نامعقول عذر کیا کرتے ہیں چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ صاحب ہمارا رب ہماری کاہلی کی کیا پروا کرتا ہے اُسے ہماری نماز کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے ان کم فہموں سے کوئی یہ تو کہے کہ ہاں بے شک تمہارا رب تمام چیزوں سے بے نیاز ہے تو کیا اے نادانو! تم بھی تمام چیزوں سے بے نیاز ہو گئے یا تمہیں اُن فائدوں کی جو نماز سے حاصل ہوتے ہیں کیا ذرا بھی حاجت باقی نہیں رہی تمہیں خبر بھی ہے کہ خدا نے اپنے فائدے کیلئے نماز ہرگز مقرر نہیں کی اُس کا تو مقصود یہ ہے کہ تم نماز کے بے شمار فائدوں سے بہرہ یاب ہو اچھا ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا تمہیں تہذیب حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی یا اپنے رب کی یاد سے بالکل مستغنیٰ ہو گئے یا یہ وجہ ہو کہ تم کو اُس کے سامنے از سرنو توبہ کرنے اور اُس کی اطاعت کی عادت ڈالنے کی حاجت باقی نہ رہی ہو۔ اچھا اور کچھ نہ سہی تو کیا تمہیں اُن فوائد کی بھی پروا نہیں رہی جو بحیلۂ نماز باہم اپنے بھائیوں سے مخالطت کرنے کی وجہ سے تمہیں حاصل ہوتے ہیں باہم محبت بڑھتی ہے آپس میں ہمدردی قائم ہوتی ہے اس کے علاوہ بھی بہتیرے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ میں تو کسی طرح خیال نہیں کر سکتا کہ تم ان سب باتوں سے بے نیاز ہونے کے قائل ہو جاؤ گے ہاں اگر تم ہٹ دھرمی ہی پر کمر باندھ یا اپنی نادانی سے اس کے بھی قائل ہو جاؤ تو بات ہی دوسری ہے اُس وقت میں تم کو اس قابل ہرگز نہیں سمجھ سکتا کہ تمہاری کسی بات کا جواب دیا جائے یا تمہارا انسانیت کے زمرہ میں شمار ہو سکے۔

ایسے وقت تو تمہاری حالت بالکل اُن بیماروں کی سی ہے جن کو کہ کوئی خیر خواہ طبیب کوئی نافع دوا بتا کر اُس کے استعمال کا حکم کرتا ہو اور وہ طبیب سے یہ کہہ کر اُس کے استعمال سے پرہیز کرتے ہوں کہ صاحب ہمارے دوا کے استعمال کرنے سے

آپ کو کیا فائدہ ہوگا آپ کو تو اس کی کچھ بھی حاجت نہیں ہے گو یہ بات سچ ہے کہ طبیب کو اُس کی کوئی حاجت نہیں لیکن کیا کوئی عاقل تجویز کرسکتا ہے کہ ان بیماروں کو بھی ضرورت نہیں ہے یہ بھی اِس سے بے نیاز ہو گئے ہیں ہرگز نہیں بس صاف یہی سمجھا جائے گا کہ بیماری کی وجہ سے اُن کی عقل جاتی رہی ہے اور ہذیان بک رہے ہیں۔

نماز ترک کر کے اُس کے فائدوں سے محروم رہنے والوں سے یہ پوچھنا چاہئے کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے اگر اس وجہ سے نماز نہیں پڑھتے ہو کہ تمہارے نزدیک وہ انکار کے قابل ہے اور تمہاری فاسد عقلوں میں وہ قبیح معلوم ہوتی ہے تو سمجھ رکھو کہ ایسے شخص کی نسبت شریعت محمدیہ کا یہ حکم ہے کہ وہ کافر ہو کر دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تب تو نماز کے بارے میں تم سے گفتگو ہی مناسب نہیں کیونکہ کفر سے بڑھ کر اور کون سا گناہ ہوگا بلکہ اس وقت تو تمہارے ساتھ یہی خیر خواہی ہے کہ تمہیں از سرِ نو مسلمان بنایا جائے اور تم سے اس کفر سے توبہ کرائی جائے اور اگر کاہلی کی وجہ سے تم نے نماز کو چھوڑ رکھا ہے تو بڑی ہی شرم کی بات ہے ایسی بھی کاہلی کس کام کی اگر تمہیں عقل کا کچھ بھی حصہ ملا ہو تو بھلا سوچو تو سہی کہ دن رات میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں اس میں اپنی ساری خواہشیں پوری کرتے ہو طرح طرح کی لذتیں حاصل کیا کرتے ہو تمام دنیاوی کاروبار میں لگے رہتے ہو تو کیا یہ صرف نماز ہی ایسی مشکل ہے کہ وہ تم سے ادا نہیں کی جاتی حالانکہ اُس میں کچھ بہت زمانہ بھی نہیں لگتا ساری نمازوں کے ادا کرنے میں ایک گھنٹہ نہیں تو دو گھنٹہ صرف ہو جائیں گے اور بس تو کیا یہی عقلمندی اور یہی انصاف کی بات ہے کہ بائیس گھنٹے تک دنیاوی مقاصد اور لذتوں کے حاصل کر لینے پر بھی صرف ایک یا دو گھنٹہ صرف کر کے دائمی فوائد کے حاصل کرنے سے محروم رہو اور اپنی کاہلی کے مارے اتنی دیر بھی عبادت نہ کرسکو جو دن رات کے دسویں حصہ سے بھی کچھ کم ہے۔

بھلا بتلاؤ تم اپنے ساتھ یہی خیر خواہی کرتے ہو؟ یہی تمہاری اُن عقلوں کا نتیجہ ہے جن کی نسبت تم دعویٰ سے کہا کرتے ہو کہ وہ بالکل ٹھیک سمجھتے ہیں اور اُنہیں کی مدد

سے راہِ راست کے دریافت کر لینے کا تمہیں بڑا زعم ہے۔ جبکہ تم اپنے ہی ساتھ خیانت اور دشمنی کرنے میں بند نہیں ہوتو تم سے بھلائی کی کون اُمید کرسکتا ہے اور اگر کہیں تم حاکم بن جاؤ تو تمہارے انصاف کی کس کو توقع ہوسکتی ہے۔

اور اگر تم ہمارے درمیان تاجرانہ کاروبار کرو تو تمہاری امانت داری کا اس حماقت پر کسے اطمینان ہوسکتا ہے اور جس وقت کہ تم نے اسلامی دین کے بڑے عظیم رکن کو گرا دیا تو مسلمان اپنے بھائیوں میں تمہارا کیونکر شمار کرسکتے ہیں نماز کے ترک کرنے کا اللہ کے سامنے تم کیا عذر کرسکتے ہو حالانکہ اللہ نے اس کی بڑی تاکید کی ہے اور قرآن میں بار باراس کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے تمہیں اپنے پیغمبر سے بھی شرم نہیں آتی جن کا کہ یہ قول تھا کہ نماز میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوا کرتی ہے۔ اللہ کی قسم اُن لوگوں سے بڑا ہی تعجب معلوم ہوتا تھا جو اسلام کا تو بڑے زور وشور سے دعویٰ کرتے ہیں اور نماز پڑھنے میں اُن کی جان نکلتی ہے اور طرّہ یہ کہ کچھ ایسے ناسمجھ بھی نہیں دنیاوی کاروبار میں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے برابر کوئی عقلمند ہی نہیں بڑے صائب الرائے نظر آتے ہیں لیکن جہاں نماز کا ذکر آیا اور بچوں کی سی باتیں کرنے لگے اُس وقت اُن کی ساری عقل مندی جاتی رہتی ہے نماز کے فائدے اُن کو نظر ہی نہیں آتے آنکھوں پر پردے پڑے جاتے ہیں میری سمجھ میں تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں آتی کہ اُن کو خاص کر نماز ہی کے بارے میں خاص قسم کا جنون ہوگیا ہے اور اس میں تعجب ہی کیا ہے جنون کی بہتیری قسمیں ہیں ایک قسم یہ بھی سہی۔

اُن لوگوں کی حالت سے مجھے نہایت ہی شرم آتی ہے جو کہنے کو بڑے عقیل وفطین سمجھے جاتے ہیں اور جب اُن کے ساتھ کے بیٹھنے والے نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو وہ لوگ نماز سے ایسے گھبراتے ہیں جیسے ''لاحول'' سے شیطان بھاگتا ہو اس عقل مندی پر ایسی فرومائگی کی باتیں۔ شرم۔ شرم ایسے نادان کی سمجھ میں کیا اتنا بھی نہیں آتا کہ اگر کوئی مسلمان اُس کو اس حالت میں دیکھے گا تو کیا کہے گا اگر اُس نے کافر نہ سمجھا تو فاسق تو

ضرور ہی خیال کرے گا اُس کی نظروں میں اس کی کیا وقعت رہے گی یہی خیال کرے گا کہ یہ شخص بڑا ضعیف الاعتقاد ہے اس کا دین نہایت ہی کمزور ہے ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کی شہادت قبول کی جائے یا اس کو عادل سمجھا جائے بالکل ادنیٰ درجہ کا مسلمان ہے۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اپنی اس قابل شرم حالت کی اُسے اطلاع نہیں اُسے سب کچھ معلوم ہے بات یہ ہے کہ کم بختی نے گھیر رکھا ہے شیطان نے اپنا کھلونا بنالیا ہے جیسی چاہتا ہے ویسی پٹی پڑھاتا ہے اس بے نمازی شخص کو سمجھ لینا چاہئے کہ اُس کے مسلمان بھائی اگر کسی وجہ سے اس کی اس ناشائستہ حالت کا زبان سے اظہار نہیں کرتے تو کیا ہوا دل میں اس کو وہ نہایت ہی بُرا خیال کرتے ہیں اگر اُن کو موقع ملے تو نہایت ہی بُرے الفاظ سے اُس کا ذکر کریں اور کچھ نہیں تو اتنا تو ضرور کہیں کہ بے نماز کمزور دین والا۔ یہ نہایت ہی افسوس کی بات ہے ایسے شخص کی حالت پر تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا چاہئے۔

پھر اس فرقہ نے یہ بھی دیکھا کہ اس شریعت نے اسلام کی پیروی کرنے والوں میں سے اُس شخص پر جو مال دار ہو زکوٰۃ دینا فرض قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سال بھر میں ایک مرتبہ اپنے مال کا تھوڑا سا حصہ محتاجوں کو دے دیا کریں تاکہ اِنسانی خصوصیتیں ہاتھ سے نہ جانے پائیں لوگوں کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کرنے کا حق ادا ہوتا رہے۔ بخل کے عیب سے لوگوں کے نفوس پاکیزہ رہیں۔

پھر خوبی یہ کہ شریعت نے اتنے سے قلیل مال کے دینے پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ کر کے اُمیدوار بھی بنا دیا ہے اور زکوٰۃ کی جو مقدار مقرر کی ہے اس میں یہ بات مدنظر رکھی گئی ہے کہ کسی پر اس کا ادا کرنا گراں نہ گذرے اُس سے مال میں کچھ ایسی کمی بھی نہ آنے پائے اور اگر اُتنی مقدار کے ادا کرنے کی پوری پوری پابندی کی جائے تو لوگوں کی حاجت براری بخوبی ہو جایا کرے اور حاجت مند ڈھونڈے نہ ملیں۔

زکوٰۃ ادا کرنے میں جہاں یہ دو فائدے پائے جاتے ہیں کہ حاجت مند کی کار

برآری ہوتی ہے اور دولت مند کا نفس پاک ہوتا ہے اور اُسی داد و دہش سے ساتھ ہی کا کہ اعلیٰ درجہ کے اخلاق میں شمار ہوتا ہے اُلفت پیدا ہوتی ہے وہاں اس بات کا بھی امتحان ہو جاتا ہے کہ دیکھیں زکوٰۃ دینے والے کو خدا کی کہاں تک محبت ہے کہ محض اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے مال ایسی محبوب شے کو وہ اپنے پاس سے جُدا کئے دیتا ہے۔ اب اس موقع سے ایمان دار کو ضرور پتہ لگ گیا ہو گیا کہ زکوٰۃ ساقط کرنے کیلئے حیلہ بازی کرنا اللہ کے نزدیک کبھی مقبول نہیں ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں زکوٰۃ دینے سے جو دونوں فائدے مقصود تھے وہ فوت ہوئے جاتے ہیں بھلا بتلایئے کہ جب صاحبِ مقدرت کے ہاتھ سے کچھ نکلے ہی گا نہیں تو کیونکر کسی بے چارے کی کار برآری ہوسکتی ہے یا وہ خود دولت مند مرض بخل سے کیونکر پاک ہوسکتا ہے حالانکہ اپنی محبوب چیز کو اللہ کی راہ میں اُس نے اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیا۔ ﴿روزے کے فرض ہونے کی حکمت اور اس کے فوائد اور یہ کہ خدا نے مسلمانوں کو اس کے متحمل ہونے کی کیسی کچھ قوت دی ہے ۱۲﴾ اس فرقہ نے یہ بھی دیکھا کہ اس شریعت نے مسلمانوں پر سال بھر میں ایک ماہ کے روزے بھی فرض کئے ہیں اور روزہ کے معنے یہ ہیں کہ دن بھر کھانے پینے اور عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے بالکل احتراز کیا جائے۔ اور اس میں بے شمار فائدے پائے جاتے ہیں بڑی بات یہ ہے کہ روزہ دار کا نفس اپنے خالق کی اطاعت میں نفسانی خواہشوں سے روکے جانے کی وجہ سے نہایت ہی مہذب بن جائے گا اور اُس پر عقل کو پورا تسلط ہو جائے گا اگرچہ پہلے عقل کو نفس کی اطاعت کرنا پڑتی تھی اور جب اُسے معلوم ہو جائے گا کہ عقل کے سامنے میری کچھ نہ چلے گی اور اب مجھے اُسی کا محکوم ہو کر رہنا پڑے گا تو اُسے اُن چیزوں کے ارتکاب کرنے میں جو نقصان رسان ہونے کی وجہ سے شریعت میں حرام کردی گئی ہیں عقل کی اطاعت کرنے سے مایوسی ہو جائے گی اور گویا کہ نفس یہ کہنے لگے گا کہ جب روزے کی حالت میں اشیاءِ خورد و نوش کے کھانے و پینے کے بارے

میں جو کہ روزہ دار ہی کی مِلک تھیں اور اپنی عورت سے صحبت کرنے کے معاملہ میں جس سے کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ بھی نہ تھا عقل پر میرا کچھ زور نہ چل سکا تو اُس وقت میرا قابو کیونکر چلے گا کہ جب میں بلا اُس کی مرضی کے کسی دوسرے کی چیز کے خوردونوش کرنے کا اِرادہ کروں حالانکہ یہ نہایت ہی قبیح اَمر ہے اسی طرح مجھے نشہ کے استعمال کرانے پر کیونکر قدرت حاصل ہوسکتی ہے جس سے کہ عقل جاتی رہتی ہے اور آدمی کی شرافت میں خلل پڑتا ہے یا دوسرے کی عورت کے ساتھ صحبت کرنے کے لئے مجھے بہکانا کیونکر ممکن ہوگا جبکہ اُس میں طرح طرح کے ضرر پائے جاتے ہیں۔

مثلاً باہم عداوت کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ لوگوں کے نسب بے پتہ ہوجاتے ہیں۔ بچہ جدا ضائع ہوتا ہے اور جن کو کسی قسم کا استحقاق نہیں وہ مستحق ٹھہرائے جاتے ہیں پھر اگر ہم مسلمانوں کی اُس وقت کی حالت کو غور کریں جبکہ ماہ رمضان میں وہ آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے مل جُل کر بیٹھتے ہیں اور اُن کے سامنے خوردونوش کی چیزیں چُنی ہوتی ہیں اُن کا دل اُن کی طرف کھنچا جاتا ہے اُن کی مشتاق نظریں اُن نفیس چیزوں پر پڑتی ہیں اور پھر اُن میں سے کسی کا ہزار جی للچائے کہ کھانے کا ایک دانہ کھالے یا پانی کا ایک قطرہ پی لےلیکن آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے کسی کی خصوصاً پرہیز گاروں کی ہرگز جرأت نہ ہوگی اور غروب آفتاب کا سب کے سب انتظار کرتے رہیں گے تو اس وقت ہم کو ضرور اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ مسلمانوں کو اپنے مولیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس کے روکنے پر پورا قابو حاصل ہے۔

روزہ کے نہ رکھنے والوں کی تہدیداور روزہ کے فوائد

اس موقع سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ جو شخص اپنی بدبختی یا خواہش نفسانی کے پھندے میں پھنس کر روزہ نہیں رکھتا وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اپنے کو صاحب ہمت یا عقل مند کہہ سکے بلکہ اُسے اپنا نام کم ہمت۔ شکم پرور۔ کم فہم اور اپنی خواہش نفسانی کا بندہ رکھنا چاہئے اُس سے تو روزہ دار عورت کی عقل و ہمت کہیں بڑھ چڑھ کر

معلوم ہوتی ہے کیونکہ جس قدر ذکاوت اس عورت کو حاصل ہے۔

ایسے آدمی کے پاس اُس کا کہیں پتہ بھی نہیں لگتا روزہ کے فوائد میں سے ایک اَمر یہ بھی ہے کہ روزہ دار کو جب بھوک کی تکلیف اُٹھانا پڑے گی اُس وقت بے چارے محتاج کی دردناک حالت کو خوب سمجھ سکے گا اور اس کا دل اس پر کُڑھے گا اور خیرات کرنے پر مائل ہو جائے گا۔ کیونکہ دولت مند خوش حال شخص کو اگر روزہ کی تکلیف نہ برداشت کرنی پڑتی تو ساری عمر گذرنے پر بھی اُسے بھوک کی تکلیف کا حال نہ معلوم ہوتا پھر جب کوئی بھوکا فقیر اُس کے سامنے ہاتھ پھیلاتا اور گرسنگی کی تکلیف کی شکایت کر کے کچھ طلب کرتا تو چونکہ اُسے گرسنگی کی قدر معلوم ہی نہیں ہے بھلا اُس پر اُسے کیا رحم آتا اب روزہ رکھنے کی وجہ سے جب گرسنہ رہنے کی قدر و عافیت اُسے معلوم ہو جائے گی تو یتیموں اور محتاجوں کی دل کھول کر مدد کرے گا۔

حج کے فرض ہونے کی حکمت اور اس کے فوائد

اس فرقہ نے یہ بھی دیکھا کہ شریعت محمدیہ نے اپنے پیروی کرنے والوں میں سے جنہیں مقدرت ہے اُن پر عبادتِ حج کو بھی فرض کیا ہے اور وہ کعبہ شریف اور اُن مقامات کی جو اُس کے قرب و جوار میں واقع ہیں خاص اقوال وافعال کی رعایت کے ساتھ زیارت کرنے کا نام ہے اور اس میں جو جو راز اور حکمتیں پائی جاتی ہیں عرب و عجم کے سارے عقلاء بھی اُس پر حاوی ہونے سے بالکل عاجز ہیں مثلاً یہی دیکھئے کہ ہر سال اُن مقامات میں ہزاروں ہی مسلمانوں کا حج کے حیلہ سے مجمع ہوتا ہے۔

جس کی وجہ سے اُن میں باہم تعارف ہو جاتا ہے اُلفت بڑھتی ہے تبادلۂ خیالات کا موقع ملتا ہے۔ پھر ایک دو ملک کے لوگ نہیں بلکہ عرب۔ ترکستان۔ فارس ہند۔ داغستان افغانستان ملک مغرب۔ سوڈان، وہ وغیرہ تمام ممالک کے باشندے نظر آتے ہیں اور ان سب کا ایک دین اور ایک ہی مقصد یعنی اپنے بڑے رحیم و کریم مولیٰ سے مغفرت طلب کرنا ہوتا ہے۔

جو افعال اُن کو وہاں کرنا پڑتے ہیں اُن کی بہتیری حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان متبرک مقاموں میں جو کچھ کہ اللہ کے نیک بندوں اور باعظمت رسولوں پر زمانہ سابق میں گذرا ہے ان افعال کی وجہ سے یاد آجاتے جیسے کہ ابوالبشر آدم علیہ السلام اور اُن کی زوجہ حوا علیہا السلام کا واقعہ کہ جنت سے اُن کو زمین پر اُتار دینے کے بعد اُن کے دل میں اللہ نے یہ بات ڈال دی کہ اُس سے التجا کریں یہاں تک کہ خدا نے اُن کی توبہ قبول کر لی۔ اسی طرح ابراہیم خلیل اللہ اور اُن کے بیٹے اسمٰعیل علیہما السلام کا قصہ یا سیدۂ ہاجرہ رضی اللہ عنہما کا واقعہ اِن سب کے یاد آنے سے اس بات کا دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ کچھ ٹھکانا ہے۔ وہ لوگ اللہ کی اطاعت میں کیسے سرگرم تھے اور جب اُن کی آزمائش کی گئی تو کیسے ثابت قدم نکلے اللہ کی خوشنودی سے سرمو تجاوز نہیں ہونے پایا اور سب کو جانے دیجئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ماجرے کو خیال کیجئے کیسی جانچ کا وقت تھا جبکہ اللہ نے اُن کو لختِ جگر اور پیارے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا اور اُس شفیق باپ نے اللہ کی اطاعت کے سامنے کچھ پروا نہ کی اور اس پر آمادہ ہو گیا۔ اور اسی طرح اُس ہونہار لڑکے نے بھی خداوندی حکم کی تعمیل سے ذرا عذر نہ کیا اور اپنی جان دینے اور قبر میں سو رہنے کے لئے مستعد ہو گیا اور جب شیطان نے وادیٔ منٰی میں وسوسہ ڈالنا چاہا تو اُسے دفع کر دیا اور وہ اپنا سا منہ لے کر نا کام رہ گیا پھر خدا نے فدیہ بھیج کر باپ بیٹے دونوں پر احسان کیا اور اُن کے غم کو دُور کر کے اُن کو خوش خبری سنا دی۔ اسی طرح ان کاملین کے اور بہتیرے پسندیدہ افعال اور اللہ کے احسانات جو اُن پر ہوئے ہیں یاد آتے ہیں اور جب ان مقامات میں ان نیک بندوں کے کام یاد کر کے اُن کی پیروی کی جاتی ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ دیکھیں ان کے بقیہ افعال، عبادتیں۔ عمدہ خصلتیں کیسی تھیں اور وہ اپنے مولیٰ کی کیونکر اطاعت کرتے تھے اس سے اُن کی اقتداء کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اُن کے پسندیدہ خصائل اختیار کرنے کی طرف جی مائل ہو جاتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ اُن کی اس بات پر تعریف کی جائے اُن

کے لئے دعا مانگی جائے کہ وہ کیسے کیسے عمدہ افعال جاری کر گئے ہیں کیسی کیسی نیک باتیں سکھا گئے ہیں مثلاً یہ کہ اللہ کے سامنے توبہ کرنا چاہئے اُس کی طرف رجوع ہونا چاہئے انسان کو مناسب ہے کہ اخلاق حمیدہ کے ساتھ موصوف ہو۔ صبر اختیار کرے۔ تسلیم و رضا سے کام لے، اللہ کے سامنے سب کی رعایت رکھے وغیرہ وغیرہ۔

علاوہ ان فوائد مذکورہ کے اعمالِ حج کے مقرر کرنے میں جو ترتیب اختیار کی گئی ہے وہ بھی نہایت ہی عجیب و غریب ہے اس میں خداوندی عظمت و تقدس سے تنزل کر کے اِنسانی عقول و خیالات کا لحاظ کیا گیا ہے اور اُن اُمور کی رعایت کی گئی ہے جن کے ساتھ لوگ مانوس پائے جاتے ہیں اور جن کو کہ اُس وقت برتا کرتے ہیں جبکہ وہ اپنے حاکموں یا بادشاہوں کے حضور میں کسی ظالم یا ایذاء پہنچانے والے کے فریادی بن کر حاضر ہوتے ہیں یا جب اُن کی درگاہ میں اُن کے احسان و اکرام حاصل کرنے کی غرض سے درخواست کیا کرتے ہیں۔

چونکہ اعمالِ حج جن پر کہ خدا نے مغفرت کا وعدہ کیا ہے انسانی خیالات و عادات کے موافق ہیں اس لئے حاجیوں کے جی کو اُن کے ادا کرنے کے وقت اس بات کا پورا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ نافرمانیوں اور گناہوں کے ظالم لشکر کے مقابلہ میں اللہ اُن کی ضرور مدد کرے گا اُن کی فریاد سُنی جائے گی اور وہ اُن کی مراد پوری کر کے اُن سے احسان کے ساتھ پیش آئے گا۔

اس کا بیان یہ ہے کہ لوگ اس بات کے عادی ہو رہے ہیں کہ جب کبھی کوئی دشمن اُن پر چڑھ آتا ہے اور وہ اُس کے مقابلہ سے اپنے آپ کو عاجز پاتے ہیں یا گردشِ زمانہ کے بیچ میں آ کر قحط یا خشک سالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اُنہیں طلب معاش کی فکر میں گرفتار ہونا پڑتا ہے تو اُس وقت بادشاہ کے حضور میں اُن کے محلوں پر حاضر ہونے کا قصد کرتے ہیں اور اپنی اپنی مصیبت کے موافق سب کے سب پراگندہ بال اپنے خاک آلودہ چہرے لئے ہوئے ننگے بدن برہنہ پا استغاثہ کی غرض

سے فریاد کرتے ہوئے اُس کے سامنے جا کھڑے ہوتے ہیں اور راستہ میں جو جو چیزیں ملتی جاتی ہیں کہ جن کے ساتھ بادشاہوں کو کچھ بھی علاقہ ہو خدم وحشم کے علاوہ حیوانات ونباتات کی بھی تعظیم وتکریم کرتے جاتے ہیں۔

اور قصور شاہی ﴿قصور محلات﴾ کے قریب پہنچ کر اُن کے گرد چکر لگایا کرتے ہیں اور اُن کے دروازوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کو اس بات کی اجازت مل جاتی ہے کہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوں اور اُس کے سامنے مؤدب کھڑے ہو کر استغاثہ دائر کریں اُس کی تعریف کریں اپنی حاجت روائی کے لئے قوی سے قوی ذریعہ اختیار کریں اور اُن کے اور اُن کے بزرگوں کے اعلیٰ وادنیٰ پر جو جو بادشاہ کے احسانات۔ رعایتیں اور مہربانیاں سابق زمانے میں ہوتی رہی ہیں اُن کی یاد دِلائیں اس کے بعد جب بادشاہ اُنہیں اپنے ہاتھ پر بوسہ دینے کی اجازت دے دیتا ہے جو اپنی عین کامیابی وسعادت تصور کر کے نہایت رغبت ظاہر کرتے ہیں اور اُسکے ہاتھ پر نہایت ادب وتعظیم سے بوسہ دیتے ہیں پھر بادشاہ اُن کی درخواست قبول کرنے اور اُن کی مصیبت دُور کرنے کا اُن سے وعدہ کرتا ہے اور اس غرض سے کہ وہ خیر خواہ سلطنت کے بنے رہیں اور اُن کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ وہ اُس کے ہمیشہ کے نمک خوار ہیں اور اس بات سے کہ اپنی رعایا کے ساتھ احسان کر کے مدد کرنا بادشاہ کی عادت میں داخل ہے اُن کے دِلوں کو پورا پورا اطمینان ہو جائے وہ بھی اُن قدیمی احسانات اور رعایتوں کو اُنہیں یاد دلاتا ہے جو کہ اُن کے آباؤ اجداد پر وقتاً فوقتاً ہوتی رہیں جب کبھی کہ وہ اُس کی جناب میں بغرض استغاثہ حاضر ہوئے اور اُنہوں نے اپنی خدمات پیش کیں تو برابر اُن کو نعمتوں سے مالا مال کر دیا گیا۔

چنانچہ اِس وقت اُن لوگوں کو بھی اُنہیں خدمتوں کے بجالانے کا وہ حکم کرتا ہے جن کی بجا آوری اُن کے آباء واجداد کرتے رہے تھے تاکہ سلطنت کے لئے اُن کی خیر خواہی اور بڑھ جائے اور یہ پورے پورے مطیع بنے رہیں کیونکہ لوگوں میں اپنے

بزرگوں کے اخلاق حاصل کرنے اور اُنہیں کے طریقہ کے اختیار کرنے کا فطری میلان پایا جاتا ہے پھر جب وہ تمام خدمات کی بجا آوری سے فارغ ہوتے ہیں تو وہ مزید عنایت کر کے اُنہیں اپنا مہمان بناتا ہے بہت کچھ انعام دیتا ہے اُن کی پراگندگی دُور کر دیتا ہے اُن کو خلعت بخشتا ہے اور وہ اُس کے باب عالی پر اس اُمید سے ایستادہ ہو جاتے ہیں کہ اُس نے اُن کی فریادرسی کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اُسے پورا کرے۔

چنانچہ پھر شاہی حکم صادر ہونے لگتے ہیں دشمنوں کے مقابلہ میں بادشاہ اُن کو مدد دیتا ہے اُن کی تکلیف دفع کرتا ہے جب اُن کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور وہ کامیاب ہو لیتے ہیں تو اُنہیں اُن کے وطن واپس جانے کی اجازت مل جاتی ہے تاکہ وہ اپنے دوست واحباب سے جا ملیں اب رخصت ہونے کا وقت آ پہنچتا ہے اور وہ قصرِ شاہی پر حاضر ہو کر اپنے منصب کے موافق اُس کی ثناء وتوصیف میں مصروف ہوتے ہیں نہایت ہی تعظیم وتکریم سے پیش آتے ہیں اُس کے مکرم ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں غمِ فراق کی وجہ سے اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں آخرکار بادل دردناک مفارقت اختیار کرتے ہیں کعبہ کا نام بیت اللہ اور حجر اسود کا نام یمین اللہ رکھے جانے کی حکمت اور نیز محظورات احرام اور تقبیل حجر کی حکمت عنوان ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بھی انسانی عقلوں کی رعایت کر کے ایک قطعۂ زمین کو خاص کر دیا اور جس اَمر کے کہ وہ دنیاوی بادشاہوں سے فریاد کرنے کے وقت عادی ہو رہے تھے اُس کا لحاظ کر کے اُسی قطعہ کو فضیلت عنایت کر دی اور اُس کا نام بیت اللہ یعنی اپنا گھر رکھ دیا جو کہ کعبہ شریف کے لقب سے مشہور ہے اگرچہ خدا مکان سے بالکل پاک ہے اُسے گھر وغیرہ کی مطلق حاجت نہیں اِسی طرح حجر اسود کا جو کہ کعبہ کی دیوار میں لگا ہوا ہے اپنے دست راست نام رکھ دیا اگرچہ اُس کے دونوں ہاتھ ہمارے ایسے ہاتھوں کی طرح نہیں ہو سکتے خدا ہی جانے وہ کیسے ہوں گے اور نہ اُن میں راست وچپ کا امتیاز قائم کیا جا سکتا ہے بلکہ اگر اُن کی نسبت دست کا اطلاق کیا جائے تو تعظیماً دست راست ہی کا ہونا چاہئے۔

پھر چونکہ پیروانِ اسلام کی نسبت بھی یہ بات ضرور ہوا کرتی ہے کہ گناہوں کا لشکر اُن پر چڑھائی کرتا ہے خطا اور نافرمانیوں کے حملہ آوروں کا اُنہیں مقابلہ کرنا ہوتا ہے اُنہیں اللہ کے احسانات کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے جو لوگ اُن میں سے صاحب مقدور ہیں اُن پر یہ اَمر ضروری کر دیا گیا ہے کہ اُسی مکان پر فریادیوں کی سی صورت بنائے ہوئے حاضر ہوں اُن کے بال پراگندہ نظر آتے ہوں سر کھلا ہو جسم خاک آلود ہو۔ نہ بدن پر کوئی سِلا ہوا کپڑا ہو نہ خوشبو مہکتی ہو سارے عیش و آرام کے سامان برطرف کر دیئے ہوں اور اپنی نافرمانیوں اور خطاؤں کے فریادی بنے ہوئے اپنی مرادوں کے برآنے کی اُمیدیں اپنے رب کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے جا کھڑے ہوں۔ اس خانہ خدا کی سرحد میں پہنچ کر کسی چیز کی بے حرمتی نہ کریں تمام اشیاء کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں نہ وہاں کی گھاس کاٹیں نہ کوئی درخت قطع کریں اور نہ کسی چرند و پرند کے شکار کی جرأت کریں آخر کو جب اس معظم و مکرم مکان پر پہنچ جائیں تو جس طرح کہ فریادی بادشاہوں کے محلوں کے گرد چکر لگایا کرتے ہیں وہ بھی اس کے گرد پھریں اور اُس کے پردے پکڑ کر پناہ طلب کریں پھر اس بابرکت پتھر کو جس کا نام بہ مصلحت خدا کا دست راست رکھ دیا گیا ہے بوسہ دیں اور یہی سمجھیں کہ وہ ایک پتھر ہے نہ اُس میں کسی قسم کے نفع رسانی کی قدرت ہے نہ نقصان پہنچانے کی، نفع و ضرر جو کچھ ہے اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہی نفع و ضرر کا مالک ہے (چنانچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اُس کو بوسہ دیتے وقت صاف صاف کہہ دیا جس کا حاصل ہے کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ تو پتھر ہے نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کچھ نفع دے سکتا ہے اگر مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا اور مقصود آپ کا یہ تھا کہ لوگ اپنے خیالات خراب کرنے سے محفوظ رہیں اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ شریعتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس کی نسبت واقعی تعلیم کیا ہے اور لوگوں کو اس کی نسبت کیسا اعتقاد رکھنا چاہئے) اس کے بعد وہ مختلف

اعمال کی بجا آوری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کے اُس موقع پر ادا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ اپنے جلیل القدر بزرگوں کے کاموں کو یاد کریں جیسے کہ آدم علیہ السلام اور اُن کی زوجہ حوا یا سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ ہاجرہ علیہم السلام کے ماجرے۔

چنانچہ وہ اعمال یہ ہیں کہ صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنا۔ عرفے میں ٹھہرنا اُس کے بعد مزدلفہ میں وقوف کرنا پھر منٰی میں اُترنا۔ شیطان کی ناکامی یاد کرنے کی غرض سے اُس مقام کی طرف کنکریاں پھینکنا جہاں کہ ابراہیم خلیل اللہ کے بیٹے اسماعیل علیہما السلام کو اُس نے دھوکا دینا چاہا تھا اور پھر ناکام رہا۔

اسی طرح اور اعمال کو سمجھ لیجئے پس جو شخص کہ ان اعمال کے اس راز سے کہ اُن سے مقصود اُن نیک بندوں کی یاددہانی اور اُن کی پیروی ہے ناواقف رہا تو اُسے ضرور خلجان ہوگا کہ ان سب کی حکمت کیا ہے اور اُن کے فائدوں کے تجسس میں وہ سرگرداں رہے گا اور جس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی وہ بے کھٹکے دل کھول کر ان سب کو بجا لائے گا اور اُن کے ثمرات کا نہایت شائق رہے گا اُس کی بڑی رغبت یہ ہوگی کہ سارے فوائد حاصل کر کے کسی طرح سے کامیاب ہو جاؤں پس اللہ نے جو حاجیوں پر کعبہ شریف پہنچ کر ان اعمال کا ادا کرنا ضروری ٹھہرایا ہے اُس کو یوں سمجھئے کہ پہلی مرتبہ کعبہ کا طواف کرنا تو بمنزلہ اس بات کے ہے جیسے کہ بادشاہ اپنی فریادی رعایا کو اُن کے آباو اجداد کی سی خدمات کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے اور اُس کے سامنے وہ بجا لاتے ہیں تا کہ اُن کی اطاعت و خیر خواہی ثابت ہو اور یہ معلوم ہو کہ اُن کی خصلتیں بھی اپنے آباء و اجداد ہی کے مثل ہیں یہ بھی اُنہیں کی طرح فرمانبردار رہیں گے۔

پس حاجی لوگ جب مکہ کے خاص خاص مقامات میں اُن اعمال کو ادا کرتے ہیں تو اپنے پاک طینت نیک نفس بزرگوں کی پیروی کی وجہ سے سارے عالم کی پرورش کرنے والے کی بندگی کا مضمون اُن کے دِلوں میں خوب جم جاتا ہے۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ اعمال تعبدی یعنی بلا چون و چرا مان لینے کے قابل ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں حکمتیں اور فائدے نہیں پائے جاتے بلکہ مقصود یہ ہے کہ بظاہر یہ ایسے ہی افعال ہیں کہ جو ان کو ادا کیا کرتا ہے تو گویا وہ انہیں اپنے مالک کا محض حکم سمجھ کر بجالاتا ہے اور اُن کی بجا آوری کو اطاعت و فرمانبرداری خیال کرتا ہے اُسے اس کی پروا نہیں ہوتی کہ اس میں کوئی فائدہ بھی ہے یا نہیں۔ اس کی تفتیش کے در پے نہیں ہوتا اگرچہ غور کرنے کے بعد ان کے فوائد مخفی نہیں رہتے علاوہ بریں اگر یہ بھی فرض کرلیا جائے کہ ان میں کوئی حکمت نہیں تو اس وقت ان کی بجا آوری سے بندوں کی جانب سے اور بھی خدا کی اطاعت و فرمانبرداری ظاہر ہوگی گویا کہ بندہ اپنی زبان حال سے ان کے بجالاتے وقت یہ کہے گا کہ اے میرے رب مجھے تو جو کچھ حکم دیتا ہے میں اُس کی فرمانبرداری کرتا ہوں کہ تیرے حکم کے ثمرات میری سمجھ میں نہ آویں لیکن تب بھی تیری شان عالی اور سلطنت عظیم کی تعظیم کی غرض سے میں بجالاتا ہوں۔ اور بندہ کی شان ہونا بھی یہی چاہئے کہ جو کچھ اُن کا مالک حکم دے بلا چون و چرا اُسے مان لے اُسے کیا منصب ہے کہ حکمت اور راز پوچھنے بیٹھے اور شریعت محمدیہ کا مقصد اصلی بھی یہی ہے کہ اُس کی پیروی کرنے والوں کی اللہ کے سامنے یہی حالت ہونا چاہئے اور یہ نہایت عظیم مرتبہ سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے اس دین کے پیشوا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے اعلیٰ درجہ کے اوصاف میں شمار کیا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ میں بندہ ہوں اور بندہ ہی کی طرح بیٹھتا ہوں۔ آپ نے اپنی تعریف میں مبالغہ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے اور آپ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے حد سے نہ بڑھایا کرو بلکہ یوں کہا کرو کہ وہ اللہ کا بندہ اور اُس کا پیغامبر ہے اللہ نے بھی آپ کی اعلیٰ درجہ کی تعریف کے موقع میں اسی وصف عبودیت ہی کے ساتھ آپ کو موصوف کیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ آپ ہی کی شان میں ارشاد فرماتا ہے: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔ ''یعنی جو اپنے بندہ کو راتوں رات لے گیا وہ پاک ہے پس عبودیت آپ کے

لئے نہایت ہی خوشی اور بڑی خوبی کی بات ٹھہری۔

پھر حاجی ان خدمات کی بجا آوری کے بعد اپنے مولیٰ کے مہمان بن کر مقام منٰی میں جا اُترتے ہیں اپنی پراگندہ حالی کو دُور کرتے ہیں۔ کپڑے بدلتے ہیں خوشبو لگاتے ہیں۔ حجامت بنواتے ہیں اور اپنے عیش و آرام کی جو چیزیں چھوڑ رکھی تھیں اور جن سے کہ پرہیز کرتے تھے پھر ان سب کو مباح سمجھنے لگتے ہیں اپنی مبارک عید کے دنوں کو خورد و نوش میں گذارتے ہیں خوب قربانیاں کرتے ہیں یہاں تک کہ گوشت بہا بہا پھرتا ہے لوگوں کے کھائے نہیں چکتا آدمیوں کا تو تذکرہ ہی کیا حیوش وطیور بھی خوب سیر ہو جاتے ہیں۔ اور یہی خداوندی ضیافت ہے کیونکہ اصل پوچھیں تو تمام چیزیں اللہ کی مِلک ہیں وہی رزق دینے والا ہے اور لوگوں کے پاس جو کچھ آپ دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی نے بطور عاریت کے اُنہیں دے رکھا ہے اسی وجہ سے عید کے دن روزہ رکھنا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس دن روزہ رکھنے سے اللہ کی ضیافت سے ایک قسم کا اعراض پایا جاتا ہے۔ اب ان تمام اعمال کو پورا کر کے اور خداوندی مہمانی سے فارغ ہو کر وہ اُسی باعظمت مکان کا طواف کرتے ہیں گویا کہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ خدا اُن کے گناہوں اور نافرمانیوں کے حملہ آوروں کے مقابلہ میں اُن کی مدد کرے ان کو مغفرت عنایت کرے اور اپنی نعمتوں سے اُنہیں مالا مال کر دے علاوہ اس کے اپنے وطنوں کے واپس جانے کی اجازت کے قائم مقام بھی یہی طواف ہوتا ہے گویا اس کے بعد اُنہیں واپسی کی اجازت مل جاتی ہے اور اس اجازت کو اس بات کی علامت سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کر لی وہ نہایت مہربان ہو گیا اور اب وہ ضرور اُن کے ساتھ انعام و اکرام سے پیش آئے گا نافرمانیوں کے لشکر کے مقابلہ میں اُنہیں ضرور مدد دے گا چنانچہ اُن کے رسول علیہ السلام نے اس کی خوشخبری اُنہیں سُنا بھی دی ہے پھر وہ اپنے اپنے شہروں کی طرف جانے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں اور اُن کے دِلوں میں یہ خیال جاگزین ہوتا ہے کہ ہمیں ہماری مراد مل گئی ہماری ساری کلفتیں

دُور ہو گئیں۔ اب وہ اس بیت معظم سے رخصت ہونے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور طواف رخصت ادا کرتے ہیں اُن نعمتوں کا شکر بجالاتے ہیں جو اُن متبرک مقامات میں اُن کو نصیب ہوئیں اور جب اُس سے جدا ہوتے ہیں تو اُن کا یہ حال ہوتا ہے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں دل ہے کہ صدمہ فراق سے بے چین ہوا جاتا ہے وہ ہیں کہ اپنے مولیٰ کی نعمتوں کا شکر بجالا رہے ہیں اُس کی ہدایت کی طلب میں سرگرم ہیں اُس سے کامیابی کی دُعا مانگ رہے ہیں اور ادب کے مارے پچھلے پیروں لوٹتے چلے آتے ہیں اور اس جُدائی کا اُنہیں یہاں تک غم ہوتا ہے کہ بعضوں کو کتنے ہی دِنوں تک نیند نہیں پڑتی۔ پھر جب وہ اپنے وطن پہنچ جاتے ہیں تو مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے اُن کے دل اَبدی مسرت وشادمانی سے پُر ہوتے ہیں (چنانچہ اس اَمر کا مزامیر (زبور) میں ذکر ہے) اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں بخش دیا ہم اُس کی نعمتوں سے مالا مال ہو گئے ہیں گناہوں کے حملہ آوروں سے نجات ملی۔

اگر حج کے جملہ اعمال کی ایک ایک کر کے ہم حکمت بیان کرنا شروع کریں تو بڑی ضخیم جلدیں لکھی جاسکتی ہیں کہ پڑھنے والے بھی اُکتا جائیں اور اُن کے مطالعہ کے لئے وقت بھی مشکل سے مل سکے پس جو کچھ بیان ہوا ہے اُسے یوں سمجھئے کہ بطور مشتے نمونہ از خروارے سارے دریا میں سے ایک قطرہ ہے۔ اللہ ہی میں طاقت ہے کہ وہ راہِ راست دِکھلا سکتا ہے۔ اس فرقہ نے یہ بھی دیکھا کہ شریعت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پیروان اسلام پر یہ بات ضروری کر دی ہے کہ جب اُنہیں موقع ملے تو وہ اُن لوگوں سے مقابلہ کریں جو دین میں اُن سے مخالفت کرتے ہیں اور اُن کی ایذا رسانی سے سمجھانے سے بھی باز نہیں آتے تاکہ وہ لوگ یا تو دین اسلام قبول کر لیں یا اُن کے مقابلہ میں سر اُٹھانا چھوڑ دیں اور اس مقابلے کا نام اُس نے جہاد رکھا ہے اور اس میں سراسر انصاف کا لحاظ رکھا ہے جیسا کہ کتب سابقہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خبر دی گئی ہے کہ وہ لوگوں سے انصاف کے ساتھ لڑیں گے۔

چنانچہ شریعت نے سخت ممانعت کر دی کہ کوئی لڑکے۔عورت۔پیر فرتوت کو قتل نہ کرے اور نہ اس شخص کو مارے کہ جو بقصد عبادت تعلقات دنیا کو قطع کئے ہوئے ہے ہاں جب کوئی ان میں سے لڑائی میں شریک ہو کر مقاتلہ کرے یا کسی کی جانب سے تدبیریں بتلانے کا اندیشہ ہو وہ بے شک واجب القتل ہے اور مقصود جہاد سے یہ ہے کہ اللہ کے دین کی اشاعت ہو اور جو لوگ اُس کے مخالف ہوں اُن کی رہنمائی کر دی جائے چنانچہ ظاہر ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں وہ لوگ بھی اور مسلمانوں کی طرح سمجھے جاتے ہیں اُن کے حقوق و حالات کی مثل تمام مسلمانوں کے رعایت کی جاتی ہے اس بارے میں عربی و عجمی ہونے کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ سب کے سب باہم بھائی شمار ہوتے ہیں ایک دوسرے کے معاون سمجھے جاتے ہیں ہر ہر مسلمان اپنے اور محمدی بھائیوں کی نسبت وہی حکم رکھتا ہے جیسے کہ ایک جسم کے اعضاء میں باہم علاقہ ہوتا ہے جہاں ایک عضو کو ایذا پہنچی اور تمام بدن بے چین ہو گیا۔

سب ایک ہی اُصول کے پابند ہوتے ہیں سب کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صرف اُسی یکتا خدا کا سزاوار عبادت ماننا ہے تمام مسلمان اُسی کی خوش نودی کے طالب ہوتے ہیں جب کسی طرح نہ اپنی خوشی سے اور نہ کچھ خوف کر کے مخالفین اسلام ہدایت قبول ہی نہیں کرتے تو اُس وقت اُن سے مقابلہ کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ سر اُٹھانا چھوڑ دیں مسلمانوں سے در پے عداوت نہ ہوں اُن کی ایذا رسانی سے باز رہیں مسلمان اُن کی ضرر رسانی سے محفوظ رہ کر نفع حاصل کر سکیں یہاں تک کہ آخر کار مسلمان اُن کو ذمی بنا لیتے ہیں یعنی اُن سے صلح کر کے اُن کے ذمہ دار ہو جاتے ہیں کہ ہم لوگ تمہاری جان و مال اور آبرو کی ہم پوری پوری محافظت کریں گے جو قانون کہ مسلمانوں کے لئے تمام معاملات میں جاری ہے تمہارے لئے بھی وہی قانون رہے گا ہم تمہارے دین سے تعرض نہیں کرتے تم اپنے دین کے پابند رہنے کے مختار ہو اور یہ کہہ کر اُن کا معاملہ آخرت پر اللہ کے حوالے کرتے

ہیں اور اُنہیں مجبور نہیں کرتے۔ پس اگر اسلامی جہاد کا پہلی شریعتوں کے جہاد سے مقابلہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ اس میں طرح طرح کی آسانیاں پائی جاتی ہیں کہ جو پہلے نہ تھیں چنانچہ شریعت محمدیہ یہ ہرگز حکم نہیں دیتی کہ تمام دشمنوں کا پورے طور سے قلع وقمع کر دیا جائے یہاں تک کہ ننھے بچے بھی مار ڈالے جائیں۔

جیسا کہ پہلی شریعتوں میں حکم تھا جو شخص کہ اس دین کے ساتھ پہلی شریعتوں کے جہاد کے احکام سے بھی واقف ہوگا اُسے صاف معلوم ہو جائے گا کہ اُن میں اور اس میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور اُسے اس بات کا قائل ہونا پڑے گا کہ شریعت محمدیہ کے جہاد میں انتہا درجہ کا عدل وانصاف مدنظر رکھا گیا ہے۔

حق داروں کے حقوق کی حفاظت کیلئے جو قوانین شریعت میں ہیں ان پر اس فرقے کا مطلع ہو کر ان کو اعلیٰ درجے کا پانا

اسی طرح اس فرقہ نے شریعتِ محمدیہ کی ساری عبادتوں میں غور کیا تو اُنہیں یہ معلوم ہوا کہ اُسی کے اعمال میں جیسے کہ چاہئے پورے طور پر اس بات کی رعایت کی گئی ہے کہ اُن میں خالق کی اچھی طرح سے تعظیم پائی جائے اور مخلوق پر سراسر مہربانی ہو اور نیز اس فرقہ نے یہ دیکھا کہ ان سب اعمال کا نفع اس عبادت کرنے والے ہی کو ملتا ہے خدا کو مخلوق کی اطاعت سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا اِس لئے کہ اُسے ضرورت ہی کیا ہے خدا تو تمام مخلوقات سے بالکل بے نیاز ہے۔ پھر اس گروہ نے شریعت کے اُن قوانین میں غور کیا جو اُس نے اس غرض سے مقرر کئے ہیں کہ حق داروں کا حق نہ مارا جائے اُس کی پوری حفاظت ہو۔ رعایا میں سے خواہ مسلمان ہوں یا غیر قوم کے لوگ کسی پر کوئی بدمعاش ظلم نہ کرنے پائے کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے چنانچہ ان قوانین کو بھی اُنہوں نے اعلیٰ درجہ کا پایا۔

قوانین ازدواج اوران کانہایت بقاعدہ ہونا

اسی طرح اس فرقہ نے دیکھا کہ اس شریعت نے ازدواج کے احکام بھی نہایت ہی باقاعدہ مقرر کئے ہیں چنانچہ اُس نے زوجہ وشوہر دونوں کے لئے کچھ اتفاق کی حالت میں حقوق قرار دیئے ہیں۔اور کچھ اُس وقت جبکہ وہ علیحدگی اختیار کرنا چاہیں۔اوراُس نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر وہ ایک دوسرے سے تعلق قطع کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں تا کہ ہرایک نقصان سے محفوظ رہے۔کیونکہ اگراُن کو اِس کی اجازت نہ دی جاتی اور پھراُن میں کسی وجہ سے آپس میں نفرت پیدا ہو جاتی جیسا کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ نہ زن وشوہر میں مختلف اسباب سے ناراضگی ہو جایا کرتی ہے تو اُس وقت یہ بات کچھ بعید نہ تھی کہ طرح طرح کے فساد پھیلتے جب خواہش نفسانی کا کسی پر غلبہ ہوتا تو باہم نفرت کی وجہ سے ضرور کسی دوسرے کے ذریعہ سے ناجائز طریق پر وہ خواہش پوری کی جاتی بے غیرت بننا پڑتا علاوہ اس کے جب عورت بانجھ ہوتی اور مرد میں بچہ پیدا کرانے کی قابلیت پائی جاتی یا بالعکس قصہ ہوتا تو ان دونوں میں سے ایک شخص کو ناحق اولاد سے محروم رکھنا لازم آتا اس لئے اُن کو قطع تعلق کی اجازت دینا ہی عقل کے موافق ٹھہرا پھر اُس نے طلاق دینا مرد کے اختیار میں رکھا ہے کیونکہ بخلاف عورتوں کے مردوں میں علی العموم استقلال اور عالی حوصلگی پائی جاتی ہے وہ زیادہ طرح دے سکتے ہیں اور عورتیں نہایت ہی زود رنج ہوا کرتی ہیں اور اِس کا پتہ اُس وقت لگ سکتا ہے جب کہ دونوں کی خصلتوں میں باہم مقابلہ کیا جائے۔

ماسوائے اس کے چونکہ عورت کا خرچ وغیرہ مرد ہی کے ذمہ ہے تو وہ جب تک مجبور نہ ہو جائے گا اُس وقت تک اُس کو چھوڑ کر کبھی اپنا نقصان گوارا نہ کرے گا اور اگر کوئی نادان اتفاق سے اِس کے خلاف نکل بھی آئے تو اِس کا اعتبار نہیں ہوسکتا، سارا خرچ بخلاف عورت کے مرد ہی کے ذمہ شریعت نے اِس لئے مقرر کیا ہے کہ مرد فطرتی

طور پر بہ نسبت عورت کے جسمانی ساخت میں قوی ہونے کی وجہ سے تحصیل معاش پر زیادہ قادر ہے اور جو کچھ مشقتیں اس میں درپیش ہوں گی وہ بخوبی برداشت کرسکتا ہے ہاں عورت کے لئے یہ مناسب ہے کہ خانہ داری کے اندرونی انتظامات کی دیکھ بھال کرے بچوں کی غورو پرداخت میں مشغول ہو جیسا کہ مرد بیرونی مصلحتوں کے لئے کوشش کرتے ہیں اور اس طرح پر عورت جو کہ مرغوب طبع اور مردوں کی منظورِ نظر ہے گھر سے باہر نکلنے پر بھی مجبور نہ ہوگی اور فتنوں سے محفوظ رہے گی۔ عورتوں کے پردہ میں رہنے کی حکمت اور یہ کہ پردہ ان کے حق میں ظلم میں نہیں بلکہ بدعنوانیوں سے ان کی حفاظت کا ذریعہ اسی لئے فتنہ اور اسباب حرام کاری کے انسداد کی غرض سے جو کہ شرعاً اور عقلاً دونوں اعتبار سے قبیح ہے شریعت نے عورت کو پردے میں رہنے کا حکم دیا ہے اور یہ عورتوں کے اعلیٰ درجے کے اوصاف میں سے ہے اور اُن کے لئے بڑے افتخار کا باعث ہے جس قدر کہ اس وصف میں وہ کامل ہوں اُتنا ہی زیادہ فخر کرسکتی ہیں۔ پس جس طرح کہ کسی نفیس شے کو لوگوں کی نظروں سے بچایا کرتے ہیں اور کسی کو نہیں دِکھلاتے اور سات پردوں میں چُھپا کر رکھتے ہیں۔

اِسی طرح پردہ سے بھی مقصود یہ ہے کہ عورتوں کی حفاظت کی جائے اُنہیں ہر کس و ناکس نہ دیکھ سکے نہ یہ کہ جیسا بعض نادان خیال کیا کرتے ہیں کہ عورت کے ساتھ بدگمانی کرنے کی وجہ سے پردہ کیا جاتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عورتوں کو یہ حکم دیا جاتا کہ وہ مردوں کے دیکھنے سے اپنی نظروں کو ہر وقت بچایا کریں اور مردوں کو حکم ہوتا کہ وہ عورتوں سے پردہ کیا کریں اور یہ خیال کرنا بھی بے جا ہے جیسا کہ بعض کم فہم خیال کراتے ہیں کہ عورتوں کو پردہ میں رکھنا اُنہیں قید کرنے کی مثل ہے اُن پر بڑی تنگی کی جاتی ہے جس سے کہ اُن کی آزادی میں خلل پڑتا ہے اور وہ بالکل نیست و نابود ہوئی جاتی ہیں کیونکہ مسلمان عورت تو بچپن ہی سے پردہ میں رہا کرتی ہے پردہ ہی میں وہ جوان ہوتی ہے اپنے پیدائش ہی کے زمانہ سے وہ پردے کے ساتھ مالوف

ہو جاتی ہے گویا کہ وہ اُس کی فطرت میں داخل ہو جاتا ہے اُس کو یہاں تک پردے کی عادت ہو جاتی ہے کہ وہ اُس سے اُنس اور محبت کرنے لگتی ہے اُس کو بھی ایسا ہی ضروری خیال کرتی ہے جیسا کہ اپنی اور طبعی عادات کو حتیٰ کہ جو عورتیں اس میں ذرا کوتاہی کرتی ہیں اُنہیں شرم دِلانے پر آمادہ ہو جاتی ہے اُن کو بے شرم بے باک قرار دیتی ہے اِس کو اُن کا ہلکا پن خیال کرتی ہے علاوہ بریں یہ سمجھ کر کہ پردہ اللہ کا حکم ہے اُسے خوشی سے قبول کر کے خداوند کریم کے عطاء اور ثواب کی اُمیدوار بن جاتی ہے پس جب یہ حالت ہو تو کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو مظلوم و قیدی بنا رکھا ہے ظلم تو جب ہوتا کہ اُسے وہ اپنی خوشی سے نہ اختیار کرتی شریعت کے موافق پردہ کرنے میں ظلم کا کہیں پتہ بھی نہیں ہے۔

عورتوں کی بے پردگی اوران کی اجنبی مردوں سے میل جول کرنے کی خرابیاں

حق تو یہ ہے کہ اس شریعت میں عورت کی بڑی حفاظت کی جاتی ہے بدکاروں اور بدمعاشوں کی نظروں سے خوب بچایا جاتا ہے اور یہ لحاظ کیا جاتا ہے کہ نادانوں کو عورت کی نسبت جس کے بارے میں بڑی غیرت سے کام لیا جاتا ہے زبان درازی کا موقع نہ ملے علاوہ بریں عورتوں میں بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں پوری پوری پارسائی نہیں پائی جاتی اُن کی عادتیں اچھی نہیں ہوا کرتیں تو ایسی حالت میں پردہ کرنے سے عورت کی نسبت کسی قسم کی خیانت کا مشکل سے خیال ہو سکتا ہے بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اُس کے خاوند کو بچہ کے نسب کے بارے میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے پس جو اولاد اُس کے بطن سے پیدا ہو گی وہ نہایت اطمینان کے ساتھ یقین کر لے گا کہ میرے ہی نطفہ سے ہے اِس وقت شیطان کو اُس کے دل میں عورت کی نسبت وسوسہ ڈالنے کی گنجائش نہ رہے گی بخلاف اُس صورت کے جبکہ عورت بے پردہ

ہو کر باہر نکلتی ہو اور غیر مردوں سے میل جول رکھتی ہو۔ باوجود ان سب باتوں کے اگر عورت کو کوئی ضرورت پیش آجائے مثلاً یہ کہ اُسے دینی احکام سیکھنا ہیں اور اُس کا خاوند یا اور عزیز وقریب اُس کو نہیں بتلا سکتا یا اپنے بھائی بندوں سے اُسے ملنا ہے تو ایسی حالت میں شریعت نے عورت کو باہر نکلنے کی اجازت بھی دی ہے لیکن وہی پردے کے ساتھ تا کہ بدکاروں کی نظروں سے محفوظ رہے اور شہوت پرستوں کے ہیجان کا باعث نہ ہو جس میں کہ اُس کی پارسائی اور آبرو پر حرف نہ آنے پائے۔

اگر تعصب کو چھوڑ کر عقل سلیم سے پوچھا جائے تو وہ یہی حکم دے گی کہ بے شک عورت کے لئے پردہ نہایت ہی عمدہ احکام میں سے ہے زن وشوہر دونوں کا اس میں فائدہ ہے بلکہ یوں کہئے کہ اس کا نفع تمام لوگوں کو پہنچتا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے شہروں سے فساد دُور رہتا ہے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جن شہروں میں عورتیں پردے میں رہتی ہیں وہاں کے اہالیان پولیس کو حرام کاری کے لئے خاص خاص مقامات نہیں مقرر کرنا پڑتے جہاں کہ بدکار لوگ ناجائز طور پر اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے جمع ہوا کریں کیونکہ وہاں کے بے باک لوگوں کی خواہش نفسانی میں بھی عورتوں کے نہ دیکھنے کی وجہ سے چنداں جوش نہیں پیدا ہوتا جس کی وجہ سے با آبرو لوگ اپنی عورتوں کی نسبت مشکوک ہونے سے محفوظ رہتے ہیں بخلاف اُن شہروں کے جہاں کی عورتوں میں پردہ کی رسم نہیں ہے اور وہ بے حجاب پھرتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ وہاں کی میونسپلٹی کو حرام کاری کیلئے خاص خاص مقامات متعین کرنے کا اہتمام کرنا پڑتا ہے اور وہ بدکاروں کو اُن سے نہیں روک سکتی اللہ کی پناہ اس فعل شنیع کی یہاں تک کثرت پائی جاتی ہے کہ وہاں کے بچوں کی تعداد پورا کرنے میں قریب قریب نصف کے حرام سے پیدا ہونے والے بچے شامل ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم شریف عورتوں کی حفاظت کی غرض سے اس نامعقول امر کے اختیار کرنے پر مجبور ہیں پس اگر اُن بدکاروں سے جن کی شہوتیں کہ عورتوں کو ننگا

کھلا دیکھتے دیکھتے ترقی کر چکی ہیں اُنہیں خوف نہ ہوتا اور آبرو والے لوگ اپنی عورتوں کی عزت کو نہ ڈرتے ہوتے اور یہ اندیشہ اُن کو نہ لگا ہوتا کہ یہ لوگ عورتوں کے معاملہ میں ہماری کچھ چلنے نہ دیں گے تو وہ کبھی ایسے قابل نفرت اُمر کا ارتکاب نہ کرتے نفریں اور شرم ہے ایسوں پر جو کہ ملکی انتظام کے مدعی ہوں اور حیوانی حرکات اختیار کر کے اپنی عورتوں کی حفاظت کریں۔ کاش اگر وہ عورتوں کے پردہ کا انتظام کرتے تو پھر اُنہیں ایسے قابل ملامت فعل کے اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی اب یہ اُمر بخوبی واضح ہو گیا کہ عورتوں کا بے پردہ ہو کر نکلنا نہایت ہی ضرر کی بات ہے اور بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ عورتوں کے پردے میں رہنے سے نقصان ہے تو بے پردگی میں اُس سے بڑھ کر نقصان متصور ہے اور ظاہر ہے کہ جس میں کم ضرر ہو اُسی کا اختیار کرنا عقلاً ونقلاً بہتر ہوا کرتا ہے چہ جائیکہ بے پردگی میں بکثرت نقصانات ہوں اور پردہ کرنے میں سراسر فائدے ہی فائدے ہوں کہ جس کو ہر عاقل مان لے گا۔

قوانین معاملات بیع اجارہ وغیرہ کا شریعت محمدیہ میں نہایت عدل کے موافق ہونا

پھر اُس فرقہ نے جب کہ شریعتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قوانین معاملات کی طرف توجہ کی اور خرید وفروخت۔ کرایہ شرکت۔ قرض وغیرہ کے احکام میں غور کیا اور دیکھا کہ جائیداد کی تقسیم اس میں بالکل حکمت کے موافق ہے اُسی شخص کو اس میں ترجیح دی گئی ہے جس کو کہ حاجت زیادہ ہوا کرتی ہے۔ جس کے ساتھ کہ بہت ہی نزدیک کی قرابت پائی جاتی ہے اور امداد کے موقع پر جس سے کہ مدد پہنچنے کی زیادہ اُمید ہو سکتی ہے پس اُنہیں یہ معلوم ہوا کہ سارے احکام نہایت ہی کامل انتظام اور بندوبست کی رعایت کر کے مقرر کئے گئے ہیں جس میں کہ تمام معاملات انصاف کے موافق ہوں اور منازعت نہ ہونے پاوے پھر اس فرقہ نے حدود اور قصاص اور

اُن تعزیرات میں غور کیا جو کہ اس شریعت نے لوگوں کی جان و مال آبرو اور عقل کی حفاظت کیلئے مقرر کئے ہیں پس اُن سب کو اُنہوں نے بالکل حکمت کے موافق اور امن و امان کا ذمہ دار پایا بیان اُس کا یہ ہے کہ جو شخص یہ جان لے گا کہ اگر وہ کسی دوسرے کو قتل کرے گا تو وہ بھی قتل کیا جائے گا تو پھر وہ قتل سے ضرور باز رہے گا اِس طرح سے کم سے کم دو آدمیوں کی جان بچے گی اسی نکتہ کی وجہ سے قرآن شریف میں وارد ہوا ہے کہ قصاص لینے میں زندگی حاصل ہوتی ہے۔

حدِ سرقہ اور اس کی حکمت

علیٰ ہذا القیاس جسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ چوری کرنے سے اُس کا خیانت کرنے والا ہاتھ قطع کر دیا جائے گا تو پھر اُسے چوری کرنے کی جرأت نہ ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دولت مندوں کو اپنے مال کے چوری ہونے کا کھٹکا نہ رہے گا۔ایک شخص نے کسی کج فہم کے اعتراض کا کیا اچھا جواب دیا ہے جبکہ اُس نے یہ اعتراض کیا کہ عجب تماشے کی بات ہے کہ ہاتھ کی دیت تو پانچ سو اشرفیاں دینا پڑیں اور جب کوئی چوتھائی دینار بھی چُرا لے تو اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے اور وہ جواب یہ ہے کہ امانت داری ہاتھ سے کہیں بیش قیمت ہے اور خیانت کی ذلت بالکل ارزاں ہے۔اور اُس کی بے قدری کی کچھ پروا نہیں ہو سکتی پس اب خداوندی حکمت کو سمجھ جاؤ۔

رجم محصن کی حکمت

چونکہ حرام کاری باوجود بہتیری خرابیوں کے اُس بچہ کے قتل کا سبب ہوا کرتی ہے جو کہ حرام سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ اُس کا نسب بے پتہ ہوتا ہے اُسے کوئی اپنے کنبہ میں نہیں شمار کرتا تا کہ اُس کی مدد کرے اور نہ کوئی اُس کا پرورش کرنے والا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اکثر مر جایا کرتا ہے اِس لئے شریعت نے حرام کاری کرنے والے کی جبکہ وہ اپنی منکوحہ سے متمتع ہو چکا ہے یہ سزا قرار دی ہے کہ پتھروں سے اُسے مار ڈالیں

تا کہ جیسے کہ شہوت رانی سے سارے بدن کو لذت ملی تھی اُسی طرح اُس کا ہر ہر عضو اُس کی سزا کا مزہ بھی چکھ لے۔ اور اگر وہ حرامکار ایسا نہ ہو تو اُس وقت کسی قدر اُس کو معذور رکھ کر صرف سوکوڑوں ہی پر اکتفا کیا گیا ہے جو کہ اُس کے سارے اعضاء پر لگائے جائیں گے جنہوں نے کہ بے جا شہوت رانی کی لذت اُٹھائی تھی ہاں وہ مقامات مستثنیٰ ہیں جن پر ضرب لگنے سے موت کا اندیشہ ہو۔ یا اُن سے حلیہ بگڑ جاتا ہو اور ان سوکوڑوں سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو بچہ کہ اُس سے پیدا ہو سکتا تھا اور اُس نے حرام کاری سے اُسے ضائع کر دیا ممکن تھا کہ سو برس تک زندہ رہتا اور یہ وہ عمر ہے جس کی انسان میں جسمانی ساخت اور آہستہ آہستہ نشو ونما پانے کے لحاظ سے فطرتاً قابلیت پائی جاتی ہے چنانچہ بعض اطباء کا یہ قول بھی ہے لیکن چونکہ زندگی بسر کرنے میں مختلف حوادث پیش آتے ہیں اُن کی وجہ سے بسا اوقات موت کے بہت سے اسباب لاحق ہو جاتے ہیں پس اس مدت سے پہلے ہی کبھی انسان کی اجل آ پہنچتی ہے جو اُس کے لئے مقرر تھی اور وہ مر جاتا ہے اور کبھی یہی مدت اُس کی اجل ہوا کرتی ہے تو وہ اس عمر کو پہنچ کر مرتا ہے پس جتنے سال تک کہ اس بچہ میں جس کو کہ اُس نے حرام کاری کی وجہ سے ضائع کر دیا زندہ رہنے کی قابلیت ہو سکتی تھی ان میں سے ہر ہر سال کے مقابل میں ایک ایک کوڑا مقرر کیا گیا۔

پھر چونکہ انسان میں سو برس تک زندہ رہنے کی قابلیت پائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ ابتداء عمر میں پندرہ برس سے پہلے پہلے اُس کی عقل کا بوجہ ناقص رہنے کے تکالیف شرعیہ میں اکثر اعتبار نہیں ہوتا جیسا کہ اگر اُس کی سو برس کی عمر ہو تو اکثر قریب پانچ برس کے اُس کی عقل نہایت ہی ضعیف ہو جایا کرتی ہے اس بناء پر جو زمانہ اُس کی عقل کے قوی قابل اعتبار اور کامل رہنے کا ہے صرف اسی برس رہ جاتا ہے پس جو شخص کہ عقل ایسی چیز میں جو کہ بعد ایمان کے اللہ کی نہایت ہی عظیم نعمت ہے شراب پی کر خلل اندازی کرے جس سے کہ عقل یا تو بالکل ہی جاتی رہتی ہے یا ضعیف ہو جاتی ہے

شریعت نے اس کی سزا اَسّی کوڑے مقرر کی ہے پس گویا کہ جس مدت میں نعمت عقل پوری پوری پائی جاتی ہے اُس کے ہر ہر سال کے عوض میں ایک کوڑا قرار دیا ہے اور اس عدد سے شرابی کے لئے یہ اشارہ ہے کہ اے شراب پینے والے اِس مدت تک جو نعمت عقل تیرے پاس بخوبی پائی جاتی تو نے شراب پی کر اُس میں رخنہ اندازی کی اسی لئے تجھ کو اتنے کوڑوں کی سزا دی گئی۔ پھر انسان اپنے بالغ ہونے کی مدت یعنی اکثر پندرہ برس سے پہلے پہلے چونکہ مکلف نہیں ہوتا پس آبرو کے بارے میں اُس کی بے عزتی نہیں ہوتی جتنی کہ بالغ آدمی کی اسی طرح اگر وہ اپنی عمر طبعی یعنی سو برس تک زندہ رہے تو آخر کے پانچ سالوں میں چونکہ اُس کے شہوت وقویٰ میں انتہا درجہ کا ضعف ہو جاتا ہے تو نہایت مشکل سے اُس کی نسبت کسی فحش امر کے ساتھ متہم ہونے کا گمان ہو سکتا ہے اِس لئے غالباً اس مدت میں بھی اُس کی بے عزتی ہونا بہت ہی مستبعد اَمر معلوم ہوتا ہے پس وہ زمانہ جس میں کہ اُس کی آبرو کی کامل طور پر محافظت کی اکثر ضرورت پڑسکتی ہے وہ صرف اَسّی برس ٹھہرتے ہیں پس اسی وجہ سے شریعت نے ایسے شخص کی سزا جو کسی دوسرے کو تہمت لگا کر اُس کی آبروریزی کرے اَسّی کوڑے مقرر کئے ہیں گویا کہ اِس عدد سے اس زمانہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جس میں کہ آبرو کی پورے طور سے حفاظت کیا کرتے ہیں اور تہمت لگانے والے کو گویا کہ یہ خطاب کیا جاتا ہے کہ تو نے جس کی تہمت لگا کر آبروریزی کی ہے اُس کی آبرو کی پوری پوری حفاظت کرنے کی اس مدت تک ضرورت پڑا کرتی تھی اِسی لئے تجھے یہ سزا دی گئی۔

شریعت محمدیہ شرائع سابقہ کے احکام کی جامع ہے اور ان کی ہر حالت کے مناسب آداب وقوانین مقرر کئے ہیں۔

پھر یہ دیکھئے کہ شرائع سابقہ میں سے بعض میں قاتل کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم تھا اور بعض میں معاف کر دینے کا شریعت محمدیہ نے اِن دونوں حکموں کو جمع کر لیا اس لئے اُس نے مقتول کے ولی کو اس اَمر کی اجازت دی ہے کہ اگر چاہے تو وہ قصاص

سے لے یا معاف کر دے اور معافی کو تقویٰ کے قریب ٹھہرا کر اُس نے اُس کی ترغیب دی ہے (اسی طرح پر آپ اور اکثر احکام کو پائیں گے کہ جو شرائع سابقہ میں جدا جدا پائے جاتے تھے اس شریعت نے اُنہیں جمع کر دیا اور سب کا خلاصہ نکال لیا اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا کیونکہ اسی شریعت میں تمام شریعتوں کا خاتمہ ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے تمام شریعتوں کی خوبیوں کو اس میں مجتمع کر لیا۔ (انسان کی جملہ حالتوں کے موافق شریعت نے قواعد و آداب مقرر کیے ہیں) پھر اس فرقہ نے اس شریعت کے آداب کو دیکھنا شروع کیا تو اُن کو ہر باب میں اس کے قواعد و آداب بالکل مکمل نظر آئے چنانچہ اُنہوں نے دیکھا کہ اُس نے کھانے۔ پینے۔ سونے۔ قضائے حاجت کرنے یہاں تک کہ صحبت کرنے تک کے قواعد مقرر کئے ہیں یہ بتلایا ہے کہ باہم اُٹھنے۔ بیٹھنے۔ باتیں کرنے کا کیا طریق ہے سفر اور حضر میں کن اُمور کی رعایت کرنا چاہیئے زن و شوہر اور تمام عزیز و قریب باہم کیا برتاؤ کریں پڑوسیوں اور دوستوں سے کیا معاملہ کرنا مناسب ہے۔ مسلمان مسلمانوں اور غیر قوموں کے ساتھ کس طرح سے پیش آئیں اسی طرح پر تمام اُمور کے آداب و قاعدے اُس نے مقرر کر دیئے ہیں جن کا کہ شریعت میں غور و فکر کرنے سے پتہ لگ سکتا ہے۔

پھر اِس فرقہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ملکی حالات کی جانچ شروع کی اور اس بات کی تفتیش کرنے لگے کہ جو کچھ آپ حکم دیتے ہیں اُس کا نفع خاص آپ کی ذات اور آپ کی اولاد ہی پر محصور رہتا ہے یا عام لوگوں کو پہنچتا ہے پس باوجود انتہا درجہ کی باریک بینی اور اعلیٰ درجہ کی تلاش کے بھی اُنہیں آپ کا کوئی حکم ایسا نہیں ملا اور نہ آپ کی شریعت میں کوئی اَمر اس قسم کا نظر آیا کہ جس کا فائدہ خاص آپ کی ذات یا آپ کی اولاد ہی کے ساتھ وابستہ ہوتا اور اُس کی منفعت عام نہ ہوتی۔

اور جو بات بظاہر اس قسم کی معلوم بھی ہوئی تو غور کرنے سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حقیقت میں اُس کا نفع بھی تمام لوگوں کے لئے عام ہے اور اُس میں عام مصلحت کا

لحاظ کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ مال غنیمت میں سے قبل تقسیم کرنے کے آپ کچھ لے لیتے تھے جس کو کہ صفی کہتے ہیں اگرچہ اس کے ساتھ ابتداءً آپ اپنے منصب ریاست کی عظمت قائم رکھنے کے لئے اپنے نفس کی بظاہر تخصیص کیا کرتے تھے جیسا کہ علی العموم حاکم ومحکوم میں اس اَمر کی رعایت دیکھی جاتی ہے۔

اور اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ حاکم کی عظمت اور شان وشوکت اس کے مطیعین کے دل میں خوب مستحکم ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ ملکی انتظام کے مقاصد میں سے اعلیٰ درجہ کا مقصد ہے آخرکار جو کچھ آپ لے لیتے تھے وہ فقیروں کی حاجت برآری میں صرف کر ڈالتے تھے پس معلوم ہوا کہ آپ کا بظاہر اپنی تخصیص کرنا داب ریاست کے موافق اپنی شان وشوکت اور اختیار ظاہر کرنے کی غرض سے ہوتا تھا اور اس لئے کہ دولت منداُس کے لینے سے باز رہیں اور وہ مال حاجت مندوں کو پہنچ جائے اور اس خوب صورتی سے کام انجام پائے کہ مال داروں کو حاجت مندوں سے کینہ رکھنے کا بھی موقع نہ ملے اور اُن کی کاربرآری بھی ہو جائے ورنہ شاید فقیروں ہی کو تقسیم کرنے سے دولت منداُن کو اپنے اُوپر ترجیح دیتے ہوئے دیکھ کر اُن کے دشمن ہو جاتے اس لئے آپ نے یہ طریق اختیار کیا بلکہ آپ کا تو علی العموم یہ دستور تھا کہ جو کچھ آپ کے پاس آتا تھا اس میں سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حاجت روائی کی مقدار رکھ کر باقی سب محتاجوں کو تقسیم کر دیا کرتے تھے اور یہ ایسی بات ہے کہ جس میں شبہ کی گنجائش نہیں متواتر طور پر یہ ثابت ہے (یہاں تک کہ آپ دنیا سے بھی اسی حال میں رخصت ہو گئے کہ اپنے اہل وعیال میں سے کسی کو ایک درہم ودینار کا وارث بھی نہ بنایا بلکہ آپ نے اپنی ساری جائیداد منقولہ کو خیر وخیرات میں صرف کر دیا اور غیر منقولہ جائیداد کو فی سبیل اللہ محتاجوں کے لئے وقف کر دیا) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور تمام مسلمانوں کے اہل وعیال کے بارے میں ہمیشہ مساوات مدنظر رکھی) اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اہل وعیال کے لئے مسلمانوں کے خزانہ میں سے لینے میں آپ نے

ہمیشہ مساوات کو مدّنظر رکھا کبھی آپ نے اپنوں کو اپنا سمجھ کر ترجیح نہیں دی اور نہ اپنی اولاد میں سے کسی کے لئے اپنی خلافت یعنی جانشینی کی وصیت کی بلکہ یہ اُمر محض مسلمانوں کی رائے پر چھوڑ دیا کہ جس کو مناسب سمجھیں وہ اپنی رائے سے مقرر کرلیں اوراگر آپ چاہتے تو کسی کی نسبت اپنی جانشینی کے لئے تصریحاً ارشاد فرمادیتے پھر کسی کو قیامت تک بھی آپ کی مخالفت کی جرأت نہ پڑتی اوراس بارہ میں سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ آپ اپنے دوستوں اور کنبہ والوں کو ہمیشہ یہ نصیحت کرتے رہے کہ حاکم بننے سے جہاں تک بچ سکیں بچیں اور دنیاوی منصب اور سازوسامان پر کبھی مغرور نہ ہوں۔

تعدد ازواج اوران کا چار میں محصور ہونا

پھراس فرقہ کو یہ معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور ظلم وتعدی کرنے سے بالکل معصوم ومحفوظ ہیں آپ کی کتنی ہی بیبیاں کیوں نہ ہوں آپ اُن کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرنے پر پورے طور سے قدرت رکھتے ہیں اس لئے شریعت نے آپ کیلئے اجازت دے دی کہ جتنی عورتوں کے ساتھ آپ چاہیں نکاح کرسکتے ہیں جیسے کہ پہلے رسولوں کیلئے اجازت تھی مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام وحضرت سلیمان علیہ السلام یا اُن کے علاوہ اور انبیاء علیہم السلام لیکن (تعداد ازواج کی حکمت) جب رسولوں کے علاوہ اگر عورتیں بہت زیادہ ہوں تو عام طور پر انسان انصاف کے ساتھ پیش آنے سے عاجز پایا جاتا ہے اس لئے آپ کی پیروی کرنے والوں میں سے کسی کیلئے چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی اور ایک سے زیادہ شادی کی اجازت دینے میں گویا کہ شریعت نے عورتوں کی تعداد کی زیادتی کا لحاظ کیا ہے کیونکہ مردوں کی تعداد کا بہ نسبت عورتوں کے اس وجہ سے کم ہوجانا کہ اُنہیں سیروسیاحت اور کسب معاش وغیرہ کی مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں لڑائی میں کام آتے ہیں ایک ضروری اُمر ہے پس اگر مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہیں دی

جاتی تو فاضل عورتیں بالکل معطل اور بیکار رہتیں اور بلا وجہ ان کو نسل کی افزائش سے روکنا لازم آتا علاوہ بریں مرد میں سن بلوغ سے لے کر آخر عمر تک خواہ دو سو ہی برس تک کیوں نہ زندہ رہے توالد و تناسل کی استعداد باقی رہا کرتی ہے بخلاف عورت کے کہ وہ پچاس یا پچپن برس کے بعد اولاد سے بالکل مایوس ہو جاتی ہے کیونکہ اس سن میں اُس کا حیض منقطع ہو جاتا ہے اور تخم یعنی وہ مادّہ جس سے کہ بچہ بنتا ہے اُس میں باقی نہیں رہتا۔

اور یہ بات بھی خدا کے لطف سے خالی نہیں (اس لئے کہ حاملہ ہونے سے بچے جننے اور دُودھ پلانے کی وجہ سے اُس کی قوتوں میں ضعف آ جاتا ہے اگر اب بھی بچہ ہوتا تو اُس کیلئے مصیبت پر مصیبت بڑھ جاتی پس عورت کے بالغ ہونے سے لے کر سن یاس تک باعتبار اکثر کے کل پینتیس برس کی مدت رہ جاتی ہے جس میں کہ عورت میں بچہ ہونے کی قابلیت باقی رہتی ہے پس اگر مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ ہوتی تو ایک عورت کے ساتھ رہ کر اپنی عمر کے ایک بہت بڑے حصے تک اُسے ناحق اپنی نسل پھیلانے سے محروم رہنا پڑتا۔ پس کئی شادیوں کی اجازت دینے سے مرد کو اپنی نسل میں معطل رہنے کی آفت سے نجات مل گئی۔ اس موقع سے طلاق دینے کی اجازت کا نکتہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کیونکہ برتقدیر اجازت نہ ہونے کے اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ عورت کے مانند شادی کرنے پر قادر نہ ہوتا تو درصورت اُس کی زوجہ کے بانجھ ہونے یا کبر سنی کی وجہ سے اولاد سے مایوس ہو جانے کے باوجود توالد و تناسل کی استعداد کے اُسے امر دکو نسل سے معطل رہنا پڑتا اس لئے کہ طلاق تو دے ہی نہیں سکتا کہ بجائے اپنی زوجہ کے دوسری عورت سے شادی کر لیتا اس طرح پر اگر توالد و تناسل کی قابلیت نہ ہوتی تو عورت کو اولاد سے معطل رہنا پڑتا۔ اب یہ دونوں خرابیاں دفع ہو گئیں رہی یہ بات کہ طلاق دینے کا اختیار صرف مرد ہی کو کیوں دیا گیا اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے وہاں دیکھنا چاہئے۔ لیکن اب ہم ایسی تقریر بیان کرتے ہیں جس سے یہ اَمر مدلل اور مبرہن ہو جائے کہ طلاق کا جائز ہونا عقل کے موافق ہے اور اُس سے منع کرنا نظام خدا

وندی اور ترتیب طبعی کے منافی ہے سوائے اپنی بڑائی کے زعم میں ہٹ دھرمی کرنے والے کے اس کا کوئی مخالف نہیں ہوسکتا پس ہم کہتے ہیں کہ اس رسالہ کے شروع میں پیشتر یہ بات بیان ہوچکی ہے کہ حکمت الٰہی اِس امر کو مقتضی ہے کہ نوع انسانی میں توالد وتناسل جاری رہے اور اُس کی کثرت ہوتی رہے اور یہ کہ مرد میں سن احتلام سے لے کر مرتے دم تک تولید کی استعداد و قابلیت رہتی ہے اور عورت میں سن احتلام سے لے کر صرف سن ایاس ہی تک تولید کی قابلیت پائی جاتی ہے اُس کے بعد نہیں رہتی اور اس مدت کی کل مقدار پینتیس سال ہوتے ہیں۔ پس جب خاوند و زوجہ میں مقارنت ہو اور اُن دونوں میں توالد و تناسل نہ پایا جائے اور یہ بہت ہوتا ہے تو اِس صورت میں اتنے احتمال ہونگے کہ اس کا مانع یا تو خاوند کی جانب سے ہے۔ پس جس حالت میں کہ طلاق ممنوع ہو تو اِن دونوں کی ساری عمر بلا نسل کے گذر جائے گی اور اگر ان دونوں میں سے کسی میں تولید کی استعداد موجود ہوگی تو اُسے نسل سے ناحق معطل رہنا پڑے گا اور کبھی کبھی اس معطل رہنے کی مدت پچاسی برس تک متصور ہوسکتی ہے لیکن جب طلاق جائز ہوگی تو وہ کچھ دن صبر کرنے کے بعد اُس عورت کو طلاق دے کر دوسری عورت سے مقارنت کرسکے گا۔ اور اُس عورت کو بھی دوسرے مرد سے مقارنت کرنا ممکن ہوگا۔

پس اُن دونوں میں سے جس میں تولید کی استعداد ہوگی اس وقت وہ نسل سے کامیاب ہوسکے گا اور معطل نہ رہے گا۔ اور جس میں استعداد نہ ہوگی اُس پر اپنی حقیقت حال کے ظاہر ہوجانے سے اُس کے دل کو راحت نصیب ہوجائے گی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُن دونوں میں تولید نسل کی استعداد موجود ہوتی ہے لیکن اُن دونوں کے آلۂ تناسل متوافق نہیں ہوتے پس جب دونوں میں مفارقت ہوجائے گی تو اُن میں سے ہر ایک کو ممکن ہوگا کہ کسی دوسرے سے مقارنت کرکے نسل حاصل کرسکے اور اپنی تولید کی استعداد کے ثمرہ سے محروم نہ رہے۔ اور یہاں پھر ہم اُس اَمر کی طرف رجوع ہوتے ہیں جس کی بحث ہم پہلے کررہے تھے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ ایسی صورت

میں جب مرد اُس عورت کو طلاق دینے میں توقف کرنا چاہے جو کہ اُس سے حاملہ نہیں ہوئی تو اُسے (تعدد ازواج کی بناء پر) ممکن ہوگا کہ اس بات کے ظاہر کرنے کی غرض سے کہ حمل کا مانع کس کی جانب سے ہے کسی دوسری عورت سے مقارنت کرے۔ پس اگر وہ مانع زوجہ کی جانب سے ظاہر ہو تو اس صورت میں اگر وہ چاہے گا تو اُسے بدستور عقد میں باقی رہنے دے اور اُس فضل واحسان کو جو اُس کے اور زوجہ کے مابین ہے نہ بھولے اس لئے کہ اب اُس کے طلاق دینے سے کیا فائدہ (کیونکہ وہ دوسرے سے مقارنت کر کے نسل تو حاصل کر ہی نہیں سکتی اس لئے کہ اُس میں سبب مانع حمل موجود ہے اب اُس کے حق میں یہ خاوند اور دوسرا شخص دونوں برابر ہیں اس لئے اگر خاوند چاہے تو اُسے اپنے پاس رہنے دے) اور اگر یہ ظاہر ہو کہ حمل کا مانع خود اُسی خاوند ہی کی جانب سے ہے تو اُسے اس عورت کو اپنے پاس رکھنے کا اختیار ہے اور ہم قانون سابق کے مقتضا کے موافق یہ نہیں کہتے کہ اُسے اُس وقت طلاق دینا واجب ہے تاکہ وہ عورت دوسرے سے مقارنت کر سکے کیونکہ اُس عورت میں استعداد تولید کا پایا جانا ہی متیقن نہیں ہے بلکہ اس میں شک ہے کیونکہ ممکن ہے کہ عورت میں بھی استعداد تولید موجود نہ ہو اور احکام شک پر مبنی نہیں ہوا کرتے۔

پھر کبھی طلاق کے جائز کئے جانے کا ایک اور بڑا اہم اور ضروری سبب پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خاوند وزوجہ میں نفرت پیدا ہو جائے اور اُس کے بہت سے اسباب ہیں مثلاً یہ کہ کسی مزمن مرض کا لاحق ہونا۔ بدصورت ہو جانا۔ آلۂ تناسل کا معطل ہونا۔ عورت کا اپنے خاوند کی اولاد کے نسب محفوظ رکھنے کے بارے میں اس طرح اُس سے خیانت کرنا کہ اُس کو خاوند ظاہر نہ کر سکتا ہو اور نہ حاکم کے روبرو ثابت کرنا اُسے ممکن ہو پس اگر طلاق ممنوع ہوگی تو اس حالت میں دونوں کی زندگی تلخ ہو جائے گی اور دونوں کے دونوں اپنی تمام عمر اس تلخی کا مزہ چکھتے رہیں گے اور اُن دونوں کی آنکھوں میں فساد اور بے حیائی کے دروازے کھل جائیں گے لیکن جب طلاق جائز ہوگی تو دونوں اس

تنگی اور اس بے لطفی سے چھٹکارا پانے کا قصد کریں گے اور بے حیائی کے ارتکاب سے اور نیز دیوث بننے سے محفوظ اور پاک وصاف رہ سکیں گے۔

باقی رہا یہ اَمر کہ طلاق صرف خاوند ہی کے ہاتھ میں کیوں رکھی گئی عورت کے اختیار میں کیوں نہ ہوئی اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرد کی عقل عورت سے زیادہ درست اور ثابت ہوا کرتی ہے اور عورت کے خیالات ذرا سی بات میں فوراً بدل جایا کرتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ اَمر علی العموم مسلم ہے اور پہلے یہ گذر چکا ہے کہ عورت کے نان ونفقہ کے مرد ہی کو تکلیف دی گئی ہے پس جب عورت سے اُسے کسی قسم کی نفرت پیدا ہو جائے گی تو مرد کے نزدیک راجح یہی اَمر ہوگا کہ جہاں تک ہو سکے اس کو برداشت کرلے اس نظر سے کہ اُس کی عقل ثابت اور قوی ہے اور نیز اُسے یہ خوف بھی لگا ہوگا کہ جو کچھ اُس نے عورت پر خرچ کیا ہے کہیں ضائع اور برباد نہ ہو جائے پس اس وجہ سے اُسے طلاق دینے اور اُس کی مفارقت اختیار کرنے سے حتی المقدور باز رہے گا۔ رہی عورت چونکہ وہ ان دونوں باتوں سے (یعنی قوت عقل اور خوف ہلاک نفقہ) خالی ہے نہایت قریب ہے کہ جب ذرا بھی کوئی نفرت کا باعث پایا جائے گا تو وہ بلا تأمل طلاق دینے اور اُس کی مفارقت اختیار کر لینے پر آمادہ ہو جاوے گی اور اُس کو چھوڑ دوسرے کو جا ڈھونڈھے گی۔ پس اسی واسطے خداوندی حکمت کا یہ مقتضا ہوا کہ طلاق مرد ہی کے ہاتھ میں رہے نہ کہ عورت کے قبضہ میں اور یہی عین حکمت ہے۔ پس سمجھدار سوائے اُس حالت کے کہ وہ بالکل مضطر ہو جائے طلاق دینے پر کبھی پیش قدمی نہ کرے گا۔ رہا بعض بے وقوفوں کا ذرا سی بات میں طلاق دینے پر پیش قدمی کرنا سو یہ بات حکم شرعی اور نظام عقلی کے خلاف ہے اور خدا اس کو پسند نہیں کرتا جیسا کہ ائمہ اعلام نے اس کی تصریح کی ہے۔ منصف کے لئے اس قدر بیان بالکل کافی ہے اب ہم اس زمانہ کے متمدن (سویلائزڈ) فرقوں کے کچھ حالات جس سے کہ ہماری تقریر کی تائید ہوتی ہے ذکر کر کے اپنے کلام کو ختم کرتے ہیں۔

اور وہ یہ ہے کہ یہ فرقے جو اشیاء ہماری شریعت نے مباح کی ہیں اُن کو مستحسن شمار کرنے لگے ہیں چنانچہ ان فرقوں میں سے بعضوں نے دوشادیاں جائز کردی ہیں لیکن دوسری زوجہ اور اُس کی اولاد کی بڑی بدنصیبی ہے کیونکہ نہ اُس کو یہ لوگ مذہبی زوجہ شمار کرتے ہیں اور نہ اُس کی اولاد مذہبی اولاد سمجھی جاتی ہے پس میں نہیں سمجھتا کہ یہ متعصب مؤلف عورتوں کیلئے یہاں کیا کہے گا اور بعض ممالک میں طلاق بھی جائز کردی گئی ہے جیسا کہ اخباروں میں یہ بات شائع وذائع ہو چکی ہے جملہ توصیف وثناء کا خدا ہی مستحق ہے جس نے ہماری شریعت کو ایسا بنایا کہ عقلیں اُس کے احکام کو اچھا سمجھتی ہیں اور اُس کے نظام معقول کی پیروی کرتی ہیں ہم ان مؤلف صاحب اور انہیں کے ایسے اور صاحبوں سے امید کرتے ہیں کہ اپنی کتابوں میں ایسی باتوں سے تعرض نہ کیا کریں جن کو اُن کے پڑوسیوں (اہل اسلام) کے خیالات سے تعلق ہو بلکہ اس کے علاوہ اپنے علوم کو شوق سے بیان کریں اور فخر کریں ورنہ یہ یاد رکھیں کہ مقدس شریعت کے احکام خداوندی حکمت اور نظامات عقلیہ پر مبنی ہیں اُن کی ضعیف رائیں اُن میں خلل نہیں ڈال سکتیں اور اُس کے اس کثرت سے حامی کارلوگ موجود ہیں جو اُس پر سے اعتراضات دفع کر سکتے ہیں۔ اور قیامت تک دفع کرتے رہیں گے۔ الحمدللہ رب العالمین۔

سرّیہ بنانے کی حکمت

پھر چونکہ لونڈیاں یعنی وہ عورتیں جو کہ لڑائی میں گرفتار ہو کر آتی ہیں افزائش نسل سے محروم رہی جاتی تھیں کیونکہ غلاموں کا کاروبار خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے نکاح کر کے اُن کی خبر گیری کرنا ذرا مشکل اَمر ہے بلکہ یوں کہیئے کہ وہ نکاح کے حقوق ادا کرنے پر پورے طور سے قادر ہی نہیں اس لئے اُن کے (لونڈیوں کے) مالکوں کو گو وہ چار سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں متمتع ہونے کی اجازت بھی ہے تا کہ وہ توالد وتناسل سے بیکار نہ رہیں۔

اور غلام کو اس اَمر کی اجازت نہیں کہ وہ اپنی مالکہ کا شوہر بن سکے کیونکہ عورت کے مالک ہونے کا تو یہ مقتضا ہے کہ وہ غلام پر حکومت کر سکے وہ اُس کے قبضہ میں رہے اُس پر پورا اختیار حاصل ہو پس اگر وہ اُس کا شوہر بن سکتا تو چاہئے تھا کہ اُس کی مالکہ بحیثیت اُس کی زوجہ ہونے کے اُس کی فرمانبرداری کرے اور غلام کو اُس پر قبضہ حاصل ہو پس اس مناقضت اور مخالفت کی وجہ سے باہم معاشرت کرنے میں بڑا خلل واقع ہوتا دونوں میں کبھی موافقت نہیں ہو سکتی اور اس بدانتظامی سے سارا عیش و آرام خاک میں مل جاتا حالانکہ یہ اَمر اس منصف اور عادل شریعت کے مقاصد کے بالکل خلاف ہے ہاں غلام کو دوسری عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے آپ کے بعد نکاح حرام ہونا اور اس کی حکمت

پھر اُس فرقہ کو معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے آپ کے بعد آپ کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام قرار دیا ہے اور جب اُنہوں نے اس بارہ میں غور و فکر سے کام لیا تو اُن پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ یہ اَمر نہایت عظیم الشان حکمتوں پر مبنی ہے ۔اوّل تو یہ کہ آپ کی تعظیم کرنا بلکہ تمام رسولوں کے مطیعین کا اُن کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آنا شرائع سابقہ میں ایک مانی ہوئی بات ہے اور آپ کے ساتھ ادب کی۔ رعایت کے ضروری ہونے کے علاوہ یہ اَمر فی نفسہٖ بھی مستحسن معلوم ہوتا ہے کیونکہ علی العموم انسانی طبیعتوں پر یہ اَمر گراں گذرتا ہے کہ اُن کے بعد کوئی دوسرا اُن کی عورتوں سے شادی کر لے اور اس اَمر کی رعایت سوائے آپ کی کسی دوسرے کے لئے اگرچہ وہ اس اُمت کے بڑے لوگوں میں شمار کیوں نہ ہوتا ہو اور بڑا عالم و فاضل ہی کیوں نہ ہو اس لئے نہیں کی گئی تا کہ افزائشِ نسل کے بارے میں تنگی نہ ہونے پائے۔

دوسرے یہ کہ خلافت کے بارے میں بلا استحقاق دخل دہی کا انسداد کر دیا جائے۔ کیونکہ بالفرض اگر آپ کی ازواج مطہرات سے آپ کے بعد نکاح کرنے کی اجازت ہوتی تو جو شخص اُن میں سے کسی سے بھی نکاح کر لیتا تو وہ اگر چہ جانشینی کے قابل بھی نہ ہوتا لیکن عام لوگوں پر تسلط حاصل کر لیتا اور یہ کہہ کر لوگوں کی عقلوں کو فریب دیتا کہ میرے پاس تو تمہارے رسول کی زوجہ موجود ہے اس وجہ سے مجھے اوروں پر ترجیح حاصل ہے اور بے شک میں خلافت و جانشینی کا استحقاق رکھتا ہوں اور آپ کی زوجۂ مطہرہ کو اپنے دِلی اِرادوں میں عام لوگوں پر جو نادان ہوا کرتے ہیں فتح حاصل کرنے کیلئے آڑ بنا لیتا۔ اور یہ بات کوئی مستبعد نہیں ہے کیونکہ برابر دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی ملکی تغیرات کی وجہ سے کسی نے پہلے بادشاہ کی بیگم سے اُس کے مرنے کے بعد شادی کر لی تو وہ اس حیلہ سے مُلک پر قابض بن بیٹھا جس کی تاریخ شاہد ہے۔

تیسرے یہ اگر اس کی اجازت ہوتی تو آپ کے پیروی کرنے والوں میں بڑا فتنہ و فساد برپا ہو جاتا کیونکہ ہر شخص یہی چاہتا کہ اپنے رسول کی زوجۂ مطہرہ کو اپنے پاس رکھے تا کہ اُس کو ان کے پاس رہنے سے شرف حاصل ہو اُن کی اولاد سے برکت حاصل کرنا نصیب ہو اس اعلیٰ درجہ کی بزرگی سے فیض یاب ہو کر اپنے ہم چشموں پر فخر کرنے کا موقع مل جانے اُن کے ذریعے سے اُن باتوں پر واقفیت ہو جائے۔ جو بڑے بڑے سمجھ داروں کو بھی معلوم نہیں اِس طرح باہم اُن میں بڑی مخالفت پیدا ہو جاتی جس کی وجہ سے فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو جاتا پس اِس اَمر کے انسداد کی غرض سے بالکل مصلحت کے موافق شریعت نے آپ کے بعد آپ کی ازواجِ مطہرات سے نکاح کرنا قطعی حرام کر دیا۔ چوتھے یہ کہ اگر آپ کی ازواج مطہرات آپ کے بعد کسی دوسرے سے نکاح کرتیں تو بے شک اُن کے منصب عالی اور مرتبۂ عظیمہ کی بے قدری ہوتی اور تمام اُمت کے دِلوں میں اُن کی وہ قدر و منزلت نہ باقی رہتی جو اُن کو اب حاصل تھی کیونکہ اُس عورت کی حالت جو کہ ایسے جلیل القدر خدا کے رسول کے

پاس رہ چکی ہواور پھر وہ کسی دوسرے کے پاس رہے گویا وہ کیسا ہی بڑا کیوں نہ شمار کیا جاتا ہو بالکل اُس شے کی مثل ہے جس کو کہ کسی نے بلندی سے پستی میں ڈال دیا ہو یا اُس شخص کی مثل جس کو کہ شاہی کے بعد گدائی نصیب ہوئی ہو۔اور پھر لوگوں کے دِلوں میں اُن کی طرف سے نفرت پیدا ہو جاتی اور اس وجہ سے کہ وہ بعد آپ کے ایسے شخص کے قبضہ میں ہوتیں کہ جس کیلئے تمام معاصی اور قبائح سے محفوظ اور معصوم ہونا ضروری نہیں اُن کی شرعی باتوں کی نسبت لوگ مشکوک ہو جاتے اور ممکن تھا کہ اُن کو یہ خیال ہو جاتا کہ وہ اپنے جدید شوہر کی خواہش کے موافق سارے اقوال واعمال میں عمل درآمد کرتی ہیں اور اُسی کے خیالات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے لے کر رواج دیتی ہیں (یہ نہ سمجھئے کہ اُن کی نسبت ایسا خیال کرنا صحیح ہوسکتا ہے حاشا وکلا وہ باعصمت بیبیاں ایسی باتوں سے بالکل مبرا ہیں بلکہ اُن کی شان میں ایسا گمان کرنا نہایت بے از انی پر مبنی ہے اس تقریر کا صرف مقصود یہ ہے کہ ایسی حالت میں لوگوں کے دِلوں میں اس قسم کے خیالات پیدا ہونا کوئی بعید نہیں تھا اُن کو یہ شک پیدا ہوسکتا تھا اور اگر کہیں ایسا ہوتا تو اُمت کو اُن کے اُن علوم کے ثمرات کثیرہ سے جن پر کہ دین کے بڑے جلیل القدر احکام مبنی ہیں اور جنہیں کہ اُنہیں پاک دامنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے بالکل محروم رہنا پڑتا اور وہ احکام ہمیں معلوم نہ ہوتے جو آپ کے اُن اقوال وافعال سے مستنبط کئے گئے ہیں جن کی روایت کرنے والی یہی عصمت مآب عورتیں ہیں جو کہ آپ کے ساتھ کھانے۔ پینے۔ سونے۔ بیٹھنے۔ جلوت وخلوت سب میں شریک رہتی تھیں اور اِس طرح پر اُنہیں علوم نبوت سے واقفیت پیدا کرنے کا بہت اچھا اور قوی ذریعہ حاصل تھا اسی وجہ سے اکثر احکام ہم کو اُنہیں کے وسیلے سے معلوم ہوئے ہیں۔ پس اگر وہ کسی دوسرے کے پاس رہتیں تو اُن کی یہ عظمت کہاں باقی رہتی اور وہ وثوق جو اُن کی خبروں پر اب حاصل ہے۔ اُس کا کہاں پتہ لگتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یہ سارے علوم ہم سے فوت ہو جاتے علاوہ بریں اس نکاح کے حرام

کرنے میں خدا جانے اور کتنی حکمتیں اور اسرار پائے جاتے ہیں جو کہ غور کرنے کے بعد منصف کے نزدیک مخفی نہیں رہ سکتے۔ پس اگر آپ کے بعد نکاح کرنے کی اُنہیں اجازت نہ ہونے سے خاص اُن کا ضرر بھی ہو تو اُس ضرر کا عام لوگوں کے نقصانات کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں ہوسکتا مصلحت عامہ شخصی مصلحت پر ہمیشہ ترجیح دینے کے قابل ہے پس یہ حکم کسی نفسانی غرض یا پست خیالات پر مبنی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس بحث اور تدقیق سے یہ اَمر بخوبی واضح ہو چکا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسی باتوں سے بالکل بری ہیں آپ کی نسبت کسی قسم کا خیال کرنا ہی بے جا ہے کیونکہ یہ تو اسرار اور حکم پر نظر کر کے اللہ کا مقرر کیا ہوا حکم ہے۔ پس جبکہ یہ فرقہ شریعت محمدیہ اور اس کے انتظامات کی جانچ کر چکا اور اُس کو اُس کی خوش انتظامی اور نہایت ہی عجیب وغریب حکمتیں جن کا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے معلوم ہو چکیں تو آپس میں یوں کہنے لگے کہ صاحب حق سے تو انکار نہیں کیا جاتا اُس کو تو ماننا ہی چاہیے۔ پس بے شک جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ اللہ ہی کی شریعت ہے ورنہ بھلا دیکھئے تو سہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک بے پڑھے آدمی جاہلوں میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی اپنے وطن سے سوائے تھوڑی دور کے کہیں گئے نہیں اور وہ بھی چند ماہ کیلئے جو مدت تھوڑا سا علم حاصل کرنے کیلئے بھی کافی نہیں ہوسکتی اور نہ آپ کو تمام عمر میں اپنے شہر میں کسی واقف کار اور دانشمند کی صحبت میں رہنے کا کبھی اتفاق ہوا اور نہ یہ ثابت ہوا کہ آپ نے کبھی ملکی قوانین یا شرائع میں سے قدرے قلیل بھی سیکھنے کا اہتمام کیا ہو پس آپ کو کہاں سے ایسی عقل مل گئی کہ جس سے آپ نے ایسے عجیب وغریب انتظام وترتیب کو مستنبط کرلیا کہ جو نہایت ہی عظیم الشان حکمتوں کو محیط ہو جس میں کہ تمام عمدہ خصائل پائے جاتے ہوں جس سے کہ انسانی دنیا کا پورا پورا انتظام ہوتا ہو اُن کے حالات کی اِصلاح ہوتی ہو اُن کے نفوس پاکیزہ ہوتے ہوں اُن کے شہر آباد ہوتے ہوں اُنہیں شریروں سے پناہ ملتی ہو اسی طرح اُس میں تمام اس قسم کی چیزیں موجود ہوں جن سے کہ بنی آدم کو نفع

پہنچتا ہو۔ اور جملہ ضرر رساں اشیاء سے وہ محفوظ رہتے ہوں باوجود اس کے اُس میں تمام عالم کی پرورش کرنے والے کے بارے میں صحیح عقیدے بھی پائے جاتے ہوں جن میں کہ پست اور بے بنیاد خیالات کا کہیں پتہ نہ ہو۔ اسی طرح پر اُس میں خلقت کے رہنما اور برگزیدہ رسولوں کی نسبت بھی عمدہ عقیدوں کی تعلیم ہو۔

یہ سب باتیں تو ایسی ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم سے زیادہ دانشمند سارے لوگوں سے زیادہ واقف کار۔ بہت بڑے فلسفی۔ سیاست اور انتظامات مُلکی کے بڑے ماہر بھی ہوتے تب بھی عقل میں یہ بات کسی طرح نہیں آتی کہ آپ تنِ تنہا ان تمام چیزوں پر حاوی ہو سکتے اور آپ کیلئے ان سب اشیاء کا جمع کر لینا ممکن ہوتا ہاں اُس وقت بے شک یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے ہوں اور اللہ ہی نے ان تمام اُمور کی طرف آپ کی راہنمائی کی ہو یہ سب کچھ آپ کو بتلا دیا ہو اِن سب کے بھید سمجھا دیئے ہوں اور پھر لوگوں کی تعلیم کا اُنہیں حکم دیا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے سے بڑے فلسفیوں کو بھی یہ بات نصیب نہیں ہوئی کہ تمام اُمور میں ماہر ہو گئے ہوں گو اُن کی کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی واقفیت کیوں نہ ہو اور جملہ فنون پر ہی نظر کیوں نہ رکھتے ہوں بہت ہوا تو ایک دو فن میں اُن کو کمال حاصل ہو گیا جالینوس ہی کو دیکھئے کہ ملکی انتظام میں کمال رکھتا تھا۔ ارسطو حکمت نظری اور الٰہیات کا ماہر تھا۔ بقراط کا پایہ طب میں بلند تھا۔ اقلیدس کو علم ہندسہ میں مہارت تامہ حاصل تھی اسی طرح کوئی کسی فن میں اور کوئی کسی فن میں کامل ہو گیا اب رہا یہ اَمر کہ حکماء اور عقلاء میں سے کسی کو تمام فنون میں بھی کمال حاصل ہوا ہو یا اِنسان کی جملہ مصلحتوں کی اُسے معرفت نصیب ہو گئی ہو یہ بات تو کبھی ہوئی نہیں اور نہ سمجھ میں آ سکتی ہے۔ ہاں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو دیکھا جائے تو وہ بے شک انسان کے نفع کی جتنی چیزیں ہیں سب پر حاوی ہے کوئی چیز بھی اُس نے نہیں چھوڑی چنانچہ اس کا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور تمام اُمور کے بیان کرنے میں اُس نے ایسا پاکیزہ طرز اختیار کیا ہے کہ جس چیز کی زیادہ

حاجت پڑتی تھی اور وہ بہت ضروری تھی اُسے تو خوب شرح وبسط سے ذکر کر دیا اور کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور جو چیزیں ایسی تھیں کہ اُمور معاش یا نفس کے مہذب کرنے میں اُن کی ضرورت نہ پڑتی تھی اُن کی طرف محض اشارہ کر دینا کافی سمجھا گویا کہ اس طرح پر یہ بات بتلا دی کہ اُن کے حاصل کرنے کا اگر تمہیں شوق ہو تو اُن کے جاننے والوں سے سیکھ لو پتہ ہم نے بتلا دیا ہے اس بناء پر فنون ہندسہ۔ حساب اور صناعات وغیرہ کے بارے میں اُس نے نہایت سہولت سے کام لیا ہے۔ لوگوں کو اُن کے تحصیل کی چنداں تکلیف نہیں دی اُس کو محض اُن کی خوشی اور مصلحت اندیشی پر چھوڑ دیا ہے۔

یہ سب باتیں شریعت میں اُس شخص کو نظر آ سکتی ہیں جو اُن پر مطلع ہونے کی غرض سے اُس کی بخوبی جانچ کرے اور اپنی عقل سے کام لے۔ ورنہ بھلا اُس شخص کو کیا پتہ لگ سکتا ہے جو کہ بہ نظر تعصب اُس کو دیکھے یا اُس کے احکام وغیرہ پر سرسری نظر ڈال دی جائے اور محض بعض مباحث پر واقفیت حاصل کر کے یہ سمجھنے لگے کہ میری نظر شریعت کی تمام چیزوں پر خوب محیط ہوگئی چاہے حضرت کو سو حصوں میں سے ایک حصہ کی بھی خبر نہ ہو اور جو کچھ جانتے بھی ہوں وہ بھی پورے طور سے نہ سمجھے ہوں خلاصہ یہ کہ اس بحث وتفتیش کے بعد اس فرقہ نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام لائی ہوئی چیزوں میں تصدیق کی اور آپ کو اللہ کا پیغمبر ماننے لگے اور آپ کے نہایت ہی مطیع اور اعلیٰ درجہ کے خیر خواہ بن گئے۔ میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر استدلال کرنے کا ایسا دروازہ کھول دیا کہ جو قیامت تک بھی بند نہ ہوگا جو شخص کہ آپ کے بعد چاہے کتنے ہی زمانے گزرنے پر کیوں نہ آئے لیکن وہ انہیں لوگوں کی طرح آپ کے صدق پر استدلال کر سکتا ہے اور اُس کے نزدیک بھی حق واضح ہو سکتا ہے کیونکہ جو کوئی شریعت محمدیہ کے عمیق دریا میں غوطہ لگائے گا اور قیود تعصب سے چھوٹی ہوئی نظر سے دیکھے گا اور اپنی عقل سے آزادانہ طور پر بلا رو رعایت کام لے گا ممکن نہیں ہے کہ اُس کی حقانیت کا اُسے یقین نہ ہو جائے اور صاحب شریعت کے صدق پر ایمان نہ لے آئے۔

اور جو شخص کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے زمانہ دراز گذرنے پر خصوصاً تیرہ سو برس کی مدت کے بعد آوے اُس کے نزدیک تو شریعت کی مختلف فضیلتوں کے دیکھنے کی وجہ سے جو کہ اُس کے خدا کے پاس سے ہونے پر دلالت کرتی ہیں حق تو واضح ہو ہی جائے گا علاوہ بریں اس استدلال کا دروازہ اُسے اور بھی وسیع نظر آئے گا کیونکہ وہ دیکھے گا کہ یہ شریعت باوجود اتنی مدت مدید گذرنے کے بھی ہمیشہ محفوظ رہی اس کے قواعد ہمیشہ عام رہے کسی قاعدہ کے توڑنے کی کبھی ضرورت نہ پڑی یہاں تک کہ عقل یہ حکم کرتی کہ فلاں قاعدہ فلاں زمانہ کے موافق نہیں رہا بلکہ اُس کے قواعد ہر زمانہ کے مناسب رہے اُن کے فوائد ہمیشہ حاصل ہوتے رہے چنانچہ وہ تمام عقلاء جن کی عقلیں مرض تعصب سے سالم ہیں اس کو برابر مانتے ہیں اور جسے ہماری بات کا یقین نہ آئے وہ امتحان کر کے دیکھ لے کیونکہ امتحان کرنا سب سے قوی دلیل ہے پس اگر اِس شریعت کے احکام کسی انسان کے تجویز کردہ ہوتے تو اُن میں ضرور خلل پڑتا اور اُن کا نظام فاسد ہو جاتا چنانچہ برابر دیکھا جاتا ہے کہ زمانہ کے بدلنے سے آدمیوں کو تجویز کردہ قوانین میں تغیر وتبدل کی ہمیشہ ضرورت پڑتی ہے اور پہلے احکام میں خلل پڑ جاتا ہے۔ کہیں آپ بعض نادانوں کی یاوہ گوئیوں سے گھبرا نہ جائیں کیونکہ اس بارے میں کم فہموں نے بڑی بڑی چہ میگوئیاں کی ہیں یہاں تک کہ بعض وہ لوگ بھی اسی زمرہ میں داخل ہیں جو اپنا تعلق اسلام سے ظاہر کرتے ہیں اور حقیقت اَمر یہ ہے کہ وہ اسلام سے کوسوں دُور ہیں اُن کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی اُن کی اتنی نظر ہی نہیں ہے کہ اُنہیں کچھ دِکھلائی دے وہ اس شریعت کی قدر ومنزلت کو کیا جانیں بالکل ناواقف ہیں صرف اُنہوں نے کہیں سے اسلام کا نام سُن لیا ہے اسی بناء پر اُن کا بے قدر نفس طرح طرح کی باتیں بھگارنے لگا ہے اور اُن کی فاسد عقل میں یہ خیال جم گیا ہے کہ موجودہ زمانہ کیلئے شریعت کے مقرر کردہ احکام وقوانین کافی نہیں اس زمانہ کیلئے نیا قانون بننا چاہئے اور یہ سمجھ کر غیر قوموں کے بعض بعض قوانین اختیار کرنے کا اپنے

آپ کو محتاج خیال کرتے ہیں اور سچ پوچھئے تو وہ قواعد یا تو خود ایسے ہیں کہ جن سے پورے طور سے آدمی نفع نہیں حاصل کر سکتا اور اُن کے احکام بالکل کمزور پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ اگر اُن میں آپ کوئی نفع دیکھیں گے تو اُس کے ساتھ ہی بہت سی خرابیاں بھی نظیر آئیں گی یا وہ فی الحقیقت اسی شریعت کے کامل قواعد سے ماخوذ نکلیں گے جنہیں کہ اُن لوگوں نے اسلامی لباس اُتار کر دوسرا لباس پہنا رکھا ہے جس کی وجہ سے اُن کی اصلی صورت اچھی طرح سے نہیں پہچانی جاتی اِسی وجہ سے کم فہم لوگ اُس کو ایک جدید شے خیال کرنے لگتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں قوموں نے اُن کو ایجاد کیا ہے اور طرح طرح کی حکمتوں کی اُن میں رعایت ملحوظ رکھی ہے۔

کاش ایسے سمجھنے والے کو اگر شریعت محمدیہ کے سمجھنے کی استعداد ہوتی اور اُس کے احکام کے واقف کاروں میں ہوتا تو کبھی ایسی غلطی نہ کرتا اُس پر یہ بات روشن ہو جاتی کہ اس شریعت میں خود ایسے کامل اور اعلیٰ درجہ کے قواعد موجود ہیں جو کہ زمانۂ موجودہ کیا معنے بلکہ ہر زمانہ کی ضرورتوں کیلئے پورے پورے کافی ہیں اُس کے قواعد کے سامنے ان ناقص قاعدوں کا ذکر کرنا ہی بے جا ہے۔ جو کہ ہرگز اس قابل نہیں ہو سکتے کہ اس کے قواعد کے مقابلہ میں اُن کی طرف ذرا بھی التفات کیا جائے اور اگر یہ نہ ہوتا تو اسی اُمر کا پتہ لگ جاتا کہ ان قوموں کے پاس جو کامل قواعد وضوابط دیکھے جاتے ہیں شریعت کے جملہ قواعد میں یہ بھی داخل ہیں یہ نہیں کہ یہ شریعت اُن سے خالی ہے غایت سے غایت یہ ہوگا کہ اُنہوں نے اُن کی اصلی اسلامی صورت کو بدل ڈالا ہے اور ایک نیا جامہ پہنا کر ظاہر کیا ہے یا اگر اُنہوں نے شریعت محمدیہ سے اُن قواعد کو اخذ نہیں کیا ہے اور اُن کی عقل ان قواعد تک اس وجہ سے پہنچ گئی ہے کہ وہ عقل کے نزدیک مستحسن ہیں تو شریعت میں بھی وہ موجود ہیں اور اس وقت وہ ضرور یہ حکم کرتا کہ شریعت محمدیہ کے قواعد بالکل کافی ہیں اُسے دوسری قوموں سے سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن ہاں اس بات کے دریافت کرنے کیلئے عقل سے اور احکام شریعت سے پوری پوری

واقفیت کی بڑی ضرورت ہے جب تک آدمی کو شریعت کے جملہ ابواب میں تبحر حاصل نہ ہو اُس وقت تک اس اُمر کا پتہ لگنا ہے ذرا اُمرِ مشکل۔

محض سرسری نظر سے احکام شریعت کو دیکھ لینے سے کچھ کام نہیں چلتا پس اگر کوئی یہ چاہے کہ شریعت کے قواعد کو تفصیل وشرح وبسط کے ساتھ مہیا کرے جس سے کہ عام لوگوں کو سمجھنا آسان ہو جائے اور اُن کی اصلاح ہو تو اُس کو چاہئے کہ شریعت محمدیہ کے متبحر عالموں پر اس اُمر کو پیش کر کے اُن سے درخواست کرے کہ وہ کوشش کر کے اُن قواعد میں سے ایسی چیزیں یکجا کر دیں جن سے کہ اس کی حاجت روائی ہو جائے اور مقصد بر آئے تا کہ وہ لوگ درخواست کے موافق ایسے اُمور جمع کر دیں جن سے کہ عام لوگ پورے طور سے مستفیض ہو سکیں چنانچہ سلطان اعظم نے (خدا اُن کی سلطنت کا ہمیشہ حامی اور مددگار رہے) جب علماء سے ایسی کتاب تالیف کرنے کی خواہش ظاہر کی جس میں کہ اُن تمام معاملات کے منصفانہ احکام مجتمع ہوں جو کہ لوگوں کو اکثر اوقات پیش آیا کرتے ہیں تا کہ حکام اور اہل مقدمہ اُن کو آسانی سے سمجھ سکیں تو اُنہوں نے ایسی ہی کتاب لکھ دی جس سے کہ اس بارے میں لوگوں کی پوری پوری مقصد بر آری ہو سکے۔ اور اُس کتاب کا نام ''مجلۃ الاحکام العدلیۃ'' ہے۔

اُن لوگوں کے حالات دیکھ کر بھی آپ خلجان میں نہ پڑیں جو کہ کہنے کو تو اسلام کی پیروی کے مدعی ہیں لیکن اُنہیں نہ تو کچھ ادب وقاعدہ سے مطلب ہے نہ اُن کے طرزِ عمل میں کچھ انتظام پایا جاتا ہے اُن کے تمام کاروبار میں بدتدبیری اور بدنظمی پھیلی ہوئی ہے ایسوں کو دیکھ کر جو شخص کہ حقیقت حال سے واقف نہیں اور جو یہ نہیں جانتا ہے کہ اُنہوں نے اپنی شریعت کی کہاں تک مخالفت کی ہے اُسے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے اور وہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمان کیسے یہ دعوے کرتے ہیں کہ اُن کی شریعت اپنی پیروی کرنے والوں کی اصلاح کرتی ہے اُن کو انتہا درجہ کی تہذیب سکھلاتی ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ اگرچہ مسلمان ہیں لیکن پھر بھی طرح طرح کی برائیوں میں

پھنسے ہوئے ہیں اُن کو انواع انواع کی بدبختی گھیرے ہوئے ہے اُن کے لئے شریعت کی اپنے مطیعین کے احوال درست کرنے کی ذمہ داری کہاں گئی وہ اِن لوگوں کی اصلاح کیوں نہیں کرتی ایسے شخص کا یہ جواب ہے کہ دیکھئے انصاف نہ چھوڑیئے یہ کس نے دعویٰ کیا تھا کہ شریعت محمد یہ اُس شخص کی بھی اصلاح کی ذمہ دار ہے جو صرف نام کا مسلمان ہے اور اپنے آپ کو وہ مسلمان کہتا ہے لیکن عمل کے اعتبار سے اُس کی پوری مخالفت کرتا ہے اُس کے احکام کی تعمیل نہیں کرتا اور نہ اُس کے بتائے ہوئے آداب واخلاق اختیار کرتا ہے آپ یقیناً سمجھ لیجئے کہ شریعت نے اس کی کبھی ذمہ داری نہیں کی وہ صرف اُنہیں لوگوں کی اصلاح کرتی ہے جو کہ اُس کے احکام پر عمل کرتے ہیں اُس کی تعلیم کے موافق اخلاق اور آداب اختیار کرتے ہیں چنانچہ اس بات کی قرآن اور حدیثوں میں تصریح کردی گئی ہے بلکہ شریعت نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو شخص ان اُمور میں اُس کے ساتھ مخالفت سے پیش آئے گا اُس پر طرح طرح کی مصیبتیں اور بلائیں نازل ہوں گی۔

یہاں تک کہ اُس کو اُن اُن مصائب سے سامنا کرنا پڑے گا جن سے کہ مخالفین اسلام بالکل محفوظ رہیں گے اس لئے کہ ایسا شخص بجائے آخرت کے دنیا ہی میں اپنے گناہوں کا کچھ مزہ چکھ لے تا کہ اسی طرح پر کہیں وہ مخالفت سے باز آجائے اور اُسے توبہ کرنا نصیب ہو۔ خدا کی یہ بھی عادت ہے کہ جس شخص کے ساتھ اُسے اُس کی بعض نیکیوں کو پسند کر کے لُطف اور مہربانی سے پیش آنا منظور ہوتا ہے تو اُس کو دُنیا میں گناہوں سے پاک کرنے کیلئے طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کرتا ہے تا کہ دنیاوی مصیبتیں اُس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں اور وہ اُخروی عذاب سے بچ جائے۔ آیئے ہم ایسے شخص کی جو کہنے کو تو مسلمان ہو لیکن بباعث نافرمانیوں کے اسلامی برکتوں سے محروم رہتا ہو آپ کیلئے ایک ایسی مثال بیان کریں جس سے کہ آپ اِس مضمون کو بخوبی سمجھ جائیں۔ پس فرض کیجئے کہ ایک شخص کے پاس ایک بہت

بڑا کتب خانہ موجود ہے جس میں کہ عمدہ اخلاق و آداب کی بہت سی نفیس کتابیں رکھی ہوئی ہیں اُن کے مضامین تمام پسندیدہ کاموں کی ہدایت و ترغیب سے مملو ہیں لیکن اُن میں سے کسی کتاب کو کبھی کھول کر نہیں دیکھتا اور نہ اُس سے مستفید ہوتا ہے تو کیا آپ کی عقل اس بات کا خیال کر سکتی ہے کہ ایسا شخص محض کتابوں کی جلدوں کو مطلاء و مذہب کر کے اُنہیں اپنے کتب خانہ میں نہایت آراستگی کے ساتھ رکھنے سے مہذب بن جائے گا یا وہ اس طرح پر فضیلت حاصل کر لے گا اور علمی سعادت سے بہرہ یاب شمار کیا جائے گا حق تو یہ ہے کہ سوائے اس شعر۔

نہ محقق بود نہ دانشمند　　چارپائے بروکتا بے چند

کے مصداق بننے کے وہ اور کس لائق ہو سکتا ہے اور اُسے سوائے جاہل کے اور کیا خطاب دیا جاسکتا ہے۔ پس اگر کوئی یوں کہے کہ صاحب ہم تو اس شریعت کے پیروی کرنے والوں میں ایسوں کو بھی پاتے ہیں کہ جن کا شمار اسلام کے علماء میں ہوتا ہے پھر بھی اُن لوگوں کے اخلاق درست نہیں ہوتے اور نہ اُن کی عادتیں ہی اچھی ہوتی ہیں دُنیا طلبی میں اُن کا نمبر تو جاہلوں سے بھی بڑھا ہوا ہوتا ہے اوندھے سیدھے مال کی طلب میں گرے پڑتے ہیں دل کھول کر لوگوں کو ستاتے ہیں انہیں کسی کے نقصان کی پرواہ نہیں ہوتی پھر بتلائیے کہ اِس شریعت سے اُن شریروں کو کون سی تہذیب حاصل ہوئی اُنہیں اس کا کیا ثمرہ ملا بلکہ اگر اُن کا عالموں میں شمار نہ ہوتا تو یہی بہتر تھا بہتیری خرابیوں سے اُن کا ہاتھ تو رُکا رہتا۔ اس اعتراض کا جواب مجھ سے سُنئے حقیقت اَمر یہ ہے کہ ایسے لوگوں نے شریعت کو جانا ہی نہیں ہے کہ وہ کیا ہے محض اس کے پوست کو اُنہوں نے دیکھ لیا مغز تک وہ پہنچے ہی نہیں اُنہیں اخلاق و آداب سے پورے طور سے اطلاع ہی نہیں اگر تحقیق کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ ایسے لوگ وہی ہیں کہ جنہوں نے عربی لغت کے متعلق مختلف علموں میں سے ایک آدھ علم جیسے نحو۔ صرف۔ بلاغت وغیرہ کو اچھی طرح سے حاصل کر لیا ہے جو کہ شریعت کے سمجھنے کا ذریعہ ہے نہ عین شریعت ہے اور کتب شریعت پر محض ایک

سرسری نظر اس غرض سے ڈال لی ہے کہ اُنہیں اپنے مقاصد بے جا حاصل کرنے میں کامیابی ہو اُنہیں نیت کے درست رکھنے سے کیا کام بڑا مقصود اُن کا یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے معمولی احکام سے واقف ہو جائیں تاکہ حُکّام کو خوش کرسکیں اور عام لوگوں سے جنہیں کہ بُرے بھلے کی تمیز نہیں ہوتی خوب مال حرام لے لے کر کھائیں۔

شریعتِ محمدیہ کے آداب اور نصائح صرف اس غرض سے اُنہوں نے یاد کرر کھے ہیں: تاکہ لوگوں میں بیٹھ کر خوب باتیں بنا سکیں اور اُن کو اپنے دام میں پھنسائیں اُن کا یہ ہرگز مقصود نہیں ہوتا کہ وہ اپنا علاج کریں اور اُن کے امراض نفسانی کو صحت حاصل ہو اسی لئے تو وہ شریعت کے رفیع الشان اخلاق نہیں اختیار کرتے اور نہ اُس کے آداب جمیلہ کو سیکھتے ہیں اُنہیں یہ بھی توفیق نہیں ہوتی کہ اُس کی نصیحتیں مان کر اپنے قابل نفرت احوال وافعال سے باز آئیں۔

اُن کا بڑا مقصد یہ ہے کہ دنیوی مقاصد کو حاصل کر کے اپنی خواہش نفسانی کو پورا کریں ان لوگوں کی مثال اُس طبیب کی سی ہے جو کہ اَمراض کو تشخیص کرسکتا ہے۔ اُس کو اُن کی دوائیں اور علاج بھی معلوم ہے لیکن وہ اپنے سخت مرض کی طرف ذرا التفات نہیں کرتا اور اگر کبھی ملتفت بھی ہوتا ہے تو دوا استعمال نہیں کرتا اور نہ لگ کر علاج کرتا ہے بلکہ اُس کا سارا خیال اسی میں لگا ہوا ہے کہ مریضوں سے خوب مال حاصل کرے اور اُسے اپنے مرض کی کچھ بھی پروا نہیں۔

تو پھر تمہیں خدا کی قسم بھلا بتلاؤ تو سہی کہ جب اُس طبیب کی غفلت کا یہ حال ہو تو اُس کا مرض کیونکر صحت یاب ہوسکتا ہے۔ کیا محض علم طب سے واقف ہونا اُس کے مرض کے دفع کرنے کیلئے کافی ہو جائے گا اور اُس کو اِس طرح شفاء حاصل ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ پس کیا یہ کہنا اُس وقت بجا ہوسکتا ہے کہ علم طب محض بیکار ہے اُس سے بیماریوں کو ذرا بھی نفع نہیں پہنچتا دیکھو نا یہ طبیب اگرچہ علم طب سے واقف تھا مگر اس نے معالجہ نہیں کیا تو اس کو مرض سے کچھ بھی شفاء حاصل نہ ہوئی۔ میں تو کسی

طرح خیال نہیں کرسکتا کہ اِس بے ہودہ بات کے کہنے کی کوئی جرأت کرے گا ہاں جس کے حواس ہی ٹھیک نہ ہوں وہ جو چاہے سو بک دے۔

اب اس کو سمجھ لیجئے کہ علماء اسلام میں سے جن کی یہ حالت ہو اور وہ شریعت کی مخالفت کے ساتھ لوگوں میں بدنام ہوں ایسوں کو شریعت علماء السو یعنی بُرے علماء کے نام سے پکارتی ہے کہ کوئی جاہل سے جاہل کیوں نہ ہو لیکن ان لوگوں کا ضرر مسلمانوں کے حق میں اُن سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے یہ مسلمانوں کے پکے دشمن ہیں مسلمانوں میں سے خدا ایسوں کو غارت کرے دنیا سے ناپید ا ہو جائیں اور اُن کے عوض میں اللہ تعالیٰ ایسے علماء وفضلاء کو پیدا کرے جو کہ پرہیزگار ہوں لوگوں کو حق بات بتائیں، راستی کی راہنمائی کریں پسندیدہ صفات سے موصوف ہوں خوش اخلاق ہوں۔

آدابِ شریعت کو نگاہ رکھتے ہوں سنت یعنی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے پورے پورے متبع ہوں خدا ایسے عالموں کی تعداد کو زیادہ کرے اور اُن کے عمدہ اعمال اور نیک کوششوں کا اُنہیں ثمرہ عنایت کرے تمام اُمت کی جانب سے اُنہیں بہتر جزا سے مالا مال کردے ایسے ہی لوگ علماء آخرت کہلانے کے مستحق ہیں جن میں کہ اللہ نے اپنے خوف وخشیت کو منحصر کردیا ہے اپنی بابرکت کتاب میں اُن کی تعریف کی ہے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اُن کی توصیف وثناء کا اظہار کرایا ہے یہی لوگ ہیں کہ جن کے جملہ اقوال واعمال میں شریعتِ محمدیہ کے پیروی کے آثار پائے جاتے ہیں اُنہیں کی راست کرداری کا صدقہ ہے کہ مخالفین اسلام کیلئے اعتراض کا کوئی موقع نہیں رہا ہے اُنہیں کی استقامت کا طفیل ہے کہ کسی دشمن کو گفتگو کرنے کی مجال نہیں ہے چنانچہ یہ بات عقلاء پر مخفی نہیں ہے۔

پھر اُس شخص سے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں جسے کہ اِن علماء سوء کو دیکھ کر دھوکا ہو گیا ہے اور وہ سمجھنے لگا ہے کہ یہی وہ علماء شریعت ہیں جو خود صلاح کار نہیں اور جن سے کہ مسلمانوں کی اِصلاح کی اُمید کی جاتی ہے خیر صاحب میں آپ کو معذور سمجھ سکتا ہوں،

اگر آپ کو ان شیطانوں کو دیکھ کر دھوکا ہوگیا ہے جو کہ رسمی علوم اور احکام شرعیہ کے الفاظ یاد کر کے اپنے کو عالم ثابت کرتے ہیں اور اپنے ظاہر کو اس طرح سے آراستہ کرتے ہیں لیکن اگر آپ سمجھ دار ہیں تو میں آپ کو ایسا نہیں خیال کرسکتا کہ ان کے علاوہ ایک دوسرے فرقہ کو بھی دیکھ کر آپ دھوکے میں پڑ جائیں گے جو کہ بالکل کورے ہیں اُنہیں کچھ بھی واقفیت نہیں راستی کا اُن میں نام ونشان نہیں محض جاہل اور نادان ہیں عالموں کا لباس پہن رکھا ہے دنیا کمانے کیلئے پرہیزگاروں کی سی صورت بنا رکھی ہے لوگوں کے پھنسانے کیلئے جبہ ودستار سے آراستہ ہو کر جال پھیلایا ہے فقط کھانے کمانے کیلئے اپنی شکل بدل لی ہے ان میں سے بعض لوگ علم کے منصبوں پر بھی جرأت کر بیٹھتے ہیں درس وتدریس میں مشغول ہوجاتے ہیں مفتی وقاضی بننے میں بھی اُنہیں باک نہیں ہوتا اور عام لوگ ہیں کہ اپنی نادانی سے پھنس جاتے ہیں وہ کیا جانیں زمین وآسمان میں کیا فرق ہے؟ خدا ہدایت کرے ایسوں پر تو ''اِنا لله و اِنا الیه راجعون'' پڑھنا چاہئے۔ میرا کہنے سے مقصود یہ ہے کہ بحث ومناقضہ میں کہیں ان دھوکے بازوں کو نہ لے بیٹھیے گا ان کی مکاری کی بنیاد نہایت کمزور ہے ذرا سی بات میں تو ان کی قلعی کھلتی ہے صاف ظاہر ہوجائے گا کہ حیوانات سے بھی گئے گذرے ہیں۔

اب ایک مکار فرقہ اور رہ گیا ہے جس سے کہ اسلام کو نہایت ضرر پہنچتا ہے عام لوگوں میں وہ اپنی چالاکیوں کو رواج دے دے کر اُن کے عقیدے بگاڑتے ہیں اور اُنہیں خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ اُلٹے ان دھوکے بازوں کی من گھڑت باتوں کو جان کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اُن پر حقائق اشیاء منکشف ہوگئیں اور معرفت میں بڑے بڑے عالموں سے بھی وہ سبقت لے گئے اور سچ پوچھئے تو وہ اپنی اُسی گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں ان دغابازوں کی حقیقت مجھ سے سنئے کہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں شریعت محمد یہ کے ایسے ایسے بھید اور علوم کی معرفت حاصل ہوگئی ہے جو کہ بڑے بڑے عالموں کو بھی نہیں معلوم ہوتی اور خدا نے فلاں فلاں ذریعوں سے اُن کو اپنا برگزیدہ بنا

کر تمام بھید اُن کو بتلا دیئے اور وہ اُن رموز اور بھیدوں کو ایسے کلمات سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ شرعی قواعد کے موافق سراسر کفر ہیں۔

سچے صوفیوں کے حالات

لیکن بات یہ ہے کہ اُن کی باتیں علماء شریعت میں سے بعض عارفین کے اقوال کے بظاہر مشابہ معلوم ہوتی ہیں جن کے عقیدوں کے صحیح ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہوتا اور دین کے بارے میں جن کی راست کرداری کی بہتیری شہادتیں موجود ہوتی ہیں اور درحقیقت خدا اُن کی پرہیزگاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں شریعت کے بہتیرے رموز اور بھیدوں پر اُنہیں مطلع بھی کر دیتا ہے جن سے کہ وہ لوگ بالکل بے بہرہ رہتے ہیں جو اُن کے ایسے نیک عمل نہیں کرتے اور جن میں کہ اُن کی ایسی راستی اور استقامت نہیں پائی جاتی اور واقع میں وہ اُمور شریعت کے ذرا بھی مخالف نہیں ہوتے بلکہ وہ اِسی شریعت کے مختلف رموز واشارات سے ماخوذ ہوتے ہیں صرف بات کیا ہے کہ اُن کے بیان کرنے میں بعض مرتبہ یہ شبہ پڑ جاتا ہے کہ وہ شریعت کے مخالف ہیں اور یہ خرابی زبان میں اُن کے ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے الفاظ نہ موجود ہونے کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے پس اُن کے ظاہری الفاظ سے شریعت کی مخالفت کا وہم ہونے لگتا ہے اگرچہ واقع میں ایسا ہوا نہیں کرتا پھر چونکہ ان عارفین کی پابندی شریعت اور راست کرداری میں ذرا بھی شبہ نہیں ہوا کرتا اس لئے علماء اُن کے کلام کی تاویل کر دیا کرتے ہیں یعنی اُن کے اقوال کے ظاہری معنے چھوڑ کر صحیح معنے لیتے ہیں جو کہ شریعت کے موافق ہوں تاکہ لوگ اُن بزرگوں سے بدگمانی نہ کریں اور اُن کے عقائد کی نسبت مشکوک ہونے سے محفوظ رہیں باقی رہے یہ دغاباز جو کہ شریعت کی راہِ راست کو چھوڑ کر کجروی اختیار کرتے ہیں اور لذات فانی اور خواہشات نفسانی کے پورا کرنے میں سرگرم ہوتے ہیں یہ لوگ محض مدعی ہوا کرتے

ہیں اُنہیں ان عارفین کے منصب کا صرف دعویٰ کرنا آتا ہے اور کچھ واہی تباہی کلمات بک دیا کرتے ہیں جو کہ بظاہر اُن کے کلام کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن اُن کی ایسی پرہیزگاری سے کوسوں دُور رہتے ہیں اور نہ اُن کے علوم و معارف کا اُن کے پاس نشان ملتا ہے ہوشیار رہو دیکھو خبردار کبھی ان دغاباز گمراہوں کی باتوں میں نہ آنا ان کی طرف ذرا بھی التفات نہ کرنا۔ یہ لوگ دین کے تباہ کردینے والے ہیں۔

اس زمانہ میں ان کی بڑی کثرت ہے خدا جانے انہوں نے کتنوں کے عقیدے خراب کرڈالے اور کتنی حرام چیزوں کو حلال کردیا پس ہر مسلمان کو جو کہ شریعت محمدیہ کی پیروی کا اِرادہ کرتا ہے یہ چاہئے کہ وہی عقیدے رکھے جو قرآن اور صحیح حدیثوں سے صراحتاً معلوم ہوتے ہوں اور اس بارے میں اُنہیں بڑے بڑے علماء کے کلام کا اعتبار کرے جن کا علم اور جن کی راست کرداری کیا عام اور کیا خاص تمام لوگوں کے نزدیک مسلم الثبوت ہو اور اس کے سوا تمام خیالات اور اوہام کو الگ کرے اللہ تعالیٰ بطفیل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سب کی راہنمائی کرے۔ آمین۔

ایک متعصب جماعت مخالف کا ان محققین کے پاس آکر انکی تحقیق میں شبہ ڈالنا اور دندان شکن جواب پانا

اس کے بعد یہ شک ڈالنے والے اُس فرقہ کی جانب مائل ہوئے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وجہ سے تصدیق کی تھی کہ اُس نے آپ کے لائے ہوئے قرآن کو ایسی صفات فاضلہ پر مشتمل پایا جن سب کا کسی کلام میں مجتمع ہو جانا سوائے اُس صورت کے کہ وہ خدا کے پاس سے آیا ہو کسی طرح ممکن نہیں۔ اور نیز اُس فرقہ کی جانب جس نے آپ کی اس سبب سے تصدیق کی تھی کہ آپ کی شریعت کی حالت بالکل منتظم اور باقاعدہ ہے اُس میں کُل فضیلتیں پائی جاتی ہیں اور وہ اپنے پیروی کرنے والوں کی حالت کو باقاعدہ بنا دینے کی پوری پوری کفیل ہے پس یہ لوگ ان دونوں

فرقوں سے کہنے لگے ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوائے رسالت سے پیشتر بلادِ روم کی جانب تجارت کے لئے دو مرتبہ سفر کیا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہاں آپ کو بعض راہبوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے (بحیرا راہب جو آپ کو شام کے راستہ میں جب آپ قریش کے تاجروں کے ساتھ تھے۔ ملا تھا اور اُس وقت علامات سے اُس نے پہچان لیا تھا کہ آپ نبی آخر الزمان ہیں جیسا کہ سیر نبویہ میں منقول ہے) شاید آپ نے اس قرآن کو جس میں تمام یہ فضائل موجود ہیں اِنہیں سے نقل کرلیا ہو اور اُن سے آپ یہ شریعت سیکھ آئے ہوں اور اپنے بلاد میں آ کر مدعیٔ رسالت بن گئے ہوں اور اپنے دعوے کی تائید اسی قرآن اور شریعت سے کرنے لگے ہوں اور چونکہ آپ کے بلاد میں ایسے واقف کار لوگ موجود نہ تھے تا کہ جو کچھ آپ لائے ہیں اُس کے مثل وہ بھی لا کر آپ کا مقابلہ کر سکتے اس لئے آپ لوگ اس وہم میں پڑ گئے ہیں کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ اللہ کی جانب سے ہے انسانی کارروائی نہیں ہے۔ اس کا ان دونوں فرقوں نے اُنہیں یہ جواب دیا کہ قرآن کی ایسی کتاب جو اُن تمام صفاتِ فاضلہ پر مشتمل ہو جن کی شرح اور اس اَمر کا بیان ہمارے استدلال میں گذر چکا ہے کہ ان سب کو بڑے بڑے علماء وحکماء اور سیاست وملکی انتظام کے ماہر بھی ایسی کتاب میں ہرگز جمع نہیں کر سکتے اور یہ کہ ایسی شریعت جو عقائد حقہ۔

اخلاق حسنہ اور اُن عبادتوں پر مشتمل ہو جو سراسر حکم اور اسرار پر مبنی ہوں اور اس میں ایسے احکام موجود ہوں جو تمام خلق کے حالات کے منتظم اور باقاعدہ بنا دینے کی ذمہ داری کرتے ہوں علیٰ ہذا القیاس اور دیگر اُمور بھی اُس میں پائے جاتے ہوں جن کے پورے پورے بیان کرنے کے لئے تو بہت سی جلدوں کی ضرورت پڑے گی ہاں اجمالاً اُن کا بیان پہلے گذر چکا ہے پس اِن سب باتوں کی نسبت اگر بفرضِ محال یہ احتمال نکالا جائے کہ شاید آپ نے کسی دوسرے سے ان چیزوں کو سیکھ لیا ہو تو وہ بھی صحیح نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اس کیلئے اتنی مدت مدید کی ضرورت پڑے گی جو برسوں کی متعدد

دہائیوں سے گنی جاسکے اگرچہ ان باتوں کا سکھا لنے والا بہت ہی کامل حکماء ہی میں سے ہو اور سیکھنے والا بھی اعلیٰ درجہ کا ذکی ہی کیوں نہ ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی عمر کہ ہم لوگوں میں گذاری ہے اُس کی ساری مدت میں سے صرف چند اَیام کیلئے تجار قریش کی ہمراہی میں جو رُوم کے شہروں میں بغرض تجارت جایا کرتے تھے ہم لوگوں سے علیحدہ رہے ہیں اور اسی مدت میں آپ مکہ سے بلادِ روم تک گئے بھی اور آئے بھی اور تجارت کے سارے کاروبار بھی انجام دیئے۔

بھلا اس عرصہ میں آپ کیونکر ساری باتیں سیکھ سکتے تھے اتنی مدت جو اس کیلئے بھی کافی نہیں کہ آپ اپنی لائی ہوئی شریعت کے متعدد ابواب میں سے ایک باب کو بھی سیکھ سکتے۔ سیکھنے کی دُشواریوں اور اُس کیلئے کافی زمانہ کے ضروری ہونے کو ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے علاوہ بریں جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اُس کا سیکھ لینا تو پڑھے لکھے شخص پر بھی دُشوار ہے اور بلا مدت مدید کے وہ بھی سیکھ نہیں سکتا چہ جائیکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اُمّی (اَن پڑھ) محض تھے نہ لکھے نہ پڑھے۔

پھر بھلا عقل کیونکر تجویز کر سکتی ہے کہ آپ سب کچھ سیکھ لیتے باوجودیکہ اُمی تھے اور اپنے شہر سے بہت تھوڑے ہی دن علیحدہ رہے تھے اور آپ کا اُمّی ہونا جس کی نسبت آپ دعویٰ کیا کرتے ہیں اور اپنے قرآن میں بھی اپنی رسالت پر استدلال کرنے کے موقع پر خدا کا یہ قول ذکر کرتے ہیں (**وما کنت تتلوا من قبله من کتاب ولا تخطه بیمینک اذالارتاب المبطلون**) جس کا ترجمہ یہ ہے اور تو اس سے پہلے کبھی کوئی کتاب نہ پڑھتا تھا اور نہ لکھتا تھا (اگر ایسا ہوتا ہو) ایسی حالت میں اہل باطل کو شک کی گنجائش ہو سکتی تھی (نہ کہ اب شک کا کوئی موقع ہے) آپ کا یہ اُمّی اور اَن پڑھ ہونا صرف آپ کے دعوے ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ خود ہمارے نزدیک بھی بلاشبہ ثابت ہے اس لئے کہ آپ نے ہم ہی لوگوں میں نشوونما پایا ہے۔ اور ہمیں کبھی اس کا علم نہیں ہوا کہ آپ نے لکھنے پڑھنے کی مشقت اُٹھائی ہو اور نہ ہم میں سے کسی نے کبھی آپ کو دیکھا

اور نہ ہم سے کبھی کسی نے یہ نقل کیا کہ آپ نے کسی دن ایک سطر بھی لکھی ہو۔ اور اگر آپ ایسی قوم میں رہ کر اس (کتابت) کو جانتے ہوتے جس میں کہ سوائے معدودے چند اشخاص کے اس فن کے جاننے والے نہ تھے تو آپ کا حال اتنی مدت تک ہم سے چھپا نہ رہتا چاہے آپ چھپانے کا قصد ہی کیوں نہ کرتے اور بھلا آپ (اگر جانتے ہوتے تو) چھپانے کا قصد ہی کیوں کرنے لگے تھے حالانکہ کوئی شے اس کی جانب آپ کو داعی نہ تھی بلکہ اُلٹے اظہار کا داعی موجود تھا کیونکہ اس جاہل اور بے پڑھے لکھے گروہ میں تو یہ بڑا کمال تھا اور اس بات کو عقل ہرگز نہیں تسلیم کرتی کہ آپ نے اِس فن کے سیکھنے سے پہلے ہی اس کا پختہ قصد کرلیا ہو کہ میں اس فن کو حاصل کروں گا اور لوگوں کو اپنے اس حال کی خبر نہ ہونے دوں گا اور پھر کسی روم کے راہب سے اِس قرآن اور اس شریعت کے سیکھنے میں اپنے اس فن سے مدد لوں گا اور اس کے بعد مدعی رسالت بن جاؤں گا بھلا کیسے ہوسکتا ہے کہ اپنے نفس کے لئے پہلے ہی آپ نے ان سب باتوں کا بیڑا اُٹھالیا تھا اور پھر یہ بات پوری بھی ہوگئی کہ آپ کے اس فن کو حاصل کرنے اور نیز جو کچھ کہ آپ لائے ہیں اُس کے سیکھنے کا حال لوگوں سے بالکل مخفی رہا اور آپ نے اسی بھروسہ پر رسالت کا دعویٰ کردیا اس بات کا تو سوائے اُس شخص کے کوئی قائل نہیں ہوسکتا جو ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لے اور وہمی باتوں کا مطیع بن جائے اور بعد اِن سب باتوں کے عقل کسی ایسے سکھلانے والے کے بلادِ روم میں یا اور کہیں پائے جانے کی بھی تو تصدیق نہیں کرتی جو تمام اُن علوم و معارف پر جس پر کہ قرآن اور یہ شریعت مشتمل ہے حاوی اور اُن سب خوبیوں پر محیط ہوگیا ہو اور ہم پر اہلِ روم کے ساتھ مخالطت کرنے کے بعد یہ بات ظاہر بھی ہوگئی کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں رُوم کے تمام علماء کے پاس بھی اُس کا وجود نہیں چہ جائیکہ ان میں سے بعض کو سب کچھ معلوم ہوتا۔

بلکہ ہم نے تو اُن کو دیکھا ہے کہ مخالطت اور آپ کی لائی ہوئی چیزوں پر مطلع ہونے کے بعد آپ کی شریعت کی خوبی انتظام سے بہت تعجب کرتے ہیں اور اُس میں

سے جو کچھ سیاست اور اُن کے ملکی انتظام کے موافق ہوتا ہے اقتباس کر لیتے ہیں پس کیسے ہوسکتا ہے کہ اُن کے علماء کے پاس یہ باتیں ہوتیں اور وہ اپنے لوگوں میں اُس کو شائع نہ کرتے اور یہ سب کچھ مخفی رہتا۔ یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُن کو ظاہر اور آشکارا کیا تب وہ اُس میں سے اقتباس کرنے لگے علاوہ بریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی باتوں میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو عقائد اعمال اور اخلاق میں رُوم کے دین کے مخالف تھیں اور اُن کی اس قبیل کی باتیں آپ کے دین میں غایت درجہ مذموم خیال کی جاتی تھیں پس عقل کیونکر اس بات کو مان سکتی ہے کہ کسی راہب نے یہ سب کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھا دیا ہو اور اُس کو اس کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی۔

علاوہ بریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری لائی ہوئی چیزوں کے کسی رُوم کے راہب سے سیکھ لینے سے جو موانع پیشتر ذکر کیے گئے ہیں اگر اُن سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو ایک اور بہت قوی مانع بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن اور شریعت کو ایک ہی دفعہ نہیں لے آئے ہیں اور اپنے پہلے ہی دعوے میں لوگوں پر اُس کو ظاہر نہیں کر دیا ہے بلکہ ابتدائے دعویٰ رسالت سے لے کر برابر تھوڑا تھوڑا کر کے لاتے رہے یہاں تک کہ آپ کا دین مکمل ہوگیا اور ان فرقوں اور گروہوں میں پھیل گیا جنہوں نے کہ آپ کی تصدیق کر کے پیروی اختیار کی تھی۔ پس آپ اپنے قرآن کی ایک دو آیتیں یا ایک دو سورتیں جیسے جیسے واقعات آپ کو اپنے اور اپنے مخالفوں کے مابین یا اپنے پیروی کرنے والوں کے درمیان پیش آتے جاتے تھے لایا کرتے تھے اور وہ آیتیں یا سورتیں کسی اَمر پر استدلال کرنے یا کسی شبہ کے دفع کرنے یا کسی سوال کے جواب دینے وغیرہ پر مقتضائے حال کے موافق مشتمل ہوا کرتی تھیں اور اسی طرح احکام شریعت بھی آپ حوادثات مشکلات۔ سوالات اور مصلحتوں کے موافق تھوڑے تھوڑے کر کے لوگوں کو پہنچایا کرتے تھے چنانچہ ان میں سے ہر شے کے مقابل میں آپ پسندیدہ احکام لایا کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ دعویٰ رسالت کی

ساری مدت میں جو جو واقعہ آپ کو پیش آتا جاتا تھا آپ ہر ایک کے مقابل میں قرآن اور شریعت میں سے اُس کے مناسب وموافق حکم لایا کرتے تھے۔اور یہ کیفیت ہم کو اور نیز اُن کو جن لوگوں تک آپ کے اخبار اور حالات بتواتر صحیح کے ساتھ نقل ہو کر پہنچے ہیں ضرور معلوم ہے۔اب اس وقت کہا جا سکتا ہے کہ رُوم کے کسی راہب کو یہ سارے زمانۂ آئندہ کے حوادثات اور واقعات جن کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے چل کر اتفاق پڑنے والا تھا اور جو کہ آپ کے پیروی کرنے والوں کے مابین یا آپ کو اپنے مخالفوں کے ساتھ پیش آنے والے تھے کس نے بتلا دیئے تھے جس کی وجہ سے اُسے معلوم ہو گیا کہ قرآن اور شریعت میں اُن میں سے ہر ایک کے مناسب کیا احکام ہونے چاہئیں۔ پس آپ کو ہر سوال کا جواب جو آئندہ آپ کے روبرو ہونے والا تھا اور ہر شبہ کا دفعیہ اور ہر واقعہ کا حکم جس کا آپ کو آئندہ ساری مدت میں اتفاق پڑنے والا تھا بتلا دیا اور آپ نے ہر شے کیلئے جو اَمر ضروری تھا اپنے اپنے وقت پر ٹھیک عقلوں کے اطمینان کے قابل لا دیا اور ہم منجملہ اُن واقعات کے بعض ایسے اُمور بھی دیکھتے ہیں جس کی نسبت کسی کے دل میں اس کا خیال بھی نہیں گذر سکتا تھا کہ وہ آئندہ چل کر واقع ہوں گے اور آپ کو اُن کا اتفاق پیش آئے گا اور جس شخص کو تمام اُن واقعات پر جو آپ کو بعد دعوئ رسالت کے ساری مدت میں پیش آئے ہیں واقفیت ہو گی۔وہ یقین کر لے گا کہ اُن سارے واقعات پر جو آپ کو اس مدت میں پیش آنے والے تھے کسی راہب

﴿علاوہ بریں یہ شبہ اس طرح بھی بالکل ساقط ہو جاتا ہے کہ سفر روم میں جب آپ راہب سے ملے تھے تو تنہا نہ تھے بلکہ قریش کے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے پس اگر آپ نے اُس راہب سے کچھ سیکھا ہو گا وہ ساتھیوں کو ضرور معلوم ہو گا۔پھر دعوئ رسالت کے وقت اُن میں سے کسی نے اس اَمر کو ظاہر کیوں نہ کر دیا کیونکہ اُن میں کے بہتیرے ایسے تھے جو آپ کے اُوپر ایمان نہ لائے تھے اور آپ کے مخالفوں کا ساتھ دیتے تھے۔اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہاں آپ نے کسی راہب سے کچھ نہیں سیکھا﴾ کا جس کی نسبت آپ کو گمان ہے حاوی ہو جانا اور ہر ایک کیلئے جو حکم

ضروری تھا اُس کا مستحضر کر لینا بلا شک محال ہے سوائے دھینگا دھینگی کرنے والے کے اور کوئی اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر آپ کہیں کہ پَیر وانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض بعض شخص (خواہ مسلمان فارسی ہوں یا اور کوئی) ایسے قوم کے موجود تھے جو علوم و معارف اور انتظامات مُلکی میں شہرۂ آفاق تھے۔ پس اِس سے کون سا اَمر مانع ہو سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو حوادثات آپ کو پیش آتے ہوں اُن کے احکام اور جو سوالات کہ آپ سے کئے جاتے ہوں اُن کے جوابات اور جو اعتراضات اور شبہے آپ پر وارد کئے جاتے ہوں اُن میں سے ہر ایک کا دفعیہ اور علاوہ اس کے جو کچھ ہو جب اُس کی آپ کو ضرورت پڑا کرتی ہو اُسی وقت سب کچھ آپ اُن شخصیتوں سے پوچھ لیا کرتے ہوں۔ پس جب کبھی اِن اُمور میں سے کوئی اَمر آپ کو پیش آتا ہو تو آپ اُس شخص کے پاس چلے آیا کرتے ہوں اور اُس سے دریافت کر لیا کرتے ہوں پس وہ جیسی حالت ہو اُس کے موافق بتا دیا کرتا ہو۔ تو ہم کہیں گے اس بات کا وہم کرنا کئی وجہوں سے بالکل لچر ہے اوّل تو اس وجہ سے کہ یہ بات مخفی نہیں کہ ان سب اشیاء کا سیکھنا سکھانا ایک ایسا اَمر ہے جو ایک آدھ نشست یا چند نشستوں میں پورا نہیں ہو سکتا اور نہ خفیۃً ہی یہ انجام پا سکتا ہے بلکہ پورے طور سے صرف اُسی وقت تعلیم ہو سکتی ہے کہ جب سیکھنے والا سکھانے والے کے پاس مدت دراز تک آمد و رفت کرتا رہے اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو لوگوں میں یہ بات ضرور مشہور ہو جاتی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلاں شخص سے علوم حاصل کیا کرتے ہیں اور یہ اَمر واقع کے خلاف ہے۔

دوسرے اس وجہ سے کہ اگر یہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اُن علوم کا جو آپ کے قرآن و شریعت میں موجود ہیں سکھلانے والا ہوتا تو غایت درجہ کا محقق اور بڑا ہی صاحب فضل ہوتا لوگوں میں ممتاز شمار کیا جاتا حالانکہ یہ اشخاص جن کی نسبت آپ لوگوں کا گمان ہے اس پایہ کے شخص نہیں ہیں۔ بلکہ لوگوں میں جن اشخاص کی معرفت و واقفیت کے لحاظ سے شہرت تھی اُن میں بھی تو اُن کا شمار نہیں۔ اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ

وسلم میں سے بہتیرے لوگ شرعی احکام پر احاطہ رکھنے کے لحاظ سے ان شخصوں سے بدر جہا بڑھے ہوئے تھے اور وہ خود اُن سے اور اُن سے بھی کم درجہ کے لوگوں سے علوم حاصل کیا کرتے تھے اور اپنے ضروری اُمور سیکھا کرتے تھے اور شاگردوں کی طرح اُن کے ساتھ فروتنی سے پیش آتے تھے اور عقل اس اَمر کی ہرگز تصدیق نہیں کرتی کہ یہ اشخاص اس پایہ کے ہوتے اور پھر بھی اپنا حال مخفی نہ رکھتے۔

اور تیسرے اس وجہ سے کہ اگر یہی اشخاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھلانے والے ہوتے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اپنے سارے پیروی کرنے والوں پر انہیں شخصوں کا رُتبہ مقدم رکھنے میں مضطر ہوتے اور اگر آپ اُن کی اتنی قدر و منزلت میں کوتاہی کرتے تو ان کو کب صبر آتا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بہتیروں سے اُن کا درجہ گھٹا ہوا تھا اور پھر بھی خوش تھے اُن کو یہ اَمر ہرگز ناگوار نہ تھا۔

چوتھے اس وجہ سے کہ ہم نے اُن اشخاص کی قوم سے اس کے بعد میل جول کیا تو ہم نے ان علوم احکام اور جملہ بھلائیوں کے جامع شریعت کو جو سب کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اُن کے پاس نہ پایا اور اُن میں سے بہتیری چیزیں ایسی ملیں جن کا اُن کے یہاں اصلاً ونقلاً کچھ پتہ ہی نہ تھا بلکہ ہم نے خود انہیں دیکھا کہ آپ کی شریعت سے جو قوانین اُن کو اپنے انتظام مُلکی کے مناسب معلوم ہوتے ہیں اقتباس کر لیتے ہیں پس یہ اشخاص جملہ علوم و معارف کو کہاں سے لے آئے جس حال میں کہ اُن کی قوم اُن سے محروم تھی پس اے شک و شبہ ڈالنے والو اس بیان نے تمہارے سارے اُن احتمالات کو جو تم نے ہم پر وارد کئے تھے باطل اور مہمل ثابت کر دیا اس لئے ہم بلاشک و شبہ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی برابر تصدیق کرتے رہیں گے۔

فلاسفہ طبیعات (سائنس) کا نتیجہ تحقیقات

اور ان میں سے ایک دہری مادّہ ﴿میٹریالسٹ﴾ کا قدیم ماننے والا اور طبیعات ﴿سائنٹسٹ﴾ کا جاننے والا فرقہ بھی تھا جن کا خیال یہ ہے کہ عالم کا مادّہ قدیم ہے اور وہ

کسی کا پیدا کیا ہوا نہیں بلکہ خود موجود ہے عالم کے لئے کوئی خدا نہیں جس نے کہ عالم کو پیدا کر کے اِس عمدہ انتظام پر اُب کو مرتب کیا ہو۔ وہ باوجود اپنی رنگ برنگی اور اس عجیب وغریب حالت پر موجود ہونے کے جس میں کہ عقل چکرا جاتی ہے محض عناصر ملنے اور قوانین قدرت کے موافق جو اُن میں موجود ہیں فعل وانفعال ہونے کی وجہ سے بن گیا ہے اور چونکہ وہ عالم کے پیدا کرنے والے کے وجود نہیں مانتے تو وہ لا محالہ رسولوں کی بھی تصدیق نہیں کر سکتے جن کا کہ یہ دعوے ہوتا ہے کہ اُن کو اللہ یعنی اس عالم کے پیدا کرنے والے نے ہدایت کیلئے بھیجا ہے۔

پس جب اُنہوں نے یہ سُنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو خدا کا بھیجا ہوا کہتے ہیں اور یہ دیکھا کہ ان تمام فرقوں نے پہلے تو آپ کی تکذیب کی اور پھر آپ کی تصدیق کرنے لگے اور وہ مختلف دلیلیں بھی انہیں معلوم ہوئیں جن سے کہ ان فرقوں نے آپ کی تصدیق پر استدلال کیا تھا اور یہ مشاہدہ کیا کہ انسانی دنیا میں ان سب باتوں کی وجہ سے عجب انقلاب عظیم پیدا ہوگیا کہ ان سارے فرقوں نے اپنی تمام رسموں اور عادتوں کو جن کے کہ وہ مدتوں سے عادی ہو رہے تھے ترک کر دیا اور اپنے خیالات اور عقائد کو بھی بدل ڈالا اور ایک بے پڑھے لکھے شخص کے مطیع بن گئے جس نے کہ تن تنہا ان ہزاروں کے خلاف دعویٰ کیا اور اُن کے مقابلہ کی جرأت کی اور حالت یہ تھی کہ نہ اُس کا کوئی یار تھا نہ مددگار اور کہنے لگے کیا یہ کوئی معمولی واقعہ سمجھا جا سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ یہ ضرور اس قابل ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اس بارے میں خوب غور وفکر سے کام لیا جائے اُس کے اسباب سے اور اس بات سے بحث کی جائے کہ یہ اَمر ان اسباب سے کیونکر واقع ہوا اور واقعی اَمر کو دریافت کیا جائے کہ آیا یہ سب کچھ یقینی اُمور کی وجہ سے ظہور میں آیا ہے یا بعض اوہام اور خیالات ان کے باعث ہوئے ہیں پس اُن کی عقلوں کو اس کی وجہ سے تحریک پیدا ہوئی اور اُنہوں نے فکروں کو اس طرف متوجہ کیا کیونکہ ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی بات کو سنتا ہے ضرور اُس کے دل میں اُس کی نسبت کچھ نہ کچھ خیال

پیدا ہوتا ہے اور اُس کے دریافت کرنے کی فکر پڑ جاتی ہے۔

پس وہ بھی آپس میں یوں کہنے لگے کہ یہ واقعہ تو نہایت ہی ضروری معلوم ہوتا ہے اور ہم تو عالم کی ذرا ذرا سی چیزوں سے بحث کیا کرتے ہیں اُن کے اسباب کی تفتیش کرتے ہیں۔ اُن کی وجہ حقیقت اور غایت کو دریافت کرتے ہیں ہم تو اس بات کو مانے ہوئے بیٹھے ہیں کہ انسانی دنیا میں ہر حادث اور ہر انقلاب کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے جیسے کہ مادّہ کے متعلق حوادثات میں ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ مادّہ کا کوئی اثر نہیں پایا جا سکتا کہ جس کا کوئی مؤثر نہ ہو بلکہ اُس کے ہر ہر تغیرات کے لئے کوئی نہ کوئی ضرور مقتضی موجود ہوگا تو کیا اس بات کے ماننے کے بعد بھی اتنے بڑے عظیم واقعہ سے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے میں کامیاب ہو گئے۔

اور تمام لوگ آپ کے مطیع بن گئے ہم چشم پوشی کر سکتے ہیں یہ تو انسانی دنیا میں اتنا بڑا انقلاب ہے کہ تاریخ میں اس کی نظیر مشکل سے مل سکے گی تو پھر کیا ہمیں یہ مناسب ہے کہ بلا تحقیق کئے ہوئے محض اٹکل اور تخمین سے یہ کہہ دیں کہ اجی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداری اور حکومت حاصل کرنے کے لئے یہ دعویٰ کیا ہے اور ان سب لوگوں کو وہم ہو گیا ہے کہ اُنہوں نے آپ کا اتباع کر لیا۔ کیا اس موقع پر ہمارا فرض منصبی نہیں ہے کہ ہم تاریخی فلسفہ سے کام لیں اور اتنے بڑے انقلاب اور تغیر کے اسباب دریافت کریں اور اس کی کوئی وجہ ڈھونڈھ نکالیں کہ اس بے یار و یاور اور محض بے پڑھے لکھے شخص کے اتنے لوگ کیوں مطیع ہو گئے اچھا اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ آپ کا دعویٰ فقط حکومت حاصل کرنے کی غرض سے تھا تو ہم اِس کا کیا سبب بتا سکتے ہیں کہ ان تمام متعصب فرقوں نے آپ کی کیوں اطاعت کر لی اور وہ باوجودیکہ اپنی رسموں کے بڑے پابند اور اپنے خیالات کے بڑے طرف دار تھے آپ کے کیسے مطیع بن گئے اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس اطاعت قبول کرنے کا سبب اُن سب کا تعصب تھا تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سب تو اپنی ہی عادتوں اور اپنے ہی خیالات کے ساتھ تعصب کرتے

تھے اس کا تو مقتضاء یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کرنا کیا معنے اُلٹے آپ کی اور زیادہ مخالفت کرتے۔ اور اگر ہم اِس کا یہ سبب ٹھہرائیں کہ اُن کو قومی پاس تھا اور یہ لالچ کرتے تھے کہ اگر انہیں حکومت حاصل ہو جائے گی تو ہم بھی اُس سے بہرہ یاب ہوں گے تو یہ بھی صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم آپ کی قوم اور آپ کے قرابت مندوں کو تو دیکھتے ہیں کہ آپ کے سب سے زیادہ مخالف تھے۔

اور جو کوئی اُن میں سے آپ کا مطیع بھی ہوا تو اُس وقت کہ جب آپ کو اپنے اِرادہ میں پورے طور سے کامیابی حاصل ہو چکی اور آپ کے معاونین اور مددگاروں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور ایسے بہت ہی قلیل لوگ نکلیں گے کہ جو آپ کے عزیزوں میں سے پہلے پہل ایمان لے آئے ہوں پس جب یہ حالت ہو تو اُن کا قومی تعصب کسی طرح اس کا سبب نہیں ٹھہر سکتا علاوہ بریں اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اَوّل اَمر میں آپ کے قرابت والے آپ کی حمایت کرتے تھے تو بھلا اِس کو اور تمام کثیر فرقوں کی اطاعت اختیار کر لینے میں کیا اثر ہوسکتا ہے کیونکہ آپ کے عزیزوں کی قوت اتنے بہت سے لوگوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ نہ تھی بلکہ اُن سے بہت ہی کم تھی اور نہ اُن لوگوں کی مثل آپ کے قرابت مندوں کی بات کا لوگوں پر چلنا ہی آسان تھا۔

پس اگر آپ اپنے قرابت مندوں کی طرف داری پر بھروسہ کر کے اتنے لوگوں سے مقابلہ کرتے تو ضرور آپ نے اُن سب کو معرض ہلاکت میں ڈال دیا ہوتا اور ان ہزاروں کی قوت کے سامنے اُن کا نام ونشان بھی نہ باقی رہتا یہ بات اُس وقت معلوم ہوسکتی ہے کہ جب دونوں جانب کی صحیح تعداد دریافت کی جائے اور اگر ہم اس کا یہ سبب قرار دیں کہ ان تمام فرقوں نے یہ لالچ کر کے آپ کی اطاعت قبول کر لی کہ جب آپ اپنے دعوے میں کامیاب ہو جائیں گے اور آپ کو جو غلبہ حاصل ہونے والا تھا حاصل ہو جائے گا تو ان سب کو بھی اِس کے ثمرات حاصل کرنے کا موقع ملے گا تو یہ بھی صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ ان تمام فرقوں کو یہ کہاں سے معلوم ہو گیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ

وسلم ضرور اپنے دعوے میں کامیاب ہی ہوں گے اور آپ کو ایسا غلبہ حاصل ہو ہی جائے گا اور حالت یہ تھی کہ جب آپ ابتداء ابتداء میں یہ دعویٰ کرنے کھڑے ہوئے تھے تو بالکل تن تنہا تھے نہ کوئی آپ کا ساتھ دینے والا تھا اور نہ کوئی مدد کرنے والا اور نہ کوئی بظاہر ایسا ذریعہ ہی آپ کو حاصل تھا کہ جس کی وجہ سے آپ کی کامیابی کی اُمید ہو سکتی آپ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ لوگوں کیلئے ایک مذاق ہاتھ لگا تھا۔

یوں کہا کرتے تھے کہ اِس خبط کو دیکھتے ہو کہ اتنا بڑا تو دعویٰ اور پھر نہ کوئی کامیابی کا ذریعہ نہ سبب جب یہ کیفیت ہو تو کون سی ایسی قوم ہو سکتی ہے کہ جو کسی شخص کو اُس کے دعوے میں جھوٹا بھی سمجھتی ہو اور وہ بھی بالکل تن تنہا ہو کامیابی کے ذرائع میں سے اُس کو کوئی ذریعہ بھی حاصل نہ ہو اور پھر وہ لوگ اپنے اُن عادات اور اعتقادات کو جن سے کہ وہ اپنے دین و دنیا کی بہتری کی اُمید کرتے ہوں ترک کردیں اور محض یہ لالچ کر کے اُس شخص کا اتباع کرنے لگیں کہ جب اُس کو اپنے اِرادہ میں کامیابی حاصل ہو جائے گی تو اُنہیں بھی فانی ثمرات سے فیض یاب ہونے کا موقع ملے گا چاہے دائمی ثمرات سے محروم ہی کیوں نہ رہیں اور تو کوئی نہیں ہاں البتہ مجنوں

ایسا کر سکتے ہیں اور اس بات کو یقیناً عقل ہرگز نہیں تسلیم کر سکتی کہ یہ سب فرقے مجنوں تھے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ آپ کی فصاحت اور جادو بیانی اس کا سبب ہے آپ نے اپنی قادر بیانی سے ان سب کو اپنا فریفتہ کر لیا ہے اور راستی کے دلائل کا ذبہ کو رنگ آمیزیاں کر کے سچ کر دکھایا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سارے فرقے محض آپ ہی کی بیان کی ہوئی دلیلوں سے آپ کے مطیع نہیں ہوئے جیسا کہ اُن لوگوں کی ساری دلیلوں کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے بلکہ اُنہوں نے بہت سی ایسی دلیلوں سے بھی استدلال کیا ہے کہ جس میں آپ کو کوئی دخل نہیں اور نہ اُن کا قائم کرنا آپ کی قدرت واختیار میں تھا۔ بھلا بتلایئے تو سہی کہ کیا یہ آپ کے اختیار میں تھا کہ آپ اپنے میں اُن ساری علامتوں کو جمع کر لیتے جو کہ اُنہیں میں سے بعض بعض فرقوں

کی کتابوں میں موجود تھیں جنہیں کہ وہ پہلے رسولوں کی کتابیں بتلاتے تھے اور وہ اُنہیں یہ خبر دے گئے تھے کہ ہمارے بعد عنقریب ایک رسول آئے گا کہ جس میں یہ ساری علامتیں پائی جائیں گی چنانچہ آپ میں وہ ساری علامتیں اُنہوں نے بچشم خود دیکھ لیں۔ کیا آپ کی طاقت میں تھا کہ اپنے قرآن میں تمام اعلیٰ درجہ کے صفات جمع کر لیتے جن سے کہ بڑے بڑے فصیح اور ماہر فلسفی بھی عاجز ہیں اور حالت کہ آپ بالکل بے پڑھے لکھے شخص۔ آپ نے باہوں میں پرورش پائی اور پھر جمع کر کے اپنی ہستی کی دلیل میں پیش کر کے کہا یہ آپ کی قدرت میں تھا کہ ان جملہ قوانین کو جسے کہ آپ شریعت کہتے ہیں اس عجیب وغریب ترتیب کے ساتھ جس کو دیکھ کر عقلیں دنگ ہو جاتی ہیں مرتب کر لیتے تا کہ اپنی راستی کی دلیل میں پیش کر سکیں اور پھر نہ آپ لکھے نہ پڑھے متفرق قوموں کے حالات سے بے خبر اور مختلف ممالک وبلاد کے قوانین سے محض ناواقف کیا یہ آپ کے قبضہ کی بات تھی کہ قرآن کی چھوٹی سی سورت کے مقابلہ سے بھی ان تمام فرقوں کے بڑے بڑے فصیح وبلیغ لوگوں کی زبان کو گونگا بنا دیں یہاں تک کہ بعض تو اپنے عجز کا اقرار کر لیں اور بعض ناچار ہو کر لڑنے پر مستعد ہو جائیں اور اپنی جانوں کو جنگ وجدل کی مصیبتوں میں پھنسائیں اور ایک سورت کے بھی مقابلہ کی جرأت نہ کریں حالانکہ اگر وہ مقابلہ پر قادر ہوتے تو اِس سے بڑھ کر اُن کیلئے اور کوئی آسان تدبیر ہی نہ تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے شک وہ مقابلہ کرنے سے عاجز تھے اور اگر کوئی یوں کہے کہ ان سب لوگوں پر چونکہ وہم طاری ہو گیا تھا اِسی وجہ سے یہ مقابلہ سے عاجز رہے اس لئے کہ جب آپ نے اُن سے یہ کہا کہ تم لوگ میرے قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کے مثل لانے سے بھی عاجز ہو تو اُن پر وہم غالب ہو گیا اور اُنہوں نے اپنے کو عاجز خیال کر لیا اور پھر اُن سے کچھ نہ ہو سکا اور وہم ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی تاثیر سے کوئی انسانی عقل انکار ہی نہیں کر سکتی تو ہم کہیں گے کہ اس بات کو بھی عقل سلیم کسی طرح نہیں مان سکتی اور اس شخص کا یہ قول ہرگز نہیں تسلیم کیا

جا سکتا کیونکہ جو اثر ہم وہم کا دیکھتے ہیں وہ صرف اسی قدر ہے کہ اُس کا تسلط غایت سے غایت اگر ہوگا بھی تو یہی ایک یا دو فرقوں پر اور وہ بھی ایک آدھ مقام پر اور اگر رہا بھی تو ایک یا دو دِن اور اگر بہت رہا تو ایک یا دو مہینے بس لیکن وہم کا یہ تسلط کہ تمام لوگوں پر ہو جائے ہر مقام میں اُس کا دخل ہو بیس بیس برسوں سے بھی کچھ زیادہ زمانہ گذرنے پر بھی باقی رہے بلکہ صدیاں گذرنے پر بھی زائل نہ ہو جو لوگ کہ اُس وہم کے سبب کے وارد ہونے کے وقت بہت دُور ہوں اُن پر بھی قبضہ کر لے اور وہ بھی محض اِس وجہ سے کہ اُن کو اور لوگوں کی خبر پہنچ گئی جن پر کہ وہم چھا گیا تھا اور یہ سنتے ہی اُن پر بھی وہم کا قبضہ ہو جائے کبھی ایسا دیکھا نہیں گیا اور نہ آج تک سننے میں آیا کہ وہم کا ایسا عام اور باقی رہنے والا تسلط بھی ہوتا ہے کہ ہر مقام میں بھی ہو برسیں گذرنے پر بھی باقی رہے۔ عقل سلیم وہم کی اس خاصیت کو بغیر کسی خارجی سبب کے پائے جانے کے کہ جس سے اِس کی تقویت ہوئی ہو ہرگز نہیں تسلیم کر سکتی۔ علاوہ بریں کیسی ہی وہمی باتیں کیوں نہ ہوں لیکن غور و فکر کرنے سے امتداد زمانہ کے بعد اُن سے ضرور خلاصی ہو ہی جاتی ہے اور واقعی بات کا پتہ لگ ہی جاتا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی چیز میں غور و فکر سے کام لیا جائے اور پھر بھی حقیقت حال معلوم نہ ہو اور ظاہر بات ہے کہ یہ سارے فرقے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دُشمنی کی وجہ سے حقیقت اَمر دریافت کرنے کے بڑے ہی حریص تھے تاکہ آپ کی تکذیب ثابت کر سکیں اور باوجود اِس کے بھی اُن کی کسی ایسی چیز تک رسائی نہیں ہوئی اور قرآن کے مقابلہ سے اُن کا عاجز رہنا ایک اَمر مستمر رہا کہ جس میں وہم کی ذرا بھی تاثیر ثابت نہیں ہو سکتی پس اب بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اُن کو وہم نہ تھا بلکہ وہ فی الواقع عاجز ہی تھے اور اگر وہم کے عام تسلط اور مستمر رہنے کے امکان پر یوں اعتراض کیا جائے کہ دیکھئے قدیم ہیئت داں علماء کو عام طور پر سینکڑوں برس تک اس اَمر کا وہم رہا کہ آسمان گھومتا ہے اور زمین ساکن ہے تو اُس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ اِس وہم کا عام اور مستمر ہونا ایک بہت بڑے قوی سبب

کی وجہ سے تھا اور وہ یہ ہے کہ نظر اور مشاہدہ سے نہ آسمان کا دُور کرنا معلوم ہوتا ہے اور نہ زمین کا ساکن ہونا۔ علاوہ بریں اُن کے پاس وہ آلات بھی موجود نہ تھے کہ جس سے حقیقت حال کی دریافت کرنے میں متاخرین کو (جیسا کہ اُن کا خیال ہے) بہت مدد ملی اور جس اَمر میں کہ بحث درپیش ہے اُس میں کوئی ایسا سبب موجود نہیں کہ جس کی وجہ سے اتنا عام اور مستمر وہم ہو سکے کیونکہ اس کا سبب (جیسا کہ معترض کا گمان ہے) سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے کہ جو تمام لوگوں کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا تھا کہ تم سب قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہو اور کوئی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اِس سبب میں اِس قدر قوت ہرگز نہیں ہو سکتی کہ جس کی وجہ سے اتنا عام اور مستمر وہم پیدا ہو جائے چنانچہ یہ بات منصف کے نزدیک بالکل واضح ہے۔ پس اَمر متنازع فیہ اور قدیم ہیئت کے جاننے والوں کے وہم میں اچھے طور سے فرق ظاہر ہو گیا۔

(میں کہتا ہوں کہ جب عقل کے نزدیک بغیر کسی قوی سبب کے بیس برس سے کچھ زائد بھی وہم کا عام اور مستمر ہونا مسلم نہیں ہے تو ایسے وہم کا بلا کسی سبب کے تیرہ سو برس کی مدت تک عام اور مستمر رہنا تو عقل سے اور بھی کوسوں دور ہوگا اور جب یہ ٹھہرا تو سنئے کہ اتنی ہی مدت گزر چکی اور بڑے بڑے فصیح و بلیغ شاعر۔ انشا پرداز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن رہے بہتیروں نے آپ کی شریعت کی روشنی کو ٹھنڈا کرنا چاہا اور اُن کے لئے کوئی ایسا مانع بھی نہ تھا پھر بھی ہمیشہ قرآن شریف کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کا بھی مقابلہ نہ کر سکے اتنی قلیل مقدار بھی قرآن کے مثل لانے سے سرتاپا عاجز ہی رہے اور ہمیشہ رہیں گے اور ہم تو کُھلے خزانے بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ قیامت تک بھی قرآن کی مثل کوئی نہ لا سکے گا)

پھر اسی طرح یہ فرقہ ایسے سبب کی تفتیش کرتا رہا کہ جس کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں لوگ غلطی میں پڑ گئے ہوں لیکن اُنہیں ایسا کوئی سبب نہیں معلوم ہوا بلکہ بالآخر غایت درجہ کے استقرا اور تلاش کے بعد اُن کے نزدیک یہ بات ثابت

ہوگئی کہ اِس موقع میں غلطی کا کوئی سبب نہیں ہوسکتا پھر کہنے لگے کہ کیا ہم نے تمام چیزوں کی جنہیں کہ عقل تجویز کرسکتی ہے اور جو کہ ذہن میں آسکتی ہیں حقیقت کا احاطہ کرلیا اور اشیاء کا ہمیں پورے طور سے پتہ لگ گیا ہرگز نہیں۔

انسانی شرافت کی قسم ہم سچ کہتے ہیں کہ ہمارا علم تمام حقائق کو جو کہ خیال میں آ سکتی ہیں ہرگز محیط نہیں ہے بلکہ بڑی چیز یعنی اِس ماڈی دنیا کے جسے کہ ہم رات و دن دیکھا کرتے ہیں قوانین قدرت برابر ہم سے مخفی رہے چنانچہ دن بہ دن کچھ نہ کچھ نئے قوانین قدرت ہم کو دریافت ہوتے جاتے ہیں۔ وہ اُمر جسے کہ ہم بڑے اطمینان سے کہہ سکتے ہیں یہ ہے کہ جتنی اشیاء سے ہم کو واقفیت حاصل ہوچکی ہے اگر اُن کی نسبت اُن اشیاء کے ساتھ دیکھی جائے کہ جواب تک ہم کو دریافت نہیں ہوئیں تو بے شک وہی نسبت نکلے گی جو سمندر کو ایک قطرہ کے ساتھ ہوتی ہے پس جب یہ حالت ہو حقائق کی واقفیت میں ہمارا درجہ اتنا گھٹا ہوا ہو اور تمام اشیاء پر حاوی اور محیط ہونا ہمارے لوازم ذات سے قرار پانا تو جدا رہا ہم کو تمام حقائق کا پورا پورا علم بھی نہ ہو تو پھر ہم اس بات کا کیونکہ اطمینان کرسکتے ہیں کہ اس مادی دنیا کے سوا کوئی دوسرا عالم نہیں ہے کہ جس کی اطلاع ہم کو نہیں ہوئی اور ہم اُس کو دریافت نہیں کرسکے خواہ اس وجہ سے کہ ہماری فکریں مادی دنیا سے بحث کرنے میں ہمہ تن مصروف تھیں اُس سے ہمیں بحث کرنے کا موقع ہی نہ ملا اور چونکہ ہمارے خیالات اسی کے عادی ہورہے تھے تو اس سے یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ہم دوسرے عالم سے بالکل غافل ہوگئے اور یہ سمجھنے لگے کہ شاید اس ماڈی دنیا کے سوا کوئی دوسرا عالم ہی نہیں ہے۔ اور خواہ اِس وجہ سے کہ ہمیں کوئی ایسی دلیل ہی نہ ملی کہ جس سے دوسرے عالم کا پتہ لگتا۔ یا اِس وجہ سے کہ ہمیں ایسے ذرائع حاصل نہیں تھے کہ جن کے وسیلے سے اس مادی دنیا کے علاوہ کوئی دوسرے عالم کو دریافت کرنے کے ہم قابل ہو جاتے بھلا بتلایئے تو سہی کہ برقی قوت کے دریافت ہونے سے پہلے اُس کا کون خیال کرتا تھا اور اُس کے خواص و آثار کس کی سمجھ

میں آسکتے تھے اور اُن کو کون مان سکتا تھا یہاں تک کہ اتفاقیہ وہ قوت دریافت ہوگئی اور متعدد تجربوں سے اُس کے فوائد کی تحقیق ہوتی گئی حالانکہ یہ عالم طبعیات ہی سے ہے اور باوجود اِس کے ہم اُس کو آنکھ سے آج تک دیکھ بھی نہ سکے غایت سے غایت یہی ہوا کہ ہم نے اُس کے آثار دیکھ کر اُس کے موجود ہونے پر استدلال کرلیا۔

علاوہ بریں ہم لوگوں میں یہ بات جو مشہور ہے کہ ہم کسی چیز کو جب تک کہ اپنے حواس خمسہ میں سے کسی سے ادراک نہ کرلیں نہیں مانتے اُس پر بھی قائم نہ رہ سکے اور اس کا ہر موقع پر التزام کرنا ہمارے امکان سے خارج ہوگیا بلکہ ضرورت کے وقت ہم کو اپنے اِس قاعدہ کو برابر چھوڑنا پڑتا ہے۔

یہی دیکھئے کہ مادۂ اثیر (یعنی ایتھر) کو ہم مانتے ہیں اور اُسے ثابت کرتے ہیں حالانکہ یقیناً ہم نے اُس کو اپنے حواس میں سے کسی سے ادراک نہیں کیا ہم کو صرف اُس کے ثابت کرنے کی یہ ضرورت پڑی ہے تاکہ ہم روشنی کی حقیقت سمجھ سکیں چنانچہ ہم اس کے ثابت کرنے کے بعد اس بات کے قائل ہوگئے کہ روشنی اِس مادۂ اثیریہ (یعنی ایتھر) کی حرکت کا نام ہے کہ جو تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ اثیر (ایتھر) اُن کے نزدیک ایک گیس ہے کہ جو غیر متناہی خلا میں بھرا ہوا ہے اور جب تک کہ بعض روشن اجسام جیسے کہ ستارے اُس میں اثر نہ کریں تو وہ خود ساکن رہتا ہے اور اُن کے اثر کرنے کی وجہ سے اُس میں حرکت پیدا ہوتی اور موجیں مارنے لگتا ہے جیسے کہ ہوا جسم کے اثر کرنے سے آواز کیلئے حرکت کرنے لگتی ہے اور پھر اُس کی حرکت آنکھ تک پہنچ جاتی ہے جس کی وجہ سے اُس میں اثر ہوتا ہے اور اُسے مرئیات کا شعور ہوجاتا ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ عوامل یا قوی کہربائی (اور وہ حرارت قوت برقی اور قوت مقناطیسی ہیں) صرف ایسی اثیر (ایتھر) کی لہریں ہیں اور وہی ایسی اصل ہے کہ چاروں غیر قابل وزن مادّوں کو ایک مادّہ میں جمع کرتی ہے اور وہ چاروں مادّے روشنی حرارت قوت کہربائی یا برقی اور قوت مقناطیسی ہیں اور جب ہمارا یہ مشہور قاعدہ قابل اعتبار نہیں

رہا تو ایسی اشیاء کے وجود سے کون سی شے مانع ہو سکتی ہے کہ جن کو محض ہمارے حواس ادراک نہیں کر سکتے اور یہ بات اُن موجودات سے جو کہ خورد بین (مائیکروسکوپ) سے نظر آتے ہیں ثابت بھی ہو چکی ہے کیونکہ اُن کا ادراک جب تک کہ آلاتِ بصر یہ نہ استعمال کئے جائیں ہو ہی نہیں سکتا تو پھر اب ایسی اشیاء کے موجود ہونے سے کون سا اُمر مانع ہو سکتا ہے کہ جن کے ادراک کیلئے ہمارے موجودہ حواس گو وہ کسی آلہ سے مدد ہی کیوں نہ لیں کافی نہ ہوں بلکہ اُن کے ادراک کیلئے کسی دوسرے جلسہ کی ضرورت ہو جو کہ ہم میں نہیں پایا جاتا چنانچہ یہی اثیر (ایتھر) ہی ایسا ہے۔ اور جب ہمارے حواس مادی دنیا کے اعتبار سے اس قدر عاجز ٹھہرے تو پھر مادّی عالم کے علاوہ دوسرے عالم کی اشیاء کے ادراک سے اگر عاجز ہوں تو کچھ بھی مستبعد نہیں۔

پس اگر انصاف سے پوچھو تو یہی ہے کہ ہم معرفت اور شناخت کے راستہ میں بہت ہی قاصر ہیں اور اُن تمام اشیاء کے حقائق دریافت کرنے کے ذرائع جنہیں کہ عقل تجویز کر سکتی ہے ہم میں بے شک نا تمام ہیں۔ پس عقل اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ بہتیری ایسی حقیقتیں واقع میں موجود ہو سکتی ہیں کہ جن سے ہم محض ناواقف رہیں یا اُن کی ہم کو خبر ہی نہ ہو اور اُن اشیاء کے ادراک کے ذرائع یا تو ہم میں موجود ہی نہ ہوں یا اُن کی تمام شرطیں نہ پائی جاتی ہوں اور جب ہم بے انصافی کا ساتھ چھوڑ کر انصاف کے مددگار بنیں گے تو ضرور ہم یہی سمجھیں گے کہ عالم طبعیات کے سوا کسی دوسرے عالم کو نہ ماننا محض ایک تخمینی بات ہے اور بلا دلیل حکم لگانا ہے کیونکہ غایت سے غایت یہ ہوگا کہ جہاں تک ہم نے بحث کی ہے ہمیں اس عالم کے سوا کسی دوسرے عالم کی کوئی دلیل نہیں ملی اور نہ اس اُمر کی دلیل ملی جس سے کہ اس عالم کا کسی دوسرے عالم سے ارتباط معلوم ہوتا۔ رہی یہ بات کہ اس عالم مادّی کے سوا کسی دوسرے عالم کے موجود نہ ہونے کی ہمیں کوئی دلیل مل گئی ہو یا اس اُمر کی کہ یہ عالم کسی دوسرے عالم کے ساتھ مرتبط نہیں ہے قسم انسانی شرافت کی کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور یہ اُمر ہر سمجھ دار کے نزدیک

مسلم ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی چیز کا پتہ نہ لگے تو اِس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ نفس الامر میں بھی وہ شے موجود نہیں۔ اِسی طرح سے اگر کسی شے کے وجود کی دلیل ہمیں معلوم نہ ہو تو اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں وہ شے بھی موجود نہیں۔

پس ایسا ہی یہاں بھی سمجھئے کہ مادّی عالم کے سوا کسی دوسرے عالم کا ہم کو پتہ نہ لگے یا اُس کے موجود ہونے کی دلیل ہم کو معلوم نہ ہو تو اِس سے یہ نہیں لازم آتا کہ نفس الامر میں بھی کوئی دوسرا عالم موجود نہیں ہے ممکن ہے کہ ہو اور ہمیں دریافت نہ ہوا ہو چنانچہ یہی دیکھئے کہ ہمیں لوگوں میں سے قدیم طبعیات کے جاننے والوں پر ہزاروں برس کا زمانہ گذر گیا اور وہ رعد اور برق کی وجہ دریافت کرنے کے درپے رہے لیکن اُنہیں اُس کی کوئی صحیح دلیل معلوم نہ ہو سکی اور اُس کی حقیقت سے ناواقف رہے اور ظاہر ہے کہ اُن لوگوں کو دریافت نہ ہونے یا اس کی دلیل نہ معلوم ہونے سے اُس کا فی نفسہ موجود نہ ہونا لازم نہیں آیا اور متاخرین کو اُس کی دلیل معلوم ہوگئی اور اُنہوں نے اُس کی حقیقت کو دریافت کر لیا۔ (اور وہ اُن کے خیال کے موافق قوت کہربائی ہے) اور وہ دنیا کی ضروری چیزوں میں سے ہے کہ جس کی وجہ سے اُس میں طرح طرح کے عجائبات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

پس بنا بر جمیع اُمور مذکورہ کے کہ جس سے حقائق اشیاء کی نسبت ہماری واقفیت کا محدود اور ناتمام ہونا معلوم ہو چکا ہے یہ بات بلاشک ممکن ہے کہ اس مادّی عالم کے علاوہ کوئی دوسرا عالم بھی پایا جائے اگرچہ اب تک ہم کو اُس کے موجود ہونے کی دلیل نہ معلوم ہوئی ہو اور جب یہ کیفیت ہے تو ہم اس بات سے کیونکر مامون ہو سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن حقائق ممکنۃ الوجود کا دعویٰ کرتے ہیں وہ واقع میں موجود ہی ہوں اور ہم اُن کی حقیقت اور واقعیت سے ناواقف ہوں اور اسی وجہ سے ہم نے اِس کو حکومت حاصل کرنے کا حیلہ سمجھ لیا ہو اور ہم یہ خیال کرنے لگے ہوں کہ ان تمام فرقوں کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لینا محض وہم پر مبنی ہے اور اُن کے پاس اس

کی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے۔ کیا اب یہ ممکن نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے میں سچے ہی ہوں اوران تمام لوگوں کو سچی ہی دلیلیں معلوم ہوگئی ہوں کہ جن کی وجہ سے اُنہیں آپ کی تصدیق کرنی پڑی اگر چہ ہمیں اُن کی صحت کا ذرا بھی پتہ نہ لگا ہو اور جب بالفرض یہی کیفیت ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم کے پیدا کرنے والے یعنی اللہ ہی کے بھیجے ہوئے ہوں اور اُن کی بتلائی ہوئی سب باتیں ہو پڑیں اور اُنہیں باتوں میں مثلاً ایک بات یہ بھی ہے کہ عالم انسانی کے لئے ضرور حشر ونشر ہوگا اور یہی خدا اُس شخص کو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے دائمی ثواب عطا کرے گا اور جو شخص کہ آپ کی تکذیب کرتا ہے۔ اُس کو اَبدی سزا دے گا۔

تو بھلا بتلایئے کہ اس وقت ہم کو کیا بہتری حاصل ہوسکتی ہے اور ہم اپنی محنت اور مشقت اور بحث وتفتیش سے کیا ثمرہ حاصل کر سکتے ہیں جو کہ ہم اپنے بڑے لمبے چوڑے علموں میں جیسے کہ علم افلاک۔ علم کائنات۔ علم طبقات الارض ﴿جیالوجی﴾ علم نباتات ﴿بوٹانی﴾ علم حیوانات۔ علم کیمیا (کیمسٹری) وغیرہ میں صرف کرتے ہیں کیا اُس وقت ہم پر یہ بات صادق نہ آئے گی کہ ہم ادنیٰ درجہ کی فانی چیز کے ساتھ مشغول ہوئے اور باعظمت دائمی شے کو ہم نے چھوڑ دیا بے شک ہم خسارہ میں رہیں گے اور جس سے کہ ہم برداشتہ خاطر ہوئے جاتے ہیں اور جس سے کہ ہم سوءِ اختیار (یعنی بے تمیزی کے ساتھ کسی شے کو پسند کرنے) میں پڑنے سے ڈرتے ہیں وہ یہ اَمر ہے کہ اگر کہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے پیروی کرنے والوں کا قول قیامت کے بارے میں صحیح ہوگیا تو بے شک ہم کو نقصان اُٹھانا پڑے گا اور ہم اشکِ خونین سے رونے کے قابل ہو جائیں گے اور اگر ہمارا یہ قول کہ قیامت نہ ہوگی اور اِنسان مرنے کے بعد زندہ نہ کیا جائے گا صحیح بھی ہوگیا تو اُن کا ذرا بھی نقصان نہ ہوگا چنانچہ طبیب اور منجم دونوں کے بارے میں کہ جن کا قیامت سے انکار کرنے میں ہمارا ہی سا خیال تھا کسی ﴿حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ۱۲۔ مترجم﴾ نے کیا خوب کہا ہے ۔

قال المنجم والطبیب کلاھما لن یبعث الاموات قلت الیکما
ان صح قولکما فلستُ نجاسر اوصح قولی فالخسار علیکما

یعنی منجم اور طبیب دونوں یہ کہنے لگے کہ مردے کبھی زندہ نہ کیے جائیں گے تو میں نے اُنہیں جواب دیا کہ بس الگ رہو۔ اگر تمہاری بات صحیح بھی ہوگئی تو میرا کوئی نقصان نہیں ہوسکتا اور اگر میرا کہنا صحیح نکل آیا تو تم دونوں کو ضرور نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ پس ہمارے حق میں مصلحت یہ ہے کہ ہم حزم اور احتیاط سے کام لیں اور جتنی چیزیں کہ ہمارے علوم کے مخالف معلوم ہوں اُن کو سنتے ہی بلا تحقیق اُن سے انکار نہ کریں اور اپنی اس ہٹ دھرمی کو ترک کریں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے سے بحث کریں اور اس اَمر کی تفتیش کریں کہ لوگ اُن کی کیوں تصدیق کرنے لگے اور اُن کے دلائل میں غور و فکر سے کام لیں کیونکہ ہمارا اس میں ضرر ہی کیا ہے اور تحقیق کرنے سے ہمیں کون سا اَمر مانع ہوسکتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ اس بحث و تحقیق کا یہی نتیجہ ہو کہ ہم ضرر سے بچ جائیں پس دلائل سابقہ کو دیکھ کر اسی اَمر پر اُن کی رائے قرار پائی اور سب متفق ہوگئے اور اُنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی تحقیق پر کمر ہمت باندھی اور اُس سے بحث کرنے پر آمادہ ہوگئے کہ آیا آپ کا دعویٰ سچا تھا یا جھوٹا اور اُن دلائل کی تفتیش کرنے لگے کہ جن کی وجہ سے اُن لوگوں نے آپ کی اطاعت اختیار کی تھی تا کہ اُن میں غور کرنے سے اس اَمر کا پتہ لگ سکے کہ آیا وہ دلیلیں صحیح ہیں کہ جن کی وجہ سے اور لوگوں کی طرح اُنہیں بھی تصدیق کرنا چاہئے یا غلط ہیں یہاں تک کہ اُن کی غلطی کے ظاہر ہونے کی وجہ سے شبہ رفع ہوجائے اور کچھ تردد باقی نہ رہے۔

پس سب سے پہلے اُنہوں نے اُن اشیاء کو دیکھنا شروع کیا جنہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اور جن کی نسبت اُن کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ یعنی اِس عالم کے ''خدا'' کے پاس سے ہیں اور جن سب کو کہ وہ شریعت کہتے تھے۔

پس اُنہوں نے اُس میں بہتیری ایسی چیزیں دیکھیں کہ جو اُن کے علوم طبعیہ

کے خلاف معلوم ہوتی تھیں جسے کہ وہ بالکل یقینی سمجھتے ہیں منجملہ ایسے اُمور کے شریعت میں یہ واقع ہوا ہے کہ عالم کا مادہ پہلے موجود نہ تھا اور پھر پیدا ہوا ہے اور جس نے کہ اُسے بعد عدم موجودگی کے موجود کیا ہے اور اُس سے طرح طرح کی کائنات کو اس عمدہ انتظام پر پیدا کیا ہے وہی خدا ہے اور اُس نے جیسے کہ اُسی عدم سے موجود کر دیا ہے وہ اسی طرح بعد موجود ہونے کے اُسے پھر معدوم کر سکتا ہے اور اسی ''خدا'' نے علاوہ تمام حیوانات کے انسان کو ایک مستقل نوع بنایا ہے اور اُسی سے اُس کی عورت کو پیدا کیا ہے اور پھر اُن دونوں کو اُسی نے ایسے مکان میں رکھا ہے کہ جسے جنت کہتے ہیں اور بعد اس کے ان دونوں کو اُن سے ایک اَمر میں خلاف ہو جانے کی وجہ سے زمین پر اُتار دیا انسان کے لئے اُس کے بدن کے علاوہ ایک دوسری چیز نفس بھی ہے جسے روح کہتے ہیں اُس کے بدن کے ساتھ اُس کو ایک خاص علاقہ ہوا کرتا ہے کہ جب تک وہ علاقہ رہتا ہے اُس کو زندگی حاصل رہتی ہے اور جب وہ علاقہ جاتا رہتا ہے تو موت آ جاتی ہے یہ رُوح بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور وہ ادراک کرتی ہے اُسے لذت اور الم بھی حاصل ہوتا ہے۔ انسان کی موت آنے اور اُس کے فنا ہونے کے بعد بھی اللہ اُسے پھر زندہ کرے گا اور اُس کے ساتھ دوبارہ رُوح کا علاقہ پیدا کر دے گا اس نے اپنی دنیاوی زندگی میں جو نیک عمل کئے ہوں گے اس کو ان کی جزا دے گا اور جو بُرے عمل کئے ہوں گے ان کی سزا دے گا۔ اللہ کی نعمتیں اس مکان میں ملیں گی جس کا نام جنت ہے اور اس کا عذاب اس مکان میں ہوگا جس کا نام دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ اِنسان کو ان دونوں میں زمین و آسمان کے تباہ ہو جانے اور لوگوں کے مرنے کے بعد پھر ان کے دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد داخل کرے گا۔ لوگ ان دونوں میں ہمیشہ رہیں گے بدن کے ساتھ روح کے متعلق ہونے اور اس میں زندگی پائے جانے کے وقت لذت اور اَلم کے معلوم کرنے میں بدن اور رُوح دونوں مشترک ہیں انسان کی طرح باقی حیوانات میں بھی رُوح پائی جاتی ہے اور جتنی سمجھ کہ اُن کی

زندگی کے لئے ضروری ہے تمام حیوانات کو حاصل ہوتی ہے البتہ اُس قدر سمجھ اور عقل نہیں پائی جاتی۔ جس قدر کہ انسان میں موجود ہے اسی وجہ سے بخلاف اور حیوانات کے انسان کو اس خدا کی عبادت کی تکلیف دی گئی اِسی خدا نے کچھ نورانی اجسام پیدا کئے کہ جن کا نام فرشتہ ہے اُن کو اس اَمر کی قدرت ہوتی ہے کہ مختلف شکلیں بدل لیں ہمارے سامنے سے گذر جائیں اور ہم نہ دیکھیں اُن میں نری بھلائی ہی پائی جاتی ہے وہ ایسے ایسے کام کر سکتے ہیں کہ جن سے انسانی طاقتیں بالکل عاجز ہیں۔

یہی فرشتے خدا اور اُن نیک بندوں کے مابین کہ جو رسول کے نام سے مشہور ہیں خداوندی احکام کے پہنچانے کا واسطہ واقع ہوتے ہیں خدا نے اسی طرح اور اجسام بھی پیدا کئے ہیں کہ جو اپنے بعض خواص میں انہیں فرشتوں کے مشابہ ہیں مثلاً مختلف شکلیں بدلنا۔ نظر سے چھپا رہنا بڑے بڑے کاموں پر قادر ہونا لیکن ان باتوں میں اُن سے فرق ہے کہ وہ ان کی طرح نورانی نہیں ہوتے اور نہ اُن میں نری بھلائی ہی ہوتی ہے اور نہ وہ خدا کے اور اُس کے رسولوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں ایسے اجسام کا نام جن ہے۔ خدا نے ہمارے اُوپر سات آسمان پیدا کئے ہیں کہ جو فرشتوں سے بھرے ہوئے ہیں اور خدا ہی آسمان سے پانی اُتارتا ہے اُسی خدا نے ان آسمانوں سے اُوپر ایک بہت بڑا جسم پیدا کیا ہے کہ جس کا نام کرسی ہے اور اُس کے اُوپر اُس سے بھی بڑا ایک اور جسم ہے کہ جس کا نام عرش ہے ہمارے اور ان آسمانوں کے درمیان بہت ہی بڑا فاصلہ ہے اور فرشتے اس فاصلے کو بہت تھوڑے زمانے میں قطع کر سکتے ہیں جو کچھ کہ زمین ہو یا آسمان جنت ہو یا دوزخ جملہ کائنات میں ہوتا ہے خدا ہی کی قضا و تقدیر ﴿قضا وقدر کی بحث آگے آتی ہے یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ قدر اور تقدیر کے معنے اندازہ کرنے اور مقرر کر دینے کے ہیں اور قضا کے معنے حکم کرنے کے ہیں پس حاصل ہوا کہ اللہ نے پہلے سے تمام عالم کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے اور اُسی کے موافق اپنے حکم اور ارادہ سے سب کچھ پیدا کیا کرتا ہے۔ ۱۲۔ مترجم﴾ سے واقع ہوتا ہے یعنی اِس وجہ سے کہ خدا نے جان لیا ہے کہ اور

وہ اِرادہ کرتا ہے اور اُس کو اپنی قدرت سے موجود کر دیتا ہے۔ اُس نے ایک بہت بڑا جسم جسے کہ لوح کہتے ہیں اور ایک دوسرا جسم جسے کہ قلم کہتے ہیں اس لئے پیدا کیا ہے کہ جو کچھ واقع ہو اُس میں ثبت کیا جائے اور مسطور رہے اگرچہ اُس کو اُس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جتنی چیزیں کہ اُس کی قضا اور حکم سے ہوتی ہیں سب اُسی کے پیدا کرنے سے موجود ہوتی ہیں اُس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ اگرچہ اُس نے مسببات کو اسباب کے ساتھ مرتبط کیا ہے اور یہ مقرر کیا ہے کہ سبب کے بعد مسبب پایا جائے لیکن ان دونوں کے لئے وہی خالق ہے وہی سبب کو پیدا کرتا ہے تمام چیزوں کی تاثیرات جو کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں اُسی کے خلق اور ایجاد سے ہوتی ہیں کوئی شے بالطبع یا اُس قوت کی وجہ سے جو اُس میں رکھ دی گئی ہے حقیقۃً مؤثر نہیں ہے۔

وہ خدا قدیم سے موجود ہے ہمیشہ رہے گا اُس پر عدم کا طاری ہونا محال ہے ایک ہے۔ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے یکتا ہے اُس کے سوا جتنی چیزیں ہیں سب اُسی کی محتاج ہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ موجودات میں سے نہ کوئی شے اُس کے مشابہ ہے اور نہ وہ کسی شے کے مشابہ ہو سکتا ہے اُس کا اِرادہ نہایت کامل ہوتا ہے تمام چیزوں کو پورے طور سے جانتا ہے جو کچھ کہ ہو چکا یا ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا اُسے سب کی خبر ہے۔ اُس کے علم سے کوئی شے الگ نہیں۔ جتنی چیزیں کہ عقل کے نزدیک ممکن ہیں چاہے وہ کتنی ہی بڑی اور مشکل کیوں نہ ہوں لیکن وہ سب پر پورے طور سے قادر ہے زندہ ہے۔ جملہ صفات کمال کے ساتھ جو کہ اُس کے شایان ہے متصف ہے۔ اور تمام صفات نقصان سے پاک ہے ایسے ہی اور مضامین کو سمجھئے کہ جن کو اُنہوں نے شریعت میں پایا اور وہ اُن کے معتقدات کے خلاف ہیں جو انہیں اپنے علوم سے دریافت ہوئے یا جہاں تک اُن کی عقل کی رسائی ہوئی اُس کے موافق اُن کے علوم میں اُن چیزوں کی کوئی دلیل نہیں ملی یہ کیفیت دیکھ کر قریب ہی تھا کہ وہ لوگ اپنے اُس اِرادہ سے ہٹ جاتے جس پر کہ اُنہوں نے پختہ قصد کر لیا تھا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے دعوے سے بحث کر کے اُس کی تحقیق کریں گے اور کچھ بعید نہ تھا کہ وہ پھر تکذیب کرنے پر جم جائیں لیکن اِس اِرادہ سے باز رکھنے والا اَمر اُن کا سابق کا وہ فیصلہ ہوا کہ جس پر لوگ متفق الرائے ہو چکے تھے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے حق میں مصلحت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے سے بحث کر کے اُس کی بخوبی تحقیق کریں تا کہ خطاء میں پڑنے سے محفوظ رہیں اور احتیاط پر عمل کریں اس لئے کہ اُن کا تمام حقائق کی پوری واقفیت سے قاصر رہنا اور جملہ ممکن الوقوع حقیقتوں پر حاوی نہ ہونا اُن کو معلوم ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ اس اَمر کے اختیار کرنے پر مجبور تھے۔

پس وہ اپنے فیصلہ کیے ہوئے حکم پر عمل کے موقع پر بھی ثابت قدم رہے اور کہنے لگے کہ قبل اِس کے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کی دلیلوں پر غور کریں ہمیں اُن مسائل سے بحث کرنا چاہئے کہ جو شریعت میں ہمیں ملے ہیں اور وہ ہمارے اُن خیالات کے خلاف ہیں جن کو کہ ہم نے اپنے علوم کی مدد سے قائم کیا ہے یا ہمارے علوم میں اُن کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے کیونکہ شاید اس طریقہ سے شریعت کے ایسے مسائل کی اُن سے بحث کرنے پر غلطی ظاہر ہو جائے اور پیروانِ شریعت کے نزدیک بھی اُن کا غلط ہونا مدلل ٹھہر جائے تا کہ اوّل اَمر سے اُن کا دعویٰ ساقط ہو جائے اور اُس کے متبعین یا اَوروں کے دلائل سے بحث کی محنت ہمیں نہ اُٹھانا پڑے اور اسی طرح معاملہ طے ہو جائے۔

لیکن اِس وقت اُن کے دل میں یہ بات آئی کہ جب ان مسائل سے باہم بحث کریں گے تو بسا اوقات واقعی امر کے ظاہر ہونے میں ہمیں دِقت پڑ سکتی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اُن سے وہ مراد نہ ہو جو بظاہر سمجھ میں آتا ہے یا کوئی ایسی صحیح وجہ نکل سکتی ہو کہ جس کی وجہ سے ہمارے علوم کے ساتھ مطابقت ہو جائے اور ہم خود اُس کو نہ دریافت کر سکتے ہوں۔

اِس لئے بہتر یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والوں میں سے کسی عالم سے ملیں اور یہ مسائل اُس کے سامنے پیش کر کے اُن کے بیان کرنے کی درخواست کریں پس ہمیں یا تو اُن کی غلطی معلوم ہو جائے گی یا اُن کی صحت کا ہمیں پتہ

لگ جائے گا اور اِس عالم کی وجہ سے ہمیں مطلب کے سمجھنے میں دقت بھی نہ پیش آئے گی پس وہ علماء اسلام میں سے ایک عالم سے ملے اور اُنہوں نے اپنا قصہ اور اُن مسائل میں اُس کے ساتھ گفتگو کرنے سے جواُن کا مقصد تھا سب بیان کیا۔

اُس عالم نے اُن سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو پہلے اس عالم کے بارے میں اپنے مذہب اور خیالات کا خلاصہ اور تمام کائنات کے وجود کی اصل مجھ سے بیان کردیں کیونکہ شاید اس طور پر میں اُن شرعی مسائل کو جن کو آپ لوگ نہیں مانتے آپ ہی لوگوں کے خیالات کے موافق ثابت کرسکوں یا مَیں آپ کے اعتقادات اور خیالات کی غلطی نکال دوں یا اس کے سوا کوئی اور صورت اختیار کروں کہ جس سے باہمی اختلاف رفع ہو جائے تب اس رائے کو سب نے پسند کیا اور کہنے لگے کہ لیجئے ہمارے مذہب اور خیالات کا خلاصہ سنیئے کہ جو ہم نے اپنے علوم کی مدد سے قائم کئے ہیں وہ یہ ہے کہ اس عالم کی اصل اور انواع انواع کی ارضی اور سماوی اشیاء کی پیدائش کے بارے میں قدمائے سے فلاسفہ کا بڑا اختلاف ہے ہر ایک نے ایک جدا مذہب قائم کیا لیکن زمانہ حال میں جس اَمر پر کہ اسے قرار پا چکی ہے اور جس بات کا پتہ تجربہ اور دلیل سے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس عالم کی سماوی اور ارضی اشیاء کی اصل دو اَمر ہیں مادہ اور اُس کی قوت (حرکت) اور یہ دونوں قدیم اور ہمیشہ سے ہیں ازل سے ان میں تلازم پایا جاتا ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ مادہ اور اُس کی قوت میں انفکاک اور انفصال ہو سکے اور ان دونوں میں سے کوئی بغیر دوسرے کے پایا جا سکے۔ مادہ سے مراد یہی اثیر (ایتھر) ہے جو کہ خلا میں بھرا ہوا ہے مادہ کی جتنی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اُن میں سے بسیط سے بسیط صورت میں موجود ہونے کی حالت کے اعتبار سے اُس کو اثیر (ایتھر) کہتے ہیں رہی مادہ کی قوت اُس سے اُس کے غیر منقسم۔

اجزاء کی حرکت مراد ہے جو کہ اپنی ذات کے اعتبار سے متماثل اور صفات کے لحاظ سے مختلف ہیں جن کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں اور ہم لوگ (یعنی سائنس جاننے

والے) اس بات کے قائل ہیں کہ یہ حرکت مادہ میں خود بخود پیدا ہوتی ہے اِس کے لئے کوئی خارجی سبب نہیں ہے۔ پھر اجرام سماوی جیسے ستارے اور کائنات ارضی یعنی جمادات۔ نباتات۔ حیوانات۔ پہلے موجود نہ تھے اور پھر اسی مادہ سے بذریعہ اُس کی حرکت کے بنے ہیں اور ان کا بننا بھی اسی طرح سے ہے جس طرح سے کہ اپنی علت سے معلول بالضرورت بن جاتا ہے اور اشیاء کی پیدائش میں مادہ اور اُس کی حرکت کو نہ کسی قسم کا ادراک ہوتا ہے اور نہ اُن میں قصد پایا جاتا ہے۔

اب سُنئے پہلے تو انہیں اجزاء کے خاص قسم کی کیفیات پر مجتمع ہو جانے سے قدیمی مادہ کا وجود ہوا۔ (قدیمی مادہ) سے چھوٹے چھوٹے ذرّے مراد ہیں اور قانونِ کشش ان کے اجتماع کا باعث ہوا اس طرح پر ایک کرہ بن گیا اور وہ اپنے محور کے گرد گردش کرنے لگا۔ پھر دوسرے قوانین قدرت کے موافق وہ مشتعل ہو گیا وہ کرہ یہی شمس تھا پھر اُس کی گردش کے مقتضاء کے موافق باقی ستارے اُس سے جدا ہونے لگے اور کرے بن بن کر اپنے محوروں پر گردش کرنے لگے منجملہ اُن کے ہماری زمین بھی ہے جس پر کہ ہم آباد ہیں زمین کا یہ قصہ ہوا کہ آفتاب سے جدا ہونے کے بعد اپنے محور کے گرد مدت تک گردش کرتی رہی اور اس طرح پر اُس کا پوست یعنی سطح ظاہری سرد ہونے لگی اور مختلف طبقات بنتے گئے اور معادن حیوانات۔ نباتات پیدا ہوتے رہے اور اس کا سبب وہی مادہ کی حرکت اور خاص طور پر باہم اُن کا اجتماع تھا علم طبقات الارض کی تحقیقات کے موافق ہمارے نزدیک یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ حیوانات اور نباتات پہلے نہ تھے اور پھر اُن کا وجود ہوا ہے اور یہ اس لئے کہ ارض کے مختلف طبقات کے خلاف آخری طبقہ میں جہاں تک کہ ہماری رسائی ہو سکی ہم نے حیوانات اور نباتات کے بالکل آثار نہیں پائے اِس سے صاف ظاہر ہوا کہ زمین پر کوئی ایسا زمانہ ضرور گذرا ہے کہ جب اُس پر جاندار اجسام یک لخت موجود نہ تھے اس کے بعد بحث و تحقیقات اور کیمیاوی اعمال کے مشاہدات کی بدولت ہماری یہاں تک رسائی ہو گئی

جس سے کہ ہم نے یہ دریافت کرلیا کہ عناصر بذریعہ حرکت مادہ کے اُس کے اجزاء کے اجتماع سے پیدا ہوئے ہیں کہ جو شمار میں ساٹھ سے بھی زائد ہیں اور عناصر کے مجتمع ہونے اور خاص طور پر ملنے کی وجہ سے معدنیات اور جاندار اجسام وجود میں آئے۔

پہلی چیز جس سے کہ یہ بنتے ہیں ایک قسم کا زلال کے مثل مادہ ہوتا ہے جس کی ترکیب میں چند عناصر شامل ہوتے ہیں اور وہ نہ تو بالکل جما ہوا ہوتا ہے اور نہ پتلا بلکہ ان دونوں کی درمیانی حالت رکھتا ہے۔ اُس میں (۱) غذا حاصل کرنے (۲) منقسم ہونے (۳) توالد و تناسل کی قوت پائی جاتی ہے ہم نے اس مادہ کا نام برٹوبلاسم (یعنی پہلی شی) رکھا ہے اُسی کے منقسم ہونے سے وہ خول تیار ہوئے ہیں جن سے کہ جسم اعضاء کی بناوٹ ہوتی ہے اور اسی کے مجتمع ہوجانے سے حیوانات اور نباتات سب سے بسیط اور بالکل ابتدائی حالت میں پیدا ہوئے ہیں حیات (زندگی) انہیں عناصر کے فعل و انفعال اور اُن کے کیمیاوی امتزاج کے محض ایک ظہور کا نام ہے وہ کوئی دوسری مستقل شے نہیں ہے کہ جس کا جسم میں حلول ہوتا ہو۔

جیسا کہ ہم لوگوں میں سے حیات کو ایک مستقل شے ماننے والے فرقہ کا خیال ہے اور حیوان میں یہی حیات ہوتی ہے رُوح کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر وہ حیوانات اور نباتات جو ابتدائی حالت میں تھے قدرت کے چار قوانین کے موافق جوان کے لئے ضروری ہیں توالد و تناسل کی وجہ سے بڑھنے اور ترقی کرنے لگے۔

(۱) پہلا قانون افراد کا باہم ایک دوسرے سے مبائن ہونا ہے جس کا نام تبائن افراد ہے پس کوئی فرد اپنی اصل کے بتمامہ مشابہ نہیں ہوسکتی منجملہ ان متبائنات کے نر اور مادہ کا ہونا ہے۔ (۲) دوسرا قانون فروع کا باوجود دوسرے تبائنات یا جداگانہ خصوصیتوں کے اختیار کرنے کے اُن میں اُصول کے تبائنات یا خصوصیتوں کا منتقل ہو جانا ہے جس کا نام قانون انتقال تبائنات الاصول الی الفروع مع بقاء الامتیاز ہے پس اسی وجہ سے افراد میں کوئی قوی ہوتا ہے کوئی ضعیف یا کمزور کوئی خارجی صدمات کا متحمل

ہوسکتا ہے کوئی نہیں کسی کے لئے ظروف موافق ہوتے ہیں کسی کے لئے ناموافق۔

(۳) تیسرا قانون باہم افراد میں باقی رہنے کے بارے میں منازعت کا واقع ہونا جس کا نام قانون تنازع تھا پس اسی واسطے ضعیف یا کمزور خارجی طاقتوں کے تحمل نہ کرسکنے والے اور وہ جنہیں کہ ظروف ناموافق ہیں ہلاک اور نابود ہو جاتے ہیں اور افراد میں سے جو اُس کے خلاف ہیں وہ باقی رہتے ہیں۔

(۴) چوتھا قانون طبعی یا فطری انتخاب ہے اور اس سے فطرت کا نہایت عمدہ اور کامل شے کو انتخاب کر کے حفاظت کرنا مراد ہے پس لاکھوں برس کے گذرنے پر حیوانات اور نباتات کو اجزاء مادّہ کی اضطراری حرکت اور فطرت کے ان قوانین اربع کے موافق رفتار اختیار کرنے سے موجودہ حالت تک ترقی کرنا نصیب ہوگیا یہاں تک کہ خود اِنسان بھی منجملہ تمام حیوانات کے ایک قسم کا حیوان ہی ہے لیکن فطری انتخاب کے قانون کے موافق عمدگی اور خوبی کے اعتبار سے ترقی کر کے اس موجودہ حالت پر پہنچ گیا ہے اور چونکہ وہ بندر کے ساتھ نہایت مشابہت رکھتا ہے تو یہ بات کچھ بعید نہیں بلکہ بہت قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور بندر کی ایک ہی اصل سے پیدائش ہوئی ہو اور دونوں ایک ہی اصل سے نکلے ہوں اور پھر انسان ترقی کرنے لگا ہو حتیٰ کہ ترقی کرتے کرتے اپنے قرین یعنی بندر سے بڑھ گیا ہو اور انسان تمام حیوانی انواع کے اعتبار سے بالکل نو پیدا ہے اور اس کی پیدائش ان سب کے بعد واقع ہوئی ہے اسی وجہ سے صرف کئی لاکھ برس کے نہایت محدود اور معدود زمانہ سے اُس کا وجود پایا جاتا ہے اگرچہ کروڑوں برس اس سے پہلے بھی بکثرت انواع موجود رہی ہیں۔

عقل اور انسانی ادراک منجملہ اُن تمام افعال مادّہ کے کہ جو مادہ کے ابتلاء متحرکہ اور عناصر ممتزجہ کی تاثیر و تاثر سے پیدا ہوتے ہیں محض ایک خاص فعل کا نام ہے وہ کوئی علیحدہ شے نہیں ہے اگرچہ اصل مادہ اور حرکت دونوں کے دونوں عقل و ادراک سے بالکل خالی تھے پھر انسانی عقل اور بقیہ حیوانات کی عقول میں محض کمیت اور مقدار کا

فرق ہے ماہیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔

صرف یہ بات ہے کہ انسان میں عقل کی مقدار تمام حیوانات سے بڑھی ہوئی ہے پھر وہ باقی مسائل کہ جو ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں پائے جیسے کہ انسان کا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا نعیم و دار عذاب یعنی جنت اور دوزخ کا پایا جانا۔ فرشتوں، جنوں، آسمانوں، عرش، کرسی، لوح اور قلم کا موجود ہونا فرشتوں کا بڑے بڑے کاموں پر قادر ہونا اور اسی قسم کے اور مسائل (یعنی وہ مسائل جو پہلے بیان ہو چکے) یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ہمارے علوم میں ان کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی اس لئے ہم اُن کا اعتقاد بھی نہیں کرتے بلکہ ان میں سے بعض اُمور تو ایسے ہیں کہ جن کو ہمارے علوم بالکل ساقط الاعتبار ثابت کرتے ہیں اور ان کے استحالہ پر دال ہیں کیونکہ اُن سے اُن قوانین فطرت کا ٹوٹنا لازم آتا ہے۔ جنہیں کہ ہم نے کائنات میں پایا ہے پس ان اُمور کا نہ ماننا ایک نہایت ضروری بات ہے یہ تو ہمارے مذہب کا علی وجہ الاختصار بیان ہے اور اسی پر طبعیات و سائنس جاننے والے فرقہ کی عام طور پر رائے قرار پا چکی ہے اس کے بعد وہ لوگ محمدی دین کے عالم کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ صاحب اب آپ کہئے ہم آپ کے کلام کو نہایت شوق سے سنیں گے۔

تب اسلامی عالم نے اُن لوگوں سے یوں کہنا شروع کیا کہ میرے انسانی بھائیو! سنو میرا احمدی دین اور آپ لوگوں کا بغرض اظہارِ حق گفتگو کرنے کیلئے مجھے انتخاب کرنا یہ دونوں اَمر ایسے ہیں کہ آپ لوگوں کے ساتھ خالص اور سچی خیر خواہی سے پیش آنے اور اظہارِ حق میں باریک بینی سے کام لینے کو مجھ پر لازم کرتے ہیں لیکن اس موقع پر میں آپ سے بغیر ایک اَمر کی درخواست کئے نہیں رہ سکتا وہ یہ ہے کہ آپ لوگ اتنی سی بات اپنے اُوپر لازم کر لیں کہ بلا تعصب اور اپنے پہلے خیال کی ناحق طرف داری کے بغیر میری تقریر کو بغور سنیں اور اُسے اپنے دماغ میں جگہ دیں کیونکہ اگر تعصب سے کام لیا جائے گا تو حق بات ہرگز سمجھ میں نہ آئے گی اور عقل کی بینائی جاتی

رہے گی اور جس طرح کہ دن دوپہر بھی بدلی کی وجہ سے آفتاب نظر نہیں آتا اسی طرح سے اس موقع پر بھی آنکھوں پر تعصب کے پردے پڑ جائیں گے اور آفتابِ حقیقت آنکھوں سے پوشیدہ ہو جائے گا اور اگر آپ لوگوں نے تعصب چھوڑ دیا اور اپنے خیالات سابقہ کی طرف داری نہ کی اور اِس طور پر ان دونوں ناحق کی قیدوں سے اپنے اپنے ضمیروں کو آزاد کر لیا تو پھر دیکھ لیجئے گا کہ میں آپ لوگوں کی خاطر سے ایسی تقریر کروں گا جس سے کہ حق روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گا (بشرطیکہ اُس خدا کو منظور ہوا جس کے سوائے میں کسی دوسرے کو کسی شے کا پیدا کرنے والا نہیں مانتا۔)

ابطال مذہب فلاسفہ کی تمہید

پس آپ لوگوں کے مذہب یعنی اُن خیالات میں جنہیں کہ آپ نے ابھی میرے سامنے بیان کیا ہے سچے طور پر غور کرنے کے بعد میں کہتا ہوں کہ آپ کے مذہب کی بنیاد مجھے یہ معلوم ہوئی کہ آپ مادہ کو قدیم مانتے ہیں۔ پھر چونکہ آپ نے مادہ کو قدیم مان لیا اس لئے بظاہر آپ کسی کو خدا مان لینے کے لئے مجبور نہ ہوئے کہ جو اس کو پیدا کرتا اور جب کہ آپ نے مادہ کے سماوی اور ارضی تنوعات کو دیکھا اور اُن کا حادث ہونا بھی آپ کے نزدیک ثابت ہو گیا اور عقل اُن تمام تنوعات اور تغیرات کے حدوث کو محض نفس مادہ ہی کی وجہ سے اس سبب سے تسلیم نہ کر سکی کہ اُس کے نزدیک مادہ میں اس کی صلاحیت نہیں پائی جاتی اِن وجوہ سے آپ کو ضرورت ہوئی کہ آپ مادہ کے ذرّات بسیطہ کے لئے حرکت ثابت کریں۔ اِس طرح پر تمام تنوعات کو آپ نے مادہ اور اُس کی حرکت پر مبنی کیا اور اگر آپ مادہ کا حدوث مان لیتے تو آپ کو ضرور کسی نہ کسی خدا کے وجود کا یقین کرنا پڑتا جو کہ اُسے پیدا کرتا اور اُس کے عدم پر اُس کے وجود کو ترجیح دیتا۔ پھر اس کے بعد جب آپ اُس کے تنوعات پر نظر ڈالتے تو اُس وقت یہی کہنے لگتے کہ جس خدا نے کہ مادہ کو پیدا کیا ہے وہی اُس کے تنوعات کو بھی پیدا کر رہا

ہے کیونکہ اِس تقدیر پر اُن تنوعات کیلئے سوائے خدا کے کسی دوسرے موجب کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور نہ ذرّات مادہ کیلئے حرکت ہی ثابت کرنے کی حاجت رہتی اور اس تکلف سے بھی نجات مل جاتی اور اس زبردستی کی بات کا قائل بھی نہ ہونا پڑتا کہ عالم کی انواع انواع کی چیزیں محض مادہ اور اُس کی حرکت سے علی وجہ الضرورۃ پیدا ہوگئی ہیں اور خوبی یہ کہ ان میں (یعنی مادہ اور اس کی حرکت میں) نہ تو کسی قسم کا اِرادہ پایا جاتا ہے نہ کچھ سمجھ ہے نہ اُنہیں کسی شے کا علم ہی ہوتا ہے اور نہ کچھ تدبیر ہی کی قابلیت رکھتے ہیں اور پھر بھی اُن سے سب کچھ باقاعدہ ہی ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ تمام عالم نہایت ہی عجیب وغریب انتظام کے ساتھ پیدا ہوگیا جس کو دیکھ کر عقل صاف یہی حکم کرتی ہے کہ اُس کے لئے اتنی چیزوں کی ضرورت ہے کہ قدرت پوری پوری ہو۔ علم نہایت ہی کامل ہو۔ حکمت اور تدبیر اعلیٰ درجہ کی موجود ہو اس موقع پر میں یہ خیال کرتا ہوں کہ جب میں مادہ کے قدم کے بطلان پر دلیل قائم کردوں گا اور اُس کا حدوث ثابت ہو جائے گا تو اس وقت لامحالہ آپ کو کوئی نہ کوئی خدا ماننا پڑے گا کہ جس نے مادہ کو پیدا کردیا اور جو عدم سے اُس کو وجود میں لایا اس طریقہ سے آپ کو یہ سمجھنا بھی آسان ہو جائے گا کہ مادہ کے تمام تنوعات اسی خدا کے فعل کی وجہ سے ہیں اور اُس کی قدرت علم۔ حکمت اور تدبیر کا کامل ہونا انہیں تنوعات سے خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ لوگوں پر شریعتِ محمدیہ کے باقی مسائل کی تصدیق کرلینا بھی جنہیں کہ آپ اب تک اپنے علوم اور اعتقادات کے خلاف سمجھ رہے ہیں کچھ دُشوار نہ رہے گا۔

لیجئے سنئے مَیں نے آپ کے سابق الذکر مذہب میں تین قضیے ایسے پائے ہیں کہ جن کا آپ لوگ بڑے اعتقاد جازم کے ساتھ یقین کرتے ہیں اور اُس پر ایمان لائے ہوئے ہیں لیکن اگر صحیح نظر سے اُن میں غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُن سب کے ثبوت کی معًا تصدیق کرنا باعتبار نفس الامر کے ہرگز ممکن نہیں کیونکہ بعض ان میں سے بالکل قطعی ہیں مشاہدہ سے اُن کا ثبوت ہو چکا ہے اُن کی تصدیق کرنا ایک

لازمی بات ہے لیکن اگر اُن کی تصدیق کی جائے تو پھر دوسرے کا ماننا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا (پہلا قضیہ) یہ ہے کہ آپ لوگ مادہ اور اُس کے ذرّات بسیطہ کی حرکت کے قدم ﴿قدم سے مراد کسی شے کا ہمیشہ سے موجود ہونا اور اُس پر عدم کا کوئی زمانہ نہ گذرنا۔۱۲۔ مترجم﴾ کے قائل ہیں اور اُن دونوں کو اَزل سے متلازم مانتے ہیں کہ کوئی بغیر دوسرے کے پایا ہی نہیں جاسکتا یعنی مادہ اور حرکت میں مفارقت ہونا محال ہے۔

(دوسرا قضیہ) یہ ہے کہ آپ لوگ مادّہ کے جمیع تنوعات کے حدوث ﴿حدوث سے مراد کسی ایسی شے کا موجود ہو جانا کہ جو پہلے موجود نہ تھی۔۱۲مترجم﴾ کے قائل ہیں یعنی تمام اشیاء سماوی اور ارضی خصوصاً حیوانات کی ساری انواع پہلے موجود نہ تھیں اور اسی مادہ سے پیدا ہوگئیں کیونکہ طبقات الارض کی دیکھ بھال سے آپ لوگوں کو لازمی طور پر یہ حکم لگانا پڑا کہ تمام انواع کے حیوانات اور نباتات زمین میں پہلے نہ تھے اور پھر پیدا ہوئے ہیں اور اُن کی پیدائش کے لئے لاکھوں برس کا زمانہ آپ نے ٹھہرایا ہے اور اسی کی مقتضا کے موافق آپ نے یہ حکم لگایا کہ اِنسان کی پیدائش جملہ انواع کے لحاظ سے بہت ہی حال کی ہے اور وہ سب کے بعد پیدا ہوا ہے کیونکہ اُس کے آثار صرف زمین کے اُوپر کے طبقات میں پائے جاتے ہیں طبقات زیریں میں اُس کے آثار کا نام ونشان نہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کے بعد پیدا ہوا پھر اس کی پیدائش کے زمانہ کے مقرر کرنے میں آپ لوگوں نے بے انتہا اختلاف کیا ہے جیسا کہ میں نے آپ ہی لوگوں کی کتابوں میں پڑھا ہے۔

(تیسرا قضیہ) یہ ہے کہ آپ لوگ مادہ کے جمیع تنوعات کو بذریعہ اُس کے ذرّات کی حرکت کے کہ جو مادہ کے لئے ازل سے لازم ملازم ہے اور نیز اُن قوانین قدرت کے مقتضا کے موافق کہ جو اُن میں موجود ہیں علی وجہ الضرورۃ مادہ سے حادثات مانتے ہیں اور پھر مادہ اور اُس کی حرکت کا نہ اُس میں کچھ اختیار ہے اور نہ اُن میں کوئی اِرادہ ہی پایا جاتا ہے۔ مقصود اس سے یہ ہے جیسا کہ آپ کے کلام سابق میں اس کی

تصریح موجود ہے کہ جس طرح معلول اپنی علت سے حادث ہوا کرتا ہے اسی طرح مادہ اور اُس کی حرکت سے تمام تنوعات حادث ہوئے ہیں پس تمام تنوعات معلول ٹھہرے اور مادہ اور اُس کی حرکت تنوعات کی علت۔

(حقیقت میں اُن کے نزدیک محض مادہ کی حرکت ہی علت ہے لیکن جبکہ مادہ اور اُس کی حرکت میں انفکاک ناممکن تھا یہاں تک کہ وہ اِس اَمر کے قائل ہو گئے کہ مادہ اور اُس کی حرکت میں سے کسی کا وجود بغیر دوسرے کے متصور ہی نہیں ہے اس لئے دونوں کو بمنزلہ شے واحد کے اعتبار کر لیا ہے اور اسی کو علت کہہ دیا ہے اور چونکہ ان دونوں میں تلازم پایا جاتا ہے اسی لئے یہ اعتبار کر لینا جائز ہے کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے۔

جب آپ کو یہ سب کچھ معلوم ہو چکا تو اب سنئے کہ ہر عقل سلیم صاف یہی حکم کرتی ہے کہ کوئی شے اپنی علت سے جس سے کہ اس کا وجود لازم ہو جاتا ہے۔ ہرگز تخلف نہیں کر سکتی پس اگر اس کی علت حادث ہو گی تو وہ شے بھی اس کے بعد ہی بلا تاخیر موجود ہو جائے گی اور اگر اس کی علت قدیم ہو گی تو وہ شے بھی قدیم ہی ہو گی اور قدم میں اپنی علت کی متابعت کرے گی۔ اس سے ہرگز متاخر نہ ہو سکے گی ورنہ لازم آئے گا کہ علت تو پائی جائے اور معلول نہ ہو اور یہ بات محال ہے جب یہ ثابت ہو گیا تو اب میں کہتا ہوں کہ آپ لوگوں کے مادہ اور اس کی حرکت کو قدیم ماننے سے کہ جو جمادات نباتات حیوانات اور تمام عالم کی انواع انواع کی چیزوں کیلئے علت ہیں یہ لازم آتا ہے کہ یہ سب اشیاء بھی کہ جو اُن کی معلول ہیں قدیم ہو جائیں حالانکہ آپ لوگ اپنے علوم طبعیہ اور علم طبقات الارض کی تحقیقات کے موافق اُن کے قدم کے قائل نہیں ہیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ اس علت کو اُن معلولات کے لازم ہونے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کا وجود ایک ہی دفعہ بالکل مکمل ہو جائے اِس لئے کہ علل اور معلولات میں باہم ارتباط پایا جا سکتا ہے اور ایک دوسرے پر سلسلہ وار موقوف ہو سکتے ہیں مثلاً یہ ممکن نہیں ہے کہ پانی کے وجود سے پہلے حیات کا ظہور ہو سکے اور پانی اپنے

دونوں عنصروں کے بننے سے پہلے موجود ہو جائے اور وہ دونوں عنصر جو پانی کو مرکب کرتے ہیں ہائیڈروجن اور آکسیجن ہیں اور خود وہ دونوں اجزاء مادہ کے خاص طور پر مجتمع ہونے سے پہلے کہ جس سے اُن کی تالیف حاصل ہو سکے موجود نہیں ہو سکتے پس حیات کا وجود پانی کے وجود پر موقوف ہے چاہے اُس سے ایک لحظہ ہی پہلے کیوں نہ ہو۔ پس کون سی عقل یہ قیاس کر سکتی ہے کہ مادہ اور اُس کے سارے مرکبات ایک ساتھ ہی موجود ہو سکتے ہیں۔ اِس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ جب ان تمام علتوں میں سے پہلی علت بھی (اور وہ مادہ اور اُس کے اجزاء کی حرکت ہے) حادث مان لی جائے اُس وقت بے شک اُن قوانین قدرت کے موافق جو پیدائش کے متعلق ہیں اور جن کے کہ آپ لوگ قائل ہیں ضرور ایک مدت کی حاجت پڑ سکتی ہے تا کہ اُس میں استعداد آجائے اور مادہ کے اجزاء اس طرح پر مجتمع ہو لیں جس سے کہ عناصر کی تالیف ہو پھر پانی بنے اُس کے بعد حیات موجود ہو اور اس تقدیر پر بلا شبہ انہیں قوانین قدرت کے موافق عقل کے قیاس میں یہ صحیح نہیں ہو سکتا کہ پانی سے پہلے حیات موجود ہو جائے یا عناصر نہ بننے پائیں اور پانی حاصل ہو جائے یا اجزاء مادّہ کے مجتمع ہونے سے پہلے ہی عناصر بن جائیں (یہ سب اہل سائنس کی سمجھ کے موافق کہا گیا ہے ورنہ پیروان اسلام کی عقلوں میں یہ اُمور ناممکن نہیں کیونکہ اُن کے نزدیک تو یہ سب کچھ خدائے قادر ہی کرتا ہے اور اُس کی قدرت کاملہ سے کوئی اَمر ممکن خارج نہیں ہو سکتا کوئی شے ہم کو چاہے کتنی ہی مستبعد اور تعجب انگیز کیوں نہ معلوم ہوتی ہو لیکن خدا سب پر قدرت رکھتا ہے)

لیکن جب پہلی علت کو قدیم مانا جائے جیسے کہ آپ لوگوں کا خیال ہے تو پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ سارے معلولات حادث ہوں یا باوجودیکہ اُن کی علت ازلی اور ہمیشہ سے موجود ہے کیونکہ جب اُن کی علت اُن کے موجود ہونے کو بالاضطرار لازم کرتی ہے تو پھر بتلایئے کہ اِن سب اشیاء کو اتنے لاکھوں یا کروڑں برس کی مدت تک پیدا ہونے سے کس چیز نے روک رکھا اور پہلے پیدا نہ ہونے دیا اور کس وجہ سے اتنی

مدت گزرنے کے قبل ہی وہ موجود نہ ہو گئیں۔

اور اگر آپ یہ کہیں کہ اتنی مدت کی اس لئے حاجت ہے تا کہ علت میں معلولات کے پیدا ہونے کی استعداد آ جائے یعنی اُس میں استعداد ہونے کے لئے اتنے کروڑ سال کی ضرورت ہوئی تو ہم آپ سے پوچھیں گے کہ آپ کی معین کردہ مدت کے قبل ہی استعداد کیوں نہ پیدا ہو گئی باوجودیکہ پہلی قدیم علت اُس کی مقتضی بھی موجود تھی اور کس چیز نے اتنی مدت تک استعداد کو پیدا نہ ہونے دیا اور پھر اس قدر مدت گذرنے کے بعد اُسے پیدا کر دیا۔ معلولات کے حدوث اور اُس حدوث کی استعداد پیدا ہونے کیلئے جتنی مدت آپ بڑھاتے جائیں گے ہمارا یہ سوال برابر قائم رہے گا کہ پھر اس مدت سے پہلے حدوث کیوں نہ ہوا اور اس کی استعداد اس سے قبل کیوں نہ آ گئی بہر حال یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔

اور ہمارا سوال آپ سے ہرگز نہ اُٹھ سکے گا۔ خلاصہ یہ کہ علت اولیٰ ہی سے استعداد کے بالاضطرار پیدا ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہے پس حدوث وقدم کے اعتبار سے استعداد کی بھی وہی حالت ہوگی جو اُس کی علت کی ہے اور چونکہ اس موقع پر یہ علت قدیم مانی گئی ہے اس لئے ضروری ہے کہ استعداد بھی قدیم ہو اور استعداد کا قدیم ہونا مستلزم ہے کہ تمام تنوعات جو معلول ہیں وہ بھی قدیم ہوں ورنہ لازم آئے گا کہ علت تو ہمیشہ سے موجود ہو اور معلول ندارد۔ حالانکہ یہ صریح محال ہے پس اب یا تو آپ ان تمام تنوعات کو بھی جو معلول ہیں قدیم مانیے اور جو بات کہ آپ کے علوم طبعیہ اور علم طبقات الارض کی تحقیقات سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اُس کی تکذیب کیجئے حالانکہ آپ لوگ اس اَمر کے ہرگز قائل نہیں ہو سکتے اور یا اس کے قائل ہو جایئے کہ مادہ اور اُس کی حرکت سارے کام اپنے اختیار اِرادہ سے کرتے ہیں پس اُنہوں نے ان تنوعات کی پیدائش کے لئے جو زمانہ چاہا مقرر کر دیا اور آپ لوگ اس کو بھی کبھی نہیں مان سکتے بلکہ اس کا تو آپ بڑے شد و مد سے انکار کرتے ہیں جیسا کہ میں نے آپ

لوگوں کی کتابوں میں پڑھا ہے اور اگر بالفرض بعض اہل سائنس اس کے قائل بھی ہو جائیں تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ اُن کو اجزاء مادہ کے ہر ہر جزء کیلئے اتنا علم اور ادراک ماننا پڑے گا جس سے وہ اس اَمر کے دریافت کرنے کے قابل ہو سکے کہ وہ باقی اجزاء کے ساتھ کون سے خاص طریقہ سے مجتمع ہوتا کہ عالم کی بے شمار انواع میں سے کوئی خاص نوع بن جائے اور پھر وہ اپنی وضع کون سی طرز پر بدل دے جس سے کوئی دوسری نوع بن جائے۔ علیٰ ہذاالقیاس تمام انواع کو لے لیجئے اب دیکھنا یہ ہے کہ ہر ہر ذرّہ میں اتنے اُمور کے دریافت کرنے کی قوت آپ مان سکتے ہیں جس کو کہ بڑے بڑے لوگ اور انتظامی دنیا کے نہایت ہی تجربہ کار سن رسیدہ اشخاص کی کمیٹی بھی دریافت نہیں کر سکتی اور وہ بھی عاجز ہیں۔ اس موقع پر اس کے علاوہ اور بہت سے اعتراضات اس بناء پر وارد ہو سکتے ہیں کہ اگر ہم اُن سب کو بیان کرنے لگیں تو بہت ہی طوالت ہو جائے اور یا آپ لوگوں کو ایسا کوئی سبب صحیح بیان کرنا چاہئے کہ جس کی وجہ سے وہ تمام تنوعات اپنی علت سے اتنے عرصہ تک مختلف رہے اور اتنے کروڑ برس کے بعد جا کر بنے۔ میں تو نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگ اس کی کوئی وجہ اصلاً یا نقلاً کچھ بیان کر سکتے ہیں اس کا بیان کرنا کیا منہ کا نوالہ ہے ذرا کام رکھتا ہے اور یا تو آپ لوگ مادہ اور اُس کی حرکت کو حادث مان لیں اور یہی عین مقصود ہے۔

آیئے! اِسی دلیل کو ہم اختصار کے ساتھ آپ کو مرتب کر کے دِکھلائیں۔ وہ اِس طور پر ہو گی کہ اگر تمام تنوعات کی علت (اور وہ مادہ اور اُس کی حرکت ہے قدیم ہو گی تو اُس کی استعداد بھی قدیم ہو گی اور اگر استعداد قدیم ہو گی تو تمام تنوعات بھی قدیم ہوں گے لیکن تنوعات قدیم نہیں ہیں اس لئے استعداد بھی قدیم نہ ہوئی اور یہی مقصد ہے۔ پھر اگر آپ یہ کہنے لگیں (اگرچہ میں آپ کی نسبت ایسا ہرگز خیال نہیں کر سکتا کہ آپ ایسی بدیہی البطلان بات کے کہنے کی جرأت کر سکیں گے) کہ نہیں استعداد حادث ہے اور تمام تنوعات بھی حادث ہیں لیکن پھر بھی مادّہ اور اُس کی حرکت دونوں قدیم ہی ہیں تو

میں آپ سے دریافت کروں گا کہ استعداد پیدا ہونے سے پہلے مادہ اور اُس کی حرکت ازل میں یعنی لگا تار زمانہ غیر متناہی تک کیا کرتے رہے اور مادہ پر کیونکر لا متناہی زمانہ گذر سکا اور وہ محض بے نتیجہ اور لغو حرکت کرتا رہا اور پھر نا متناہی ازلی اور غیر محدود مدت تک بے نتیجہ رہنے کے بعد کس چیز نے اُسے اس اَمر پر آمادہ کر دیا کہ ایک محدود زمانہ سے اُس میں استعداد پیدا ہو جائے پھر اسی طرح سے محدود زمانہ سے تنوعات بھی پیدا ہونے لگیں میرا تو خیال ہے کہ آپ کے پاس سوائے ساکت ہو جانے کے اور کیا جواب ہوگا۔ پس اس ساری بحث کے بعد حق اور ماننے کی بات یہ ہے کہ آپ لوگوں کو تا کہ آپ یہ سمجھ سکیں کہ قسم قسم کی انواع کیونکر پیدا ہو گئیں مادہ اور اُس کے اجزاء کی حرکت جس کے کہ آپ قائل ہیں دونوں کو حادث ماننا چاہئے یعنی پہلے ان کا وجود نہ تھا اور پھر وجود ہوا۔

اس موقع پر اور بھی بہت سی یقینی دلیلیں ہیں کہ جو مادّہ کے حدوث پر دلالت کرتی ہیں لیکن مثل دلیل سابق کے آپ لوگوں کی تحقیقات پر مبنی نہیں ہیں۔ اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں معلوم ہوتا اگر میں ان میں سے ایک آدھ دلیل آپ لوگوں کے ساتھ نیک گمان کر کے بیان کر دوں کہ آپ کی عقلیں سمجھنے سے قاصر نہ ہوں گی اور اُسے تسلیم کریں گی خصوصاً جب آپ اپنے ترک تعصب کرنے کیلئے وعدہ کو پورا کرنے کیلئے ثابت قدم رہیں جس کو کہ میں نے آپ کی جانب سے کچھ دیکھا بھی ہے۔

وہ یہ ہے کہ یہ اَمر ذرا بھی مخفی نہیں کہ مادہ صورت سے جو کہ اُس کے ساتھ قائم ہوتی ہے خالی نہیں پایا جاتا اور نہ مادہ کا تمام صورتوں سے مجرد ہو کر پایا جانا ممکن ہی ہے (جیسا کہ مادہ کا بغیر تحیز اور کسی نہ کسی قدر خالی جگہ کے گھیرے ہوئے موجود ہونا ممکن نہیں ہے) پس مادّہ جب کبھی پایا جائے گا اُس کے لئے کوئی نہ کوئی صورت ضرور ہوگی خواہ وہ صورت ایتھر کی ہو یا سدیمی ﴿سدیمی سے مادّہ کی وہ حالت مراد ہے جس میں عنصر بننے سے قبل موجود تھا۔۱۲۔ مترجم﴾ عنصری ہو یا معدنی۔ نباتی ہو یا حیوانی۔ اسی وجہ سے تو آپ اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ مادہ اپنے اوّل وجود میں کہ جو اُسے تمام انواع

کے بننے سے قبل حاصل تھا جتنی صورتیں کہ متصور ہو سکتی ہیں سب سے بسیط صورت میں موجود تھا اور یہ کہ جتنی صورتیں کہ مادّہ اختیار کرتا جاتا ہے وہ اسی کی حرکت ہی سے پیدا ہوئی ہیں اور یہ کہ حرکت اور مادّہ میں انفصال ناممکن ہے۔

پس ان سب باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مادہ اس حالت میں بھی تمام صورتوں سے مجرد اور خالی نہیں مانا ہے اس لئے کہ یہ بات آپ لوگوں کی عقل تسلیم ہی نہیں کر سکتی۔ پھر جو کوئی صورت کہ مادہ میں قائم ہوگی وہ ضرور حادث ہی ہوگی اس لئے کہ وہ زائل ہو سکتی ہے اور اُس پر عدم طاری ہو سکتا ہے اگر چہ وہ تمام صورتوں سے ابسط ہی کیوں نہ ہو مثلاً اسی صورت کو لے لیجئے جس کا کہ تمام انواع کے بننے سے قبل مادہ کیلئے ثابت ہونا آپ کے کلام سے معلوم ہوا ہے اور پہلی صورت کا معدوم اور زائل ہونا ہم کو اس طرح پر معلوم ہوا کہ اُس کا معدوم ہو جانا اور اُس کے بعد بہتیری صور نوعیہ کا طاری ہونا مشاہدہ کر لیا گیا ہے اور جس چیز پر کہ عدم طاری ہوتا ہے اور وہ اُسے قبول کر سکتی ہے اُس کا قدیم ہونا محال ہے کیونکہ جو شے قدیم ہوگی وہ ہرگز زائل اور معدوم نہیں ہو سکتی جیسا کہ اس کا بیان آگے آتا ہے اس لئے کہ اُس کا قدم یا تو اِس وجہ سے ہوگا کہ اُس کی ذات ہی اُس کے وجود کو مقتضی ہوگی یعنی اُس کا سبب سوائے اُس کے نفس کے اور کوئی نہ ہوگا بلکہ وہ خود ہی موجود ہوگی اور اس کا نام قدم ذاتی ہے اور یا اس وجہ سے کہ اُس کی علت قدیم ہوگی اور خود اُس کی ذات نہیں بلکہ وہی علت قدیمہ اُس کے قِدَم کو مقتضی ہوگی اور اس کا نام قِدم غیر ذاتی یا قدیم بالغیر ہے اِس کے سوا قدم ہونے کی اور کوئی صورت نہیں نکل سکتی اور ظاہر ہے کہ اس شے کے وجود کا مقتضی عام ہے کہ اُسی کی ذات ہو یا کوئی دوسری شے جب تک حاصل اور قائم رہے گا اُس وقت تک کیونکر ممکن ہے کہ اُس شے پر عدم اور زوال طاری ہو سکے پس قدیم کی دونوں قسمیں ایسی ہیں کہ اُن پر عدم کا طاری ہونا ممکن نہیں اور وہ عدم کو ہرگز قبول نہیں کر سکتیں جب یہ ثابت ہو گیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ جب مادہ کے تمام صور

لازمہ کا حدوث ثابت ہو گیا تو پھر مادہ کا قدیم کا ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہوسکتا کیونکہ جب ہم مادہ کی تمام صورتوں کو لیتے ہوئے ایسی صورت تک پہنچ جائیں کہ جو سب سے ابسط ہو اور مادہ کے لئے وہی پہلی صورت ہو تو اب عقل کے نزدیک یہ ہرگز ممکن نہیں ٹھہر سکتا کہ اس سے پہلے بھی مادہ کے لئے کوئی صورت ہو سکے مادہ کے ابسط صورت کے بعد والی صورتوں کا حدوث تو اِس طرح ظاہر ہے کہ وہ پہلے نہ تھیں اور اُس کی اَوّل صورت کے زائل ہونے کے بعد پیدا ہوئی ہیں اب رہی مادہ کی ابسط اور سب سے پہلی صورت تو ہم کہتے ہیں کہ وہ بھی حادث ہے اس لئے کہ وہ معدوم اور زائل ہو گئی اور قدیم کا زائل ہونا محال ہے جیسا کہ ابھی ثابت ہوا۔

پس اب بتلایئے کہ مادہ اپنی اَوّل صورت کے حادث ہونے کے قبل کس حالت میں موجود تھا یہ تو آپ کہہ ہی نہیں سکتے کہ مادہ کیلئے کوئی صورت نہ تھی۔ کیونکہ اس کا سابق میں بیان ہو چکا ہے کہ مادہ کا بغیر کسی صورت کے پایا جانا محال ہے اب یا تو آپ یہ مانئے کہ اِس صورت سے پہلے کوئی اس سے بھی ابسط صورت موجود تھی اور یہ خلاف مفروض ہے کیونکہ آپ نے اِس کو سب سے پہلی صورت مانا ہے اور تسلیم کرلیا ہے کہ اِس سے بجھنے کی کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی اور یا تو آپ اِس کے قائل ہو جایئے کہ مادہ اِسی صورت کے ساتھ حادث ہوا ہے پس مادہ حادث ٹھہرے گا نہ قدیم۔ اور یہی مقصود ہے۔

ہم اسی دلیل کو دوسرے لفظوں میں اِس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ مادہ اس اول صورت اور اُس کے بعد والی صور نوعیہ کیلئے ملزوم ہے اور یہ صورت اور اُس کے بعد آنے والی صورتیں مادہ کیلئے لازم ہیں اور مادہ سے سب کی سب منفک اور جدا نہیں ہوسکتیں جیسا کہ علت اور معلول کے مابین انفکاک ناممکن ہے اب یوں تقریر کی جائے گی کہ اگر مادہ جو ان صورتوں کیلئے ملزوم ہے قدیم ہوگا۔ تو یہ سب صورتیں بھی جو اُس کیلئے لازم ہیں ضرور قدیم ہوں گی کیونکہ لازم کا اپنے ملزوم سے منفک اور جدا ہونا محال ہے۔ لیکن یہ صورتیں اس دلیل سے کہ عدم کو قبول کرتی ہیں قدیم نہیں ہو

سکتیں پس مادہ بھی قدیم نہیں ہوسکتا کیونکہ تالی کے سلب اور رفع کرنے سے مقدم کا رفع یا سلب لازم آتا ہے جیسا علم منطق میں یقینی طور پر یہ بات طے ہو چکی ہے اور ہر عقل سلیم رکھنے والا شخص اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

پھر بحث سابق کے تمام ہونے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ حادث یعنی ایسی شے کیلئے جو پہلے نہ تھی اور پھر موجودہ ہوگئی ضرور کوئی ایسا اَمر ہونا چاہئے جو اُسے موجود کر دے اور جس کی وجہ سے اُس کے عدم پر اُس کے وجود کو ترجیح ہو جائے اور وہ عدم کی تاریکی سے وجود کی روشنی میں نکل آئے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور وہ منجملہ بدیہی محالات کے ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ لوگوں کی یہ حالت ہو جائے کہ آپ ترجیح بلا مرجح کو بھی ممکن کہنے لگیں تو مجھ سے سُنئے مَیں پوچھتا ہوں کہ جب آپ کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنیں کہ مَیں نے انسانی ایجاد کردہ ترازوؤں میں سب سے سبک اور ایک ایسی ترازو دیکھی کہ جس کے دونوں پلڑے بوجھ میں بالکل برابر تھے پھر کیا دیکھتا ہوں کہ کہاں تو اُس کے دونوں پلڑے بالکل متوازی تھے یا فرض کیجئے کہ بائیں جانب کا پلڑا کسی سبب سے جھک کر زمین سے لگا ہوا تھا پھر دفعۃً داہنا پلڑا بائیں سے راجح ہو گیا اور اتنا نیچا ہوا کہ زمین سے لگ گیا اور بایاں اتنا اُونچا ہو گیا جہاں تک کہ اُونچا ہونا ممکن تھا لیکن یہ سب کچھ بلا کسی سبب اور مرجح کے پایا گیا راجح ہونے والے پلڑے کو نہ کسی حیوانی طاقت نے راجح کیا یعنی جھکایا نہ اُسے ہوا کا دھکا لگا نہ کوئی دوسرا جسم جو اُوپر سے گرا ہو اِس کا باعث ہوا خلاصہ یہ کہ جتنی چیزوں سے پلڑا جھک سکتا ہے ان میں سے کوئی بھی نہیں پائی گئی اور پھر بھی وہ بلا وجہ جھک گیا۔

پس اس موقع پر اگر آپ اِس قائل کے قول کو سچ سمجھیں گے تو میں جان لوں گا کہ آپ لوگوں کا عناد انتہا درجہ کو پہنچ گیا بس اب آپ سے گفتگو کرنا جائز نہیں اور اگر آپ نے اُس کی تصدیق نہ کی اور آپ نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے یہ تو محال ہے تو اُس وقت میں آپ سے عرض کروں گا کہ حضرت یہی ترجیح بلا مرجح ہے اسی کی نسبت

مَیں نے سابق میں آپ سے کہا تھا کہ بدیہی محالات میں سے ہے۔

اس مثال میں اور جتنے حقائق کہ اس کے علاوہ متصور ہو سکتے ہیں عام ہے کہ وہ حِسّی ہوں یا عقلی ان سب میں اس لحاظ سے ذرا بھی فرق نہیں ہے کہ ترجیح بلا مرجح سب میں محال ہے جیسا کہ یہ اَمر ہر تأمل کرنے والے کے نزدیک بخوبی ظاہر ہے اور جب آپ اپنے بہتیرے علمی مباحث اور گفتگو میں تامل کریں گے تو آپ خود دیکھ لیں گے کہ آپ اپنے مدّ مقابل سے بحث کرتے وقت بے شمار مواقع پر اِسی قاعدہ کے ماننے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں اور وہ قاعدہ یہی ترجیح بلا مرجح کا محال ہونا ہے چنانچہ جب کوئی شخص اس اَمر کا دعویٰ کرتا ہے کہ حوادث فطرت میں سے فلاں اَمر بلا سبب پایا گیا اور اُس کا وجود اتفاقات فطرت میں فلتہ ﴿قدمائے فلاسفہ کی اصطلاح میں اسے بخت و اتفاق کہتے ہیں۔۱۲۔مترجم﴾ یا اتفاقی طور پر ہو گیا ہے تو آپ اُس سے کہتے ہیں کہ یہ بالکل ناممکن ہے اور ہمارے نزدیک محقق اَمر یہ ہے کہ جس کو فلتہ یا اتفاقی کہتے ہیں وہ محض باعتبار ظاہر کے ہے چونکہ اُس کا سبب نہیں معلوم ہوا ورنہ حقیقت میں اُس کا وجود ضرور کسی نہ کسی سبب اور قوانین فطرت میں سے کسی نہ کسی قانون کی وجہ سے ہوا ہے کہ جو ہم پر مخفی رہا ہے بے وجہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی پس آپ لوگوں کا ایسے اقوال کہنا صاف اسی ترجیح بلا مرجح کے محال ہونے پر بھروسہ کرنا ہے اِس تقریر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ آپ لوگ بھی اس قاعدہ کو مانتے ہیں اور اس کا انکار نہیں کر سکتے اور میں نے جو باوجود اس کی بداہت اور وضوح کے تقریر کو اِس موقع پر اتنا طول دیا تو اُس کی یہ وجہ ہے کہ مَیں نے آپ ہی لوگوں میں بعض عقل کے کمزوروں کو دیکھا ہے کہ اِس بدیہی اور فطری قاعدہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ترجیح بلا مرجح کے واقع ہونے سے کوئی اَمر مانع نہیں ہو سکتا یعنی اس بات کے قائل ہیں کہ بلا وجہ بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے اور ایسی بے شرمی اختیار کر لینا اُن کی جہالت کا نتیجہ ہے اِس کا اِرتکاب وہی کر سکتا ہے کہ جو محض ٹھس طبیعت کا ہو اور جس کی عقلی قوتیں نہایت ہی کمزور ہوں ایسے شخص کا حال تو بالکل

سوفسطائیہ فرقہ والوں کا سا ہے کہ جو حقائق اشیاء کے حتیٰ کہ مشاہدات کے بھی منکر ہیں اور یوں گمان کرتے ہیں کہ عالم کی چیزیں محض اوہام اور خیالات ہیں۔

یہ سب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے اب سنئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک مادہ کا حادث ہونا بہت سی دلیلوں سے ثابت ہو چکا انہیں دلائل میں سے وہ دلیلیں بھی ہیں جو مَیں نے آپ لوگوں کے سامنے پیش کیں اور آپ لوگوں کے مقابلہ میں صرف انہیں دلیلوں کی تخصیص کی یہ وجہ ہے کہ وہ آپ کی تحقیقات اور آپ کے علمی اُصول کے مناسب ہیں۔ یا اس لئے کہ وہ بالکل واضح ہیں اور ایسے مقدمات پر مبنی نہیں جن کے سمجھنے میں آپ کی عقلوں کو دِقت ہو۔ اور اُن کے نزدیک یہ بھی ثابت ہو چکا کہ ترجیح بلا مرجح محال ہے اس لئے وہ اِس بات کے قائل ہو گئے کہ ضرور کوئی ایسی شے ہونا چاہئے کہ جس سے مادّہ حادث ہوا اور اُس کے وجود کو اُس کے عدم پر ترجیح ہوئی اور اُس شے کا جس سے کہ مادہ حادث ہوا ہے لامحالہ موجود ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ جو شے خود معدوم ہے اُس سے کوئی شے اضطراراً یا اختیاراً کیسے موجود ہو سکتی ہے بلکہ ناممکن ہے جیسا کہ عقل کے نزدیک یہ اَمر بدیہی اور ظاہر ہے پس وہ لوگ (اہل اسلام) معتقد ہو گئے کہ وہ شے جس سے کہ مادہ جو عالم کی اصل ہے پیدا ہوا ہے ضرور موجود ہے اُس کا معدوم ہونا محال ہے کیونکہ موجودات کسی معدوم سے ہرگز حادث نہیں ہو سکتیں اور نہ وجود و عدم دونوں مجتمع ہو سکتے ہیں اور اُنہوں نے اُس کا نام ''عالم کا خدا'' رکھا۔

پھر اُن لوگوں نے کہا کہ یہ خدا ضرور قدیم بھی ہونا چاہئے ورنہ اگر حادث ہوگا تو ضرورت ہوگی کہ اُس کا حادث کرنے والا کوئی اور دوسرا ہو کیونکہ ترجیح بلا مرجح تو محال ہی ہے اور پھر اُس دوسرے کیلئے تیسرے کی ضرورت پڑے گی اور اسی طرح یہ سلسلہ چلے گا پھر یا تو دور لازم آئے گا یا تسلسل اور دور اور تسلسل دونوں محال ہیں اور جو چیز کہ اُن دونوں کی طرف مفضی ہوگی اور جس سے کہ وہ محال لازم آئے گا وہ بھی محال ہوگی اور اس موقع پر اس خدا کے حادث ماننے سے یہ محال لازم آتا ہے تو خدا کا

حدوث بھی محال ٹھہرا اور جب اُس کا حدوث محال ہوا تو لازمی بات ہے کہ وہ قدیم ہو۔

اب دور کے معنے سمجھئے وہ دو چیزوں کا اس طور پر ہونا کہ ہر ایک کا وجود دوسرے کے وجود پر موقوف ہو۔ اور اس سے لازم آتا ہے کہ ہر ایک کا وجود اپنے سبب کے وجود سے پہلے ہو جائے جس سے یہ لازم آئے گا کہ شے اپنے وجود سے پہلے موجود ہو جائے اور یہ بالبداہۃ باطل ہے۔ پس اگر ہم کہیں کہ وہ خدا جس پر مادہ کا وجود موقوف ہے خود اُس کا وجود بھی اسی مادہ پر موقوف ہے عام ہے کہ بلا واسطہ موقوف ہو یا کسی شے کے واسطہ سے اس طور پر کہ اُس خدا کا وجود کسی دوسری شے پر موقوف ہو اور اُس شے کا وجود مادہ پر موقوف ہو اور مادہ خدا پر موقوف ہو تو اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ مادہ قبل اُس شے کے پایا جائے کہ جو وجود مادہ کیلئے سبب ہے جس سے کہ یہ ضروری ہوگا کہ مادہ اپنے وجود سے پہلے ہی موجود ہو جائے اور یہ اَمر صراحۃً باطل ہے اور کوئی عقل منداس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اس کا نام دور حقیقی ہے کہ جس کے باطل ہونے میں ذرا بھی شک نہیں اور ایک دور معیت بھی ہوتا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ دو شے میں سے بعض بعض پر اس وجہ سے موقوف ہو کہ وہ دونوں ایک علت کے معلول ہیں۔ مثلاً دن کا موجود ہونا اور دنیا کا روشن ہونا کہ یہ دونوں طلوع آفتاب کے معلول ہیں ایسا دور محال نہیں ہے اور نہ ہمارا اُس میں کلام ہی ہے اب رہا تسلسل اُس کے یہ معنے ہیں کہ بے شمار اُمور جانب ازل میں لگاتار ہوتے ہوئے چلے جائیں اور یہ سلسلہ کہیں ختم ہی نہ ہو اور عقل اس کے ناممکن ہونے کا اس لئے حکم لگاتی ہے کہ اُس سے متعدد محالات لازم آتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو چیز محال کو مستلزم ہوتی ہے وہ بھی محال ہوتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے اگرچہ تسلسل کے باطل ہونے کی بہت سی دلیلیں نہایت شرح وبسط اور تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں ذکر کی ہیں لیکن ہم اُن میں سے اس موقع پر صرف ایسی ہی دلیلوں پر اقتصار کریں گے کہ جو آپ لوگوں کے افہام کے قریب ہوں اور جن کو کہ آپ کی عقلوں سے مناسبت ہو زیادہ نہیں آپ سے ہم صرف دو ہی دلیلیں بیان کریں گے۔

پس سنئے ہر عقل سلیم کے نزدیک یہ بات تو نہایت ہی ظاہر اور اجلٰی بدیہیات میں سے ہے کہ عدد ناقص اپنی اکائیوں کی تعداد کے لحاظ سے عدد زائد کے ہرگز برابر نہیں ہوسکتا۔ مثلاً پانچ کا عدد سات کے اعتبار سے ناقص ہے تو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ جتنی پانچ میں اکائیاں ہیں اتنی ہی سات میں بھی ہوں بلکہ سات میں پانچ اکائیوں سے دو اِکائیاں اور زائد ہیں اسی طرح ہر چھوٹے عدد کو بڑے عدد کے اعتبار سے سمجھ لیجئے خلاصہ یہ کہ ہر عدد ناقص اور زائد کا (یعنی چھوٹے اور بڑے عدد کا) اکائیوں میں برابر ہوجانا صریح محال ہے اسی طرح عقل یہ بھی حکم کرتی ہے کہ جو مقدار دو عددوں کے درمیان گھری ہوگی وہ ضرور محدود اور متناہی ہوگی اور یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شے دو حدوں کے درمیان گھری بھی ہو اور غیر محدود بھی اِن دونوں باتوں کا مجتمع ہو جانا سراسر محال ہے پس جب آپ نے ان دونوں حکموں کو تسلیم کرلیا اور ان کے تسلیم کر لینے میں آپ لوگوں کو شک ہی کیا ہوسکتا ہے یہ تو ظاہر باتیں ہیں تو اب دلیلیں سنئے۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر تسلسل کا واقع ہونا ممکن ہوگا اور تسلسل غیر محدود اُمور کی جانب ازل میں مرتب ہونے کا نام ہے تو ضرور ہم کو یہ جائز ہوگا کہ ہم ایسے ہی اُمور کے دو سلسلے فرض کرلیں کہ جن میں سے ایک کی ابتداء تو زمانہ موجودہ سے ہو اور دوسرا اب سے مثلاً ہزار برس پہلے سے شروع ہوا ہو اور دونوں جانب ازل میں لگاتار چلے گئے ہوں اب اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ پہلا سلسلہ (جو زمانہ موجودہ سے شروع ہوا ہے) دوسرے سلسلہ سے (جو اب سے ہزار برس قبل شروع ہوا ہے۔ محض ایک مخصوص عدد (ہزار برس) کے اعتبار سے بڑا ہوگا۔ پھر ہم ان دونوں سلسلوں میں ہر ایک سے ایک ایک اُمر کو ساقط ﴿یعنی تفریق کرنا۔۱۲﴾ کرنا شروع کرتے ہیں یعنی ہم پہلے سلسلہ سے ایک ساقط کریں گے اُس کے مقابل دوسرے سے بھی ایک ہی ساقط کریں گے پھر اسی طرح سے دونوں سے برابر ساقط کرتے چلے جائیں گے پس اس صورت میں یا تو ان دونوں سلسلوں میں سے کوئی سلسلہ بغیر دوسرے کے ختم ہوجائے گا

اور یہ خلاف مفروض ہے اور یا دونوں سلسلے معاً ختم ہو جائیں گے۔ پس جانب ازل میں ان کا غیر متناہی اور غیر محدود ہونا کہ اسی کا نام تسلسل ہے باطل ہو جائے گا اور یہی ہمارا مقصود تھا اور اگر ان دونوں سلسلوں میں سے کوئی بھی ختم نہ ہوگا تو اِس صورت میں لازم آئے گا کہ سلسلۂ ناقصہ سلسلہ زائدہ کے برابر ہو جائے حالانکہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ عدد ناقص کا عدد زائد کے برابر ہو جانا محال ہے پس ظاہر ہو گیا کہ اشیاء کا جانبِ ازل میں غیر متناہی ہونا کہ اسی کا نام تسلسل ہے محال کو مستلزم ہے اور جو شے کہ محال کو مستلزم ہوتی ہے وہ بھی محال ہوا کرتی ہے اس لئے تسلسل بھی ضرور محال ٹھہرا۔

دوسری دلیل یہ ہے اگر تسلسل ممکن ہو تو ضرور ہمیں جائز ہوگا کہ ہم ایسے دو خط فرض کر لیں کہ جو ایک نقطہ سے مثلث کی دونوں ساقوں کے مثل نکل کر لگا تار چلے جائیں پس اُن کے اجزاء بمنزلۂ اُن کے غیر محدود اُمور کے ٹھہریں گے کہ جو جانب ازل میں مرتب ہوتے ہوئے چلے گئے ہوں پھر ہم اُن دونوں کے درمیان کی مسافت ظاہر کرنے کیلئے ضرور پے در پے خطوط فرض کر سکتے ہیں اور پھر وہ مسافت ظاہر کرنے والے خطوط بھی طول میں اتنے ہی زیادہ ہوتے جائیں گے جتنے کہ وہ پہلے کے دونوں خط مفروض بڑھتے جائیں گے اِس صورت سے سمجھ لیجئے پس جب ہم نے ان دونوں خطوں کو غیر متناہی مانا ہے تو ضرور ہے کہ ان دونوں خطوں کے درمیان کی مسافت بھی جس کو ہم نے خطوط سے ظاہر کیا ہے غیر متناہی ہو پس ان خطوط میں سے وہ خط بھی جو غیر متناہی مسافت کو ظاہر کرے گا ضرور غیر متناہی ہوگا حالانکہ وہ دو حدوں کے درمیان گھرا ہوا ہے کیونکہ اس درمیانی مسافت کی دو حدوں کے مابین گھرے اور محصور ہونے میں ذرا بھی شک نہیں اور دونوں حدیں وہی دونوں خط مفروض ہیں حالانکہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ جو مقدار دو حدوں کے مابین محصور ہوگی وہ ضرور متناہی ہوگی اور یہ کہ باوجود اس طرح پر محصور ہونے کے اُس کا غیر متناہی ہونا محال ہے پس جو اَمر کہ اس محال کو مستلزم ہو اور وہ اس موقع پر دونوں خطوں کا غیر محدود ماننا ہے جس کو کہ تسلسل

کہتے ہیں وہ بھی ضرور محال ہوا۔ پس جب آپ میری تقریر میں جس کو کہ میں نے دور اور تسلسل کے باطل اور محال ہونے پر قائم کیا ہے غور کریں گے اور اپنی فکر سے کام لیں گے تو یہ بات آپ پر بخوبی ہویدا ہو جائے گی کہ وہ خدا جس نے مادہ کو بنایا ہے ہرگز کسی دوسری شے سے حادث نہیں ہو سکتا ورنہ یا تو دور لازم آئے گا اگر ہم لوٹ پڑیں اور یہ کہنے لگیں کہ اُس خدا کا وجود اسی مادہ کے وجود پر موقوف ہے۔ اور یا تسلسل لازم آئے گا اگر ہم کہیں کہ اُس خدا کا وجود کسی دوسری شے پر موقوف ہے اور اُس کا وجود کسی تیسری شے پر پھر اسی طرح غیر محدود سلسلہ جاری کرتے چلے جائیں اور دور اور تسلسل میں سے ہر ایک محال ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے پس جو اَمر (اور وہ اس موقع پر خدا کا حادث ماننا ہے) ان دونوں محالوں کو مستلزم ہوگا وہ بھی ضرور محال ہوگا۔ اور جب خدا کا حادث ہونا محال ہوا۔ تو لازمی طور پر قدیم ٹھہرا کیونکہ موجودات میں سوائے حدوث اور قدم کے کوئی تیسری شق نکل ہی نہیں سکتی اور خدا کو قدیم ثابت کرنا ہی مقصود تھا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اُس خدا کے قِدَم ثابت ہو جانے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ اُس کا قِدَم لامحالہ کسی ایسے اَمر کی وجہ سے ہوگا کہ جو اَزل میں اُس کے وجود کو مقتضی ہو اب اگر وہ اَمر اُسی کی ذات مانی جائے تو قدیم لذاتہ ٹھہرے گا۔ لیکن اگر وہ اَمر اُس کی ذات کے سوا کوئی دوسری شے قرار دی جائے گی تو اُس کو قدیم لغیرہ ماننا پڑے گا حالانکہ اُس کے قدیم لغیرہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ کوئی اس کا مقتضی ہی پایا جاتا ہے اور بالفرض اگر کوئی اُس کے قدیم لغیرہ ہونے کا احتمال نکالے تو اِس صورت میں اس غیر میں گفتگو جاری رہے گی کہ آیا وہ قدیم لذاتہ ہے یا وہ بھی قدیم لغیرہ ہی ہے پھر یا تو اسی طرح برابر سلسلہ چلا جائے گا کہ جو تسلسل ہے اور وہ محال ثابت ہو چکا ہے اور یا کسی قدیم لذاتہ ہی تک پہنچا کر سلسلہ کو ختم کرنا پڑے گا تو پھر پہلے قدیم لذاتہ ﴿یعنی ہم اُس قدیم لذاتہ کا نام خدا رکھیں گے۔﴾ سے گریز کرنے سے فائدہ ہی کیا ہوا پس حق یہی ہے کہ اُس خدا کو قدیم لذاتہ مانا جائے یعنی خود اُس کی ذات ہی اس کو

مقتضی ہے کہ وہ ازل میں موجود ہو (اس کی نظیر آپ لوگوں کا یہ قول ہے کہ اجزاء مادّہ کی حرکت کیلئے کوئی دوسرے شے مقتضی نہیں بلکہ اُس کیلئے خود نفس حرکت ہی مقتضی ہے جیسا کہ مَیں نے آپ لوگوں کی کتابوں میں دیکھا ہے۔

پس اس بات سے بھی کچھ تعجب نہ کیجئے کہ یہ خدا قدیم لذاتہ ہے یعنی اُس کی ذات ہی اُس کے وجود کے لئے مقتضی واقع ہوئی ہے، اب اس وقت یہ کہا جائے گا کہ جب تک خدا کی ذات جو اُس کے وجود کو مقتضی ہے قائم رہے گی اُس وقت تک وہ زوال اور عدم کو ہرگز نہیں قبول کرسکتا ورنہ لازم آئے گا کہ کسی شے کے وجود کا مقتضی تو موجود ہو اور باوجود اس کے وہ شے فنا اور معدوم رہے حالانکہ یہ محال ہے پس یہ ثابت ہوگیا کہ اُس خدا کا فنا اور معدوم ہوجانا محال ہے اور اُس کا باقی رہنا ایک لازمی اَمر ہے پس وہ ہمیشہ اور غیر محدود مدت تک باقی رہنے والا ہے۔

پھر وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ خدا جس سے کہ مادہ صادر ہوا ہے یا تو مادہ کا حادث ہونا اُس سے بلا اِرادہ اور اختیار کے بطریق علیت اور ضرورت کے ہوگا اور یا بطریق ارادہ اور اختیار کے ہوگا یعنی اُسی خدا نے مادہ کے وجود کا اِرادہ کرلیا اور اُسے اختیار کرلیا اور اُس کے لئے وہی وقت مقرر کردیا جس وقت کہ وہ پایا گیا لیکن مادہ کا حدوث خدا سے بطریق علیت ہونا تو ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ خدا تو قدیم ہے اگر اُس سے بطریق علیت اُس کا حدوث ہوتا تو مادہ کا قدیم ہونا لازم آتا اور اُس کی وجہ سے تمام تنوعات بھی ضرور قدیم ہوجاتے کیونکہ جب مادہ میں اِرادہ اور اختیار ہی نہیں پایا تو لا محالہ تنوعات کا حدوث اُس سے بطریق معلولیت کے ہوتا پس اس صورت میں ہرگز ممکن نہ تھا کہ مادہ حادث ٹھہرتا اور اپنی علت سے متاخر ہوسکتا حالانکہ مادہ اور اُس کے تمام تنوعات کا حدوث بخوبی ثابت ہو چکا ہے پس نتیجہ یہ ہوا کہ اس خدا سے مادہ کا حدوث بطریق معلولیت نہیں ہوسکتا اب سوائے اس کے کوئی صورت باقی نہیں رہی کہ مادہ خدا کے اِرادہ اور اختیار سے حادث ہوا ہو اور اُسی نے اُس کیلئے وہ وقت پہلے ہی سے مقرر

کردیا ہو جبکہ وہ پایا گیا۔ پس اس تقریر سے یہ بات پورے طور سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ خدا کیلئے اِرادہ اور اختیار ثابت ہے اُس کی ذات اِرادہ کنندہ اور ذی اختیار کہلانے کے شایان ہم اُس کیلئے اِس کی ضد محال ہے اور وہ ضد مجبور اور بے اختیار ہونا ہے۔

پھر اُس خدا نے مادہ کے وجود کا اِرادہ کر کے اُس کے وجود کو عدم پر ترجیح دے دی اور اُس کے وجود کا ایک زمانہ معین کردیا اور یہی ترجیح اور تخصیص اختیاری صنع اور فعل ہے) اس لئے یہ مادہ محض خدا کے صنع اور فعل ہی سے ان عجیب وغریب اور حیرت انگیز تنوعات کے قابل حادث ہوا اِس موقع پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ جس خدا نے مادہ (جس کی حقیقت کا سمجھنا انسانی فلاسفروں کی عقول پر نہایت ہی دُشوار ہے جیسا کہ اُن کی کتابوں میں دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ اُنہوں نے مادہ کی تعریف بیان کرنے اور اُس کی حقیقت ظاہر کرنے میں کیا کچھ خبط مچایا ہے) بنایا ہے کہ جو سماوی۔ ارضی۔ جمادی۔ نباتاتی اور حیوانی عجیب وغریب انواع پر متنوع ہوا ہے اور جس میں کہ طرح طرح کی صورتیں یکے بعد دیگرے قبول کرنے کی قابلیت موجود ہے بے شک وہ خدا نہایت کمال کے ساتھ علم وقدرت رکھنے والا اور پورا پورا قادر اور عالم ہے عام اس بات سے کہ اُسی نے مادہ سے انواع انواع کے تنوعات کو متنوع کیا ہو اور تمام تعجب خیز کائنات کو باوجود عجیب وغریب استحکام کے اُس سے بنایا ہو جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا عقیدہ ہے اور یا اُس نے مادہ ہی کو اس قابل بنایا ہو کہ وہ اُس کے ذرّات بسیطہ کی حرکت اور اُن قوانین فطرت کے موافق جو اُس کے ساتھ قائم ہیں ان تمام تنوعات اور تطورات کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسا کہ آپ لوگ اس اَمر کے قائل ہیں کہ یہ تمام تنوعات مادہ کے ذرّات کی حرکت سے کہ جو خاص خاص قوانین فطرت کے موافق جاری ہے حاصل ہو گئے ہیں پس ہر دو تقدیر پر خدا کے کمال علم اور قدرت پر قطعی دلالت موجود ہے کیونکہ ایسے کی نسبت جو کسی بسیط شے کو پیدا کر کے اور پھر بدل بدل کر اُس کے بے شمار انواع بناتا رہے اور باوجود غایت درجہ

کے استحکام اور انضباط کے نہایت ہی حیرت افزاء اور تعجب خیز اشیاء کو اُس سے نکالتا رہے یا وہ ایسی بسیط شے کو پیدا کر سکے جس میں یہ قابلیت موجود ہو کہ وہ اُن قوانین فطرت کے مقتضاء کے موافق ہی سہی جو اُس میں قائم ہوں بے شمار عجیب وغریب انواع کی جانب منقلب ہو سکے تو ایسے کی نسبت کسی عاقل کو ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ضرور کامل علم اور قدرت والا ہوگا اور اُس کا عاجز یا ناواقف ہونا سراسر محال ہے مثلاً جب ہم کسی گھڑی کو جس سے کہ وقت معلوم ہوتا ہے دیکھیں اور ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ غایت انضباط اور استحکام کے ساتھ کیسی عجیب اُس کی ترکیب ہوا کرتی ہے جو قواعدِ ہندسی اور کل سازی کے اُصول پر سراسر مبنی ہوتی ہے پس جس طرح کہ اس اَمر کو ہم سمجھتے ہیں کہ اس گھڑی کا ضرور کوئی بنانے والا ہے کہ جس نے اُسے بنایا ہے اور نہایت محکم اُصول پر اُس کی بنا رکھی ہے اِسی طرح قطعی طور پر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اُس کا بنانے والا جبھی اُس کو بنا سکتا ہے کہ اُس کے بنانے کی کافی قدرت رکھتا ہو اور نہایت مضبوط اور مستحکم اُصول پر مبنی کرنے کا اُسے پورا پورا علم بھی ہو۔ عام ہے کہ خود اُسی نے اُس کے پُرزے بنائے ہوں اور پھر کہیں اس طرح خود ہی جڑا ہو کہ وہ بخوبی کام دے سکتی ہو اور یا اُس نے محض اُس کے پُرزے ہی اس انداز سے بنائے ہوں کہ جس کو مرتب کر کے گھڑی جوڑی جا سکتی ہو اور کام دینے کے قابل ہو سکتی ہو۔ اگر اس موقع پر ہم سے کوئی یہ کہنے لگے کہ اس گھڑی کو ایک شخص نے کہ جو اندھا، بہرہ، دست و پا بریدہ، ناسمجھ، بے خبر۔ علم ہندسہ سے بالکل بے بہرہ اور کل سازی کے اُصول سے محض ناواقف ہے بنایا ہے تو ہم اس قائل کی بڑی شدومد سے تکذیب کریں گے اور ہماری عقلیں ذرا بھی اس کی بات نہ مانیں گی اور یہ کہیں گی کہ جو اس بات کی تصدیق کرے اور ایسے شخص کو سچا جانے وہ پرلے درجہ کا احمق ہے۔ یہ تو آپ نے سُنا اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ جب آپ لوگوں کو اُس کے وجود کا پتہ نہ لگا جس نے کہا مادہ پیدا کیا ہے اور پھر آپ مادہ کے قدم کے معتقد ہو گئے پھر اس کو مختلف تنوعات اور تطورات

کو آپ نے دیکھا کہ جو پہلے نہ تھے اور پھر حادث ہوئے اور یہاں بھی آپ اُس کے وجود کو دریافت نہ کر سکے کہ جو ان تمام تنوعات کا پیدا کرنے والا ہے اس لئے آپ لوگوں کو یہ ضرورت ہوئی کہ اس سبب سے بحث کریں جس کی وجہ سے یہ سب تنوعات پیدا ہوئے کیونکہ عقل ہرگز اس کو نہیں تسلیم کرسکتی کہ وہ سب محض مادہ ہی سے حادث ہو گئے ہوں اس وجہ سے کہ ہر حادث کیلئے ضرور کوئی سبب ہونا چاہئے کہ جس میں اُس کے احداث کی صلاحیت موجود ہو اور مجرد مادہ ایسا ہے نہیں۔

پس بڑی سرگردانی کے بعد آپ لوگ اس اَمر کے قائل ہو گئے کہ مادہ کے ذرّات بسیط جن کی شکلیں مختلف ہیں ازلی حرکت کے ساتھ متحرک ہیں اور اسی حرکت کے باعث سے یہ اجزاء مختلف ہیئت اور طرح طرح کی کیفیت پر مجتمع ہونے لگے کہ جس سے یہ جملہ تنوعات پیدا ہو گئے تو آپ لوگوں نے محض یہ کہہ کر اپنی عقلوں کو سمجھا لیا کہ ان تمام تنوعات کا سبب یہی حرکت واقع ہوئی ہے حالانکہ آپ لوگوں نے ان اجزاء کو نہ محض اپنی آنکھوں ہی سے کبھی دیکھا اور نہ بڑی سے بڑی خوردبیں سے آج تک یہ نظر آئے (اور نہ ہرگز آپ لوگ ان اجزاء کو دیکھ سکیں گے) اور نہ کبھی مادّہ کی حرکت کا کسی کو ذرا احساس ہوا (اور نہ ہرگز آپ لوگ احساس کر سکیں گے) لیکن جس چیز نے کہ آپ کو مادہ کے اجزاء اور اُن کی حرکت کے قائل ہونے پر مجبور کیا وہ محض یہ ضرورت ہے کہ آپ سمجھ سکیں کہ تمام انواع کیونکر بن گئیں اور اس پر بھی آپ نے اکتفاء نہیں کیا بلکہ آپ لوگوں نے ان اجزاء کیلئے مختلف شکلیں بھی مان لیں تا کہ آپ اس کہنے کے قابل ہو جائیں کہ انہیں اجزاء کے اجتماع سے باوجود ان کی اشکال کے اختلاف کے مختلف انواع اور طرح طرح کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں اِن سب باتوں کے تو آپ قائل ہو گئے لیکن اُن اجزاء کے اشکال کا دیکھنا تو جدا رہا محض اُن اجزاء تک کو تو آپ نے دیکھا نہیں بلکہ یہ ساری باتیں فرضی اور تخمینی ہیں جن کے ماننے پر آپ کو محض اس ضرورت نے آمادہ کیا ہے تا کہ آپ یہ سمجھ سکیں کہ یہ مختلف انواع کیونکر بن

گئیں۔ اب اس موقع پر آ کر آپ لوگوں نے اپنا وہ قاعدہ بالائے طاق رکھ دیا جس کی نسبت ہم نے آپ لوگوں کو اکثر ڈینگ مارتے سنا ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگ کسی اَمر کو جب تک کہ اُس کا احساس اور مشاہدہ نہ کرلیں ہرگز مانتے ہی نہیں وہ قاعدہ اب کہاں گیا کیوں اس موقع پر احساس اور مشاہدہ کو چھوڑ کر عقلی دلیل سے استدلال کرنے پر مجبور ہوئے اس سے یہ خیال نہ کیجئے گا کہ ہم عقلی استدلال کے طریقہ سے انکار کرتے ہیں نہیں یہ تو خاص ہمارا اور تمام معتبر حکماء کا ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے ہمیں صرف آپ لوگوں کو یہ یاد دِلانا مقصود ہے کہ آپ لوگوں کا یہ قول کہ ہم احساس اور مشاہدہ کے سوا کسی چیز پر اعتماد ہی نہیں کرتے پورا نہ ہوسکا اور آپ اپنے اس قول پر قائم نہ رہ سکے (اور نہ ہرگز قائم رہ سکتے ہیں) اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ موقع ہی ایسا آن پڑا کہ ہمیں استدلال کی ضرورت ہوئی کیونکہ ہم نے اجزاء اور اُن کی حرکت کے آثار مشاہدہ کرلئے اور وہ آثار بھی تنوعات ہیں اور انہیں آثار سے اُن کے مؤثر پر ہم نے استدلال کیا تو ہم آپ سے کہیں گے کہ یہی تو ہم بھی کرتے ہیں خدائی عالم کے آثار مشاہدہ کر کے ہم اور اسی طرح تمام مذاہب والے خدا کے وجود پر استدلال کرتے ہیں اور خدا کے آثار یہی ساری کائنات ہے پس ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آپ لوگوں کو ہمارے استدلال کا سمجھنا کیوں مشکل معلوم ہوتا ہے اور اپنے استدلال کو آپ آسان خیال کرتے ہیں حالانکہ اگر انصاف سے پوچھیے تو عقل ہمارے ہی استدلال کو قبول کرتی ہے جیسا کہ ابھی ہم بیان کریں گے اس تمہید کے بعد ہم اپنے اصلی مطلب پر پھر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک جبکہ مادہ کا حدوث اور یہ اَمر ثابت ہو چکا کہ اس مادہ کے لئے ضرور کوئی محدث اور موجد ہے جس نے کہ اُس کو حادث کیا اور عدم سے اس کو اس طرح پر موجود کر دیا کہ وہ تمام تنوعات اور تطورات قبول کرنے کے قابل ٹھہرا اور اس سے اُن کے نزدیک اُس موجد کا اِرادہ اُس کی قدرت اور اُس کا علم بھی بخوبی پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا اب اس کے بعد اُن کو اس اَمر کے

سمجھنے کیلئے کہ تمام انواع کیونکر بن گئیں کسی دوسری چیز کے ثابت کرنے کی ضرورت نہ رہی اسی لئے وہ قائل ہو گئے کہ جس خدا نے مادہ کو پیدا کیا اُس کو تمام تنوعات قبول کرنے کے قابل بنایا اور جو کہ صفتِ اِرادہ۔قدرت اور علم کے ساتھ موصوف ہے اُسی خدا نے مادہ پیدا کرنے کے بعد اُس سے ان تمام انواع کو بنایا اور ان نئی نئی صورتوں کو کہ جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے ایجاد کیا کیونکہ ان انواع کے حدوث کیلئے کوئی نہ کوئی موجب ضرور ہونا چاہئے اور ظاہر ہے کہ اُن کے حدوث کو اُس خدا ہی کی طرف نسبت کرنے کو جس میں کہ اِرادہٗ قدرت اور علم سب کچھ پایا جاتا ہے عقل قبول کرتی ہے اور سمجھ میں بھی آتا ہے بخلاف اس کے کہ اُن کے حدوث کو اجزاء مادہ کی حرکت کی جانب منسوب کیا جائے کہ جن میں نہ اِرادہ ہے نہ قدرت ہے اور نہ کچھ علم ہی پایا جاتا ہے بلکہ صرف اتفاقی طور پر اُس کے اجزاء خاص خاص کیفیتوں پر مجتمع بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر چند قوانین فطرت کے موافق جن کے لزوم کو عقل نہیں سمجھ سکتی عمل درآمد بھی کر لیتے ہیں اگرچہ ان قوانین میں سے بعض کے لزوم کیلئے عقل کو کوئی نہ کوئی موجب تلاش کر لینا ممکن ہے اور یہ تبائنات اُصول کیلئے فروع کی وراثت کا قانون ہے جیسا کہ پیشتر آپ کے مذہب کے بیان میں اس کا ذکر ہو چکا ہے لیکن ان قوانین میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اُن کی ملازمت کے موجب کا تلاش کرنا عقل کے امکان میں نہیں اور یہ وہ تبائنات ہیں جن کی موجودگی ہر فرع میں ضروری خیال کی گئی ہے اور جن کے اعتبار سے ہر فرع اپنی اصل کے خلاف ہوتی ہے کیونکہ ہر عاقل یہ کہہ سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ اُصول کے خلاف فروع میں تبائنات کا موجود ہونا لازمی ہو گیا؟ اور یہ کیوں نہ ضروری ہوا کہ کسی اَمر میں متبائن ہونے کے بغیر فرع اپنی اصل کے موافق ہوا کرتی حالانکہ عقل بھی اُمید کر سکتی ہے کہ فروع اپنے اُصول کے موافق ہوا کریں اُن کیخلاف نہ ہونے پائیں پس اگر اس موقع پر کوئی ایسی شے جو ان تبائنات کو دائمی طور پر ضروری کرتی ہے موجود نہ ہوتی تو یہ قانونِ فطرت لازمی نہ ٹھہر سکتا اب رہا کہ محض اجزاء کی

حرکت ان تبائنات کو دائمی طور پر ضروری کردے تو عقل اس کو نہیں تسلیم کرسکتی نہ آلسے اس کا اطمینان ہوتا ہے کیونکہ اُن اجزاء میں تو اس استمرار کی صلاحیت کا ذرا بھی پتہ نہیں جیسا کہ ہر فکر سلیم کیلئے یہ اُمر بخوبی ظاہر ہے اس مقام کے مناسب ایک مثال یاد آئی جس کا بغرض توضیح ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں وہ یہ ہے کہ جب ہم کو یہ معلوم ہو کہ کسی شخص نے ایک دخانی کل کے پرزے تیار کئے ہیں پھر اس کے بعد ہم دیکھیں کہ وہ دخانی کل اُن سے مرکب ہو کر مکمل ہوگئی اور چلنے لگی اور ہر ہر پُرزہ اپنا اپنا کام دینے لگا اب بتلایئے کہ ان دونوں باتوں میں سے عقل کس کو قبول کرسکتی ہے آیا ہمارا یہ کہنا صحیح ہے کہ جس شخص نے اس کل کے پرزے بنائے تھے اُسی نے اُن کو جوڑ کر اس کل کو چلایا ہوگا یا یہ قول صحیح ہوسکتا ہے کہ نہیں یہ پرزے اُس حرکت کے ذریعہ سے جو اُن میں پائی جاتی ہے خود بخود مرکب ہونے لگے اور اپنے اپنے موقع پر لگنا شروع ہوئے یہاں تک کہ زمانہ دراز کے بعد یہ کل اس طرح جڑ جڑا کر مکمل ہوگئی اور چلنے لگی اس میں ذرا شک نہیں ہوسکتا کہ عقل بلا تامل پہلی بات کو تسلیم کرے گی اور بلا کسی شک وشبہ کے دوسرے اُمر کو متروک خیال کرے گی اسی پر قیاس کرکے آپ اس کو بھی خیال کریں کہ عقل اس بات کو قبول کرسکتی ہے کہ جس نے مادہ کو ایجاد کرکے اُس کو تمام تنوعات کے قابل بنایا اُسی نے اُسی سے تمام انواع کو بھی پیدا کیا نہ یہ کہ بلا اس کے کہ مادہ کے ایجاد کرنے والے نے کچھ کیا ہو وہ مادہ اپنے اجزاء کی اضطراری حرکت کی وجہ سے قانونِ وراثت اور قانونِ تباین کے موافق خود بخود طرح طرح کی انواع میں متنوع ہونے لگا کہ جن کے بننے کے لئے اعلیٰ درجہ کی قدرت نہایت ہی کامل علم وحکمت اور تدبیر کی ضرورت ہے پس اے عقل مندو! ذرا تو اِنصاف کرو۔

خدائے عالم کے اِرادہ۔ قدرت اور علم کے ثابت کرنے کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین ایک بات کے اور قائل ہیں جس کے اُوپر تنبیہ کردینا اس مقام پر ضروری معلوم ہوتا ہے وہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کا اِرادہ اور اُس کی قدرت دونوں

صرف ایسی ہی چیز کے ساتھ متعلق ہوسکتی ہیں کہ جو عقلاً ممکن ہے یعنی وہ ایسی شے ہو کہ عقل جس کے وجود اور عدم کی تصدیق کرسکتی ہے اُس کے نزدیک وہ موجود بھی ہوسکتی ہو اور معدوم بھی۔ ممکن ہونے کے بعد کوئی شے کیسی ہی بڑی مشکل اور مشکل کیوں نہ معلوم ہوتی ہو لیکن خدا اُس کو وجود یا عدم کے ساتھ اور اسی طرح اُس کے احوال میں سے جس کے ساتھ چاہے اپنے اِرادہ سے خاص کرسکتا ہے اور جس کے ساتھ کہ اُس نے اپنے اِرادہ سے اُسے خاص کرلیا ہے اُسی کے موافق اپنی قدرت سے پیدا کرسکتا ہے اب رہا وہ اَمر کہ جو عقلاً واجب ہو یعنی عقل اُس کے معدوم ہونے کی تصدیق نہیں کرسکتی مثلاً ہر ذی مقدار شے کا لازمی طور پر کچھ نہ کچھ جگہ گھیرنا۔

اسی طرح وہ اَمر جو عقلاً محال ہو یعنی عقل اُس کے موجود ہونے کی تصدیق نہیں کرسکتی مثلاً اجتماع نقیضین سوان دونوں قسموں کی اشیاء کے ساتھ خواہ ایجاداً ہو یا اعداماً البتہ نہ تو خدا کا اِرادہ ہی متعلق ہوسکتا ہے اور نہ اُس کی قدرت اِس لئے کہ جو شے عقلاً واجب ہے وہ خود ہی موجود اور حتماً حاصل ہوگی اُس کا وجود سے نکل جانا ممکن ہی نہیں پس خدا کا اِرادہ اور قدرت دونوں اُس کے ساتھ نہ ایجاداً متعلق ہوسکتے ہیں نہ اعداماً۔ ایجاداً تو اس لئے کہ یہ تحصیل حاصل ہے اور اس سے موجود کا موجود کرنا لازم آتا ہے اور اعداماً اس لئے کہ اُس کا معدوم ہونا اور وجود سے نکل جانا محال ہے۔ اب رہا اَمر محال وہ حتماً معدوم ہوتا ہے اُس کا وجود میں آجانا ممکن نہیں پس اُس کے ساتھ بھی وہ دونوں (اِرادہ اور قدرت نہ اعداماً متعلق ہوسکتے ہیں کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے اور اس سے معدوم کا معدوم کرنا لازم آتا ہے اور نہ ایجاداً اس وجہ سے کہ اُس کا موجود ہونا اور وجود میں داخل ہوجانا محال ہے لیکن خدا کا علم ہر شے کے ساتھ خواہ وہ شے عقلاً ممکن ہو یا واجب یا محال ضرور متعلق ہوتا ہے جس سے کہ وہ شے خدا کے پاس منکشف ہوتی ہے پس خدا ہر شے کو وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو اور پھر چاہے وہ حاضر ہو یا گذشتہ یا آئندہ۔ سب کو بخوبی جانتا ہے اُسے تمام چیزوں کا علم ہے شے حاضر کے ساتھ تو اُس کے علم کا

تعلق ظاہر ہے عام ہے کہ وہ واجب ہو یا ممکن یا محال کیونکہ محال بھی تصور میں حاضر ہو سکتا ہے پس خدا اُس کو اور اُس کے استحالہ کو جانتا ہے اب رہا اَمر گذشتہ جس کا کہ وجود منقطع ہو چکا وہ ضرور خدا کی پیدا کردہ اشیاء میں سے ہوگا جو کہ خدا ہی کے ایجاد سے موجود ہوا تھا اور اُسی کے اعدام سے معدوم ہو گیا اور اس میں کوئی تعجب نہیں کہ جس شخص نے کسی شے کو بنایا ہو اور پھر اُسے معدوم کر دیا ہو اُس کے ساتھ اُس شخص کا علم باقی رہ سکتا ہے اور اَمر آئندہ کے ساتھ بھی جو اَب تک موجود نہیں ہوا۔

اُس کے علم کا تعلق ظاہر ہے کیونکہ جبکہ وہ شے حادث ہونے کے قابل ہے اور بغیر اس کے کہ خدا اپنے اِرادہ سے اُس کے وجود کی تخصیص کرے اور اپنی قدرت سے اُسے موجود کر دے وہ ہرگز حادث نہیں ہو سکتی اس لئے کہ کل حوادثات خدا ہی کے افعال کے آثار ہیں پس لازمی اَمر ہے کہ اُس کے ایجاد کرنے سے پہلے خدا اُسے جانتا بھی ہو کیونکہ اُس نے تو اُس کے وجود کا اِرادہ کیا ہوگا جب تو اپنی قدرت سے اُسے موجود کرے گا اور اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ جس اِنسان نے یہ پختہ قصد کر لیا ہو کہ میں ایک خاص قطعہ کا مکان مثلاً ایک ماہ کے بعد تعمیر کروں گا وہ جو کچھ کہ اُس گھر میں بنائے گا اُسے خوب جانتا ہے لیکن اس شخص کے علم میں یہ فرق ہے کہ بسا اوقات کسی مانع کی وجہ سے اُس شخص کو وہ مکان بنانا میسر نہیں ہوتا تو اُس کا پہلا علم واقع کے موافق نہیں رہتا لیکن خدا کو اُس کے افعال سے جن کے کرنے کا اُس نے اِرادہ کر لیا ہے کوئی مانع باز نہیں رکھ سکتا وہ ضرور ہی اُنہیں کرتا ہے اس لئے اُس کا علم ہمیشہ واقع کے موافق ہی ہوتا ہے اُس کے خلاف ہونا ممکن ہی نہیں۔

اس مقام سے آپ شریعتِ محمدیہ کے اس مسئلہ کو بھی کہ حوادث میں ہر شے خدا کے قضاء وقدر سے ہوتی ہے خوب سمجھ گئے ہوں گے کیونکہ جب یہ اَمر ٹھہرا کہ عالم میں ہر حادث جس طرح پر کہ اُس کے ساتھ خدا کا علم پہلے سے متعلق ہو چکا ہے اُس کے موافق اُسی کے پیدا کرنے سے موجود ہوتا ہے تو ضرور ہوا کہ اُس کے علم سابق کے

موافق اُس کے ساتھ خدا کی قدرت ایجاداً متعلق ہو اور اسی کا نام قضاء ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اَزل سے اُس کے ساتھ خدا کا علم متعلق ہو اور وہ اس کے لئے ایک حد مقرر کردے جس کے موافق کہ وہ اسے ایجاد کرے گا اور اسی کو قدر کہتے ہیں (قضاء و قدر کی جو تفسیر یہاں بیان کی گئی یہ منجملہ اُنہیں تین تفسیروں کے ہے جنہیں کہ علامہ باجوری نے جوہرہ کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے اور یہی تفسیر ماتریدیہ کیا کرتے ہیں)

یہ جو شریعت میں وارد ہوا ہے کہ رسل اور اولیاء غیب اور آئندہ کے واقعات کی خبر دیا کرتے ہیں اس مقام سے اس کو بھی آپ سمجھ گئے ہوں گے کیونکہ جب خدا غیب اور آئندہ کے حوادثات کو جانتا ہے اس لئے کہ ہر حادث اُسی کے علم سے اُسی کے اِرادہ کے متعلق ہونے سے اُسی کے فعل سے پیدا ہوا کرتا ہے تو پھر اس سے کون اَمر مانع ہو سکتا ہے کہ یہی خدا ان رسل اور اولیاء میں سے جسے چاہے اس غیب یا اَمر آئندہ کی خبر دے دے اگرچہ ہم اس کے قائل ہیں کہ نفس فطرتِ انسانی کا یہ مقتضا نہیں کہ وہ بذاتہ اور خود مغیبات میں سے کسی شے کو جان سکے لیکن اگر خدا کسی کو بتلا دے تو اُسے کون روک سکتا ہے پس ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ خدا کے بتلانے ہی سے معلوم ہوتا ہے اور پھر وہ لوگ اوروں کو خبر دیدیتے ہیں اُن میں سے ایسا تو کوئی بھی نہیں جو بذاتہ علم غیب کا دعویٰ کرتا ہو چنانچہ شریعت محمدیہ بالذات علم غیب کے دعویٰ کرنے کو اعلیٰ درجے کے ممنوعات میں شمار کرتی ہے اور جو اس کا دعویٰ کرے اُس کو کافر بتلاتی ہے۔

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ وہ خدائے عالم جس کا ہمارے نزدیک وجود۔ قدم قدم۔ بقاء۔ قدرت۔ اِرادہ اور علم ثابت ہو چکا ہے ضرور زندہ ہونا چاہئے اس لئے کہ مردہ کا صفت ارادہ۔ قدرت اور علم میں سے کسی کے ساتھ موصوف ہونا عقل میں نہیں آتا جیسا کہ ظاہر ہے پس خدا کے لئے صفتِ حیات ثابت ہو گئی اور اُس کا موت کے ساتھ موصوف ہونا محال ٹھہرا پھر وہ کہتے ہیں کہ وہ خدا مادہ کے تمام خواص میں سے کسی خاصہ میں بھی مادہ کے مشابہ نہیں ہو سکتا۔

عام ہے کہ وہ خواص ایسے ہوں کہ جن کے لزوم کیلئے نفس مادہ کی طبیعت مقتضی ہو اور وہ اُس سے جدا نہ ہو سکتے ہوں اور یہ مادہ کے نام صفات ہیں جو اس کے جمیع انواع کے لئے لازم ہیں اور یا وہ ایسے ہوں جنہیں کہ نفس مادہ کی طبیعت قبول کر سکتی ہو خواہ وہ اُس کے تمام انواع میں پائے جا سکتے ہوں یا فقط اُس کے بعض مرکبات ہی میں اور یہ وہ صفات ہیں جو کہ مادہ کے جمیع انواع کیلئے عام تو ہیں لیکن لازمی نہیں اور یا وہ عام ہی نہیں ہیں جیسی کہ جوہریت۔ جسمیت۔ عرضیت۔ مستحیز ہونا (یعنی کسی قدر جگہ کو گھیرنا) مرکب ہونا۔ متجزی ہونا غیر سے جنا جانا۔ غیر کو جننا۔ اتصال۔ انفصال۔ حیوانیت۔ نباتیت۔ جمادیت۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔

تمام انفعالات نفسانیہ اور اس کے مثل جتنی چیزیں ہیں کیونکہ وہ خدا ان خواص میں سے کسی میں بھی اگر مادہ کے مشابہ مانا جائے گا تو وہ بھی اُسی کے مثل مادہ ٹھہرے گا اس لئے کہ یہ ظاہر بات ہے کہ جو شے کسی دوسرے کے ساتھ اُس کی ذات اور طبیعت کے لوازمات اور خواص میں سے کسی خاصہ میں بھی مشابہ ہوگی وہ ضرور اُسی کے مثل اور ویسی ہی ہوگی اور اگر یہ خدا مادہ تسلیم کیا جائے گا تو جو کچھ کہ مادہ کیلئے ممکن ہے۔

یعنی حدوث وہ خدا کیلئے بھی ممکن ہوگا اور خدا بھی حادث ٹھہرے گا کیونکہ جو حکم چند یکساں چیزوں میں سے کسی ایک کیلئے ثابت ہوگا وہ ویسی ہی اور چیزوں پر بھی صادق آئے گا حالانکہ خدا کیلئے قدم کے لازمی ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اور اُس کے حدوث کا محال ہونا ثابت ہو چکا ہے پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس خدا کا مادہ کے مشابہ ہونا ناممکن ہے تو وہ ضرور اس کے خلاف ہوگا۔

اور یہی اس مسئلہ کا مقصد ہے جس کے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین معتقد ہیں کہ خدا عالم کے لئے تمام حوادثات کے خلاف ہونا ضروریات میں سے ہے اور اس کا اُن کے مشابہ ہونا محال ہے اس لئے خدا نہ مادہ ہو سکتا ہے اور نہ مادہ کے خواص میں سے کسی کے ساتھ اُس کا موصوف ہونا ممکن ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا۔

خدا مکان اور محل کا محتاج نہیں

پھر چونکہ ظاہر ہو چکا ہے کہ خدا نہ جوہر ہے نہ جسم اس لئے اُسے کسی مکان کی بھی ضرورت نہیں جس میں کہ وہ قائم ہو اور نہ وہ عرض ہی ہے جو اُسے کسی محل کی حاجت ہوتی جس میں کہ وہ حلول کرتا اور قائم ہوتا۔

خدا کے عرض نہ ہونے پر دوسری دلیل

علاوہ بریں اگر اُسے عرض مانا جائے گا اور وہ کسی محل کا اپنے قیام میں محتاج ہوگا تو وہ ضرور صفت ہوگا اور اگر وہ صفت ہوگا تو پھر اُس کا ان صفات کے ساتھ جن کا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے موصوف ہونا ناممکن ٹھہرے گا اور وہ صفات قدرت اِرادۂ علم اور حیات ہیں حالانکہ خدا کے ان صفات کے ساتھ موصوف ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اس لئے اُس کا صفت ہونا ممکن نہیں ہوسکتا۔

تو پھر وہ عرض بھی جو اپنے حلول اور قیام میں کسی محل کا محتاج ہو نہ سکے گا۔ پھر چونکہ خدا کا قدم ثابت ہو چکا ہے تو وہ کسی موجد کا بھی جو اُسے ایجاد کرتا ہرگز محتاج نہیں ہوسکتا غرض یہ کہ خدا کا مکان۔ محل اور موجد کی جانب محتاج نہ ہونا یہی اُمور ہیں جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے اس عقیدہ سے مقصود ہیں کہ خدا سے عالم کا بنفسہٖ اور خود ہی قائم ہونا ضروری ہے اور غیر کے ساتھ اُس کا قائم ہونا محال ہے۔

خدا کی اِس صفت پر ایک دوسری دلیل بھی ہے وہ یہ ہے کہ اگر وہ مکان کا۔ یا محل کا یا کسی موجد کا محتاج ہوتا تو ضرور تھا کہ یہ اُمر مذکورہ اُس سے قبل موجود ہوتے اور اُس کے بنائے ہوئے نہ ہوتے حالانکہ اس بات پر دلیل قائم ہو چکی ہے کہ وہی خدا قدیم اور تمام کائنات کے قبل سے ہے اور کائنات میں ہر شے اُسی کی بنائی ہوئی ہے تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اِس کے بعد بھی وہ ان میں سے کسی شے کی جانب محتاج ہو۔

صفات خداوندی اور صفات انواع مادہ میں محض اسمی مشارکت ہے

اِس سابق کے مسئلہ میں کہ خدا مادہ کے خواص میں سے کسی شے میں بھی اُس کے مشابہ نہیں ہے یہ شبہ نہ کرنا چاہئے کہ لیجئے خدا ان اُمور میں تو مادہ کے مشابہ ہوگیا کہ موجود ہے اِرادہ کرتا ہے عالم ہے۔ قادر ہے۔ زندہ ہے اور اسی طرح اور صفات میں جو کہ اُس کیلئے ابھی ثابت ہوئیں کیونکہ مادہ کے انواع اِن صفات کے ساتھ تو موصوف ہوتے ہیں اس لئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا یہ اعتقاد ہے کہ خدا کے صفات مذکورہ کو محض آثار کی مشابہت کی وجہ سے انواع مادہ کی صفات کے ساتھ صرف اسمی مشارکت حاصل ہے حقیقت کے اعتبار سے پورا پورا اختلاف اور مباینت پائی جاتی ہے کیونکہ خدا کی صفات مذکورہ اُن کے نزدیک صفات قدیم ہیں اعراض نہیں ہوسکتی لیکن انواع مادہ کی وہ صفات جن کے ساتھ اُن کو اسمی مشارکت حاصل ہے بلا شبہ اعراض اور مادہ کے حادث اور زائل ہونے والے احوال ہیں اور اس میں ذرا بھی خفا نہیں کہ محض آثار میں مشابہت کا پایا جانا اس اَمر کو مستلزم اور مقتضی نہیں ہوسکتا کہ حقیقت میں بھی مشابہت ہو خصوصاً جبکہ صفات خداوندی کے آثار باعظمت۔ محیط اور کامل ہوں اور صفات انواع کے آثار اُن کے مقابل میں حقیر۔ ناقص اور قاصر ہوں جیسا کہ دونوں کے آثار میں مقابلہ کرنے سے صاف صاف واضح ہوتا ہے۔

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین جبکہ خدائے عالم کے وجود پر دلیل قائم کر چکے اور آپ لوگوں پر اُس کے وجود کی تصدیق کرنے کو دلیل سابق کے مقتضا کے موافق لازم کر چکے تو اب اُنہیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ آپ لوگوں کے مقابلہ میں اس اَمر پر دلیل قائم کریں کہ وہ خدا ایک ہے خدائی میں اور عالم کی تخصیص اور ایجاد میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ لوگ تو ایک خدا کو بھی نہیں مانتے تھے

اُنہوں نے دلیل سے اُس کے وجود کی تصدیق کرنے کو آپ پر لازم کر دیا اب اُنہیں آپ لوگوں کی جانب سے اِس اَمر کا اندیشہ نہیں ہو سکتا کہ آپ اُس خدا کے سوا اور کسی خدا کے وجود کا دعویٰ کرنے لگیں گے اس لئے کہ اسے تو آپ خود سمجھ سکتے ہیں آپ کے نزدیک تو یہ ظاہر بات ہے کہ آثارِ خداوندی کی دلالت سے خدائے عالم کے وجود کے ثابت کرنے کے بعد کون سا اَمر مقتضی ہے کہ کسی دوسرے خدا کے ثابت کرنے کیلئے بھی ہمیں ضرورت پڑے باوجودیکہ اس عالم کے ایجاد کرنے کیلئے صرف ایک ہی خدا جس میں کہ اُس کے ایجاد اور محکم کرنے کیلئے کامل صفات موجود ہوں بالکل کافی ہے۔

مسلمانوں کے عقیدے بلا دلیل نہیں بلکہ یقینی دلیل پر مبنی ہیں اس لئے وحدانیت کی دلیل بھی ضرور ہے۔ لیکن چونکہ وہ اس کے معتقد ہیں کہ وہ خدا ایک ہی ہے اُس کی خدائی میں کسی کا شریک ٹھہرانا سراسر محال ہے اور وہ اپنے عقیدوں کو بغیر قطعی دلیل پر مبنی کئے ہوئے باز نہیں رہ سکتے اُن کے عقیدوں کی بناء ہمیشہ قطعی دلیلوں پر ہوتی ہے خواہ وہ قطعی دلیل عقلی ہو یا نقلی اس لئے لازم ہے کہ وہ اس خدا کی وحدانیت پر عالم کے ایجاد کرنے میں اُس کے منفرد ہونے پر اُس کے سوا کسی خدا کے وجود کے محال ہونے پر ضرور عقلی یا نقلی دلیل قائم کریں۔

وحدانیت کے منکر فرقوں کیلئے بھی دلیل وحدانیت کی ضرورت ہے

علیٰ ہذا القیاس جب وہ اُن فرقوں سے گفتگو پر آمادہ ہوں جو کہ متعدد خدا ماننے والے ہیں اور عالم کے لئے دو یا تین یا زیادہ خداؤں کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

تو اس وقت بھی اُن فرقوں پر خدائے عالم کی وحدانیت کا اقرار لازم کرنے کیلئے وہ اس اَمر کو اپنے ذمہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ خدا کی وحدانیت اور اس کے سوا کسی دوسرے خدا کے محال ہونے پر دلیل قائم کریں لیکن ان فرقوں کے مقابلہ میں

اُن کی دلیل ضرور عقلی ہونی چاہئے نقلی دلیل کو وہ مانتے ہی نہیں تو پھر اُن کے سامنے اُس کے بیان کرنے سے فائدہ ہی کیا نکلے گا۔

قرآن میں توحید کی عقلی برہانی اور اقناعی دونوں قسم کی دلیلیں موجود ہیں

رہی خدائے عالم کی وحدانیت پر دلیل نقلی جن پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اعتماد کرتے ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن میں جس کی نسبت اُنہوں نے خدائے عالم کے پاس سے ہونے کی خبر دی ہے بکثرت موجود ہیں۔ قرآن کی اکثر سورتیں اللہ کی توحید اور ایجاد کرنے میں اُس کے منفرد ہونے کی تصریح کرتی ہیں بلکہ اُن میں اُس کی توحید کی دونوں قسم کی عقلی قطعی بھی اور اطمینان بخش دلیلیں بھی جو کہ عام لوگوں کی عقل کے موافق ہیں جن میں کہ قطعی برہانی دلیل سمجھنے کی قابلیت نہیں مذکور ہیں۔

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو توحید خداوندی کے اعتقاد کے بارے میں محض نقلی دلیل پر بھی اعتماد کر سکتے ہیں کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی لائی ہوئی چیزوں کی حقانیت کی تصدیق خدا کی توحید پر موقوف نہیں ہے اس لئے کہ آپ کے دعوے کی حقانیت پر متعدد دلائل قائم ہونے کی وجہ سے عالم کے موجد کی جانب سے آپ کی رسالت کی تصدیق کر سکتے ہیں عام ہے کہ وہ موجد ایجاد کرنے میں منفرد اور ایک مانا جائے پھر جب کہ وہ آپ کی رسالت کی پوری طور سے تصدیق کر چکے تو پھر اُنہیں آپ کی یہ خبر بھی ماننا پڑے گی کہ جس خدا نے اُنہیں بھیجا ہے اور رسول بنایا ہے وہ ایجاد کرنے میں منفرد اور ایک ہے اُس میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ لیکن دلیل عقلی جسے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اُن فرقوں کے مقابلہ میں جو متعدد خداؤں کے قائل ہیں خدائے عالم کی وحدانیت پر قائم کرتے ہیں اور نیز جس پر کہ اُس کی وحدانیت کے اعتقاد کے بارے میں وہ خود بھی اعتماد کرتے ہیں اُس کی بکثرت صورتیں اور مختلف

طریقے ہیں اِس مقام پر بغرض اختصار ان میں سے ہم ایک ہی دلیل بیان کریں گے۔

پس سُنئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اِس موقع پر یہ کہتے ہیں کہ اگر عالم کے خدا متعدد مانے جائیں مثلاً دو مانے جائیں (یا اور زیادہ کیونکہ اس استدلال میں کوئی فرق نہیں آسکتا) تو عالم میں کسی شے کا بھی وجود نہیں ہوسکتا لیکن عالم میں کسی شے کا نہ پایا جانا باطل ہے اس لئے کہ اُس کا وجود تو ہم مشاہدہ کر رہے ہیں پس وہ اَمر بھی (یعنی خدا کا متعدد ماننا) جس سے یہ کہ خرابی لازم آئی ضرور باطل اور غلط ہوگا اور جب خدا کا متعدد ماننا باطل ٹھہرا تو اُس کی وحدانیت ثابت ہوگی اور یہی ہمارا مقصود تھا اب سُنئے کہ خدا کے متعدد ماننے سے عالم میں کسی شے کا نہ پایا جانا کیونکر لازم آتا مثلاً فرض کیجئے کہ دو خدا ہوں تو وہ دونوں یا تو باہم متفق ہو جائیں گے یا مختلف رہیں گے اگر متفق ہو جائیں تو وہ کسی چیز کو ایجاد نہیں کر سکتے ورنہ لازم آئے گا کہ دو مؤثروں کا فقط ایک ہی اثر ہو اور یہ محال ہے کیونکہ اس سے لازم ہے کہ اُن دونوں میں سے ہر ایک کی ایجاد سے اگر عالم کا ایک جداگانہ اور مستقل وجود ہوگا تو لازم آئے گا کہ عالم دو دو وجود کے ساتھ موجود ہو حالانکہ وہ صرف ایک ہی وجود کے ساتھ موجود ہے۔

جیسا کہ ظاہر ہے اور اگر دونوں ایجاد سے زیادہ نہیں عالم کا فقط ایک ہی وجود حاصل ہو تو ماننا پڑے گا کہ اُن دونوں میں سے ہر ایک نے بانفرادہ اُسے ایجاد نہیں کیا بلکہ دوسرے کے ساتھ مل کر ایجاد کیا جیسے کہ اگر دو قوتیں مل کر کسی پتھر کے لڑھکانے کا باعث ہوں ہر ایک اُن میں سے بانفرادہ اُس کے لڑھکانے کیلئے کافی نہ ہو بلکہ دونوں کے مجتمع ہونے کی ضرورت پڑے تو ہر ایک دوسری قوت کی محتاج ٹھہرے گی اور اُس کے ساتھ مل کر مرکب ہوگی اور وہ دونوں قوتیں مرکب ہو کر ایک قوت بنے گی۔

تو اس صورت میں صاف ظاہر ہے لڑھکانے کی نسبت دونوں کی طرف ہونی چاہئے ان میں سے کسی ایک کی جانب علی الاستقلال نسبت کرنا ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔ پس اس بناء پر دونوں خدا ایک دوسرے کے ساتھ مرکب ہوں گے اور دونوں بمنزلہ ایک

خدا کے قرار پائیں گے کہ جس کی طرف ایجاد کی نسبت ہوگی اور دونوں میں سے ہر ایک کی جانب علی الاستقلال ایجاد کی نسبت نہ ہو سکے گی کیونکہ ہر ایک موجد کا جز ہوگا نہ مستقل موجد حالانکہ خدائے عالم اُس کو کہہ سکتے ہیں کہ جو اس عالم کا موجد ہو اور اگر یہ کہا جائے کہ ہر واحد خدا نہیں بلکہ فی الحقیقت دونوں کا مجموعہ خدا ہے تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ پیشتر ثابت ہو چکا ہے کہ خدا سے یعنی موجد عالم کا مرکب ہونا محال ہے کیونکہ اُس میں اور مادہ اور اُس کی تمام انواع کے مابین جمیع صفات کے اعتبار سے جو کہ اُن کے ساتھ مختص ہیں مخالف ہونا ایک لازمی اَمر ہے اور اُنہیں صفات میں سے ترکیب بھی ہے۔ علاوہ بریں ہر ایک مرکب کیلئے حدوث لازم ہے تو اِس بناء پر خدا کا حدوث لازم آئے گا اور نہ یہ ممکن ہے کہ دونوں عالم کو الترتیب اس طرح پر ایجاد کریں کہ پہلے تو ایک ایجاد کرے۔ پھر دوسرا اور نہ تحصیل حاصل لازم آئے گی اور وہ محال ہے جیسا کہ پیشتر ثابت ہو چکا ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ بعض چیزوں کو ایک ایجاد کرے اور بعض باقی کو دوسرا کیونکہ اس وقت ان دونوں کا عاجز ہونا لازم آئے گا اس لئے کہ جب کسی شے کے ساتھ ان دونوں میں سے کسی ایک کی قدرت متعلق ہو جائے گی تو لامحالہ اُس شے کے ساتھ دوسرے کی قدرت کے متعلق ہونے کا طریق وہ پہلا مسدود کر دے گا پس دوسرا اُس کی مخالفت پر ہرگز قادر نہ ہو سکے گا اور عاجز رہے گا اور اگر دوسرا اُس کے خلاف کر سکا اور اُس نے اپنی قدرت کے متعلق ہونے کے طریق کو مسدود نہ ہونے دیا تو پہلے کو عاجز ماننا پڑے گا بہر حال خدا کا عجز لازم آئے گا اور خدا کا عجز محال ہے۔

اور اگر دونوں مختلف ہو جائیں اِس طرح پر کہ ایک تو عالم کے ایجاد کرنے کا اِرادہ کرے اور دوسرا اُس کے معدوم کرنے کا پس ہرگز ممکن نہیں کہ دونوں کا اِرادہ نافذ ہو سکے ورنہ اجتماع ضدین لازم آئے گا اور نہ یہ ممکن ہے کہ ایک کا اِرادہ نافذ ہو اور دوسرے کا نہ ہو کیونکہ جس کا اِرادہ نافذ نہ ہو سکے گا وہی عاجز ٹھہرے گا اور دوسرا بھی ویسا ہی قرار پائے گا اس واسطے کہ دونوں میں مماثلت منعقد ہو چکی ہے اور دونوں

یکساں ہیں علاوہ بریں یہ بھی ہے کہ جب ایک کا اِرادہ نافذ ہوگا اور دوسرے کا نہیں تو جس کا اِرادہ نافذ ہو جائے گا وہی خدا ٹھہرے گا دوسرا نہیں ہوسکتا۔

اب وحدانیت کی دلیل مکمل ہوگئی اور یہی دلیل قرآن مجید میں بھی مجملاً اور علی وجہ الاختصار مذکور ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (لو کان فیھما الھۃ الا اللّٰہ لفسدتا) اگر دونوں میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے یعنی اگر زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنے میں اللہ کے سوا اور خدا بھی قائم ہو سکتے اگرچہ اللہ بھی اُن کے ساتھ ہوتا تو وہ دونوں درہم و برہم ہو جاتے۔ یعنی آسمان و زمین کا وجود ہی نہ ہوتا لیکن اُن دونوں کا وجود نہ ہونا باطل ہے اِس لئے کہ اُن کا موجود ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے۔

پس وہ شے یعنی اللہ کے سوا جنس خدا کا موجود ہونا (یعنی کسی اور خدا کا موجود ہونا) بھی جس سے کہ یہ خرابی لازم آئی باطل ٹھہرے تو اب ثابت ہو گیا کہ زمین اور آسمانوں میں یعنی عالم میں اللہ کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہو سکتا بلکہ وہی خدائی کے ساتھ مفرد اور یکتا ہے اور یہی مقصود تھا۔ یہ نہیں ہے کہ خدا کی جماعت ہی محال ہو بلکہ خدا کا مجرد متعدد ہونا محال ہے۔ چنانچہ ہم نے اپنے قول جنس خدا سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر سابق میں دونوں خداؤں کے متفق ہو جانے کے احتمال کو جو فرض کیا ہے وہ محض سرسری نظر کے لحاظ سے ہے ورنہ جب غور کیا جائے تو دونوں خداؤں کے متفق ہونے اور صلح کر لینے کا سرے سے احتمال ہی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ خدائی کا مرتبہ عام غلبہ اور کامل استقلال کو مقتضی ہے جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی طرف اس قول میں اشارہ کیا ہے (اذا للذھب کل الہ بما خلق و لعلی بعضھم علی بعض) اب تو (یعنی اگر کئی خدا مانے جائیں) ہر ہر خدا اپنی اپنی پیدا کی ہوئی اشیاء کو لے جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر بیٹھتا (یہ تو آپ نے سُن لیا اب میں اس اَمر پر مکرر تنبیہ کرتا ہوں کہ یہ دلیل اور اسی طرح اور دلیلیں صرف اُنہیں کے مقابلہ میں قائم کی جا سکتی ہیں کہ جو خدائے عالم کے وجود کو تو مانتے ہیں لیکن وہ متعدد خداؤں کے مدعی ہیں

پس وہ اس قسم کی دلیلوں سے اپنے تعدد کے دعوے سے باز رکھے جاسکتے ہیں رہے وہ لوگ جو عالم کے لئے کسی خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے اُن کے مقابلہ میں اس دلیل کا قائم کرنا اُسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جبکہ اُن پر اُس اَمر کا ماننا لازم کردیا جائے کہ عالم کیلئے ضرور کوئی خدا ہے جس نے کہ اُسے ایجاد کیا پھر اُن کو خدائی کے منصب کو اور جس عظمت اور استقلال کو کوئی خدائی کا منصب مقتضی ہے اچھی طرح سے سمجھا دیا جائے ورنہ اُنہیں اس کی کیا پرواہوگی کہ خدا کا عجز لازم آتا ہے یا اس کے سوا اور محالات جن کا کہ دلیل سابق میں پیشتر ذکر ہو چکا ہے لازم آتے ہیں پس اس سے ذرا آگاہ رہنا چاہئے)

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے دیکھا کہ اتنی ہی صفات جو کہ خدا موجد عالم کیلئے ثابت ہوئیں ہر چند کہ خدائی کا مدار ٹھہر سکتی ہیں اور وہ صفات وجود۔ قدم۔ بقاء۔ حوادث کے ساتھ مخالفت اُس کا بنفسہٖ قائم ہونا یعنی استقلالاً موجود ہونا۔ وحدانیت۔ علم۔ قدرت۔ اِرادہ اور حیات ہیں اور اگر خدا صرف انہیں صفات کے ساتھ موصوف ہو تب بھی وجود کائنات کی علت بننے کیلئے کافی سمجھا جاسکتا ہے اور ہر عاقل اتنے پر قناعت کرسکتا ہے لیکن اُنہوں نے اس خدائے پاک کی شان میں اور بھی غور کرنا شروع کیا اور اُس کی عجیب وغریب مصنوعات اور اُس کی کمال پائیداری میں تامل کیا تو کہنے لگے کہ جب اُس کی مصنوعات میں یہ کمال موجود ہو تو کیا وہ خدائے پاک صفات کمالیہ میں سے کسی صفت میں خود ناقص بھی ٹھہر سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ جہاں تک ہم خیال کرسکتے ہیں کسی کو ایسا نہیں پاتے کہ وہ اپنی مثل کوئی شے ایجاد کرسکے چہ جائیکہ ناقص کسی کامل کو ایجاد کرے یا کامل اپنے سے اکمل کو ایجاد کرنے کے قابل ہو سکے۔ انہیں حیوانات کو لیجئے کہ وہ کچھ ہی کیوں نہ بنائیں اور ایجاد کریں لیکن ہم ہمیشہ اُن کو اس سے عاجز ہی پاتے ہیں کہ وہ حیوانیت میں اپنے مثل یا اپنے قریب قریب بھی بناسکیں اور حیوانات کو بھی جانے دیجئے۔ انسان کو لیجئے کہ جو سب سے زیادہ جاننے والا اور صنعت کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا قادر مانا جاتا ہے وہ بھی کچھ ہی کیوں نہ بنائے اور

ایجاد کرے لیکن جب دیکھا جاتا ہے تو وہ اپنی مثل یا اپنے سے اکمل بنانا تو جدا رہا اُس کے مصنوعات میں اُس کمال کے قریب قریب بھی نمودار نہیں ہوتا۔ جو کہ خود اُس میں قائم ہے حیوان یا انسان کا بنانا تو بالائے طاق رہا اِنسان میں نبات بنانے کی تو قدرت ہی نہیں۔ غایت سے غایت وہ جو کچھ بنا سکتا ہے یہ ہے کہ وہ جمادی صورت جو کہ حیات سے بالکل خالی ہوتی ہے تراش لیتا ہے یا چند عناصر کو جمع کر کے کیمیاوی ترکیب دے سکتا ہے کہ جس میں حیات کا ذرّہ برابر بھی نشان نہیں پایا جاتا۔ یا کلیں ایجاد کر سکتا ہے کہ جو قدرتی قوانین جرثقیلی کے موافق غیر دائمی اور ناپائیدار حرکت کرنے لگتی ہیں اور پھر نہ اُن میں حیات کا نام ونشان ہوتا ہے اور نہ احساس کا۔ اور جب وہ کسی حیوان یا نبات میں اُس کی صورت کے متغیر کرنے کیلئے کسی قسم کا تصرف کرنا چاہتا ہے تو وہ خود ہرگز اس پر قدرت حاصل نہیں کر سکتا آخر کار چار و ناچار اُنہیں قوانین قدرت کے استعمال کرنے پر مجبور ہوتا ہے جو تغیر دینے کیلئے اُس خدائے پاک کی جانب سے مقرر ہیں اور جو تغیر کہ اُس سے حادث ہوتی ہے وہ حقیقت میں اُس کا فعل بھی نہیں ہے اُس کو صرف اسی قدر دخل ہے کہ اس نے اُس قانونِ قدرت کو دریافت کر لیا جس سے کہ تغیر پیدا ہو سکتی ہے اور پھر اُس نے جس شے کو تغیر دینا مقصود ہے اُس پر اُسے مسلط کر دیا اور اگر یہ تغیر اُس کے بنانے اور اُس کے پیدا کرنے سے ہوتی تو اُس کے ظاہر ہونے سے قبل ضرور اُس کو اُس کے تمام حالات کی تفصیلی واقفیت ہوتی وہ اُس کی مقدار اور کیفیت کو پوری تدقیق کے ساتھ جان سکتا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بیان اس کا یہ ہے کہ جب کوئی انسان اس بات کا اِرادہ کرتا ہے کہ وہ کسی پرند کے بچہ کو اُس کی خلقت میں بدصورت کر دے تو وہ انڈے میں ایک جانب سے قوی حرارت پہنچاتا ہے اور دوسری جانب سے ذرا ضعیف۔ اس سے بچہ میں ایک خاص قسم کی بدصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔

پس یہ بدصورتی اس انسان کا فعل ہرگز نہیں ہو سکتی ورنہ انڈے سے نکلنے سے پہلے ہی اس صورت کی بدنمائی کی مقدار۔ اس کی کیفیت اور یہ کہ بچہ کے کس موقع پر یہ

خرابی پیدا ہوئی پوری تدقیق کے ساتھ جانتا اور اُس سے واقف ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا غایت سے غایت وہ تجربہ سے یا اتفاقی طور پر اُس قانون قدرت پر مطلع ہو گیا جس کی وجہ سے کہ انڈے میں بچہ کی صورت بدل جاتی ہے اور بدنما ہو جاتا ہے اور اُس قانون کو وہ استعمال کرنے لگا جیسے کہ کسی شخص کو یہ معلوم ہو گیا کہ پانی سے پیاس بُجھ جاتی ہے پھر جب اُسے پیاس لگتی ہے تو وہ اپنے معدہ میں پانی پہنچا لیتا ہے اُس سے اُسے سیرابی حاصل ہو جاتی ہے اور اُس کی پیاس بُجھ جاتی ہے تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس شخص نے کہ اپنے معدہ میں پانی پہنچایا ہے خود اُسی نے سیرابی کو بھی پیدا کیا اور پیاس کو دفع کر دیا اور کیا یہ اُس کے مصنوعات میں شمار کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس اُس کا اتنا ہی فعل ہے کہ اُس نے اپنے معدہ میں پانی پہنچا لیا۔ پانی جب معدہ میں پہنچا تو اُس سے معدہ کی حرارت ٹھنڈی پڑی اور پیاس جاتی رہی اب یہ جو کچھ حاصل ہوا اُس میں پانی پہنچانے والے کی ذرا بھی تاثیر نہیں۔ اس موقع سے یہ اَمر بطریق اولیٰ واضح ہو گیا کہ کھیت کا کاشتکار درختوں کے نکلنے اور اُن کے بارآور ہونے میں اُس کیلئے مقررہ قوانین قدرت استعمال کر کے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے اُس کی نسبت یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ اُسی نے کھیت کے درختوں کو ایجاد کیا اور بنایا ہے اُن سے پھل نکالے ہیں اور اُن کی عجیب و غریب ترکیب اور حیرت انگیز خواص کا وہی پیدا کرنے والا ہے اس لئے کہ اُس میں سے فی الحقیقت کوئی شے بھی اُس کی بنائی ہوئی نہیں ہاں اگر مجازی اطلاق کو آپ لیتے ہیں تو اُس میں کوئی مضائقہ نہیں اُس کو ہم بھی مانتے ہیں اسی طرح تمام اُن اشیاء کی نسبت جن کے وجود کا سبب اِنسان عالم کے مقررہ قوانین قدرت استعمال کر کے ہوا کرتا ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُن کا انسان بنانے والا اور موجد نہیں صرف اُس کا کام اتنا ہے کہ وہ مقررہ قوانین قدرت کو اُن کے مقررہ راستوں میں جاری کر دیتا ہے اُس کے بعد تمام آثار اُن سے پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ انسان آثار کو نہیں پیدا کرتا (عنقریب اس کا بیان آتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اس اَمر کے

قائل ہیں کہ یہ تمام آثار قوانین قدرت سے خدائے تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ظہور میں آتے ہیں نہ فقط قوانین قدرت کے ذاتی اثر سے چنانچہ اس کی تحقیق عنقریب آئے گی)

پس جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک یہ بات جس کا پیشتر ذکر ہوا واضح ہوگئی کہ کوئی شے اپنے مثل کے بنانے پر بھی قادر نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ وہ اپنے سے بڑھ کر اور اکمل شے کو بنائے تو وہ کہنے لگے کہ یہ لازمی اَمر ہے کہ جس خدا نے مادہ کو ان عجیب وغریب قوانین قدرت کے ساتھ ایجاد کیا جن کی وجہ سے کہ اُس میں بے شمار تطورات اور تغیرات کی قابلیت آگئی اور اُس سے یہ حیرت انگیز بے حد انواع وجود میں آئیں ضرور اُس خدا کی جملہ صفات جو کہ اُس کیلئے دلیل سے ثابت ہوئیں اور جو صفات کمالیہ کہ اُس کی ذات کے شایاں ہیں سب مرتبہ کمال کو پہنچی ہوئی ہوں۔ ورنہ وہ اپنے مصنوعات کے مثل یا اُن سے بھی کم تر ٹھہرے گا حالانکہ یہ اَمر اُس کے خلاف ہے جس کو کہ عقل یقینی طور پر جان چکی اور اُس کی تصدیق کرچکی۔ پس وہ اس کے معتقد ہوگئے کہ وہ خدا ضرور ضرور سمیع۔ بصیر۔ متکلم۔ اور تمام صفات کمالیہ کے ساتھ جو اُس کی ذات کے شایاں ہیں متصف ہے اس لئے کہ یہ بات عقل میں نہیں آسکتی کہ وہ بہرا، اندھا، گونگا ہو اور پھر اُسی نے قوت سمع کو پیدا کیا ہو، آنکھوں کو روشن کیا ہو۔ کلام کے ساتھ زبان کو جاری کیا ہو اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ صف کمالیہ میں ناقص ہو حالانکہ اُسی نے صفت کمالیہ کی نظیر کو اپنے مصنوعات میں نہایت ہی کامل طور پر ایجاد کیا ہے لیکن جتنی صفات کا کہ وہ خدا کی نسبت اعتقاد رکھتے ہیں اُن کے بارے میں اُنہیں یقین ہے کہ نہ وہ حوادث کی سی صفات ہیں اور نہ حقیقت میں اُن کے مشابہ ٹھہر سکتی ہیں اگرچہ باہم اُن میں آثار کی مشابہت کی وجہ سے مشارکت اسمی پائی جائے اور اس اَمر کا پیشتر بیان ہوچکا ہے کہ آثار کی مشابہت سے حقیقت کی مشابہت ضروری نہیں پس خدا سننے میں ہماری طرح کان کا محتاج نہیں بلکہ اُس کی صفت قدیمہ ہے جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس سے کہ تمام مسموعات اُس پر منکشف ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح اُس کا دیکھنا آنکھ کی پتلی پر

موقوف نہیں بلکہ وہ بھی صفت قدیمہ ہے جو کہ اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس سے کہ تمام مبصرات اُس کے نزدیک منکشف ہو جاتے ہیں اُس کا کلام ہماری طرح آواز اور حرف سے نہیں ہوسکتا بلکہ وہ بھی صفت قدیمہ ہے جو کہ اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنی مخلوقات میں سے جس کسی کو جو کچھ سمجھانا چاہتا ہے سمجھا سکتا ہے۔اسی طرح تمام اُن باقی صفات یعنی علم۔ اِرادہ۔قدرت حیات وغیرہ کی نسبت جو سابق میں بیان ہوئیں یہی کہا جاسکتا ہے پس وہ ساری صفات قدیمہ ہیں جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں جن میں سے ہر ایک کا اُس کے مقتضا کے موافق اشیاء کے ساتھ تعلق ہوتا ہے خواہ بطور انکشاف کے ہو یا تخصیص کے یا احداث کے ورنہ اگر اُس کی صفات حوادث کی سی صفات مانی جائیں گی تو وہ بھی اُنہیں کی طرح حادث ٹھہرے گا حالانکہ اُس کے قدم کے ضروری ہونے پر اور اُس کے حدوث کے محال ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اور اس کا تفصیلی بیان پہلے گذر چکا ہے۔

پھر جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اسی خدائے پاک کی جانب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اُن دلائل کی وجہ سے جو آپ کے صدق پر قائم ہو چکی ہیں یقین کر چکے تو اُنہوں نے دیکھا کہ آپ کی شریعت خدائے عالم کیلئے صفات سابق الذکر جو عقلی دلائل سے معلوم ہوئیں ثابت کرتی ہے اور یہ وہ صفات ہیں جن پر خدائی کا مدار ہے اور نیز وہ صفات کمالیہ جن کیلئے کہ اُس کی شان عظیم مقتضی ہے اور سوا اس کے عدل۔رحمت۔کرم۔ ہدایت احسان اور ایسی ہی اور صفات بھی کہ جن کا پتہ نصوص شرعیہ سے لگتا ہے اسی قبیل سے ہیں۔ باوجود اس کے اُنہوں نے یہ بھی پایا کہ ان صفات کے علاوہ اس شریعت نے خدا کیلئے چند ایسی صفات کو بھی ثابت کیا کہ دلیل عقلی جن کے (ثبوت ہی پر دلالت کرتی ہے اور نہ اُن کی نفی پر لیکن شریعت محمدیہ میں چونکہ اُن کی تصریح کی گئی تھی وہ اُن صفات کے بھی معتقد ہو گئے اس لئے کہ اُن صفات کے خبر دینے والے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) صادق ہیں اور اُن کا صدق اُن

دلائل قاطعہ کی وجہ سے جو اُن کے صدق پر قائم ہو چکیں یقینی تسلیم کیا گیا ہے اور عقل اُن صفات کو محال بھی نہیں سمجھتی کہ اُن کے ماننے میں کچھ پس وپیش کرنے کا موقع ہوتا۔

اسی طرح اس شریعت میں خدائے پاک کے لئے چند ایسی اشیاء کو بھی ثابت کیا ہے جن سے کہ بظاہر جسمیت کا شبہ پڑتا ہے اور یہ اشیاء جیسے کہ چہرہ۔ آنکھ۔ ہاتھ۔ اُنگلی۔ قدم وغیرہ ہیں پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے ان اشیاء کو خدا کے لئے ثابت تو کیا لیکن چونکہ عقلی اور نقلی دلیل کی رو سے خدا کا جسمیت سے منزہ اور پاک ہونا ثابت ہو چکا تھا اس لئے اُنہوں نے اُن کے ظاہری معانی نہیں تسلیم کئے اور یہ اعتقاد رکھا کہ ان کے معانی جو ہوں خدا کی ذات کے مناسب ہیں حوادث میں ان کے جو معانی سمجھے جاتے ہیں وہ ہرگز نہیں ہو سکتے رہا ان کی حقیقت کا علم وہ اُنہوں نے اُسی خدائے پاک پر رکھا اور اُس کے حوالے کیا۔ اسی لئے وہ اس اَمر کے قائل ہو گئے کہ مثلاً خدا کا ہاتھ تو ہے لیکن وہ ہمارے ہاتھوں کی طرح نہیں ہو سکتا اِسی طرح اُس کی آنکھ بھی ہے لیکن ہماری آنکھوں کی طرح نہیں ہو سکتی علیٰ ہذا القیاس اور اشیاء کو بھی سمجھئے اتنا تو ہم کہہ سکتے ہیں باقی رہی اس کے مرادی معنے کی حقیقت اُسے خدا ہی خوب جانتا ہے پس اس طور پر وہ خدا کو منزہ مانتے ہیں اور حقیقی علم خدا کے حوالے کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ جہاں تک کہ عقل کی دلالت اور شریعت محمدیہ سے معلوم ہوا اُس کے موافق وہ خدا کو تمام کمالات کے ساتھ جو اُس کی شان عالی کے سزاوار ہیں موصوف مانتے ہیں اور تمام نقائص سے کہ جو اُس کو زیبا نہیں منزہ اور مبرّا اعتقاد کرتے ہیں۔

خدا کے اسماء توصیفی ہیں اور اللہ علم ذات ہے

پھر اس شریعت نے جیسے کہ خدا کی صفات بتلائی ہیں اُسی طرح اُس کے وہ نام بھی جو اُس نے اپنے لئے خود تجویز کئے ہیں بتلائے اُنہیں میں سے لفظ (اللہ) ہے جو اُس کا خاص نام ہے دوسرے پر اطلاق نہیں ہوتا اس لفظ کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

بعثت کے قبل بھی اگر چہ عالم کے پیدا کرنے والے پر عربی زبان میں اطلاق موجود تھا لیکن شریعت نے بھی خدائے تعالیٰ پر اسی لفظ کو اطلاق کیا اس لئے اس طرح پر اس میں شرعی حیثیت پیدا ہوگئی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک یہ نام شرعی نام سمجھا گیا جس میں کہ انہوں نے شریعت محمدیہ کا لحاظ کیا نہ فقط عربی لغت کا اسی طرح پر خدائے تعالیٰ کے باقی ناموں کو سمجھئے۔ پھر شریعت محمدیہ نے جیسے کہ اپنے پیروی کرنے والوں کو خدا کے وجود کے اور اُس کے اُن صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہونے کی تعلیم دی جن کے یا تو ثبوت ہی پر عقل دلالت کرتی ہے یا خدا کیلئے اُن کو جائز رکھتی ہے اور اُس کے نام بتلائے اِسی طرح اُس نے خدا کے وجود پر اُس کی عظمت پر اُس کی تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہونے پر عقلی دلیل سے استدلال کرنے کا طریق بھی سکھلایا عام ہے کہ وہ دلائل برہانی قطعی ہوں یا اطمینان بخش دلائل ہوں جن سے کہ قلوب کی پوری تسکین ہو جاتی ہے اور دِل اُن کو فوراً قبول کر لیتا ہے۔ اس طرح پر اسلامی اُمور کے اثبات کیلئے نہایت ہی وسیع طریق اُن کے ہاتھ لگا اور عقلی اُصول پر اسلامی خوبیاں ثابت کرنے کے واسطے اُن پر بہت بڑا دروازہ کھل گیا چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ اُن میں سے چند اُمور کو ذکر کروں جو کہ خدائے عالم کے وجود پر صفات کاملہ کے ساتھ اُس کے موصوف ہونے پر۔ اُس کی اور اُس کی صفات کی عظمت پر۔ اور پھر اُن کے آثار کی وسعت پر دلالت کرتے ہیں جس سے کہ دِلوں میں اُس کی شان عظیم کی عظمت پیدا ہوتی ہے اور ایک سے ایک مصنوعات اور اعلیٰ سے اعلیٰ عجیب وغریب اشیاء کے بنانے پر اُس کو پوری قدرت حاصل ہونے کا دِلوں کو یقین ہوتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود کے بیان کرنے سے پہلے میں ایک مقدمہ ذکر کروں جس سے کہ مطلب کے سمجھنے میں سہولت پیدا ہو جائے اور جو کہ مقصود کے ساتھ اپنے لگاؤ کی وجہ سے بہت کچھ نافع ثابت ہو پس میں کہتا ہوں کہ یہ اَمر تو مخفی نہیں کہ مادہ اور اُس کے انواع کیلئے کچھ عام صفات ہیں جیسے کہ تحیز (یعنی

کسی نہ کسی قدر رخلا کو گھیرنا) جو تمام اجسام میں پایا جاتا ہے اور کچھ خاص صفات ہیں
جیسے کہ لوہے کا ہتھوڑے کی چوٹ کھا سکنا اور شیشہ کا چور چور ہو جانا یہ دونوں صفات
اجسام کی ایک ایک نوع کے ساتھ خاص ہیں اور آپ لوگوں کی علمی (سائنس کی)
کتابوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انواع مادہ میں سے کسی سے بھی عام صفات منفک
نہیں ہوسکتیں اُن کا منفک اور جدا ہو جانا محال ہے باقی رہیں خاص صفات اُن کی
نسبت آپ لوگوں کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن میں سے ہر صفت جس جسم میں
کہ پائی جاتی ہے کسی نہ کسی طبعی سبب سے اُس سے ضرور جدا ہوسکتی ہے چنانچہ آپ
لوگ کہتے ہیں کہ مثلاً لوہے سے ہتھوڑے کی چوٹ سے بڑھئی کی صفت جدا ہوسکتی
ہے اور پھر اس میں اُس کی چوٹ سے ریزہ ریزہ ہو جانے کی صفت جبکہ اُسے فلاں
عرق میں بھگویا جائے تو پیدا ہوسکتی ہے زلزلہ آنے کے وقت مقناطیس سے لوہے کی
کشش کرنے کی قوت جاتی رہتی ہے اسی بناء پر ایک آلہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے
زلزلہ کا قریب الوقوع ہونا دریافت ہوسکتا ہے تا کہ انسان اس سے محفوظ رہ سکے۔

پس یہ اس اَمر کی تصریح ہے کہ جسم کی خاص صفات اسباب طبعیہ میں سے کسی
نہ کسی سبب سے ضرور جدا ہوسکتی ہیں جیسا کہ ہم نے پیشتر ذکر کیا لیکن محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کے پیَرواُن عام صفات کی نسبت جن کا ثبوت اُن کے نزدیک مادہ کے جمیع
انواع میں مدلل ہو چکا ہے یہ کہتے ہیں کہ ہمیں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ
صفات دو قسم پر منقسم پائی جاتی ہیں بعض تو ایسی ہیں کہ مادہ کے تمام انواع میں سے کسی
سے بھی منفک نہیں ہوسکتیں اُن کا منفک اور جدا ہو جانا محال ہے اور اس قسم کی صفات
کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی قدرت باوجود اُن کے متحقق الوجود ہونے کے اُن کے
معدوم کرنے کے لئے متعلق نہیں ہوسکتی اس لئے کہ خدا کی قدرت اَمر واجب یعنی
ایسی شے کے اعدام کے ساتھ جس کا وجود ضروری اور معدوم ہونا محال ہے متعلق نہیں
ہوا کرتی جیسے کہ جسم کیلئے تحیز یعنی جسم کا کسی نہ کسی قدر رخلا کو گھیرنا، پس ممکن نہیں ہے کہ

کوئی جسم بغیر کسی قدر خلا کے گھیرے ہوئے پایا جائے۔

دوسری قسم وہ ہے کہ جمیع انواع سے جس کے منفک ہونے کو عقل جائز رکھتی ہے۔ پس کوئی اَمر مانع نہیں ہوسکتا کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت ایسی صفت کے معدوم کرنے کے ساتھ عام ہے کہ تمام انواع سے ہو یا کسی خاص نوع سے متعلق ہو جائے۔ کیونکہ یہ اَمر عقلاً ممکن ہے اور جو اَمر عقلاً ممکن ہوتا ہے وہ ضرور خدائے تعالیٰ کی قدرت کے تصرف کے تحت آ سکتا ہے جیسے کہ اجسام کی عام کشش جس کی وجہ سے ایک جسم دوسرے کو کشش کرتا ہے اور ایسے ہی کشش اتصال یعنی جس کشش کی وجہ سے کسی جسم کے ایک ہی جنس کے اجزاء فردہ یعنی ذرّے جیسے لوہے کے مثلاً باہم ملے رہتے ہیں اور اُن کے ملنے کی وجہ سے جسم بن جاتا ہے اسی قسم کی اور صفات لے لیجئے۔ پس وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا ثبوت اگرچہ اجسام میں پایا جاتا ہے لیکن اُن کیلئے عقلاً لازمی نہیں ہے بلکہ اُس کا ثبوت اجسام میں امکان عقلی کے طور پر ہے یعنی عقل کیلئے یہ ممکن ہے کہ اجسام کا اس قسم کی صفت کے ساتھ تصور کرے یا اُن کا تصور بنا اس صفت کے کرے پس اس سے کون سا اَمر مانع ہوسکتا ہے کہ اگر ہم کسی جسم کو عام کشش سے خالی تصور کریں یعنی وہ نہ کسی دوسرے جسم کو کشش کرے اور نہ دوسرا جسم اُس کو اسی طرح اس میں بھی کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی کہ اگر ہم کسی جسم کو کشش اتصال سے خالی تصور کریں اور اُس کی ذات کا باہم ملنا کسی دوسرے سبب سے مان لیں علاوہ بریں آپ لوگوں کا جسم میں کشش اتصال کے ساتھ قوت مدافعت کے وجود کا بھی قائل ہونا گویا اجتماع نقیضین کو ماننا ہے قوت مدافعت سے وہ قوت مراد ہے جس کی وجہ سے جسم کے ذرّات پورے طور سے مل نہیں سکتے اور وہ اُن کو ملنے سے روکتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسم میں خلا اور مسامات باقی رہ جاتے ہیں اور یہی قوت خارجی قوت کا جبکہ وہ جسم پر دباؤ ڈالتی ہے مقابلہ کرتی ہے جیسا کہ آپ لوگوں کی کتابوں میں اس کا صریحی بیان موجود ہے۔ اگر آپ کہیں کہ بغیر اس قوت کے تو اجسام کا بننا ہی خیال میں نہیں آ

سکتا۔ تو ہم جواب دیں گے کہ ہمارے نزدیک خدا کی قدرت سے بغیر اس قوت کے مانے ہوئے دوسرے طور پر بھی ممکن ہے اور اگر ہم اس موقع پر کسی سبب ہی کے قائل ہو جائیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے کہ سوائے اس قدرت مدافعت کے کوئی دوسرا سبب ہو۔ بھلا بتلایئے اسی میں کون سی قباحت ہے کہ یہی اجزاء فردہ (ذرّات بسیط) جن کے اجسام میں موجود ہونے کے آپ قائل ہیں ممکن ہے کہ انہیں کی شکلیں ایسی ہوں کہ اُن میں کچھ اُبھار پائے جاتے ہوں اور کسی قدر تجادیف یعنی گڑھے بھی موجود ہوں پس ان اجزاء کے مجتمع ہونے کے وقت یہی اُبھار اُن گڑھوں میں گھس کر خوب جم جاتے ہوں پس جب یہ گڑھے اُن اُبھاروں پر دباؤ پا کر نہ بیٹھتے ہوں یا کسی سبب سے جیسے کہ حرارت جو کہ اُن ذرّات کو پھیلا دیتی ہے دباؤ کم پڑتا ہو تو جسم سیال یا از قسم گیس بن جاتا ہو اور جب یہ اُبھار گڑھوں میں دب جاتے ہوں یا کسی سبب سے جیسے کہ برودت دباؤ شدید پڑتا ہو تو جسم میں بمقدار دباؤ کے سختی آ جاتی ہو اور ٹھوس جسم بنتا ہو۔ ﴿گیس کی قسم کے وہ اجسام کہلاتے ہیں جو مثل ہوا کے نظر نہیں آتے۔۱۲۔ مترجم﴾

اب اس موقع پر قوت مدافعت کی وجہ سے باہم ذرّات کی مدافعت کے بجائے یہ علت بیان کی جا سکتی ہے کہ جب یہی گڑھے ایسے تنگ ہوتے ہیں جس میں کہ یہ اُبھار پورے طور سے نہیں سما سکتے تو ذرّات کے مابین خلا باقی رہ جاتے ہیں اور یہی وہ مسامات اور سوراخ ہیں جو ہر جسم میں پائے جاتے ہیں اور یہ ایسی علت ہے جس سے کہ اجسام متحد الجنس کے ذرّات کے باہم ملے رہنے کی وجہ جس طرح ظاہر ہوتی ہے اُسی طرح عقل کیلئے اجسام مختلف الجنس کے باہم ملنے کی وجہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے جیسے کہ مابین گوند اور کاغذ کے ہوتا ہے۔ مراد اس علت سے اجزا فردہ (ذرّات بسیطہ) میں اُبھار اور خلا پائے جانے کی وجہ سے اس اَمر کا واقع ہونا ہے اور ظہور کی وجہ یہ ہے کہ یہ علت آپ لوگوں کی اُس علت سے جو کہ آپ نے ذرّوں کے باہم ملنے کیلئے بیان کی ہے یعنی یہ کہ یہ اَمر بذریعہ قوت کشش اتصال کی انجام پاتا ہے جو کہ

اجسام مختلف الجنس میں موجود ہوتی ہے عقل سے قریب تر ہے جیسا کہ ہم نے پیشتر بیان کیا اور جب کہ آپ لوگوں کے نزدیک ان اجزا فردہ (ذرّات بسیطہ) کی مختلف شکلیں ہیں اور وہ اگرچہ بالفعل قسمت نہیں قبول کرتے لیکن وہ عقلی قسمت کو ضرور قبول کر سکتے ہیں جیسا کہ آپ لوگوں کی کتابوں میں موجود ہے تو ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم کچھ اُبھار اور خلا فرض کر کے آپ لوگوں کو الزام دیں بخلاف اُن اجزاء بسیطہ کے جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک ہیں کیونکہ اُن میں یہ بات نہیں ہو سکتی۔ اس تقریر سے کہیں یہ نہ سمجھ جائے گا کہ میں اجزاء فردہ (ذرّات بسیطہ) میں اُبھار اور خلا کے وجود کو مانتا ہوں اور اس پر میں نے اپنی علت کو مبنی کیا ہے کیونکہ اس تعلیل پر بھی اشکالات کے وارد ہونے سے میں مامون نہیں ہوں میں نے تو صرف یہ دِکھلانے کیلئے آپ کی تعلیل میں ایک احتمال نکالا ہے کہ دیکھئے آپ کی تعلیل کہاں تک پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے اور یہ کہ دوسری تعلیل آپ کی تعلیل سے قریب تر ہے۔ خلاصہ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو یہ نہیں کہتے ہیں کہ صفات عامہ جو پیشتر مذکور ہوئیں ایسی ہی اور بھی اجسام میں موجود نہیں ہیں اور نہ وہ اجسام میں اُن کے موجود ہونے سے انکار کرتے ہیں یہاں تک کہ آپ کو اُن کے ثبوت پر دلائل قائم کرنے کی تکلیف گوارا کرنا پڑے وہ تو اُن کے ثبوت کو مان کر صرف یہ کہتے ہیں کہ وہ عقلاً ضروری نہیں ہیں بلکہ وہ اجسام میں موجود بھی رہ سکتی ہیں اور اُن سے معدوم بھی ہو سکتی ہیں اِس لئے کہ عقل اُن سے نہ اُن کے موجود ہونے کو محال سمجھتی ہے اور نہ اُن سے اُن کے معدوم ہونے کو۔ اور جب اُن کی یہ حالت ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے تحت تصرف میں جو کہ تمام اُن اشیاء پر جو کہ عقلاً ممکن ہیں قادر ہے ضرور داخل ہو سکتی ہیں جیسا کہ پیشتر ثابت ہو چکا ہے۔ پس جیسے کہ اُس نے اُنہیں ایجاد کیا ہے باوجود اجسام کے موجود رہنے کے وہ اُن کے معدوم کرنے پر بھی قادر ہے یہاں تک کہ کشش اتصال کے معدوم کرنے پر بھی کیونکہ وہ نفس اجسام کے بننے کیلئے لازمی نہیں ہے جیسا کہ آپ لوگوں کے کلام سے ظاہر ہوتا

ہے بلکہ وہ خدائے پاک بلاقوت کششِ اتصال کے بھی اجزاءفردہ (ذرّات بسیطہ)
کے مجتمع کرنے پر کسی سبب کے ذریعہ سے ہو یا بلا وساطت کسی سبب کے ہر طرح پر قادر
ہے اگرچہ وہ لوگ خدائے پاک کی عادت پر جو کہ اُس نے اس عالم میں جاری کر رکھی
ہے قیاس کر کے پہلی ہی بات کے قائل ہوں گے اور وہ عادت یہ ہے کہ خدا نے اس
عالم میں ہر شے کو ایک سبب کے ساتھ مرتبط کر رکھا ہے یعنی اُس نے اپنی یہ عادت
ٹھہرائی ہے کہ جب کوئی سبب پایا جاتا ہے تو وہ اُس کے مسبب کو بھی ایجاد کر دیتا ہے۔

اب رہیں صفات خاصہ تو اُن کے بارہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا
قول آپ ہی لوگوں کے مثل ہے کہ وہ اپنے موصوفات کیلئے ضروری نہیں ہیں بلکہ اُن
سے جدا ہو سکتی ہیں لیکن آپ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ صفات اپنے موصوفات سے اُس
وقت جدا ہو سکتی ہیں کہ جب اُس کے ذرّات بسیطہ کسی طبعی سبب کی وجہ سے اپنی پہلی
وضع سے متغیر ہو جائیں اور پھر آپ کے نزدیک اس مفارقت کیلئے ایک کافی زمانہ کی
ضرورت پڑتی ہے جو کبھی تو کم اور کبھی اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ ہزاروں برس تک نوبت پہنچ
جاتی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین جب تک کہ اُن کے نزدیک اَمر واقعی کی
حقیقت مدلل نہیں ہوتی یہی کہتے ہیں کہ صفات خاصہ کا اپنے موصوفات سے جدا ہونا
ممکن ہے کہ جسم کے ذرّات بسیطہ کی وضع کے متغیر ہو جانے سے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ
کسی دوسرے سبب سے ہو اور جب اُن کے نزدیک کوئی اَمر مدلل ہو جاتا ہے تو وہ بلا
تکلف مان لیتے ہیں کچھ ہی کیوں نہ ہو بہرحال وہ خدا ہی کے پیدا کرنے سے ہے۔

قوانین قدرت کا محض عادی اسباب ہونا اور سب کچھ حقیقت میں خدا ہی کے پیدا کرنے سے موجود ہونا

اور اُن اسباب کی نسبت جنہیں آپ اُس کے لئے موجب ٹھہراتے ہیں۔
ان کا یہ قول ہے کہ وہ عادی اسباب ہیں یعنی خدائے تعالیٰ کی عادت جاری ہوگئی ہے

کہ اسباب کے پائے جانے کے وقت وہ اُن کے مسببات کو ایجاد کر دیتا ہے اور وہ اسباب اپنے مسبب کیلئے نہ موجب ہیں نہ مؤثر اگرچہ آپ اُن اشیاء کو اُن کے سبب کی جانب نسبت کرتے سنیں گے لیکن اُن کا یہ اعتقاد ہرگز نہیں ہے کہ اُن اسباب کو اُن کے وجود میں بالطبع کچھ اثر ہے بلکہ اِس نسبت کرنے سے اُن کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اس مسبب کو اُس کے سبب کے موجود ہونے کے وقت اپنی عادت کے موافق اس عالم میں پیدا کر دیتا ہے اور اگر وہ چاہے کہ سبب کو پیدا کرے اور مسبب ﴿اس کی بہت واضح مثال یہ ہے کہ لال جھنڈی دکھلانے سے آتی ہوئی ریل فوراً رُک جاتی ہے اور سبز سے برابر چلی آتی ہے تو اہالیان ریل نے جیسے کہ اپنی یہ عادت مقرر کرلی ہے تو کیا وہ بالعکس مقرر نہیں کر سکتے یا بغیر جھنڈی دِکھلائے جانے کے ریل کو نہیں لا سکتے اگرچہ عادت مقررہ کے اعتبار سے یہ لازمی بات ہے کہ سُرخ جھنڈی سے ہمیشہ ریل رُکے گی اور سبز سے آئے گی اور جب وہ اپنی اس عادت کو بدلنا چاہیں تو اس کے خلاف بھی ہو جائے گا یہی مثال خداوندی عادت کی ہے یعنی جو قوانین قدرت یا اسباب طبعی دریافت ہوئے ہیں وہ جھنڈی کے مثل ہیں اور خدا نے اُنہیں کے موافق تمام عالم کا انتظام کر رکھا ہے جب کوئی طبعی سبب پایا جاتا ہے تو اپنی عادت کے موافق وہ اُس کے سبب کو بھی موجود کر دیتا ہے اگر وہ چاہے تو اس کے خلاف بھی کر دے چنانچہ جب وہ کسی مصلحت سے مستمرہ قوانین کے خلاف کوئی اَمر پیدا کرتا ہے تو اُس کو خرق عادت کہتے ہیں۔ جو شخص کہ خدا کو مجبور نہ ٹھہرائے گا اور ذی اختیار مانے گا اُس کو اس کے سمجھنے میں ذرا دِقت نہیں ہو سکتی۔ ۱۲۔ مترجم﴾ کو نہ پیدا کرے۔ یا مسبب کو بغیر اس سبب کے پیدا کرے۔ تو وہ ضرور کر سکتا ہے اور جب یہ اسباب مؤثر نہ ٹھہرے اور مسببات کا وجود خدا ہی کے پیدا کرنے سے قرار پایا تو وہ اس زمانہ کے بارہ میں جس کو کہ آپ لوگ صفات کے اپنے موصوفات سے جدا ہونے کیلئے لازمی مانتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ اتنا زمانہ محض اللہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ کے اعتبار سے ہے اور اگر وہ ایک لحظہ میں موصوفات سے صفات کو جدا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے وہ اتنے دراز زمانہ کے ساتھ پابند ہونے کیلئے مجبور نہیں ہے۔

مثلاً جبکہ آپ یہ کہتے ہیں کہ لوہا فلاں عرق میں جب بھگویا جائے تو بوجہ بھگونے کے اُس کے ذرّات بسیطہ کی وضع متغیر ہو جانے سے اُس سے چوٹ کھا کر بڑھنے کی صفت دُور ہو جائے گی اور اس میں بجائے اس کے چوٹ کھا کر چُور چُور ہو جانے کی صفت آ جائے گی۔ اور اُس کیلئے ایک کافی زمانہ کی ضرورت پڑے گی اور یہ عرق اس تبدیلی میں بطبعہ مؤثر اور موجب ہے اور اتنا زمانہ لازمی ہے یہاں تک کہ بغیر اس کے یہ اَمر پورا ہی نہیں ہوسکتا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اس موقع پر یہ کہیں گے کہ یہ تبدیلی خدا تعالیٰ کے فعل سے اِس طرح پر حاصل ہوئی ہے کہ اُس نے چوٹ کھا کر بڑھنے کی صفت کو معدوم کر دیا اور بجائے اسکے چُور چُور ہو جانے کی صفت کو ایجاد کر دیا عام ہے کہ یہ بات اُس کے ذرّات کی وضع کے متغیر ہو جانے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو یا کسی دوسری وجہ سے جو ہم کو معلوم نہیں ہوئی اور اس تبدیلی میں اس عرق نے بطبعہ اثر نہیں کیا اور نہ اُس کیلئے موجب ہوا بات صرف یہ ہے کہ خدا کی اس عرق میں بھگو دینے کے وقت اس تبدیلی پیدا کر دینے کی عادت جاری ہوگئی ہے اور یہ زمانہ جس میں کہ یہ تبدیلی پوری ہوئی کوئی لازمی شرط نہیں ہے بلکہ خدا اس تبدیلی کے ایک لحظہ میں پیدا کرنے پر قادر ہے جیسے کہ وہ لوہے کو بغیر اس عرق میں بھگونے کے اس تبدیلی کے پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ اِسی طرح اس قول کے بارے میں کہ آگ فلاں جسم کو جلاتی ہے اور پانی پیاس کو بجھا دیتا ہے اور فلاں چیز سے فلاں اثر ہوتا ہے وغیرہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی شے بھی بطبعہ مؤثر نہیں ہے بلکہ جو آثار ان اشیاء سے پیدا ہوتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں حقیقت میں خدا ہی چند شروط اور احوال عادیہ کے ساتھ اُن اشیاء کے پائے جانے کے وقت ان آثار کو پیدا کر دیتا ہے اور وہ ان اشیاء میں سے بغیر کسی شے کے پائے جانے کے بھی جن کو آپ سبب کہتے ہیں اُن آثار کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔

جیسے کہ وہ اُن آثار کو باوجود اُن کے منشاء کے موجود ہونے اور باوجود تمام

شرائط کے پائے جانے اور موانع کے مرتفع ہونے کے معدوم رکھ سکتا ہے۔

جس چیز نے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو اس بات پر جس کا پیشتر بیان ہوا کہ اشیاء میں بالطبع کوئی تاثیر نہیں ہے بلکہ آثار خدا ہی کے پیدا کرنے سے ہوا کرتے ہیں آمادہ کر دیا دو اَمر ہیں۔ اوّل تو وہ دلیلیں ہیں جو اس بات پر قائم ہو چکیں کہ خدا اُن تمام اشیاء کے پیدا کرنے میں جو اس عالم میں ہوا کرتی ہیں متفرد اور مستقل ہے پس اگر اشیاء ان آثار کے وجود میں جو اُن سے ناشی ہوتے ہیں بالطبع مؤثر مانی جائیں گی تو وہ اُن کیلئے ضرور خالق ٹھہریں گی حالانکہ خدائے عالم کے سوا کہ اُسی کا نام ''اللہ'' ہے کسی دوسرے کا خالق ہونا محال ثابت ہو چکا ہے اور اس استحالہ پر دلیل قائم ہو چکی ہے خصوصاً جبکہ ان آثار میں سے بعض نہایت مضبوط اور مستحکم بھی ہوں جن کو دیکھ کر عقل صاف یہی حکم کرتی ہے کہ اُن کے اس استحکام کے ساتھ ہونے کیلئے ضروری ہے کہ اُن کا پیدا کرنے والا صاحب تدبیر۔ پورے علم اور کامل ادراک والا ہو اور ان صفات کا ان جمادی اشیاء کیلئے ثابت کرنا ایسی بات ہے جس کا کوئی عاقل قائل نہیں ہو سکتا مثال کیلئے آپ ایسے نبات کو لیجئے جس میں کہ عجیب عجیب چیزیں جیسے جڑ۔ تنہ۔ شاخیں۔ پتے۔ پھول۔ پھل۔ نسل بڑھنے کے اجزاء اور تخم مع قسم قسم کی شکلوں طرح طرح کے رنگوں۔ ذائقوں اور خاصیتوں کے جسے دیکھ کر عقل چکر میں آ جاتی ہے اور یہ کہ پھر یہ پیدا کاہے سے ہوئیں۔ (۱) مٹی (۲) پانی اور (۳) ہوا سے۔

پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کی عقلیں بلکہ تمام عقول سلیمہ اس بات کو ہرگز قبول نہیں کر سکتیں کہ یہ تمام چیزیں جن کیلئے اعلیٰ درجہ کے علم۔ قدرت اور تدبیر کی ضرورت ہے مٹی۔ پانی اور ہوا نے پیدا کر دی ہوں جو ان تمام صفات سے بالکل خالی ہیں اِسی لئے اُن کے ایجاد اور پیدائش کو ذی قدرت اور اعلیٰ درجے کے واقف کار خدائے پاک کے حوالہ کرتے ہیں جس کی نسبت اُن کے نزدیک دلیل قائم ہو چکی ہے کہ اُسی نے عدم سے اصل مادہ کو گوناگوں اُمور کے قابل پیدا کیا۔

اگر بالفرض خدا کے پیدا کرنے میں مستقل اور متفرد ہونے سے قطع نظر بھی
کرلی جائے تو دوسرا سبب اس کا یہ ہے کہ اُنہوں نے اُنہیں اشیاء میں جن سے کہ یہ
آثار ناشی ہوتے ہیں غور کیا اور اُس کی حقیقت کو سوچا تو انہوں نے دیکھا کہ یہ اشیاء
ان آثار کیلئے ہرگز بالذات مقتضی نہیں ٹھہر سکتیں کیونکہ اُن میں سے کوئی شے ایسی نہیں
پائی گئی جس کی نسبت عقل اس اَمر کے یقین کرنے کو ضروری کردے کہ فلاں اشیاء
فلاں فلاں آثار کیلئے مقتضی ہونا چاہئیں۔ مثلاً حرارت برف کو پگھلا دیتی ہے اور
برودت پانی کو جما دیتی ہے اور جب ان کی حقیقت میں غور کیا جائے تو عقل کے لئے
ان دونوں چیزوں کے انہیں دونوں خاص اثروں کے مقتضی ہونے کی کوئی وجہ ظاہر نہیں
ہوتی جیسے کہ اس بات کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے کہ ہر جسم چیز کو مقتضی ہے (یعنی ہر جسم کسی
نہ کسی قدر خلا کو ضرور گھیرے گا) اور یہ کہ دو جسم مقتضی ہیں کہ وہ متداخل نہیں ہو سکتے اور
ایک ہی چیز یعنی ایک ہی جگہ میں دونوں کا حلول نہیں ہو سکتا مثلاً جب وہ آپ سے کہیں
کہ کیوں صاحب حرارت اور برودت میں معاملہ بالعکس کیوں نہیں ہوا تو آپ کیا
جواب دے سکتے ہیں شاید آپ یہ کہیں کہ ہر ایک کی خاصیت ہی یہ ہے تو وہ آپ سے
دریافت کریں گے کہ ہر ایک کی خاصیت بالعکس کیوں نہ ہوگئی اب آپ یہی کہیں گے
کہ حرارت قوت اتصالیہ کمزور کر دیتی ہے اور بردت اُس کو قوی کرتی ہے پھر وہ آپ
سے پوچھ سکتے ہیں کہ یہ معاملہ بالعکس کیوں نہ ہوا کوئی عقلی وجہ بتلائیے بہر حال اسی
طرح چلے چلئے کہاں تک چلئے گا آخرکار آپ کو بجز اس کہنے کے اور کوئی گنجائش نہیں مل
سکتی کہ اُن میں سے ہر ایک کو ایک ایک خاصیت کے ساتھ کسی خاص کرنے والے نے
خاص کر دیا ہے اسی وجہ سے ہر ایک میں ایک خاصیت پائی جاتی ہے پھر وہ آپ کو یہ بتلا
دیں گے کہ یہ تخصیص کرنے والا وہی خدا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) جس نے کہ مادہ کو ایجاد
کیا ہے اور وہ فاعل مختار ہے اُس نے جس شے کو جس شے کے ساتھ چاہا خاص کر دیا
کیونکہ اختیار کی شان ہی یہ ہے بعد ان سب باتوں کے وہ آپ سے کہیں گے کہ جب

اشیاء مؤثر بالطبع نہ ٹھہریں اور تاثیر خدا ہی کے پیدا کرنے سے ہوئی پس وہ زمانہ جو آثار کے حصول کیلئے مانا گیا ہے کوئی ضروری شرط نہیں ٹھہر سکتا بلکہ وہ محض عادی شرط ہے پس خدا ایک لحظہ میں جیسے کہ پلک مارنا یا اُس سے بھی کم زمانہ میں اثر کے پیدا کرنے پر پورے طور سے قادر ہے کیونکہ دلیل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اللہ کی قدرت کامل ہے حوادث کی قوتیں ایسی نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ اُس کے کرنے میں اُسے زمانہ کی احتیاج نہیں جیسے کہ حوادث کی قوتوں کو احتیاج پڑتی ہے یہاں تک کہ وہ جتنی ہی شدید ہوتی ہیں اُن کے عمل کرنے میں اُتنا ہی کم زمانہ صرف ہوتا ہے اور جتنی ہی وہ کمزور ہوتی ہیں اُتنے ہی زیادہ زمانہ کی ضرورت پڑتی ہے علاوہ بریں یہ بھی ہے کہ اگر اُس کی قوت اپنے عمل کرنے میں زمانہ کی محتاج ہوتی جیسے کہ اور قوی محتاج ہیں تو ہم دیکھتے کہ وہ مصنوعات جو کہ عظیم ہوتے ہیں اور جس میں کہ نہایت باریک صناعیاں بکثرت اشکال تراکیب اور خواص موجود ہوتی ہیں ہمیشہ اُن کے بننے میں اُن مصنوعات کے بننے سے زیادہ دراز ہی زمانہ صرف ہوتا جن میں کہ یہ اُمور نہیں پائے جاتے۔

حالانکہ ایسی بات نہیں ہے اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً پہلی قسم کی ایک نبات بہت ہی تھوڑی مدت میں نکل آتی ہے اور دوسری قسم کی کوئی نبات پہلی قسم کی نکلنے کی مدت سے کئی گونہ طویل مدت میں نکلتی ہے پس یہ اَمر صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زمانہ کا ممتد ہونا خدا کی مخلوقات کے ایجاد کرنے میں کوئی شرط نہیں ہے ورنہ جو مثال ہم نے دی ہے اُس میں ضرور معاملہ بالعکس ہوتا۔ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے اس قول سے کہ ذی آثار اشیاء کا آثار کے لئے سبب بن جانا محض عادی ہے اور ان آثار کے بننے کیلئے یہ زمانہ بھی محض عادی شرط ہے کہیں یہ نہ سمجھ جایئے گا کہ وہ خلاف عادت اُمور کے کثرتِ وقوع کے قائل ہیں۔ یہاں تک کہ آپ اُن سے خرق عادت پر دلالت کرنے والے واقعات کثیرہ کے بیان کرنے کا مطالبہ کریں کیونکہ وہ یہ بات ہرگز نہیں کہتے وہ تو صرف یہ کہتے ہیں کہ ان کی سببیت عادی ہے اور

وہ زمانہ بھی شرط عادی ہے اور خدا خلاف عادت کرنے پر قادر ہے اور یہ محال نہیں ہے لیکن خلاف عادت کرنا خدا ہے سوائے چند مخصوص حالتوں کے مثلاً کسی نبی کے معجزہ یا کسی ولی کی کرامت کیلئے اور کبھی ثابت نہیں ہوا۔

جیسا کہ اُن کے یہاں بالتواتر منقول ہے یا اُنہوں نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بچشم خود دیکھا ہے جبکہ اُنہوں نے رسالت کا دعویٰ کیا تھا اور اُن کے ہاتھ پر معجزات اور خوارق عادات ظاہر ہوئے تھے۔ پس جب یہ پیشتر بیان کیا ہوا مقدمہ متقرر ہو گیا اور آپ لوگوں نے اُسے اپنے دلوں میں جگہ دے لی تو آیئے ہم اور آپ مل کر اس عالم کے مادہ اُس کی انواع اور اُن عجیب وغریب صورتوں میں جن پر وہ مشتمل ہے اور اُن حیرت انگیز گوناگوں تبدیلیوں میں جو اُن میں واقع ہوتی رہتی ہیں غور کریں اور دیکھیں تاکہ ہمیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ مادہ میں اُن اُمور کا قیام مادہ اور اُس کے ذرّات کی حرکت کے فعل سے ہے یا اُن چیزوں میں سے باہم ایک کے دوسرے میں تاثیر کرنے کے باعث ہے یا اُس خدا کے فعل سے ہے جو کہ اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا صاحب ارادہ اور ذی قدرت ہے کہ اپنے ارادہ سے جس کے ساتھ چاہتا ہے اُس کی تخصیص کرتا ہے اور جس طور پر چاہتا ہے اُسے متغیر کرتا ہے اور پھر اس کے اعمال بھی ایسے باعظمت اور انتہا درجہ کے استحکام اور تدبیر کے ساتھ ہوتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی اور اُس کی صفات کی عظمت غیر محدود ہے عقل اُس کو نہیں پاسکتی اور نہ افکار اُس کو حاوی ہو سکتے ہیں اس اَمر کے واضح ہونے کے بعد کوئی کام جس کو عقل جائز رکھتی ہو کتنی ہی عظمت کو کیوں نہ پہنچ جائے اور اُس میں کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی باریکی اور استحکام کیوں نہ موجود ہو لیکن اُس خدا کی عظمت اور اُس کی صفات کے کمال کے سامنے بالکل ہیچ۔ بالکل آسان۔ اور ظاہر معلوم ہوگا۔ اُس پاک ذات کی عظمت کا کیا کہنا ہے اُس کا تسلط عجیب کمال رکھتا ہے پیدائش اور ہر طرح کی تدبیر اُسی کے ہاتھ میں ہے اُسے ہر شے پر پوری قدرت حاصل ہے۔

پس اے مادہ کے قدیم ماننے والو اور اے میرے انسانی بھائیو کیا جب میں تمام کائنات کے حادث ہونے اور زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کے واجب الوجود ہونے پر اتنے دلائل آپ لوگوں کے سامنے قائم کر چکا تو کیا اس کے بعد بھی آپ مادہ کے قدیم ہونے پر اصرار کریں گے اور یہی کہے جائیں گے کہ مادہ کے ذرات بسیطہ کی حرکت ہی تمام کائنات کو بنانے والی ہے اور خدائے عالم کا جس نے کہ اپنے وجود پر روزِ روشن کے مثل کھلی کھلی دلیلیں قائم کر دی ہیں انکار ہی کرتے رہیں گے۔ میں آپ کیلئے اس اَمر کی دُعا کرتا ہوں کہ آپ کی عقلیں مختل ہونے سے محفوظ رہیں اور آپ تمام اشیاء کو انصاف کی نگاہ سے دیکھیں میں بمقتضائے اِنسانی ہمدردی کے آپ لوگوں سے اس اَمر کی درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے فکروں سے آزادانہ طور پر غور کریں اور سوچیں اور ان مغالطہ آمیز باتوں اور واہی تباہی شبہوں سے دھوکا نہ کھائیں جن کی وجہ سے خدانخواستہ آپ کو سخت مصیبت اُٹھانا پڑے کیونکہ زندگی کی مدت بہت ہی تھوڑی ہے چند روز میں گذر جائے گی۔

اور جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کہتے ہیں اُس کے صحیح ہونے کی صورت میں آپ کو اس زندگی کے ختم ہونے کے بعد سخت ہولناک چیزوں سے سامنا پڑے گا اُس وقت پشیمانی کچھ کام نہ آئے گی اور اپنی اس غلطی پر ہمیشہ افسوس کرنا پڑے گا اور عاقل کو تو چاہئے کہ ایسا طریق اختیار کرے کہ جو زیادہ تر احتیاط پر مبنی ہو اور اُس اَمر کا بھی لحاظ رکھے کہ جس کا واقع ہونا ذرا مشکل ہی کیوں نہ ہو چہ جائیکہ اگر کسی شے کا وقوع بالکل آسان بھی ہو اور اُس کے وجود میں آجانے کی اُمید بھی پائی جاتی ہو۔

بھلا اپنے اور پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں غور تو کیجئے اگر آپ ذرا بھی غور کریں تو معلوم ہو جائے کہ آپ کی مثال اُن کے ساتھ اُن دو شخصوں کی سی ہے کہ جو کسی نہایت رفیع الشان اور مضبوط کوٹھی میں داخل ہوئے ہوں جس میں کہ متعدد مستحکم کمرے اور نشست گاہیں پائی جاتی ہوں وہ دروازوں اور جنگلوں سے

آراستہ ہو اُس کے برآمدات اور ڈیوڑھیاں بہت اہتمام اور استحکام کے ساتھ بنائی گئی ہوں اور ان کمروں میں اعلیٰ درجہ کے فرش بچھے ہوں بڑے بڑے بلند تخت لگے ہوں نہایت بیش قیمت برتن اُسکے چاروں طرف قرینہ سے رکھے ہوں۔ مختلف گھڑیوں۔ متعدد مقیاس الحرارت اور مقیاس الہوا کے ذریعے سے اُس کی دیواروں کی زیبائش کی گئی ہو اُس میں بودوباش کرنے کیلئے جتنے ساز و سامان ضروری ہوں سب ہی کچھ موجود ہوں اُس کے چاروں طرف نہایت خوب صورت سیرگاہیں نظر آتی ہوں گردا گرد ایسی چمن بندی کی گئی ہو جس میں درختوں کا صف باندھ کر ایستادہ ہونا نگاہوں کو بہت خوش آئند معلوم ہوتا ہو۔ قسم قسم کے پھولوں کی کیاریاں موقع موقع سے بنائی گئی ہوں اُس کی نہروں اور جدولوں میں پانی شوخی سے بہہ رہا ہو۔ اُس کی مستحکم بنی ہوئی حوضیں لبالب بھری ہوں خلاصہ یہ کہ عیش و آرام کے سارے سامان مہیا ہوں کہ جو اُنہیں دیکھے یہی کہے کہ فلاں چیز فلاں حکمت پر مبنی ہے اس چیز سے یہ فائدہ ہے اس کا بنانے والا کیسا ذی اختیار اور مدبر تھا جس نے کہ جو چیز بنائی ایک قرینہ سے بنائی اور جس شے کے لئے جو مقام تجویز کیا اُس کیلئے وہی مناسب تھا اب ایسے مقام پر پہنچ کر ان دونوں شخصوں میں سے ایک تو یہ کہنے لگا کہ ساری صناعی خود بخود تو ہو نہیں ہوسکتی ضرور کسی بڑے صناع نے اُس کو بنایا اور اس کی تمام اشیاء کو مستحکم کیا ہے صاحب اس میں تو ذرا بھی شک نہیں کہ اس کا بنانے والا ان ساری صناعیوں پر خوب ہی قادر تھا اُس کے تالیف و ترتیب کے طریقوں سے بھی بڑی واقفیت رکھتا تھا جب تو اُس نے انتہا درجہ کی حکمت کے موافق اس کو اس قدر مضبوط و مستحکم بنایا اور خوبی یہ کہ اُس کے تمام ہی لوازمات کامل طور پر اُس نے مہیا کر دیئے تا کہ یہاں رہنا اور کما حقہ عیش و آرام سے بسر کرنا ممکن ہو کوئی اَمر آسائش میں مخل نہ ہونے پائے اس کا بنانے والا اگرچہ ہماری نظروں سے غائب ہے ہم نے اُس کو دیکھا نہیں اور نہ ہماری عقل کی یہاں تک رسائی ہوئی کہ ہم اُس کی حقیقت دریافت کر لیتے لیکن تاہم اس بات میں تو

ذرا بھی شک نہیں کہ وہ ہے ضرور اور اُس میں علم۔ قدرت۔ تدبیر حکمت وغیرہ ایسے اوصاف جن کی کہ اس کوٹھی کے بنانے میں ضرورت پڑسکتی ہے سب موجود ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ جس شے کے وجود کا اور اُس کے اوصاف کا ہم یقین کرتے ہوں اُس کو ہم نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا ہو کیونکہ اگر کسی شے کا کوئی اثر ہم کو معلوم ہو جائے تو ہم یقیناً سمجھ لیں گے کہ وہ شے بھی ضرور موجود ہے چنانچہ اس موقع پر اس کوٹھی کے بنانے والے کے اثر کا (یعنی یہی کوٹھی اور جو جو صناعیاں اُس میں پائی جاتی ہیں) دیکھ لینا اس کے بنانے والے اور اُس کے خاص خاص اوصاف کے اعتقاد کے لئے بالکل کافی ہے اور عقل کی اسی سے بخوبی تسکین ہو جاتی ہے پھر وہی شخص کہنے لگا کہ اس کوٹھی کے ساز و سامان میں اگرچہ بعض ایسی چیزیں بھی پائی جاتی ہیں جن کی حکمت میری سمجھ میں نہیں آئی لیکن اُن میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی اگرچہ میں اُس کو دریافت نہیں کر سکا کیونکہ جن اشیاء کی حکمت میری سمجھ میں آگئی مَیں نے اسی سے اس اَمر کو نہایت اطمینان کے ساتھ سمجھ لیا ہے کہ اس کا بنانے والا بڑا حکمت والا ہے تو اُس نے بلا کسی حکمت کے اُس کو نہ بنایا ہوگا اور دوسرا شخص اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ اس کے بنانے والے کا تو نے جو اعتقاد کر لیا میں نے تو اُس کو اپنی آنکھ سے اس کوٹھی کو بناتے ہوئے دیکھا نہیں پس میں تو اُس کے وجود کا ہرگز اعتقاد نہ کروں گا اور نہ اُن صفات ہی کو مانوں گا جن کا کہ تو نے اس کوٹھی کو دیکھ کر اُس کی نسبت اعتقاد کر لیا ہے لیکن ہاں اس کوٹھی کے استحکام کے ساتھ موجود ہونے کیلئے ضرور کوئی ایسی چیز ہونا چاہئے کہ جس سے یہ تیار ہوئی ہو یہ کہہ کر وہ اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا اور اُس کی نظر ایک پہاڑ پر جا پڑی جو اُس کوٹھی کے ساتھ ہی ایستادہ تھا اور اُس کی جڑ سے پانی کا ایک چشمہ جاری تھا جس کا پانی اُس کوٹھی کی نہروں میں آتا تھا یہ دیکھ کر وہ شخص کہنے لگا کہ میری عقل نے اُس شے کو دریافت کر لیا جس سے کہ یہ کوٹھی واقع میں بنی ہے اور جو اس کی اور جتنی اشیاء کہ اس میں پائی جاتی ہیں اُن سب کی حقیقی علت ہے اور وہ یہ ہے

کہ اس پہاڑ کی چوٹی سے اس قطعہ زمین کی جانب جس میں یہ کوٹھی واقع ہے ہمیشہ زمانۂ قدیم سے ہوا چلا کرتی ہے پس لاکھوں ہی برس کا زمانہ گذرا جیسے کہ یہ ہوا مٹی پتھروں کو پہاڑ سے منتقل کرتی رہی اور وہ سب چیزیں اُس کی وجہ سے مختلف شکلوں پر اس قطعہ زمین میں جمع ہوتی رہیں اور بارش کا پانی ہمیشہ اُس میں کچھ تصرف کرتا رہا کبھی اُس کی شکل کچھ ہوگئی اور کبھی کچھ اس طرح کبھی وہ سب چیزیں مجتمع ہوگئیں اور کبھی پراگندہ اور اُن کی اوضاع اور شکلوں میں ہوا اور بارش کی وجہ سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ تبدیلی واقع ہوتی رہی گو کبھی یہ تبدیلی بدانتظامی کے ساتھ ہوئی اور کبھی انتظام کے ساتھ یہاں تک کہ کروڑوں ہی برس کے زمانہ کے گذرنے کے بعد اس کوٹھی کی باقاعدہ صورت بن گئی جس میں کہ کمرے۔ نشست گاہیں ۔ دروازے۔ جنگلے۔ برآمدے۔ راستہ۔ حوضیں اور نہریں سبھی کچھ پائی جاتی ہیں مٹی کے ڈھیلے اور پتھر بارش کے پانی سے جو مٹی گیلی ہوئی تھی اس کی خاصیت کی وجہ سے جم گئے ہیں اس طرح پر اس قدر مستحکم اور مضبوط کوٹھی مع تمام صناعیوں کے تیار ہوگئی رہا نہروں کا جاری ہونا اُس کی یہ صورت ہوئی کہ اِسی چشمہ سے جو کہ اس پہاڑ کی جڑ میں واقع ہے ہمیشہ پانی بہ بہ کر اِس قصر کے صحن میں مختلف طریقوں سے جاری ہوا کیا کبھی بدانتظامی کے ساتھ اور کبھی باقاعدہ اس لئے کہ پانی سے اُس کی مٹی گلتی رہی ہوا اور بارش کا اُس کے راستے میں اثر ہوتا رہا شدہ شدہ لاکھوں ہی برس کے زمانہ کے گذرنے کے بعد باقاعدہ نہریں اور حوضیں بن گئیں اور اُس میں پانی اِس موجودہ انتظام کے ساتھ بہنے لگا اب اُس کے برتن۔ فرش، گھڑیوں اور مختلف قسم کی مقیاسوں کو لیجئے۔ اُن کی یہ صورت ہوئی کہ مسافروں کا قافلہ جو کبھی اس پہاڑ پر یا اس زمین میں اُترا تو قافلہ والوں کی یہ چیزیں اتفاق سے چھوٹ گئیں اور ہوا اُن کو مختلف طرح پر اِدھر اُدھر منتقل کرتی رہی کبھی کوئی چیز نزدیک آگئی کبھی دُور چلی گئی۔ کبھی کوئی شے کمرہ کے اندر چلی آئی کبھی باہر ہوگئی خلاصہ یہ کہ کروڑوں برس کے زمانہ کے بعد یہاں تک نوبت پہنچی کہ فرش باقاعدہ

بچھ گئے برتن قطاروں میں آراستہ ہو گئے گھڑیاں اور مختلف قسم کے مقیاس دیوار پر آویزاں ہو گئے یہی حالت اُن درختوں اور پھولوں کی ہوئی جو یہاں کی سیرگاہوں میں باقاعدہ لگے ہوئے ہیں اُن کے بیج ہوا میں اُڑ کر یہاں تک پہنچ گئے اور اس زمین پر جم کر اُگ آئے اور ہوا کی وجہ سے اِدھر اُدھر منتقل ہوتے ہوتے باقاعدہ طور پر آراستہ ہو گئے حتیٰ کہ وہ موجودہ حالت پر نظر آنے لگے خلاصہ یہ ہوا کہ ہواؤں کی آمد و رفت اور بارش کے اثر سے کبھی کوئی چیز اِدھر ہوئی کبھی اُدھر کبھی اُس کی صورت مناسب وضع پر ہوئی کبھی اُس کے خلاف اس طرح پر مختلف صورتیں بدلا کیں یہاں تک کہ ان اسباب نے اس کو موجودہ ساخت پر پہنچا دیا اور جب وہ (کوٹھی) استحکام اور باقاعدگی کے اس مرتبہ کو پہنچ گئی تو اب اُس میں ہوا اور بارش کے مقابلہ کرنے کی پوری قوت آ گئی اس کی وجہ سے ان سب چیزوں میں جو تبدیلیاں اسکے پہلے واقع ہوا کرتی تھیں اب نہیں ہوتیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ پہلے کی شکلوں میں اس قدر استحکام نہیں آیا تھا جتنا کہ اب موجود ہے اور میرے نزدیک اس کوٹھی کا مع سارے ساز و سامان کے انہیں اسباب مذکورہ کی وجہ سے موجود اور مرتب ہو جانا کچھ مستبعد نہیں ہے کیونکہ ہوا اور بارش میں اگرچہ نہ کچھ عقل ہے اور نہ علم اور نہ وہ دونوں کوئی کام اپنے قصد اور اِرادے سے کرتے ہیں لیکن اُن کی حرکات اور تصرفات کا بکثرت واقع ہونا اور اُن میں فرق کا لگا تار پایا جانا یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے کہ اس کوٹھی اور اس کے سارے ساز و سامان کو حالت موجودہ پر پہنچا دیا اور اس میں اس قدر استحکام آ گیا اور میرے نزدیک اس بات کی دلیل کہ یہ کوٹھی کسی نے اپنے قصد سے نہیں بنائی اور نہ کسی حکمت کی اُس میں رعایت کی گئی یہ ہے کہ اُس میں بعض ایسی چیزیں بھی پائی جاتی ہیں جن میں اِرادہ اور حکمت کا نام و نشان بھی نہیں معلوم ہوتا پس اے اہل سائنس اور مادہ کے قدیم ماننے والو! ان دونوں شخصوں میں سے پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال تو پہلے شخص کی سی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جس نے یہ تمام کائنات ایجاد کی ہے وہ صاحب اِرادہ۔ ذی

قدرت علم اور حکمت رکھنے والا ''خدا'' ہے اگرچہ یہاں تک اُن کی رسائی نہیں ہوئی کہ خدا کو وہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیتے لیکن اُس کے مصنوعات کو دیکھ کر اُنہوں نے اُس کے وجود اور اُس کے صفات پر استدلال کرلیا اور اگر کہیں اُس کی کسی مصنوعات کی حکمت اُن کی سمجھ میں نہیں آئی۔ تب بھی اُنہوں نے اس اَمر کو تسلیم کیا کہ اُس میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے جو ہم پر پوشیدہ رہی ہے اور کیونکر نہ تسلیم کرتے وہ اس کی باقی مصنوعات میں بے انتہا حکمتیں مشاہدہ کر ہی چکے تھے۔

اور دوسرے شخص کی مثال آپ لوگوں کی سی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ مادہ کی حرکت ہی نے تمام کائنات کو زمانۂ دراز میں اس طرح پر بنایا ہے کہ وہ حرکت اجزاء مادہ کی طرح طرح کی صورتیں بدلتی رہی حتیٰ کہ تمام کائنات موجودہ حالت پر پہنچ گئی اور انتخاب طبعی کے قانون کے موافق وہ ایسے درجہ پر جا پہنچی جس پر کہ اُس کو قرار ہو سکے اور یہی قانون کائنات کے نظام کا حافظ ہے اور یہی نہایت عمدہ اشیاء کو باقی رکھتا ہے اس عالم میں حکمت اور قصد کے نہ پائے جانے پر آپ کا استدلال یہ ہے کہ بعض چیزیں عالم میں ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن میں حکمت اور قصد کا نام ونشان بھی نہیں معلوم ہوتا اور آپ لوگ ہزاروں، لاکھوں حکمتوں سے جو اس اَمر کی کھلی کھلی شہادت دے رہی ہیں کہ اس کائنات کا بنانے والا بڑا ہی ذی حکمت ہے غافل رہے۔

پس ذرا غور تو کرو کہ ان دونوں شخصوں میں سے کون اس اَمر کا مستحق ٹھہر سکتا ہے کہ عقول سلیمہ اُس کی بات مانیں اور نفسانی تعصبات اور شیطانی خواہشات سے آزاد عقلیں اُسے تسلیم کریں۔ اے عقل مندو! ایسا اندھیرا کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی اُس کے ساتھ رُوگردانی سے کام لیا جائے اور اَمر محسوس کے ظاہر ہو جانے کے بعد بھی اپنی ہٹ کی جائے! شرم۔ شرم! ہم سب کی ہدایت کا اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے جسے چاہے وہ ہدایت کرے۔ اب جبکہ میں صانع عالم کے وجود پر۔

اُس کے تمام صفات کمال کے ساتھ متصف ہونے پر تمام نقائص سے منزہ

ہونے پر اور اِس اَمر پر کہ مادہ مادیات اور جمیع کائنات کا پیدا کرنے والا وہی اللہ ہے آپ لوگوں کیلئے ایسے دلائل قائم کر چکا جن سے مجھے اُمید ہے کہ اِن شاء اللہ آپ کی عقلوں کی تسکین ہو جائے گی اور وہ دلائل آپ لوگوں کے لئے راہِ ہدایت میں چلنے کا باعث ہو جائیں گی تو اس کے بعد مجھے آپ لوگوں سے کچھ اور عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ مَیں نے آپ لوگوں کی کتابوں میں چند شبہے دیکھے ہیں کہ اگر آپ لوگ اُن کو قطعی دلائل سے دفع نہ کریں تو وہ آپ کے ایمان میں ضرور رخنہ اندازی کا باعث واقع ہوں اور اُن کا نتیجہ نہایت بُرا ہو لیکن ہاں اگر آپ لوگ اہتمام کے ساتھ حق تک پہنچنے کے طالب ہو جائیں اُن دلائل کو جو مَیں نے آپ لوگوں کے لئے قائم کی ہیں۔ اپنے دِلوں میں جگہ دیں اس خدا کی عظمت کے پیش نظر کر لیں۔ طریق معرفت میں اپنے عجز کا اعتراف کریں اور تسلیم کر لیں کہ خدائے پاک اور اُس کے تمام اعمال کے احاطہ کرنے سے ضرور ہم لوگ قاصر ہیں تو پھر یہ سارے شبہے ساقط ہو جائیں اور اس اَمر کا اعتقاد کر لینا کہ خدا موجود ہے اور اُسی نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے آپ لوگوں پر بالکل آسان ہو جائے اور ذرا بھی دقت نہ پڑے۔ اب اُن شبہوں میں سے جو آپ لوگوں کی (یعنی اہل سائنس کی) کتابوں میں مذکور ہیں نہایت ہی مشہور شبہوں کو ذکر کرتا ہوں اور ان شاء اللہ ثابت کردوں گا کہ وہ بالکل ہی لچر ہیں۔ پس سُنئے:

(۱) پہلا شبہ

آپ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری عقلوں میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شے موجود تو ہو لیکن نہ وہ جسم ہو نہ جسم کا مادہ ہو نہ جسم کی صورت ہو نہ کوئی ایسا مادہ ہو کہ کسی معقول صورت میں سمجھ میں آسکے نہ اُس کے مقدار اور کیفیت کے اعتبار سے حصے ہو سکتے ہوں۔ اس کا فعل تو اسی سے صادر ہوتا ہو لیکن اُس کے ساتھ متصل نہ ہو اور اس سے آپ کا مقصود خدائے پاک کی ذات ہے۔

(۲) دوسرا شبہ

آپ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں آئے یعنی پہلے نہ ہو اور اُس سے آپ کا مقصود خدائے پاک کی ذات ہے۔ دوسرا شبہ۔ آپ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں آئے یعنی پہلے نہ ہو اور پھر موجود ہو جائے اور اس سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ مادہ کا عدم سے وجود میں آجانا ہماری عقل نہیں سمجھ سکتی۔

(۳) تیسرا شبہ

آپ لوگ کہتے ہیں کہ اگر نظام کائنات میں قصد اور حکمت کی رعایت ہوتی تو ہر شے میں قصد اور حکمت کے پورے پورے آثار موجود ہونا ضروری اَمر تھا حالانکہ عالم میں ایسی اشیاء بھی ہم دیکھتے ہیں کہ قصد اور حکمت پر وہ منطبق نہیں ہوتیں بلکہ قصد اور حکمت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں اس لئے علی وجہ الضرورت ہی اُن کا انطباق ہوگا یعنی تمام اشیاء میں جب قصد اور حکمت کے آثار ہماری سمجھ میں نہیں آئے تو بس یہی کہنا چاہئے کہ تمام چیزیں علی وجہ الضرورت ہو گئیں اب میں کہتا ہوں کہ سابق کی تمام بحث سے آپ اس بات کو جان چکے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو خدائے عالم اور اُس کی تمام صفات پر اسی کائنات سے استدلال کرتے ہیں اس واسطے کہ کائنات کے حادث ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اور اُس کا خود بخود پایا جانا محال ہے اور یہ کائنات۔ عظمت عجیب صنعت۔ استحکام اور مضبوطی کے اعتبار سے ایسے بڑے مرتبہ پر پہنچ گئی ہے کہ اُن سب پر حاوی ہو جانا اور سب کو احاطہ کر لینا انسانی عقل کا کام نہیں وہ اس سے بالکل عاجز ہے۔ پس اس وقت یہ کائنات اپنے پیدا کرنے والے کی صفات اور خود اُس کی ذات کی عظمت پر اور اُس کی حکمت کے نہایت ہی عا یا ہونے پر کہ جس کا حصر کر لینا ممکن ہی نہیں اور نہ انکار اُس کو حاوی ہو سکتی ہیں بہت اچھی طرح

سے دلالت کرتی ہے اور انسانی عقل کا یہی خاصہ ہے کہ آثار کی عظمت سے مؤثر کی عظمت پر استدلال کیا کرتی ہے اور جس قدر کہ آثار عظیم ہوا کرتے ہیں اُسی قدر مؤثر کی عظمت معلوم ہوتی ہے چنانچہ ہم اور آپ گزشتہ قوموں کی قدرومنزلت پر اُن کے آثار کی عظمت ہی دیکھ کر استدلال کیا کرتے ہیں۔

پھر آپ علمی تحقیقات میں غور کریں اور جتنی چیزیں کہ آپ کو دریافت ہو چکی ہیں اُن اشیاء سے اُن کا مقابلہ کریں کہ جو اَب تک معلوم نہیں ہوسکیں اور جن پر کہ اب تک پردہ پڑا ہوا ہے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کائنات میں آپ کی معلومات بہت ہی کم ہیں حتیٰ کہ جو نسبت ایک قطرہ کو سمندر کے ساتھ یا ایک ذرّہ کو ریگستان کے ساتھ ہوتی ہے وہ بھی مشکل سے نکل سکے گی اور یہ ایسا دعویٰ ہے کہ جس کا آپ ہرگز انکار نہیں کر سکتے ورنہ علم طب۔ علم کیمیا۔ علم تشریح۔ علم فریالوجی (وہ علم جس میں اعضاء حیوانات وغیرہ کے افعال اور حکم سے بحث ہوتی ہے) علم بائلوجی۔ علم جیالوجی (علم طبقات الارض) علم فلکیات۔ علم کائنات جو اور جو اس کے علاوہ اور علوم ہیں جن میں کہ آپ لوگوں کو خوب مہارت ہے اور جن کی کہ بڑی بڑی ضخیم جلدیں کی جلدیں آپ لوگوں نے تالیف کروالی ہیں اور اُن کے بیان میں آپ نے بڑی طوالت سے کام لیا ہے۔ اِن سب علوم کو لیجئے ان کی کتابوں کو اُٹھا کر دیکھئے قریب قریب کوئی صفحہ ایسا نہ ہوگا کہ جس میں آپ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے نہ پاتے ہوں کہ فلاں اُمر کی حقیقت ہمیشہ نامعلوم رہی یا اُس شے کی حقیقت کے کافی طور پر بیان کرنے تک علماء کی رسائی نہ ہو سکی اس میں اُنہوں نے بڑا اختلاف کیا۔ فلاں شے کے بارے میں کوئی قطعی رائے قائم نہ ہوسکی۔ فلاں شے کا فعل ہمیشہ مخفی رہا۔ فلاں شئے کے فائدے کی اطلاع ہی نہ ہوئی علاوہ اس کے اسی طرح کی اور عبارتیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ کائنات میں بکثرت ایسی چیزیں موجود ہیں جن کی حقیقت سے ناواقفیت کے آپ لوگ خود قائل ہیں۔ اور آپ لوگ تو ہمیشہ ہی اسی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں کہ کسی طرح اشیاء عالم

کی حقیقتوں کو دریافت کریں چنانچہ آپ علمی مجالس میں برابر اشیاء کائنات کی نسبت اپنی اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں اور بہتیروں کو اپنی رائے کی غلطی بھی جو اُنہوں نے ایک زمانہ صرف کر کے حقائق اشیاء کی نسبت قائم کی تھی واضح ہو جایا کرتی ہے اور یہ ایک ایسی ظاہر بات ہے جس سے کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا کیا آپ اور کیا علماء جو اس زمانہ میں تحقیقات علمیہ کے در پے رہتے ہیں اس اَمر سے خوب واقف ہیں۔ اس کی اتنی مثالیں موجود ہیں کہ جن کا کوئی شمار ہی نہیں۔

اگر شاید آپ لوگ اس اَمر سے انکار کریں اور بکثرت اشیاء سے اپنی ناواقفی اور اپنے علم کی قِلّت کا ہٹ دھرمی سے اقرار نہ کریں تو میں آپ سے کہوں گا کہ اس بات کی بہت ہی بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ لوگ مادہ کی حقیقت سے جسے کہ آپ رات دن دیکھتے اور چھوتے رہتے ہیں اب تک ناواقف ہیں اور آج تک فلسفی دنیا میں مادہ کی حقیقت کی نسبت کوئی قطعی رائے قائم نہیں ہوئی۔ حالانکہ مادہ ہی آپ لوگوں کے نزدیک تمام کائنات کی اصل ہے۔ اسی طرح دیکھنے سننے۔ چکھنے۔ چھونے اور سونگھنے سے جن اشیاء کا ہم کو ادراک ہوا کرتا ہے آج تک اس کی حقیقت دریافت نہ ہو سکی کہ دماغ ان چیزوں کا کیونکر ادراک کر لیتا ہے غایت سے غایت آپ اس بارے میں یہ کہیں گے کہ پٹھا اشیاء کی صورتوں کو دماغ تک پہنچا دیا کرتا ہے اور وہ ادراک کر لیتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس ادراک کی حقیقت کیا ہے اور اس کا کافی ووافی بیان تو وہ آج تک پورے طور سے آپ لوگوں سے نہیں ہو سکا (اور نہ کبھی ہوگا)۔

اِسی طرح ''حیات'' یعنی زندگی کی حقیقت کو لیجئے اُس کی نسبت آپ اپنے خیال کے موافق یہی کہتے ہیں کہ ذرّات مادہ میں باہم جو فعل واقع ہوتا ہے اور اُس سے جو آثار ظاہر ہوتے ہیں اُنہیں میں سے یہ بھی ایک اثر کا ظہور ہے۔ علیٰ ہذا القیاس عقل کی بھی یہی کیفیت ہے وہ بھی آپ کے نزدیک منجملہ آثار کے ایک اثر کا ظہور ہے۔ رہا اس ظہور کی حقیقت کا شافی وکافی بیان کرنا تو یہاں تک آپ کی رسائی ہو ہی نہ

سکی اور نہ شاید کبھی ہوگی۔ منجملہ اور مسائل کے ایک جزئی مسئلہ کو دیکھئے وہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کی تحقیق کے موافق روشنی اپنی رفتار اور آنکھ کے مختلف طبقوں میں نفوذ کرنے کے لحاظ سے قوانین فطرت کے موافق دیکھی ہوئی چیزوں کی شبکیہ پر اُلٹی صورت مرتسم کرتی ہے اب آپ لوگ اس اَمر کی تحقیق نہ کر سکے کہ عقل اس کو سیدھا کیوں دیکھتی ہے۔ اس مسئلہ کی نسبت پیشتر میں ایک احتمال بیان کر چکا ہوں شاید اُس سے یہ اعتراض دفع ہو جائے۔

اور جس اَمر میں کہ میں گفتگو کر رہا ہوں اس میں بہت بڑی گنجائش ہے اگر میں اُن تمام اشیاء کو جن سے کہ آپ اپنے علمی مباحث میں ناواقفی کا اظہار کیا کرتے ہیں شمار کرنا شروع کروں تو کلام میں ضرورت سے زیادہ طوالت ہو جائے۔ میں اتنے مختصر بیان کو بھی منصف کیلئے کافی خیال کرتا ہوں اور ٹھکانے کی بات تو یہی ہے کہ موجودات عالم کی نسبت آپ لوگوں کی ناواقفی اعلیٰ درجہ پر ہے اور بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔

جب یہ حالت ہو اور پھر اُس وقت آپ خدائے عالم کی عظمت کا اُس کے آثارِ قدرت سے استدلال کر کے خیال باندھیں اور حقائق اشیاء کی نسبت اپنی ناواقفی کے مرتبہ کو بھی پیش نظر رکھیں تو اُس وقت حق اور انصاف کی بات تو یہی ہے کہ اس خدائے عظیم کی حقیقت دریافت کرنے کی ڈینگ سے اپنے آپ کو باز رکھیں۔ اگر انصاف اور شرم بھی کوئی چیز ہے تو کس منہ سے آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہم خداوندِ عالم کی حقیقت دریافت کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں جبکہ اُس کی مصنوعات میں سے ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کی حقیقت سے آپ ناواقف ہیں بقول شخصیکہ ؎

تو کارِ زمیں رانکو ساختی

کہ با آسمان نیز پرداختی اور وجہ یہ ہے کہ جو شخص فرض کیجئے کہ ایک گھڑی کی تمام چیزوں کی حقیقت کے دریافت کرنے سے بھی عاجز رہے اور اُس کا عجز ہی ظاہر ہو گیا ہو تو اُس کو کس طرح سزاوار ہو سکتا ہے کہ وہ محض اُس گھڑی کو دیکھ کر جس سے کہ صرف یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اِس کا کوئی بنانے والا ہے اُس کے بنانے والے کی

حقیقت دریافت کر لینے کی ڈینگ مارنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ مَیں گھڑی ہی کو دیکھ کر بتلا سکتا ہوں کہ اُس کے بنانے والے کی کیسی شکل وصورت ہے وہ سفید ہے یا سیاہ دراز قد ہے یا پستہ قد۔ موٹا ہے یا دُبلا۔ اسی طرح اور چیزیں بھی۔ جو کوئی ایسے شخص کو محض گھڑی دیکھ کر اُس کے بنانے والے کی حقیقت دریافت کر لینے کی ڈینگ مارتے ہوئے سُنے گا یہی کہے گا کہ کیا تیری عقل جاتی رہی ہے جو ایسی بے ہودہ باتیں بکتا ہے۔ عقل کے پورے ذرا سمجھ تو سہی کہ اس گھڑی کے دیکھنے سے صرف یہ تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کو کسی ایسے بنانے والے نے بنایا ہے جو اُس کا بنانا جانتا ہے اور اُس کے بنانے پر اُس کو قدرت بھی حاصل ہے۔ رہی یہ بات کہ اس گھڑی کے دیکھنے سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے بنانے والے کی حقیقت کیا ہے اور اُس کی شکل وصورت کیسی ہے محض گھڑی کے دیکھ لینے کا تو ہرگز یہ مقتضا نہیں ہو سکتا کہ اُس سے یہ سب کچھ بھی معلوم ہو جائے اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ تو اُس کے تمام پرزوں کی بھی پورے طور سے حقیقت نہ جان سکا حالانکہ وہ تیرے سامنے موجود ہیں تو پھر اُس کے بنانے والے کی حقیقت دریافت کر لینے کے لئے جو کہ تیری نظروں سے غائب ہے ناحق اپنے نفس کو تکلیف دیتا ہے۔ یہ اَمر نہایت بے جا اور سراسر بے انصافی پر مبنی ہے۔ اور اگر آپ لوگ یہ کہیں کہ ہمارا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم محض کائنات کو دیکھ کر اُس کے بنانے والے خدا کی حقیقت دریافت کر لیں گے بلکہ اس بات کو تو ہم بھی جانتے ہیں کہ محض کائنات کا دیکھ لینا اُس خدا کی حقیقت پر دلالت نہیں کر سکتا۔ اور نہ اُس سے اُس کی حقیقت ہمیں معلوم ہو سکتی ہے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو خواص آپ نے ذکر کئے ہماری عقلوں میں یہ نہیں آتا کہ کوئی چیز ایسی بھی ہو سکے جو اُن کے ساتھ موصوف ہو کر پائی جائے بلکہ ہماری عقلوں کو تو اس بات کا یقین ہے کہ ایسی کوئی شے نہیں پائی جا سکتی کہ جو اُن خواص مذکورہ کے ساتھ موصوف ہو یعنی نہ وہ جسم ہو نہ مادۂ جسم ہو۔

علیٰ ہذا القیاس اور خواص بھی کیونکہ جتنی چیزیں موجودات عالم میں سے ہمیں

معلوم ہوئی ہیں اُن میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس میں خواص مذکورہ پائے گئے ہوں۔تو اس کے جواب میں مَیں کہوں گا کہ اگر آپ کی عقلوں کو اُس کے خیال کرنے کی قدرت نہ ہو تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ شے واقع میں بھی موجود نہ ہو کیونکہ بکثرت ایسے حقائق ہیں کہ جن کو آپ پورے طور سے خیال نہیں کر سکتے۔اور پھر بھی وہ نفس الامر میں موجود ہیں۔اور صرف اِس لئے کہ اُن کے وجود پر دلیل قائم ہے اُن کا وجود مانا جاتا ہے اور آپ لوگوں کا یہ یقین کر لینا کہ ایسی شے کا جوان خواص کے ساتھ موصوف ہو پایا جانا ممکن ہی نہیں۔قیاس تمثیل سے ناشی اور اُسی پر مبنی ہے جیسا کہ آپ کے اس قول سے (کیونکہ جتنی چیزیں موجودات عالم میں سے ہمیں معلوم ہوئی ہیں۔اُن میں سے کوئی بھی ایسی نہیں۔جس میں خواص مذکورہ پائے گئے ہوں ظاہر ہوتا ہے۔پس آپ لوگوں نے جتنی اشیاء کہ مشاہدہ کیں اُن پر قیاس کر کے یہ گمان کر لیا کہ ہر شے موجود کا ان خواص مذکورہ کے اضداد کے ساتھ موصوف ہونا لازمی ہے اور یہ قیاس کوئی قطعی دلیل نہیں ہے بلکہ محض دھوکے کی دلیل ہوتی ہے کیونکہ بسا اوقات یہ دلیل انسان کو دھوکا دے کر غلطی میں ڈال دیتی ہے۔

یہاں تک کہ وہ ایک شے کے احکام کو دوسری شے پر جاری کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ وہ احکام اُس دوسری شے پر بوجہ کسی اَمر فارق کے کہ جس کی اطلاع مستدل کو نہیں ہوئی جاری نہیں ہو سکتے اس وقت آپ لوگوں سے پوچھا جا سکتا ہے کہ ایسا خدا جو نہ جسم ہو نہ جسم کا مادہ ہو یہاں تک کہ تمام مادی خواص سے منزہ ہو اگر موجود مانا جائے تو کیا خرابی لازم آتی ہے اور اس کے ماننے سے کون سا اَمر مانع ہے۔آپ لوگوں کا اُس کی حقیقت کے تصور کرنے پر قادر نہ ہونا یہ کوئی استحالہ کی دلیل نہیں بن سکتی اسی طرح اُن چیزوں پر جو مادی عالم میں آپ لوگوں نے مشاہدہ کیں اُس خدا کو قیاس کرنا کہ جس کی وجہ سے آپ نے یہ یقین کر لیا کہ ایسے خدا کا وجود نا ممکن ہے محض مغالطی قیاس ہے کیونکہ ان دونوں میں فرق کی وجہ موجود ہے اور وہ دونوں ہرگز یکساں نہیں ہیں

یہاں تک کہ ایک کے احکام دوسرے پر جاری کرنا صحیح ٹھہر سکے۔ اور اگر آپ کہیں کہ ہمیں اس کی ضرورت کیا ہے اور کون سی شے ہمارے ذمہ اس اَمر کو لازم کرتی ہے کہ ہم اُس خدا کے وجود کو مان ہی لیں تو اس کا جواب ہم سے سُنیئے کہ وہ شے اُس کے آثار قدرت ہیں کہ جو اُس کے وجود پر دلالت کرتے ہیں اور اگر آپ کہیں کہ اچھا اس کی کیا ضرورت ہے کہ ہم اُس خدا کو جسم مادۂ جسم اور مادہ کے تمامی خواص سے منزہ مانیں تو ہم کہیں گے کہ اس کی اس لئے ضرورت ہے کہ ہمارے پاس اس بات پر دلائل قائم ہو چکے ہیں کہ مادہ اور مادہ کے آثار وخواص سب کے سب حادث ہیں قدیم نہیں ہو سکتے اور خدائے سبحانہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ قدیم ہو کیونکہ اگر مادہ یا مادی ہوگا یا اُس میں مادہ کے خواص پائے جائیں گے تو وہ بھی مادہ کی طرح حادث ٹھہرے گا اور یہ محال ہے چنانچہ شروع بحث میں پیشتر اس کا بیان آچکا ہے۔

اور اگر آپ کہیں کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم کو کوئی ایسی دلیل مِل جائے جس کے ذریعہ سے ہم اُس خدا کی حقیقت تک پہنچ جائیں تو ہم آپ سے کہیں گے کہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک غایت درجہ کی بحث وتدقیق سے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ خدا کی حقیقت تک پہنچ جانا اور اُس کو دریافت کر لینا انسانی عقل کی طاقت سے باہر ہے چنانچہ شریعت محمدیہ کی تصریحات سے بھی صاف صاف یہی ظاہر ہوتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ خدائے سبحانہٗ غایت درجہ کی عظمت والا ہے اور اِنسانی عقلوں کا ادراک اُس کی عظمت کے لحاظ سے انتہائی درجہ کی پستی میں واقع ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ جو ادراک کی حیثیت سے پستی میں پڑا ہو ایسی حقیقت کے دریافت کرنے تک کہ جو انتہا درجہ عالی اور باعظمت ہو اُس کی رسائی ہونا ناممکن ہے اور اُن کی شریعت نے اُن کو سمجھا دیا ہے کہ اُس خدا کی جانب سے اُن کو اُسی قدر اُس کی معرفت کی تکلیف دی گئی ہے جہاں تک کہ اُس کے آثار قدرت سے پتہ چل سکتا ہے۔ اور وہ اِس اَمر کا یقین کر لیتا ہے کہ وہ موجود ہے۔ زندہ ہے۔ ذی قدرت ہے۔ صاحبِ اِرادہ ہے۔ اسی طرح تمام اُن

صفات کے ساتھ موصوف ہے جن کا کہ پیشتر ہم ثبوت دے چکے ہیں اور اُن کی نسبت سابق میں ہم سے اور آپ سے گفتگو ہو چکی ہے اور اُن کی شریعت نے اللہ تعالیٰ کے لئے بعض ایسے صفات کے اعتقاد کرنے کی بھی تکلیف دی ہے کہ نہ جن کے ثبوت پر کوئی دلیل عقلی قائم ہے اور نہ اُن کی نفی پر۔ اس لئے شریعت محمدیہ نے خود وہ صفات اُن کو بتلا دیئے ہیں پس اُنہوں نے اُس کا اعتقاد کرلیا۔

اور ذاتِ خدا کی حقیقت میں خوض و بحث کرنے سے شریعت نے اُن کو منع کر دیا ہے اس لئے کہ وہ اُس کے ادراک سے عاجز ہیں اور نیز اس خوف سے کہ کہیں اُس کو وہ اپنی عقلوں میں جیسا کہ وہ واقع میں ہے اُس کے خلاف نہ خیال کرلیں اور پھر قابلِ مذمت جہل میں جا پڑیں اور خلاف واقع کا اعتقاد کرنے لگیں۔ چنانچہ بعض پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بحث و تفتیش سے بچانے کو یوں کہا ہے: (کہ جو ﴿کل ماخطر ببالک فھو ہالک واللہ اجل من ذلک۔۱۲﴾ چیز تیرے (یعنی انسانی) دل میں آسکے وہ ضرور ہلاک ہونے والی ہے اور اللہ اُس کے خلاف ہے)

پھر سُنئے جیسے کہ یہ خدا انتہا درجہ کی عظمت رکھنے والا ہے اُسی طرح اُس کے اعمال بھی غایت درجہ کے عظیم ہوتے ہیں اور یہ بات اسی کائنات اور اُن عجائب و غرائب میں جو اُس میں پائے جاتے ہیں غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے چنانچہ اُن عجائب میں سے قدرے قلیل ہم بھی پیشتر بیان کرچکے ہیں اور اِس میں تو کچھ شک نہیں کہ آپ لوگ اُس کی مصنوعات میں سے بکثرت اشیاء کے سمجھنے اور اُن کی حقیقت دریافت کرلینے سے عاجز ہیں گو اس کو پہلے بھی ہم نے بیان کیا ہے لیکن یہاں پر کچھ اور بھی بیان کئے دیتے ہیں چنانچہ آپ لوگ اپنی تحقیقات جدیدہ میں یہ کہتے ہیں کہ حرکت قوت کہربائی کی جانب منتقل ہو جاتی ہے اور قوت کہربائی حرارت کی جانب اور حرارت روشنی کی جانب۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ تصور کرلینا اور سمجھنا آپ کی وسعت میں ہے کہ اشیاء مذکورہ بعض بعض کی جانب کیونکر منتقل ہو جاتی ہیں اور

پھر سمجھ کر کیا آپ کسی عبارت سے جس کو آپ نے سمجھا ہے بیان کر سکتے ہیں کہ انتقالات کی حقیقت ہم کو بھی معلوم ہو جائے میں تو کسی طرح خیال نہیں کر سکتا کہ اس میں سے کچھ بھی آپ کی وسعت میں ہو غایت سے غایت آپ یہ کہیں گے کہ یہ انتقالات ذرّات مادہ کی حرکات اور اوضاع کے تغیر سے پیدا ہوتے ہیں لیکن اس تغیر کا واضح کر دینا اور اذہان کا اس کی حقیقت کو دریافت کر لینا پھر پہلے اور دوسرے انتقال میں اسی طرح دوسرے اور تیسرے وغیرہ انتقالات میں فرق بیان کر دینا ذرا کام رکھتا ہے کچھ آسان نہیں ہے اسی طرح بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ اُس کے تصور کرنے اور حقیقت بیان کرنے سے آپ بالکل عاجز ہیں۔

پس جب اُس خدا کی مصنوعات میں بکثرت ایسی چیزیں موجود ہوں کہ جن کی نسبت آپ لوگوں کا عجز ظاہر ہو چکا ہے تو پھر اس میں آپ کو تعجب ہی کیا ہوتا ہے اگر آپ اس بات کو تصور نہ کر سکیں کہ اُس خدا نے عالم کو عدم محض سے کیونکر پیدا کر دیا حالانکہ آپ لوگوں کا کسی واقعی شے کو تصور نہ کر سکنا اُس شے کے فی نفسہٖ معدوم ہونے پر دلیل نہیں بن سکتا جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے اور اگر آپ کہیں کہ ہماری عقلیں اس اَمر کو محال سمجھتی ہیں کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں آجائے یعنی یہ ہماری عقل میں نہیں آتا کہ کوئی شے پہلے تو بالکل نیست و نابود ہو پھر وہ کسی وجہ سے موجود ہو جائے کیونکہ جتنی چیزیں ہم نے مشاہدہ کیں اُن میں سے کوئی بھی ایسی نہیں دیکھی جو عدم محض سے پیدا ہوگئی ہو اور نہ کوئی ہم میں سے کسی شے کو عدم محض سے پیدا کر سکا اسی واسطے ہم اُس کے محال ہونے کا حکم کرتے ہیں تو میں کہوں گا کہ آپ لوگوں کے کسی شے کو عدم محض سے پیدا ہوتے ہوئے مشاہدہ نہ کرنے سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ محال ہو اسی طرح آپ لوگوں میں سے اگر کسی کو عدم محض سے کسی شے کے پیدا کرنے پر قدرت نہ ہو تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ خدا بھی اس کی قدرت نہ رکھتا ہو پس آپ لوگوں کا اس اَمر کے محال ہونے کی نسبت حکم لگانا بھی قیاس تمثیل ہی پر مبنی ہے جو کہ قطعی

الدلالت نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات سخت غلطی میں ڈال دیا کرتا ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے۔اور آپ لوگوں نے تو اللہ کی قدرت کو اپنی قدرت پر اللہ کے علم کو اپنے علم پر۔ اللہ کے اعمال کو اپنے اعمال پر قیاس کرلیا ہے۔اس قیاس کا ضعیف ہونا تو جدا رہا۔یہ تو دیکھ لیجئے کہ مقیس اور مقیس علیہ میں کیسا ظاہر فرق پایا جاتا ہے۔

بھلا کہاں آپ لوگ اور کہاں وہ خدا جس نے تمام کائنات کو اس استحکام کے ساتھ بنایا ہے اِس فرق کا کچھ ٹھکانہ ہے اگر کچھ انصاف ہو تو زمین آسمان کا فرق صاف صاف نظر آتا ہے۔آپ لوگوں کی کیا بات ہے آپ لوگ باوجودیکہ علم کیمیا میں بڑے فضل وکمال کے ہانکتے ہیں لیکن آج تک آپ کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ عناصر ﴿یعنی ہر عنصر کی تحلیل کر کے اُن کے ذرّات بسیطہ نکال لیتے مثلاً آکسیجن کو تحلیل کر کے اُس کے ذرّات بسیطہ نکالئے ﴾ کی تحلیل کر لیتے۔یا کسی جسم کو ترکیب دے کر جاندار بنا لیتے جس میں کہ زندگی کے تمام خواص پائے جاتے اور جانداروں کی سی اُس کی صورت ہوتی۔

ان دونوں بسیط اَمروں کے بنانے سے آپ لوگوں کا عاجز رہنا اسی طرح اور خداوندی اعمال میں سے بکثرت اعمال پر آپ کا قدرت نہ رکھنا ایسا اَمر ہے جس کی دلیل بیان کرنے میں کلام کو طوالت دینے کی حاجت نہیں تو کیا اس کے بعد بھی آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ آپ اپنے نفسوں کو اُس خدائے قادر کی ذاتِ پاک پر اور اپنے اعمال کو اُس کے اعمال پر قیاس کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔علاوہ بریں اگر آپ غور سے کام لیں اور اپنے اعمال کو سوچیں تو آپ لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ جو اعمال آپ کرتے ہیں اُن میں بھی آپ کا حقیقی فعل نہیں پایا جاتا۔

چنانچہ آپ مثلاً فلاں معدن کی جو اُس کے عناصر کی جانب تحلیل کرتے ہیں یا فلاں مرکب کو دو یا زیادہ عنصروں سے ترکیب دیتے ہیں تو اس کو دیکھئے۔آپ کو یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ آپ نے تحلیل یا ترکیب میں اُنہیں اسباب سے کام لیا جو خدا کے پیدا کردہ ہیں اور اُنہیں کو جاری کر دیا جن پر کہ آپ کو اطلاع حاصل ہوگئی کہ فلاں

چیز کے لیئے فلاں شے سبب ہے مثلاً ایک شے کو دوسرے میں ملا دینا یا گرم کرنا یا بجھاؤ دینا وغیرہ یہاں تک کہ اس طرح پر تحلیل یا ترکیب حاصل ہوگئی۔ باقی رہی عناصر کے متمیز ہو جانے کی حقیقت اور یہ کہ کیونکر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں یا ذرّات مادہ کے خاص طور پر مل جانے کی کیا حقیقت ہے کہ جس سے شے مطلوب حاصل ہوتی ہے واقعی بات تو یہ ہے کہ آپ لوگ ان سب باتوں کو پورے طور سے تصور کرنے سے عاجز ہیں اور نہ ان کا صاف صاف بیان ہی کر سکتے ہیں چہ جائیکہ آپ ان سب کے عمل کرنے پر بھی قادر ہوں اور یہ کر سکیں کہ دوسرے عناصر کے ذرّات بسیطہ سے ہر عنصر کے ذرّات بسیطہ کو تحلیل کر کے بالکل جدا کر لیں یا ہر عنصر کے ذرّات بسیطہ کو دوسرے کے ذرّات بسیطہ کے ساتھ خاص اوضاع پر کہ جو لازمی ہیں ملا کر ترکیب دے لیں۔ اور اس سے آپ لوگوں کا صناعت اور عمل میں بھی عجز ظاہر ہو گیا جیسے کہ ادراک اور معرفت میں ظاہر ہو چکا ہے پس اے عقل مندو! کیا اس کے بعد بھی اس خدا کے اعمال کو اپنے اعمال اور اس کی قدرت کو اپنی قدرت پر قیاس کرنے کی ڈینگ مارتے رہو گے اور یہی حکم لگائے جاؤ گے کہ جب تم کسی شے کو عدم محض سے پیدا نہ کر سکے تو وہ خدائے قادر بھی اس سے عاجز رہے گا۔ آپ لوگوں کی غلط فہمی سے اللہ کی پناہ! باوجود یکہ علم اور عمل دونوں میں آپ کا عجز ظاہر ہو چکا پھر بھی آپ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور اپنی زبردستی سے باز نہیں آتے اگر دنیا میں انصاف بھی کوئی چیز ہے تو آپ لوگوں کو تو لازمی طور پر وہ طرز وروش اختیار کرنا چاہئے تھا جس پر کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے ہیں کیونکہ یہ طریق بالکل سیدھا، بے انصافی سے خالی اور سراسر انصاف پر مبنی ہے اِس طرز کے اختیار کرنے میں اُنہوں نے دُور اندیشی، بیدار مغزی اور انتہا درجہ کی احتیاط سے کام لیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اُن کے نزدیک خدائے عالم کے وجود پر اُس کی قدرت کے عجیب وغریب اور باعظمت آثار کے مشاہدہ کرنے سے قطعی دلیل قائم ہو چکی اور اُن پر بحث و تدقیق سے یہ اَمر ظاہر ہو گیا کہ اِس خدائے

پاک کی عظمت کے مقابلہ میں اُن کے قوائے ادراکیہ بالکل قاصر ہیں اس وجہ سے اُس کی حقیقت کا سمجھنا اور تصور کر لینا اُن کے امکان سے باہر ہے اور اس سے وہ سراسر عاجز ہیں اور اس عاجز رہنے سے خدا کا وجود جو آثار قدرت کی دلالت سے اُن کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے منتفی نہیں ہوسکتا اور نہ یہ خدا کے وجود پر جو قطعی دلیل سے ثابت ہو چکا ہے ایمان لے آنے کے منافی ٹھہر سکتا ہے۔

پھر اُن کے نزدیک دلائل سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ عالم پہلے بالکل نیست تھا اور اُس کے بعد حادث ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم سے اُس کو حادث کرنے کے لئے کسی نہ کسی محدث کا ہونا لازمی ہے اور اُسی کو وہ خدا کہتے ہیں لیکن وہ اس احداث اور پیدا کرنے کی کیفیت کے تصور کرنے سے عاجز ہیں اور اس عاجز رہنے سے اس کا محال ہونا لازم نہیں آتا اور نہ یہ عاجز رہنا عالم کے اسی طور پر پیدا ہونے کے یقین کے منافی ہے کہ جو قطعی دلیل سے اُن کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے۔

پس اِس موقع سے آپ لوگوں میں سے بعض کا وہ قول بھی ساقط ہوگیا کہ جو ایسے موقع پر وہ کہا کرتے ہیں جبکہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے خدا کے وجود کا اعتقاد ذکر کیا جاتا ہے کہ جو نہ جسم ہے اور نہ اُس کیلئے اجسام کے صفات ہی ثابت ہیں اور نیز یہ اعتقاد کہ اُس خدا نے عالم کو عدم محض سے پیدا کیا ہے اور وہ قول یہ ہے (کہ صاحب اس اعتقاد میں تو بہت ہی قوی ایمان کی ضرورت ہے اس میں علم کو کوئی بھی دخل نہیں)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کے کہنے والوں نے شاید یہ سمجھ رکھا ہے کہ ایمان کسی شے کے محض سیدھے سادھے طور پر یقین کر لینے اور بلا کسی قطعی دلیل کے اندھا دھند کسی بات کے مان لینے کا نام ہے اور ان بھولے بھالے عقل مندوں کو یہ پتہ نہ لگا کہ شریعت محمدیہ میں ایمان جب تک کہ کسی قطعی دلیل سے نہ ہو کامل ہو ہی نہیں سکتا اور اس شریعت میں ایمان کامل کے یہ معنے ہیں کہ قطعی دلیل کے ذریعے سے اُن ساری چیزوں کا یقینی علم حاصل ہو جن کی نسبت یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ انہیں

محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور اُس کے ساتھ ہی شریعت کا اپنے آپ کو مطیع اور منقاد بھی بنا دیا جائے پس ان لوگوں کا خدائے عالم کے وجود کے ساتھ اور اس بات کے ساتھ کہ اُس نے عالم کو عدم محض سے پیدا کیا ہے اِسی قسم کا ایمان ہے۔

جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے لیکن وہ ذاتِ خداوندی کی حقیقت اور نیز اس اَمر کے ادراک سے کہ اُس نے عدم محض سے عالم کو کیونکر پیدا کیا عجز کا اقرار کرتے ہیں اور کسی شے کی حقیقت کے تصور کرنے سے عاجز رہنا جس کے کہ نفس الامری وجود پر دلیل قائم ہو چکی ہے اُس شے کے وجود کے اعتقاد جازم کے منافی نہیں ہو سکتا۔ پس ان بعض لوگوں کا کیسا لچر خیال ہے۔ حق بات کے بیان کرنے میں انہوں نے کیسی اپنی جہالت ظاہر کی ہے اور علم اور ایمان کے درمیان فرق کرنے میں غلطی کھائی ہے یہ نہ سمجھ سکے کہ علم کی تمام انواع میں سے سب سے کامل نوع کو ایمان کہتے ہیں ناواقفی بھی کیا بُری چیز ہے۔ خدا اس ناواقفی اور جہل کا ستیاناس کرے۔

اور سُنئے کہ پھر پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنوعات خداوندی میں طرح طرح کے اصرار اور ایک سے ایک بڑھ کر بے شمار حکمتیں مشاہدہ کیں اور روز بروز جو حکمتیں برسوں تک اُن پر مخفی رہی تھیں یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتی ہیں اس سے اُن کے نزدیک یہ بات اور بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ یہ خدائے پاک بہت ہی بڑی حکمت والا ہے لوگوں کی عقلیں اُس کی حکمتوں کو ہرگز حاوی نہیں ہو سکتیں اس کے بعد کائنات میں سے جب اُنہوں نے کسی شے کو مشاہدہ کیا کہ جس کی حکمت اُن کو ظاہر نہ ہوئی تو انہوں نے اُس کی نسبت یہ اعتقاد نہیں کیا کہ وہ شے محض عبث اور بلا کسی حکمت کے پائی گئی بلکہ یہی کہنے لگے کہ اس کا پیدا کرنے والا حکمت والا ہے اس دلیل سے کہ ہم نے اُس کی کائنات میں اتنی حکمتیں مشاہدہ کی ہیں کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور اُن میں سے بہت سی ایسی حکمتیں ہیں کہ جو ہم پر مدتوں تک مخفی رہیں اور پھر اُس کے بعد ظاہر ہوئیں پس اس شے کی نسبت تھی جس کی کہ حکمت ہمارے نزدیک ابھی ظاہر نہیں ہوئی ہے۔

ہمیں یہی کہنا چاہئے کہ ضرور اس میں کوئی حکمت ہے جو ہم پر مخفی رہ گئی ہے نہ یہ کہ وہ شے بلا کسی حکمت کے پائی گئی اور اس بارے میں جس اُمر سے کہ ہماری عقلوں کی تسکین ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ خالق نہایت ہی عظمت والا ہے۔ چنانچہ ہم اُس کے صفات اسرار اور حکمتوں کی عظمت اُس کی خلق میں دیکھتے ہی ہیں اور انسانی عقلوں میں کتنی ہی وسعت کیوں نہ ہو جائے لیکن وہ اُس کی نسبت نہایت ہی حقیر ہیں اور اُس کی عظمت پر قیاس کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی ادراک کی اُس کے مقابل میں کوئی ہستی نہیں پس اے اہل سائنس آپ لوگوں کے حق میں اُمر صوابدید یہی ہے کہ آپ بھی اسی سرتاپا منصفانہ طریق پر جس پر کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم چلتے ہیں چلنا اختیار کریں بس آپ لوگوں کی عقلیں اُن بے شمار حکمتوں کی وجہ سے کہ جو آپ کے نزدیک ظاہر ہو چکی ہیں اور نیز اُن کی وجہ سے کہ جو برسوں تک آپ لوگوں پر مخفی رہنے کے بعد وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہیں گی اس بات کو مان لیں گی کہ تمام کائنات حکمت پر مبنی ہے اور کوئی شے بھی حکمت سے خالی نہیں اور یہیں سے آپ لوگ یہاں تک پہنچ جائیں گے اور سمجھنے لگیں گے کہ عالم کے لئے ضرور کوئی ذی حکمت صانع ہے اور عالم میں کوئی شے اندھا دُھند ضرورت کی وجہ سے بلا اِرادہ موجود نہیں ہوئی۔ اور جب آپ کسی ایسی چیز کو دیکھیں گے کہ جس کی حکمت آپ کو ظاہر نہ ہو تو بجائے اس کے کہ آپ اس کو تمام کائنات کی بلا حکمت اور بغیر کسی اِرادہ کے پیدا ہونے کی دلیل ٹھہرائیں اور اُس کو خالق عالم کے وجود سے انکار کرنے کا ذریعہ بنانے کے درپے ہوں آپ یہ کہیں گے کہ اتنی بے شمار حکمتیں جو ہم کو ظاہر ہو چکی ہیں اُن پر قیاس کر کے ہم کو یہی حکم لگانا چاہئے کہ اس شے میں بھی ضرور کوئی حکمت ہے کہ جو ہم سے مخفی رہ گئی۔

اور اس بارے میں جو شے آپ لوگوں کی عقلوں کو تسکین بخش سکتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس اللہ کی عظمت اور کائنات میں جو اُس کے بڑے بڑے اعمال ہیں اُن کی عظمت کا تصور کریں اور ان بے شمار حکمتوں کے علو قدر کو دیکھیں کہ جن پر آپ کو اطلاع

حاصل ہو چکی ہے اس کے بعد یہ بھی لحاظ رکھیں کہ انسانی عقلیں اللہ تعالیٰ ۔ اُس کے اعمال اور حکمتوں کے اعتبار سے نہایت ہی قاصر ہیں اور اُن کا ادراک اُس کے مقابل میں کسی شمار میں نہیں اور نہ کچھ ہستی رکھتا ہے اب بعد اس کے کہ میں آپ لوگوں کے ان تینوں شبہوں کو باطل کر چکا ہوں چاہتا ہوں کہ ایک مثال ذکر کروں جس سے کہ ان شبہوں کی طرف ذہن منتقل ہونے میں جو آپ کو دھوکا ہو گیا ہے وہ بھی ظاہر ہو جائے۔

پس اے اہل سائنس میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ذرا تکلیف فرما کر ان کیڑوں میں جو کہ بذریعہ مائیکروسکوپ (خوردبین) پانی کے ایک ذرّہ سے قطرہ میں ہزاروں اور لاکھوں ہی نظر آتے ہیں غور کریں کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ یہ کیڑے باوجودیکہ اُن کو اپنی زندگی قائم رکھنے کیلئے جس قدر ادراک کی ضرورت پڑ سکتی ہے حاصل ہوتا ہے۔ انسان کی حقیقت کا تصور کر سکتے ہیں؟ اور کیا اس ساری تفصیل کو سمجھ سکتے ہیں کہ اِنسان کے اعضاء کیسے ہوتے ہیں ان کے کیا افعال ہیں؟ اس کے سُننے ۔ دیکھنے ۔ سونگھنے ۔ چکھنے اور چھوکر دریافت کرنے کی کیا کیفیت ہے ۔ وہ غذا کیونکر حاصل کرتا ہے اُس کے اعضاء غذا کیا کیا افعال کیا کرتے ہیں ۔ دورانِ خون کیونکر انجام پاتا ہے ۔ اُس کے خیالات اور ادراکات کے بارے میں دماغ سے کیا افعال سرزد ہوتے ہیں ۔ اسی طرح یہ کیڑے کیا اِنسانی مصنوعات اور اعمال کو جان سکتے ہیں ۔ یعنی یہ کہ دخانی کلیں کن اُصول پر بنتی ہیں کیونکر اپنا کام انجام دیتی ہیں ۔ مختلف قسم کے کپڑے اِنسان کس طرح بُنا کرتا ہے اس کی اشیاء خورد و نوش اور ادویہ کیسی ہوتی ہیں ۔ اسی طرح اُس کی تالیفات اور مطبوعات میں کیا ہے ۔ ٹیلی گراف ۔ فوٹو گراف ۔ ٹیلی فون ۔ فونوگراف وغیرہ کے آلات کس قسم کے ہوا کرتے ہیں ۔ اُس نے اُن کو کیونکر ایجاد کیا کس چیز سے بنایا ۔ لوہے اور باقی معدنیات کو اُس نے زمین کے اندر سے کیسے نکال لیا اور اُس سے ایسے عجیب و غریب آلات کیونکر بنائے اور یہ کہ انسان کے بنائے ہوئے آلات اور کلوں کے ہر ہر پرزے میں کیا کیا حکمت مدنظر رکھی

گئی ہے اور وہ اسی طرح کیوں بنایا گیا مثلاً جب یہ کیڑے ٹیلی گراف کی بلیوں کو دیکھیں جن پر کہ تار لگا ہوا ہے تو کیا اب وہ اس کی حکمت کے جان لینے پر قادر ہو سکتے ہیں اور اس پر کہ وہ اسی طرح کیوں لگایا گیا ہے اور کیا وہ ٹیلی گراف کو اور دوسری کلوں کو سمجھ سکتے ہیں جس حالت میں کہ اُنہوں نے سوائے ان بلیوں اور لوہے کے تاروں کے جواُن پر لگے ہوئے ہیں اور کچھ نہیں دیکھا۔

پس جب فرض کر لیا جائے کہ اِنسان کے اعمال عظیمہ پر اُن کو اطلاع ہوگئی اور یہ کہ اس سے اُنہوں نے انسان کے وجود اور اُس کی عظمت پر استدلال کر لیا اور اِنسان کے بکثرت اعمال اور اُس کے عمل کرنے کی کیفیت اُن پر مخفی رہی اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اُنہوں نے اُس کی مصنوعات کی بہت سی حکمتیں بھی دریافت کر لیں اور اس سے اُنہوں نے اس بات پر استدلال کر لیا کہ وہ نہایت کامل حکمت والا ہے۔ پس کیا ان کیڑوں میں سے ہر ایک کو یہ کہنا ضروری نہ ہوگا کہ مَیں اتنے سے ادراک کو لے کر جس کا کہ انسان اور اُس کے اعمال کی عظمت اور اُس کی حکمت کی وسعت کے مقابل میں ذکر کرنا بھی نامناسب ہے اُس کی حقیقت کے ادراک کر لینے کا دعویٰ کر سکتا ہوں مجھے اس کی حقیقت کے دریافت کرنے سے سراسر عجز کا اقرار ہے۔ غایت سے غایت مجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ مَیں اُس کے وجود اُس کی قدرت اُس کی حکمت کا یقین کر لوں اس لئے کہ میں نے اُس کے اعمال مشاہدہ کئے ہیں اور اس کی مصنوعات کے بنانے کی جو کیفیت ہو اُس کے ایک بہت بڑے حصہ کے سمجھنے سے اپنے عجز کا اقرار کروں اور محض اِس وجہ سے کہ میری عاجز فکر اُس کا تدارک نہ کر سکی اُس کے وجود سے انکار نہ کروں۔ اور جب میں اُس کی مصنوعات میں سے کسی ایسی شے کا مشاہدہ کروں جس کی حکمت مجھ پر ظاہر نہ ہو تو میرے اُوپر یہ بات لازم ہے کہ اُس کی حکمت دریافت کرنے سے اپنے عاجز رہنے کا اقرار کر لوں کیونکہ اُس کے اعمال کی بکثرت حکمتوں سے اُس کا ذی حکمت ہونا ثابت ہو چکا ہے اس لئے میں یہ

کہتا ہوں کہ ضرور اس میں کوئی حکمت ہے لیکن وہ میری فہم قاصر پر مخفی رہ گئی ہے۔

پس یہ کیڑے جب مثلاً ٹیلی گراف کی بلیوں کو دیکھیں گے اور نیز یہ کہ اُن کے اُوپر تار لگے ہوئے ہیں تو وہ یہ نہ کہیں گے کہ یہ سب راستوں میں بغیر کسی حکمت اور فائدے کے بارش اور آفتاب کی گرمی سے تلف ہو جانے کیلئے لگے ہیں بلکہ کہیں گے ضرور ان میں حکمت مدنظر رکھی گئی ہوگی اگر چہ وہ ہم پر مخفی ہے۔ پس اے اہل سائنس! آپ لوگوں کے علوم اور ادراکات اس خدا کی عظمت اُس کے اعمال کی عظمت اور اُس کے علم اور حکمت کی وسعت کے سامنے ایسے ہی ہیں جیسے کہ ان مائیکرا سکوپی کیڑوں کے ادراکات کو انسانی عظمت کے ساتھ اور نیز اُس کے اعمال میں جو قدرت علم اور حکمت پائی جاتی ہے اُس کے ساتھ نسبت ہے بلکہ انصاف تو یہ ہے کہ اس سے بھی کہیں زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے اِنسانی ادراک کی خداوندی عظمت کے سامنے کوئی ہستی ہی نہیں۔ جب یہ حالت ہو تو آپ لوگوں کا اپنے آپ کو نہایت عظیم خیال کرنا اور اپنے معلومات اور معارف کی کثرت پر ناز کرنا کیا حقیقت رکھ سکتا ہے۔

اہل سائنس کی مثال معتزلہ کی سی ہے

میں اپنے خیال میں آپ لوگوں کو اسلامی گروہ میں سے ایک گمراہ اور مبتدع فرقہ (معتزلہ) کے بالکل مشابہ پاتا ہوں اُنہوں نے خدائے تعالیٰ کے سامنے بھی اپنے آپ کو بہت کچھ عظیم سمجھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا پر بھی اُس کے خلق کے بارے میں اپنی جانب سے طرح طرح کی شرطیں لگانے لگے اور اُس پر بھی مختلف احکام کی تعمیل کو واجب ٹھہرانے لگے۔ چنانچہ وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ انسان کے حق میں جو اَمر بہتر ہو خدا کے ذمہ اُس کا کرنا واجب ہے اور اس سے وہ بالکل غافل رہے کہ خدا کے سامنے وہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ مائیکرا سکوپی کیڑے اِنسان کے سامنے بلکہ اس سے بھی انتہا درجہ حقیر اور ذلیل ہیں۔ اس اَمر سے بھی انہوں نے غفلت کی کہ

خدائے پاک وہی ہے جس نے کہ انہیں عدم سے پیدا کیا ہے وہ اُن کا اور اُن کی جانوں کا علی الاطلاق مالک ہے اور وہ فاعل مختار ہے اپنی مملوک چیز میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے وہ اپنی مملوک میں کیسا ہی کیوں نہ تصرف کرے لیکن اُس کی طرف ظلم کی ہرگز نسبت نہیں ہوسکتی۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی بہت ہی بڑا بادشاہ پانی میں سے جس کا کہ وہ مالک ہو ایک قطرہ لے لے حالانکہ اُس میں ان مائیکراسکوپی کیڑوں میں سے ہزاروں ہی موجود ہوں اور وہ پھر اُسے آگ میں ڈال دے جس سے کہ وہ قطرہ اور سارے کیڑے جو کہ ایک قطرہ میں بسا اوقات اتنے ہوتے ہیں جتنے کہ تمام روئے زمین پر آدمی آباد ہوں گے سب کے سب بالکل نیست ونابود اور ہلاک ہوجائیں تو کیا اِس موقع پر کسی کے دل میں یہ بات گذرسکتی ہے کہ اس بادشاہ نے کسی اَمر ممنوع کا ارتکاب کیا اور اپنے اس فعل سے ان بے چارے حیوانات پر ظلم کیا اور کیا کوئی اس بادشاہ سے اس بارے میں منازعت کرسکتا ہے حالانکہ وہ بادشاہ اس قطرہ کا اور نیز اُن تمام جانداروں کا جو کہ اِس قطرہ میں تھے مالک تھا۔ میرے نزدیک تو اس بارے میں بادشاہ سے سوائے اُس شخص کے جو کہ خبطی اور ایسے اُمور سے ناحق تعرض کرنے کا عادی ہو جس میں کہ اُس کا کوئی بھی ساتھ نہ دے اور کوئی منازعت نہیں کرسکتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اس خدا نے محض اپنی رحمت اور فضل سے اپنی تمام مخلوق کو بے شمار نعمتیں دے کر مالا مال کردیا ہے لیکن خدا کا یہ نعمتیں دینا بطور وجوب کے نہیں ہے بلکہ محض اُس کی مہربانی اور احسان ہے یہاں تک کہ اگر وہ یہ نعمتیں نہ دیتا اور بجائے اس کے طرح طرح کی مصیبتیں اُن پر مسلط کردیتا تو یہ فعل بھی اُس کی جانب سے مستحسن ہی شمار ہوتا۔ اس لئے کہ وہ اپنے ملک میں تصرف کرتا، اُس سے منازعت کرنے کا کسی کو حق نہیں وہ جو چاہے سو کرے اور جو اُس کا اِرادہ ہو وہ حکم کرے۔

پس اے اہل سائنس بعد اس کے کہ حق آپ پر ظاہر ہوگیا اور آپ کے واہی تباہی شبہے ساقط ہوگئے تو آپ کو چاہئے کہ جب آپ کے نفوس آپ سے خدا کی

حقیقت دریافت کرنے کے لئے منازعت کریں آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ ہماری انسانی عقلیں اس اَمر سے بالکل قاصر ہیں۔ ہم کو اُس کی اُسی قدر معرفت کافی ہے جس پر کہ اُس کے آثار قدرت دلالت کرتے ہیں یعنی یہ کہ وہ موجود ہے اور نیز تمام ان صفات کے ساتھ موصوف ہے جو کہ اُس کے آثار قدرت سے معلوم ہوتی ہیں اِسی طرح جب آپ کے نفوس اس بات کو دریافت کرنا چاہیں کہ اُس نے عالم کو عدم سے کیسے پیدا کر دیا تو آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ ہم نے خدا کے تمام اعمال کو تو جانا نہیں اور نہ یہ کہ وہ اُن اعمال کو کیونکر کرتا ہے تو جہاں اور بہت سی چیزوں کو ہم نہیں سمجھ سکے وہاں یہ بھی سہی اور ہم لوگوں کا اُس کو تصور نہ کر سکنا اس کا مقتضی نہیں ہے کہ ہم اُس کا انکار کر دیں۔ اور جب آپ کے سامنے کوئی ایسی چیز آئے کہ جس کی حکمت آپ نہ سمجھ سکیں تو آپ کو یہ کہہ دینا چاہئے کہ عالم کا بنانے والا حکیم ہے کیونکہ اُس کی مصنوعات میں بکثرت حکمتیں ہم دیکھ چکے ہیں پس اگر اس شے کی حکمت کو ہم نہیں سمجھ سکے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس میں کوئی حکمت ہی نہ پائی جاتی ہو کیونکہ ہمارا نہ سمجھ سکنا حکمت کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے یہی لازم آتا ہے کہ ہم عالم میں حکمتوں کے پائے جانے سے ایک سرے سے انکار کر دیں اور اَندھا دُھند ضرورت کو مان لیں کہ اُسی سے سب چیزیں ہو جاتی ہیں۔ خدا ہم کو اور آپ کو ایسے طریق کی راہنمائی کرے جس سے آخرت میں نجات ملے۔ آمین۔

اے اہل سائنس! یہاں تک تو مَیں نے آپ کے ساتھ عالم اور اُس کے تمام تنوعات کے حدوث ثابت کرنے میں گفتگو کی اور اس پر دلائل قائم کئے کہ کوئی خدا بھی ہے کہ جس نے عالم کو عدم سے ایجاد کیا اور یہ کہ وہ تمام اُن صفات کے ساتھ جو اُس کی ذات کے شایان ہیں موصوف ہے اور نیز آپ کے بہت ہی مشہور شبہوں کا جواب دیا اب آپ کے بیان کردہ مذہب میں سے چند چیزوں میں اور گفتگو باقی ہے اور وہ گفتگو چار مہم مسئلوں پر مشتمل ہو گی۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ عالم میں سے خواہ سماوی ہوں یا ارضی تمام اشیاء کے حادث ہونے کا طریقہ نشو ہے یعنی پہلے ایتھر کے اجزاء سے ایک بہت چھوٹے چھوٹے ﴿اجزائے مقیر اطیسیہ۔۱۲﴾ غیر قابل قسمت ذرّے بنے پھر اُن سے آفتاب بن گیا اس کے بعد آفتاب سے تمام ستارے جدا ہونے لگے چنانچہ منجملہ اس کے ہماری زمین بھی ہے پھر اُس زمین میں عناصر بنے اُس کے بعد معدنیات پیدا ہوئیں اور مکون اوّل یعنی برٹو بلاسم ﴿برٹو بلاسم ایک قسم کا زلالی مادہ ہے جو متعدد عناصر سے مل کر بنتا ہے اس میں غذا حاصل کرنے منقسم ہونے اور توالد و تناسل کی قوت موجود ہوتی ہے اسی سے وہ خول تیار ہوتے ہیں جس سے عضوی جسم کی ساخت حاصل ہوتی ہے فلسفہ قدیمہ کی اصطلاح میں اس کو نفس نباتی کے فیضان کا محل قابل کہہ سکتے ہیں۔۱۲﴾ بنا۔ پھر یہ ترقی کرنے لگا اور اس میں توالد و تناسل شروع ہوا یہاں تک کہ ہوتے ہوتے ادنیٰ درجہ کی نبات یا حیوان تک پہنچ گیا۔

پھر یہ حیوان اور نبات اُن چار قوانین قدرت یعنی قانون تبائنات، قانون وراثت۔ قانون تنازع بقا (جس کے موافق قوی ضعیف کو ہلاک کر ڈالتا ہے وغیرہ) اور قانون انتخاب طبعی کے موافق برابر ترقی کرنے لگے اور طرح طرح کی انواع میں منقسم ہوتے رہے پھر اُن انواع سے اور انواع نکلنے اور پیدا ہونے لگیں یہاں تک کہ وہ دونوں (یعنی نبات و حیوان) حالت موجودہ تک پہنچ گئے اور یہ سب کچھ ذرّات مادّہ کی اضطراری حرکت اور انہیں قوانین قدرت کی وجہ سے ہوتا رہا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ انسان بھی منجملہ اور حیوانات کے ایک قسم کا حیوان ہے بطریق نشو کے پیدا ہوا ہے خوبی اور عمدگی میں قانون انتخاب طبعی کے موافق ترقی کر کے حالت موجودہ تک پہنچ گیا اور چونکہ وہ بندر کے ساتھ بہت کچھ مشابہت رکھتا ہے اس لئے کچھ بعید نہیں کہ وہ اور بندر دونوں ایک ہی اصل سے نکلے ہوں اور پھر ترقی کر کے اپنی اصل پر فوقیت لے گیا ہو۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حیات اور اِنسانی عقل صرف مادہ کے ذرّات متحرکہ اور

اُس کے عناصر ممتزجہ کے باہم تاثیر اور تاثر کے آثار میں سے ایک خاص قسم کے ظہور کا نام ہے اگرچہ اصلی مادہ حیات اور ادراک دونوں سے خالی تھا اور یہ کہ انسانی عقل باقی حیوانات کی عقلوں کے ساتھ صرف مقدار میں مخالفت رکھتی ہے حقیقت کے اعتبار سے اُس میں اور دیگر حیوانات کی عقل میں کوئی فرق نہیں ہے۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ آپ لوگ شریعت کے باقی مسئلوں سے جیسے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا۔ آسمانوں کا موجود ہونا وغیرہ انکار کرتے ہیں اور آپ لوگوں کا یہ گمان ہے کہ آپ کے علوم میں اس قسم کے مسائل کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی بلکہ بعض کو تو آپ کے علوم رَد کرتے ہیں اور اُن کے محال ہونے پر دال ہیں۔ اب اِن شاء اللہ میں آپ کے ساتھ ان مسائل میں بتوفیق خداوندی گفتگو کرتا ہوں۔ سُنیئے ان مسائل میں آپ سے گفتگو کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے میں دو مقدمے بیان کرلوں۔

پہلا مقدمہ یہ ہے کہ جو نصوص اور اقوال شریعت میں وارد ہوتے ہیں اور جن پر کہ اعتقاد کے بارے میں بھروسہ کیا جاتا ہے جیسا کہ اُن پر اعمال اور احکام کے بارہ میں بھی بھروسہ ہوتا ہے وہ دو قسموں پر منقسم ہیں ایک متواتر۔ دوسرے مشہور۔ متواتر اُسے کہتے ہیں جس کا شریعت میں وارد ہونا ایسے اسباب کے بکثرت پائے جانے کی وجہ سے جن سے کہ اُس کے شریعت میں وارد ہونے کا یقینی طور پر علم حاصل ہوتا ہو۔ قطعی طور پر ثابت ہو۔ اور مشہور وہ ہے جس کا شریعت میں وارد ہونا ایسے اسباب کے بکثرت پائے جانے کی وجہ سے جن سے کہ قلب کو اُس کے وارد ہونے کا اطمینان حاصل ہوتا ہو قریب قریب یقینی کے ہو اور اس کا مرتبہ گمان غالب سے بڑھا ہوا اور یقین سے کچھ گھٹا ہوا ہے۔ پھر متواتر اور مشہور میں سے ہر ایک یا تو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہوگا جس کے سوا کسی اور معنے پر دلالت کرنے کا اُس میں احتمال ہی نہ ہو پس وہ کسی دوسرے معنے کی طرف نہیں پھیرا جا سکتا اور اُس میں تاویل نہیں ہوسکتی یہ قسم شریعت میں جتنے مقامات پر کہ وارد ہوئی ہے اُن میں سے کہیں بھی کوئی قطعی دلیل عقلی

اُس کے معنے کی مناقض نہیں واقع ہوئی اس قسم کا نام ہم متعین المعنی رکھے لیتے ہیں اور یا مشہور اور متواتر ایسا ہوگا کہ اوّل نظر میں گو ایک خاص معنی پر اُس کی دلالت ہو لیکن اُس میں کسی دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو سکتا ہو اگرچہ وہ کسی قدر بعید ہی ہو۔

یہ قسم شریعت محمدیہ میں کہیں کہیں اسطور پر بھی واقع ہوئی ہے کہ قطعی دلیل عقلی اُس کے ظاہری معنے کی مناقض ہے اس کا نام ہم ''ظاہر المعنے'' رکھے لیتے ہیں۔ پھر سُنئے کہ شریعت محمدیہ میں نص متعین المعنی کا یہ حکم ہے کہ اگر وہ متواتر ہو تو اُس کے وارد ہونے اور اُس کے معنی متعین کی تصدیق کرنا ضروری ہے اور اُس کے وارد ہونے کا انکار کرنا یا اُس کے معنی کی تکذیب کرنا موجب کفر ہے یعنی اسلامی دین سے خارج ہو جانے کو مستلزم ہے۔ اُس کی تاویل کرنا اور کسی دوسرے معنے کی طرف پھیر دینا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ تاویل کا اُس میں احتمال ہی نہیں اور نہ کوئی قطعی دلیل عقلی اس کی مناقض ہے یہاں تک کہ اُس کی تاویل کرنے کی ضرورت پڑے اور اگر وہ نص متعین المعنے مشہور ہے تب بھی اُس کے وارد ہونے اور اُس کے معنے کی تصدیق کرنا ضروری ہے اُس کے وارد ہونے سے انکار کرنا یا اُس کے معنے کی تکذیب کرنے کا گمراہی اور نا فرمانی میں شمار ہوتا ہے اُس کی تاویل کرنا اور اُس کو کسی دوسرے معنی کی طرف پھیر دینا اُسی دلیل سے ناجائز ہے جس سے کہ متواتر متعین المعنی کا تاویل کرنا ناجائز ہے اور نصِ ظاہر المعنی کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ متواتر ہو تو اُس کے وارد ہونے اور اُس کے ظاہری معنی کی تصدیق کرنا ضروری ہے اُس کے وارد ہونے سے انکار کرنا یا اُس کے معنی کی بلا کسی تاویل کے تکذیب کرنا بھی کفر ہے اور جب تک کوئی قطعی عقلی دلیل اُس کے ظاہری معنے کے خلاف پر دلالت نہ کرتی ہو۔ اُس کی تاویل کرنا بھی جائز نہیں اور کسی قطعی دلیل کے مناقض ہونے کی صورت میں اُس کے ظاہری معنے سے دوسرے معنے کی جانب احتمالی طور پر پھیریں گے اور اُس کی تاویل کریں گے اِس طرح پر کہ اُس میں اور اُس اَمر میں جس پر کہ قطعی دلیل عقلی دال ہے موافقت ہو جائے۔ اگر نصِ ظاہر

المعنی مشہور ہے تو اُس کا حکم بھی نص ظاہر المعنی متواتر کا سا ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اُس کے وارد ہونے کے انکار کرنے سے یا اُس کے معنے کی تکذیب کرنے سے کفر نہیں لازم آتا بلکہ گمراہی اور نافرمانی ہی سمجھی جاتی ہے خلاصہ یہ کہ نصِ متعین المعنی متواتر اور مشہور دونوں میں سے شریعت میں کوئی بھی ایسی نہیں جس کے مناقض عقل میں کوئی اَمر پایا جائے اور نہ اُس کی تاویل ہی جائز ہے۔

اور نص ظاہر المعنی خواہ متواتر ہو یا مشہور اُن میں سے بھی کسی کی تاویل کرنا اور اُس کے ظاہری اور متبادر معنے سے کسی دوسرے معنی کی طرف پھیرنا جائز نہیں البتہ جس حالت میں کہ عقل کے نزدیک کوئی قطعی دلیل اُن کے ظاہری معنی کے خلاف قائم ہو جائے اُس وقت بے شک اُس کی تاویل جائز ہے کیونکہ اُس کے متبادر معنی کے اعتقاد پر جمے رہنا اور اُس اَمر کو جس پر کہ قطعی دلیل دلالت کرتی ہے چھوڑ دینا اصل اور بنیاد ہی کو گرا دینا ہے اور وہ اصل عقل ہے جس سے کہ اُس رسول کی جس نے کہ یہ تمام نصوص شرعیہ بتلائی ہیں رسالت ثابت ہوئی ہے کیونکہ اگر عقل نہ ہوتی تو ہم رسول کے دعوے رسالت میں صادق ہونے پر استدلال نہ کر سکتے۔

پس جب یہ اصل ہی منہدم ہو جائے گی تو فرع کا بھی لامحالہ انہدام ہو جائے گا۔ پس عقلی دلائل کو چھوڑ دینا نقلی دلائل کو بالکل برہم کرنا ہے اور یہ خلافِ مقصود ہے اِس لئے ہر نص ظاہر المعنی کا جبکہ کوئی قطعی عقلی دلیل اُس کے مناقض ہو یہی حکم ہے یعنی اُس میں تاویل کی جائے گی اور پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ کلیہ قاعدہ ہے (ایسا ہی بکثرت اسلامی کتب میں موجود ہے جیسے کہ تفسیر رازی میں آیت **لا یکلف اللّٰہ نفساً اِلا وسعھا** کی تفسیر میں مذکور ہے اِسی طرح مقاصد اور مواقف میں بھی ہے۔

مثلاً قرآن مجید میں سکندر ذوالقرنین کے قصہ میں واقع ہوا ہے ''**حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمئۃٍ** ''یعنی یہاں تک کہ جب (سکندر ذوالقرنین) آفتاب کے غروب ہونے کے مقام پر پہنچا تو اُس نے اُسے ایک

دلدل والے چشمہ میں ڈوبتا پایا۔ پس اِس نص متواتر کے ظاہری معنے یہ ہیں کہ آفتاب زمین کے چشموں میں سے کسی چشمہ میں ڈوبا کرتا ہے۔

پس اگر عقلی قطعی دلیل اس ظاہری معنی کے خلاف اور مناقض نہ قائم ہوتی تو شریعت محمدیہ میں اسی متبادر اور ظاہری معنی کا اعتقاد کرنا ضروری ہوتا اور اُس کی تاویل جائز نہ ہوتی اور اُس وقت یہ کہا جاتا کہ ایک سچے شخص کی خبر نے اپنے ظاہری معنی سے اس بات پر دلالت کی کہ آفتاب زمین کے چشموں سے کسی چشمہ میں غروب ہوا کرتا ہے اس لئے اس کا اعتقاد کرنا ضروری ہے لیکن چونکہ عقلی قطعی دلیل اس بات پر قائم ہو چکی ہے کہ آفتاب زمین سے بہت بڑا ہے اور بڑے جسم کا چھوٹے جسم میں سما جانا باوجودیکہ وہ دونوں اپنی مقدار ہی پر باقی بھی رہیں محال ہے اور علاوہ اس کے اس بات پر بھی عقلی قطعی دلیل قائم ہو چکی ہے کہ آفتاب خود زمین ہی میں نہیں ڈوبتا۔

پس اس وقت اس نص کی احتمالی طور پر تاویل کرنا اور اُس کو اُس کے ظاہری معنی سے پھیر دینا واجب ہے یوں تو اللہ ہی اپنی مراد کو خوب جانتا ہے لیکن مثلاً یوں کہا جائے گا کہ ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ مطلب ہو کہ ذوالقرنین جب مغرب کے شہروں میں سے اُس مقام پر پہنچا تو اُسے دیکھنے میں ایسا معلوم ہوا جیسے آفتاب ایک دلدل والے چشمہ میں غروب ہو رہا ہے کیونکہ جو شخص مغربی بلاد کے سواحل پر آفتاب کی جانب نظر کرے گا تو اُس کے خیال میں یہی آئے گا کہ آفتاب مغربی سمندر میں جو اُن بلاد کو گھیرے ہوئے ہے ڈوب رہا ہے اور اس سمندر میں سیاہ رنگ کی کیچڑ اور تاریکی بھی بکثرت پائی جاتی ہے اور وہاں گرمی بھی بہت ہے اور یہ اُس جانب اشارہ ہے کہ زمین کے مغربی کنارے کو سیاہ سمندر گھیرے ہوئے ہے خواہ ہم اُس کو مغربی افریقہ کا کنارہ کہیں یا مغربی امریکہ کا اور یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ آفتاب حقیقۃً زمین کے چشموں میں سے کسی چشمہ میں غروب ہوتا ہے (یہ تاویل تفسیر رازی۔ جلالین اور تفسیر کواشی سے ماخوذ ہے جیسا کہ اس کو شیخ المرعی الحنبلی نے کتاب ''عجائب المخلوقات''

میں نقل کیا ہے اور بعض اہل قصص نے جو یہ کہہ دیا ہے کہ آفتاب حقیقۃً چشمہ ہی میں غروب ہوتا ہے یہ بالکل بے ٹھکانے بات ہے اور اَمرِ یقینی کے بالکل خلاف۔ اور خدا کا کلام ایسی تہمتوں سے بالکل مُبرّا ہے پس سوائے تاویل کی طرف رجوع کرنے کے اور کوئی صورت باقی نہیں رہی ایسا ہی تفسیر رازی میں ہے) اور اس طرح پر تو لوگ بول چال میں کہا ہی کرتے ہیں کہ میں نے فلاں مقام پر آفتاب کو دریا میں ڈوبتے ہوئے پایا اور فلاں مقام پر آفتاب کو پہاڑ کے پیچھے۔

یا فلاں وادی میں ڈوبتے ہوئے دیکھا حالانکہ قائل کا یہ ہرگز اعتقاد نہیں ہوتا کہ ان مواقع مذکورہ میں سے کسی میں بھی آفتاب ڈوبتا ہو بلکہ مقصود اِس سے یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے میں جیسا معلوم ہوتا ہے اُسی کو بیان کر دیا جائے لیکن جب کوئی عقلی غیر قطعی یعنی ظنی دلیل شریعت کی کسی نص کے متبادر معنے کے مناقض واقع ہو تو اُس نص کی تاویل کرنا اور اُس کو متبادر معنے کے علاوہ کسی دوسرے معنی کی طرف راجع کر دینا ہرگز جائز نہیں بلکہ اُس کے ظاہری معنے کا اعتقاد کرنا اور اُس کو اپنی حالت ہی پر باقی رکھنا ضروری ہے کیونکہ وہ دلیل خود ضعیف ہے اُس کی وجہ سے ہم کو کوئی وجہ مجبوری کی نہیں ہے اور یہ امر تو واضح ہے کہ قطعی دلیل عقلی وہی ہو سکتی ہے جو اپنے مدلول پر یقینی طور پر دلالت کرے اور اُس میں اپنے مدلول کی نقیض کا احتمال بھی نہ ہو۔ اور ظنی دلیل عقلی اُسے کہتے ہیں جو اپنے مدلول پر رجحان کے ساتھ دال ہو اور اُس میں مدلول کی نقیض کا بھی احتمال پایا جاتا ہو اگرچہ وہ احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو پس وہ اِسی احتمال کے باعث سے یقینی کے درجہ سے گھٹ جاتی ہے اور اسلامی اعتقادات میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اِسی لئے ظنی دلیل شریعت کی کسی متواتر یا مشہور نص کے ظاہری معنے کے معارض بھی نہیں ٹھہر سکتی اور نہ اس دلیل ظنی کی وجہ سے نص کو اُس کے ظاہری معنے سے پھیرنا ہی جائز ہے۔

پھر شریعت محمدیہ میں بعض ایسی نص بھی موجود ہیں جن کیلئے وہ شرائط جن سے کہ وہ متواتر یا مشہور درجہ کو پہنچ جائیں کامل طور پر نہیں پائی جاتیں اس لئے اُن کے وارد

ہونے کا ثبوت یقینی نہیں ہے اور اس قسم کا نام آحاد ہے یہ بھی متعین المعنی اور ظاہر المعنی کی طرف منقسم ہوتی ہے اور اسلامی شریعت میں اس کا یہ حکم ہے کہ شرعی اعمال میں اُس پر وجوباً اعتماد کرلیا جائے کیونکہ اعمال کے حق میں فقط ظن کافی ہوتا ہے لیکن اسلامی معتقدات کے بارے میں ان پر استقلالاً اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اُس کے وارد ہونے کا ثبوت ظنی ہے یقینی تو ہے ہی نہیں اس لئے اُس کے شریعت میں وارد ہونے یا اُس کے معنے کا منکر کافر نہیں سمجھا ﴿البتہ بلا دلیل شرعی یہ انکار بوجہ ترک واجب کے موجب معصیت ہوگا۔۱۲﴾ جاتا۔ (چنانچہ اُصول کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے لیکن ہاں آحاد کو جب قابل اعتماد اشخاص نقل کریں اور مجتہدین نے عبادات کے بارے میں اُن پر اعتماد کرلیا ہو تو پھر جب تک کہ کوئی قطعی دلیل عقلی اُس کے معارض نہ ہو اُس کا انکار کرنا ہرگز جائز نہیں تاکہ کہیں اس طرح پر متواتر اور مشہور کے انکار کرنے تک نوبت نہ پہنچ جائے خدا پناہ میں رکھے) ہاں جب آحاد کے ساتھ بھی ایسے ہی اُمور پائے جائیں جن سے اُس کی تقویت ہو جائے اور یقینی علم اُس سے حاصل ہو سکے اُس وقت البتہ اسلامی معتقدات میں بھی اُس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ جیسے کہ اعتقادات کے بارے میں متواتر اور مشہور پر اعتماد کیا جاتا تھا۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ شریعتِ محمدیہ بلکہ تمام شریعتوں کا مقصود ایسے اُمور کا بیان کرنا ہوا کرتا ہے جن سے کہ خلق خدا کو خدا کی معرفت کی جانب ہدایت ہو۔ اُس کے موجود ہونے اُس کے صفات کمال کے ساتھ متصف ہونے کا اعتقاد حاصل ہو۔ اُس کی عبادت کرنے کا طریق معلوم ہو۔ اُس کے شکر ادا کرنے کی کیفیت سے آگاہی ہو اور ایسے احکام پر واقفیت حاصل ہو جائے جن سے کہ معاش کا انتظام درست ہو۔ معاد اور عاقبت کی خوبی حاصل ہو جائے۔ رہے علوم کائنات (طبعیات وغیرہ) کے مباحث اور اُن کا بتلانا جن سے کہ عالم کے پیدا ہونے کی کیفیت اور وہ قوانین قدرت جو ارضی یا سماوی اشیاء میں قائم ہیں اور اسی طرح کے اور اُمور۔ پس اس قسم کی چیزیں

شریعتوں کے مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ سارے مباحث اِس قسم کی معلومات ہیں جن کو سمجھ دار لوگ اپنی عقلوں سے دریافت کر سکتے ہیں پس کبھی تو ان سے اپنے دنیاوی مقاصد میں کام لیتے ہیں اور کبھی محض اُن کا دریافت کر لینا ہی اپنی خوش قسمتی شمار کرتے ہیں اور شریعتیں ان اُمور کی جانب اوّل تو مقصودیت کی حیثیت سے التفات ہی نہیں کرتیں اور نہ اُن کی تفاصیل ہی کا کچھ خیال کرتی ہیں ہاں کبھی اجمالی طور پر ان میں سے بعض چیزوں کو اس قدر ذکر کر دیا کرتی ہیں جتنے کو کہ اُن کے مقاصد میں دخل ہوتا ہے چنانچہ اُن میں مثلاً مختلف آسمان و زمین کی پیدائش کا۔ اُن کو عدم سے وجود میں لانے کا تنوعات کے لحاظ سے انواع مخلوقات کے مختلف ہونے کا۔ کائنات کی تدبیر کا اُس کے انتظام کی کیفیت کا اجمالی طور پر ذکر موجود ہے تا کہ یہ لوگوں کیلئے خدائے عالم کے وجود پر اُس کے علم۔ قدرت اور حکمت وغیرہ صفات کے ساتھ متصف ہونے پر عقلی دلیل بن جائے اور کبھی کسی مقتضائی وجہ سے کہ جس کا مرجع ان کے مقاصد کی جانب ہوتا ہے بعض مباحث کی تفصیل بھی بیان کر دیا کرتے ہیں۔

جب آپ نے ان دونوں مقدموں کو سمجھ لیا تو اب سنئے کہ شریعت محمدیہ میں جو نصوص متواترہ یا مشہورہ اس قبیل کی وارد ہوئی ہیں جن پر کہ اعتقاد کے بارے میں خصوصاً کائنات کی پیدائش اور اُس کے انواع انواع میں متنوع ہونے کے بارے میں اعتماد کیا جاتا ہے وہ صرف ایسی نصوص ہیں جن میں کہ پیدائش اور اُس کی کیفیات کے تفصیلی حالات کا بیان نہیں اور وجہ اس کی وہی ہے جو ہم نے آپ سے بیان کی کہ اس قسم کی اشیاء شریعتوں کے مقاصد میں سے نہیں ہوا کرتیں۔ لیکن ان مباحث میں سے شریعت میں اسی قدر مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمان کی جانب اُس حالت میں متوجہ ہوا جبکہ وہ دُھواں تھا پس اُس نے اُس کے سات آسمان بنا دیئے (یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان کی جانب اُس حالت میں قصد کیا جبکہ وہ پانی کا بخار تھا جیسے

کہ تفسیر جلالین میں مذکور ہے) اب پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھ دنوں کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے اور ہر شخص شرعی دلائل میں سے کسی نہ کسی دلیل کے ساتھ تمسک کرتا ہے پس اکثر علماء اسلام نے تو یہی کہا ہے کہ یہ دن ہمارے ہی دِنوں کی طرح ہیں یعنی وہ مدت زمانی مقدار میں ہمارے چھ ایام کے برابر تھی کیونکہ اس وقت تو نہ آفتاب ہی تھا اور نہ آسمان۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان دنوں سے آخرت کے دِن مراد ہیں کیونکہ شریعت کی اصطلاح میں یہ بات وارد ہوئی ہے کہ آخرت کا ایک دن ہمارے یہاں کے ہزار برس کے برابر ہوتا ہے (ایک دن کے ہزار برس کے ساتھ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جیسا کہ وراق کی مباہج الفکر میں موجود ہے) اور بعضوں نے کہا ہے کہ دن کا اطلاق شرعی اصطلاح میں پچاس ہزار برس پر بھی آتا ہے باوجود ان سب باتوں کے وہ سب کے سب اس اَمر پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین اور اُن کے اندر کی تمام چیزوں کو ایک لحظہ سے بھی کم میں پیدا کرنے پر قادر ہے کیونکہ اُن کے نزدیک اُس کی قدرت کے عظیم ہونے کے دلائل قائم ہو چکے ہیں اور اُس نے جو صرف چھ (۶) ہی دن میں تمام عالم کو پیدا کیا اُس میں بھی ضرور کوئی حکمت ہے جسے وہی خوب جانتا ہے اور بعضوں نے اپنی سمجھ کے موافق اس کی حکمت بیان بھی کی ہے وہ یہ ہے کہ عالم کی پیدائش کی کیفیت رسولوں کے ذریعے سے اپنے بندوں کو پہنچا کر انہیں سکھاوے کہ جلدی کرنے سے ٹھہر کر کام کرنا بہتر ہوتا ہے اگرچہ کام کرنے والے کو یہ بھی کیوں نہ معلوم ہو کہ جلدی کرنے سے بھی وہ غلطی سے محفوظ رہے گا۔

انہیں نصوص میں سے ایک نص میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آسمان ﴿قرآن شریف میں اس مضمون کو یہ آیت ادا کرتی ہے۔ انّ السمٰوٰت والارض کانتا رتقا ففتقنھما ۔۱۲﴾ اور زمین پہلے پیوستہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں کو شگافتہ کر دیا۔ پَیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض نے اس نص کی اِس طرح تفسیر کی ہے کہ وہ دونوں بالکل ایک شئے متصل واحد کی طرح تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں کو جدا جدا کر دیا اور آسمانوں

کو وہاں تک بلند کیا جہاں کہ وہ اب ہیں اور زمین کو اُس کی جگہ پر رہنے دیا (اس کو عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ایسے ہی عطاء وضحاک اور حسن سے بھی منقول ہے اور یہی سعید بن جبیر اور قتادہ رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

جیسے کہ جلالین کی حاشیہ جمل اور کلام رازی سے ماخوذ ہوتا ہے اور رازی نے اس کو وجوہ تاویل میں سب سے اولیٰ قرار دیا ہے جیسا کہ تفسیر سورۂ انبیاء میں اُنہوں نے بیان کیا) اور بعضوں نے اس کی دوسری بھی تفسیر کی ہے۔

اور بعض پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نصوصِ شریعت سے یہ سمجھتے ہیں کہ زمین آسمانوں سے پہلے پیدا ہوئی لیکن وہ بچھی ہوئی یعنی پھیلی ہوئی اور بود و باش کے قابل نہ تھی پھر اللہ تعالیٰ آسمان کی جانب متوجہ ہوا اور وہ اُس وقت تک ایک دُھواں تھا جو اس کے قبل پیدا ہو چکا تھا پھر اُس کے ساتھ آسمان بنادیئے اُس کے بعد زمین کو بچھا دیا یعنی پھیلا کر بود و باش کے قابل بنادیا اور جو اس اَمر کا قائل ہوا اُس نے اس نص کی جس کا ظاہر اس کے خلاف تھا تاویل کردی اور بعض یہ سمجھے کہ سب آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوئے اور جس نص کا ظاہر اس کے خلاف معلوم ہوا اُس کی اُنہوں نے تاویل کردی۔

سورۂ فصلت کی تفسیر میں جمل نے اس کو خطیب سے اور خطیب نے رازی سے نقل کیا ہے پھر اس کے بعد مَیں نے (مصنف حمیدیہ) اُس میں اُس کو دیکھ بھی لیا۔ اور اس بارے میں ہر ایک نے ایسا طرز اختیار کیا ہے جو شریعت محمدیہ کے اُصول کے موافق ہے۔ شریعت کی نصوص مذکورہ میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو پیدا کیا اور اُنہیں آسمانِ دنیا (یعنی اُس آسمان کے لئے جو زمین سے بہ نسبت اَوروں کے قریب ہے) زینت بنادیا۔ بعض نے تو یہ کہا کہ وہ آسمان میں جڑے ہوئے ہیں (یہ جمہور مفسرین کا قول ہے جیسا کہ وراق کی ''مباہج الفکر'' میں منقول ہے) اور بعض نے کہا ہے کہ وہ آسمان سے نیچے زمین و آسمان کے درمیان میں ہیں (اس کو سورۂ تکویر کی تفسیر میں قاضی صنہاجی نے اپنی تفسیر ''الاسرار'' میں مکی سے نقل کیا ہے اور ''بہجۃ

النفس'' کے مصنف نے وہب سے نقل کیا ہے اور قرمانی نے اپنی کتاب ''مختصر الھدیۃ السدیہ'' میں مفسرین اور اُن کے علاوہ اور علماء کی کثیر تعداد سے نقل کیا ہے اور ایسا ہی شیخ مرعی الحنبلی مقدسی نے اپنی کتاب عجائب المخلوقات میں بیان کیا اور ایک آحادی حدیث بھی نقل کی ہے جو اس اَمر پر دال ہے۔

اِسی طرح اس حدیث کو ابو جعفر محمد بن عبداللہ کسائی نے ''کتاب الملکوت'' میں ذکر کیا اور رازی نے تو کعب سے نقل کر کے سورۃ القدر کی تفسیر میں اس اَمر کو تصریحاً بیان کر دیا کہ آفتاب آسمانِ دنیا سے نیچے ہی ہے) اور اُن کا (ستاروں کا) آسمان دنیا کے لئے زینت ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ آسمان میں گڑے ہی ہوئے ہوں کیونکہ جائز ہے کہ اُس کی زینت ہم لوگوں کے دیکھنے کے اعتبار سے ہو اگرچہ ستارے نیچے ہی کیوں نہ ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ شاید وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اِس قول کی کہ (اللہ نے) چاند کو اُن میں (یعنی آسمانوں میں) نور بنا دیا ایسی تاویل کریں۔

بعضوں نے تو اس کو جسم ﴿پس ان لوگوں نے افلاک اور سمٰوٰت کو ایک سمجھا ہے اور جسمانی مانا ہے﴾ بتایا ہے جو کہ ان کا حامل ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس سے مراد ستاروں کی حرکت کا مدار ہے یعنی وہ خلا ﴿ان لوگوں نے افلاک کو سمٰوٰت کا مغائر مانا ہے کہ سمٰوات کا وجود تو جسمانی ہے اور افلاک کا وجود خطی یا سطحی ۱۲﴾ جس میں کہ وہ چلتے ہیں (یہ ضحاک کا قول ہے جیسا کہ تفسیر رازی میں ہے) اور نصوص اس اَمر پر دال ہیں کہ آسمان موجود ہیں اور یہ کہ وہ ستاروں کے علاوہ ہیں جیسا کہ گذشتہ نصوص سے سمجھا جاتا ہے اور آگے بھی اُس موقع پر جہاں کہ آپ سے اُن چیزوں کے بارے میں گفتگو ہوگی جو شریعت محمدیہ میں وارد ہوئی ہیں اور آپ اُن سے انکار کرتے ہیں۔ اس کا بیان آتا ہے اور پَیر وانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جمہور تو اسی بات پر ہیں کہ آسمان ہم کو نظر آتے ہیں۔ اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ نہیں دِکھلائی دیتے اور جو کچھ کہ نظر آتا ہے وہ ہوا ہے (عجائب المخلوقات میں قاضی ابو بکر بن عربی سے یہی نقل کیا ہے اور شاید وہ اُس نص

کی جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نظر آتے ہیں کوئی مناسب تاویل ﴿مثلاً یہ تاویل کر سکتے ہیں کہ نظر آنے سے مراد غور کرنا لیا جاوے یعنی جہاں یہ وارد ہوا ہے۔ کیا تم آسمانوں کو دیکھتے نہیں۔ اس کے معنے کہے جائیں کہ کیا تم آسمانوں میں غور نہیں کرتے ۱۲۔ مترجم﴾ کر دیں۔

آسمان و زمین اور ستاروں کی پیدائش کے اعتقاد کے بارے میں جن نصوص شرعی پر کہ اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نیز اُن نصوص کے معانی کے سمجھنے میں جو علماء کے اقوال ہیں۔ ان سب کا یہ خلاصہ ہے۔ باقی رہی اُن کی پیدائش کی تفصیل یا آفتاب۔ ستاروں اور زمین کے رفتہ رفتہ بننے کی کیفیات جیسا کہ آپ لوگوں کا گمان ہے کہ سب کی اصل مادہ کے غیر منقسم ذرّات ہیں پھر اُن سے آفتاب بنا اُس کے بعد اُس سے ستارے جدا ہونا شروع ہوئے چنانچہ اُنہیں میں سے ہماری زمین ہے جس میں کہ متعدد قوانین قدرت پائے جاتے ہیں جن کا کہ آپ لوگ اپنی کتابوں میں ذکر کیا کرتے ہیں یا کسی دوسرے طریق پر اُن کی پیدائش ہوئی۔

اس کی نسبت شریعت محمدیہ نے کچھ تصریح نہیں کی اور نہ اُس کی نصوص میں سے کسی نص سے آپ کی تحقیق کا نفیاً یا اثباتاً پتہ چلتا ہے لیکن ہاں ''قرآن شریف'' کی عبارت سے اشارتاً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اِس سے بحث کرنا کچھ اچھا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے آسمان ﴿وہ آیت یہ ہے **ما اشهد تم خلق السموت والارض** ۱۲۔﴾ و زمین کے پیدا کرنے کے وقت ان کو حاضر نہیں کر لیا تھا۔

اور جب ہم اُن تفصیلوں میں جنہیں آپ لوگ آفتاب۔ ستاروں اور زمین کے تدریجی طور پر بننے کے بارے میں ذکر کیا کرتے ہیں انصاف کی نظر سے غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں فرضی اور تخمینی ہیں جیسا کہ آپ لوگوں کی کتابوں میں آپ کے بیانات کو تامل کی نگاہ سے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے پس ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسی طریق سے جس کے کہ آپ لوگ قائل ہیں عالم کو پیدا کیا ہو اور اِسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دوسرے طریقے سے پیدا کر دیا ہو۔ کیونکہ جب تک یہ تخمینی باتیں

گمان کے درجے پر ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اپنے اعتقاد میں ان کا ہرگز یقین نہیں کر سکتے اور اُن کیلئے اُسی قدر کافی ہے جتنا کہ اُن کی شریعت میں اس بارے میں وارد ہوا ہے۔ اور اُس سے جو کچھ اُن کی شریعت کے علماء سمجھے ہیں۔

ہاں جب تخمینی اُمور قطعی دلیلوں سے ثابت ہو جائیں جن میں کہ نقیض کا احتمال نہ ہو اور عقل کو اُن کے ترک کرنے کی گنجائش نہ رہے (لیکن ایسا کہاں ہو سکتا ہے) اور پَیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عقلیں اُن کو مان لیں تو اُس وقت بے شک یہ لوگ اس کے قائل ہو جائیں گے یعنی اس اعتقاد کے کہ اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو ایجاد کیا پھر اُس سے ستاروں اور زمین کو اُسی کیفیت سے جس کو کہ آپ بیان کیا کرتے ہیں جدا کیا اور قوانین قدرت جن کے کہ آپ لوگ عالم کی پیدائش کے بارے میں قائل ہیں وہ محض اُن کے نزدیک اسباب عادی ہیں ذاتی طور پر اُن میں کوئی بھی تاثیر نہیں جیسا کہ وہ قوانین قدرت جنہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر کائنات کی پیدائش کے لئے مقرر کیا ہے۔ پس نبات مثلاً بذریعہ پانی۔ روشنی۔ اور مٹی کے بن جاتی ہے اور نبات کے پیدا کر دینے میں ان کو ذاتی طور پر کوئی تاثیر نہیں بلکہ مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے ہاں اُس کی عادت جاری ہوگئی ہے کہ اسباب کے پائے جانے کے وقت اُن کے مسببات کو بھی پیدا کر دیا کرتا ہے اور اس وقت یہ اَمر بخوبی واضح ہے کہ سابق میں جو نصوص مذکور ہوئیں اُن میں سے کوئی بھی اُس طریقہ پیدائش کے منافی نہیں جس کے کہ آپ لوگ قائل ہیں جیسا کہ غور کرنے والے پر مخفی نہیں۔

بہر حال ہر تقدیر پر ہمارا مقصود حاصل ہے اور وہ آثار کو دیکھ کر اُن کے مؤثر پر استدلال کرنا ہے۔ اے اہل سائنس جب آپ اسلامی دین کو قبول کر لیں اور اس اَمر کے معتقد ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے مادہ حادث ہوا ہے جیسا کہ میں نے بیان سابق میں آپ لوگوں کیلئے اس اَمر پر دلیل قائم کر دی ہے اور نیز اس اَمر کا اعتقاد کر لیں کہ سات آسمان موجود ہیں جیسا کہ آپ لوگوں کیلئے اس کا بیان

آئندہ آتا ہے اور آپ لوگوں کے نزدیک آفتاب کا بننا اور پھر اُس سے ستاروں اور زمین کا جدا ہونا اُس طریقہ پر جس کے کہ آپ لوگ قائل ہیں قطعی دلیلوں سے ثابت ہو جائے تب بھی آپ لوگوں کو ممکن ہے کہ شریعت محمدیہ کی اُن نصوص کے موافق جن پر کہ اعتقاد کے بارے میں اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نیز اُس کے موافق جیسا کہ اُسے شریعت کے بعض علماء سمجھے ہیں اپنے اعتقاد کی تقریر کریں۔

پس اُس وقت آپ لوگ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے عالم کا مادہ پیدا کیا اُسی کو مادۂ آسمان کے ذکر کرنے کے وقت اُس نے دخان یعنی دھوئیں سے موسوم کیا ہے جس کی تفسیر علماء نے پانی کے بخار کے ساتھ کی اور یہ وہی چھوٹے چھوٹے غیر منقسم ذرّے ہیں جو خلا میں منتشر ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو علیحدہ کیا یعنی مادۂ آسمان کو اُس مادہ سے متمیز کر لیا جس سے کہ اُس کا ارادہ آفتاب۔ ستارے اور زمین بنانے کا تھا ارتق اور فتق کی تفسیر میں ابن عباس اور اُن کے ساتھیوں سے جو کچھ منقول ہے اُسی کے موافق یہ تقریر چل سکتی ہے جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے) اس کے بعد مادۂ آسمان کو اُس نے اشیاء مذکورہ کے مادہ کے اُوپر اُٹھایا پھر اُس نے آفتاب بنایا اُس سے ستاروں اور زمین کو جدا کیا (یہ تقریر اُن کے قول کے موافق ہو سکتی ہے جو فلک کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ وہ کواکب کے مدار کا نام ہے یعنی اُس خلاء کا جس میں کہ وہ کواکب (ستارے) دورہ کرتے ہیں) لیکن زمین جس وقت جدا ہوئی تھی وہ اُس وقت پھیلی ہوئی نہ تھی یعنی اس صورت پر نہ تھی کہ بودوباش کے قابل ہوتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی جانب قصد کیا اور ابھی وہ دُھواں ہی تھا یعنی پانی کا بخار تھا اور یہ وہی چھوٹے چھوٹے ذرّے ہیں جو تمام خلاء میں منتشر پائے گئے ہیں۔ پھر اُس نے اُس کے ساتھ آسمان بنا دیئے۔ اور آسمان دِکھلائی نہیں دیتا اور جو کچھ نظر آتا ہے یہ کُرۂ ہوا ہے (یہ تقریر ابوبکر بن عربی کے قول کے موافق ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے) پھر اُس کے بعد اُس نے زمین کو پھیلا دیا یعنی اُس کو بودوباش کے قابل بنا دیا اور یہ

سب کچھ اللہ تعالیٰ نے خاص خاص قوانین قدرت کے موافق کیا اور وہ سب عادی اسباب ہیں اور اس میں ایک طویل زمانہ صرف ہوا جس کو کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دن کے ساتھ موسوم کیا ہے حالانکہ وہ خدا قادر ہے کہ بغیر ان قوانین قدرت کے بھی اور ایک لحظہ سے بھی کم میں تمام چیزوں کو پیدا کر دے۔ پس اس تقریر پر آفتاب۔ ستارے اور زمین آسمان کے نیچے قدرتی قانون کشش کے ذریعہ سے جس کو اللہ تعالیٰ نے اُس میں رکھ دیا ہے قائم ہیں اور یہ بھی عادی سبب ہے اور فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

پس اس تقریر سے آپ لوگوں کا مذہب شریعتِ محمدیہ کی نصوص سابقہ پر اور نیز بعض علماء شریعت کے اقوال پر جو کہ آفتاب ستاروں۔ اور زمین کی پیدائش کے بارے میں وارد ہوئی ہیں پورے طور سے منطبق ہو گیا اور اِسطرح پر آپ کے مذہب اور اسلامی دین کے مابین کوئی ایسی مخالفت باقی نہیں رہی جس کی وجہ سے آپ لوگوں کا اہل اسلام میں شمار نہ ہو سکے اور اسلامی دین سے آپ لوگوں کا خارج ہونا لازمی قرار پائے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو جب تک کہ یہ تفصیل جس کے کہ آپ لوگ آفتاب کے بننے اور ستاروں اور زمین کے اُس سے جدا ہونے کے بارے میں قائل ہیں۔ قطعی دلائل سے اُن کے نزدیک ثابت نہ ہو جائے ہرگز اس کا التزام نہیں کر سکتے ہاں اگر قطعی ثبوت مل گیا تو بے شک اس کا التزام کر لیں گے ورنہ اعتقاد کے بارے میں اُنہیں نصوص سابقہ پر جو شریعتِ محمدیہ میں اس بارے میں واقع ہوئی ہیں اقتصار کریں گے اور اجمالی طور پر سمجھنے کیلئے اپنے یہاں کے جمہور علماء کی رائے کا اتباع کریں گے اور اس تفصیل کو خدا تعالیٰ کے حوالے کریں گے کیونکہ اس تفصیل سے بحث کرنے کی اُنہیں تکلیف نہیں دی گئی ہے اور جب اُن سے ایسے اَمر یا اسی کے مثل اور اُمور کی نسبت جن کی کہ اُن کی شریعت میں تصریح نہ وارد ہوئی ہو اور نہ اُن پر قطعی دلیلیں قائم ہو چکی ہوں بلکہ اُن کے دلائل ظنی ہوں سوال کیا جائے گا تو وہ دیکھیں گے کہ وہ اُمور اُن کی شریعت کے منافی ہیں یا نہیں اگر وہ منافی ہوئے تو وہ اُن کو ترک کر دیں گے اور ہرگز اُن

کے قائل نہ ہوں گے۔ اور اگر وہ منافی نہ ہوئے تو وہ کہیں گے کہ ہاں ممکن ہے کہ یہ صحیح ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے خلاف ہوں کیونکہ یہ اَمر مظنون ہے۔

پھر کائنات کے بارے میں پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یقینی اعتقاد اس قدر ہے کہ تمام کائنات حادث ہے اور اس لئے اُس کے واسطے ضرور کسی محدث کی ضرورت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے اُسے حادث کیا اور عدم سے ایجاد کر دیا اور اُس کو اُن انواع پر منقسم کر دیا جو کہ بالفعل مشاہدہ کی جاتی ہیں اور یہ سب کچھ طبیعت یا کسی قدرتی قانون کی ذاتی تاثیر سے نہیں ہوا۔ ہاں جو قوانین قدرت کائنات میں سے بعض کے بننے میں مشاہدہ کئے جاتے ہیں وہ صرف عادی اسباب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اِس مقصد کے لئے مقرر کیا ہے تاہم خدا ان قوانین قدرت سے بالکل بے نیاز ہے وہ بغیر ان قوانین قدرت کے بھی کائنات کے پیدا کرنے پر پورے طور سے قادر ہے اور اسی قدر یہ یقینی علم خدا کے وجود پر۔ اُس کی قدرت۔ علم اور تمام اُن صفات کے ساتھ موصوف ہونے پر جن پر کہ اُس کے آثار دلالت کرتے ہیں استدلال کرنے کے لئے کافی و وافی ہے پس اس اعتقاد کے مقتضا کے موافق جب وہ خاص کر زمین کے تین عالم یعنی معدنیات۔ نباتات اور حیوانات کے بننے کی جانب التفات کریں گے تو ظاہر ہے کہ اُن کے نزدیک یہ دونوں صورتیں تحت قدرت ہونے میں برابر ہیں۔

(۱) ایک صورت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں عالموں کو بطریق خلق کے ایجاد کیا ہے یعنی اُس نے ان میں سے ہر نوع کو دوسرے سے جداگانہ اور مستقل طور پر ایجاد کیا کوئی نوع دوسری سے مشتق اور نکلی ہوئی نہیں عام اس سے کہ اُس نے اس کو دفعۃً ایجاد کیا ہو یا رفتہ رفتہ اِس طرح پر بنایا ہو کہ اُس نے مادہ کو اُس کی ابسط حالت سے ترقی دیتے دیتے حالت موجودہ تک پہنچا دیا ہو اور دفعۃً بنانا یا رفتہ رفتہ پیدا کرنا ان میں سے ہر ایک عقلی ممکنات میں سے ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت میں داخل ہیں اور وہ خدائے فاعل مختار ہے جو طریق چاہے اختیار کر سکتا ہے اُسے کوئی نہیں روک سکتا۔

(۲) اور دوسری صورت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں عالموں کے انواع کو بطریق نشو کے ایجاد کیا ہو یعنی اُس نے بسیط مادہ کو ایجاد کر دیا ہو پھر اُس کو عناصر تک ترقی دی ہو پھر معادن یا سب سے بسیط ذی حیات جسم (برٹو بلاسم) تک پھر ادنیٰ درجہ کی نبات یا حیوان تک ترقی دے کر پہنچا دیا ہو پھر اُس پر باقی انواع کو متفرع کیا ہو اور ایک کو دوسرے سے نکالا ہو اور بعض کو باقی رکھا ہو اور بعض کو نیست و نابود کر دیا ہو اور یہ سب اُن قوانین قدرت کے موافق انجام پایا ہو جنہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مادہ میں رکھ دیا ہے اور اُنہیں کی وجہ سے ترقی ہونے لگی اور مختلف انواع بننے لگیں حتیٰ کہ یہ تینوں عالم موجودہ انواع تک پہنچ گئے پس یہ دونوں صورتیں یعنی طریق خلق اور طریق نشو جس حالت میں کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی تاثیر قدرت کی جانب نسبت کیا جاوے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک خدا تعالیٰ کے وجود وصفاتِ کمال پر استدلال کرنے کے لئے کافی ہیں اسی کو دوسری عبارت میں یوں سمجھئے کہ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت مانی جاوے یعنی خواہ انواع ہی کو ابتدائی مخلوق مانا جاوے جس میں جنس کا وجود محض ذہنی وانتزاعی ٹھہرے گا اور خواہ جنس کے مادہ کو اوّلاً موجود مانا جاوے اور انواع کو انہیں سے متفرع ہوتا ہوا کہا جاوے اور ترقی کرتے کرتے حالت موجودہ تک پہنچتا ہوا کہا جاوے دونوں صورتیں اللہ تعالیٰ کے وجود وصفاتِ کمال پر استدلال کرنے کے لئے کافی ووافی ہیں لیکن وہ نصوص جن پر کہ اعتقاد کے بارے میں اعتماد کیا جاسکتا ہے کائنات ارض کی پیدائش کے بارے میں جو شریعت محمدیہ پر وارد ہوئی ہیں۔

اُن کا خلاصہ یہ ہی وارد ہوا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہر ذی حیات شے کو پانی سے بنایا“ اور یہ کہ اُس نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا اور یہ کہ اُس نے پراگندہ کیا یعنی اُس نے زمین میں جانداروں کو پھیلا دیا اور یہ کہ اُس نے ہر ایک سے جوڑا جوڑا پیدا کیا اور یہ کہ اُس نے چوپایوں سے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں۔ (یعنی نر اور مادہ جیسا کہ تفسیر میں ہے) اور یہ کہ اُس نے جوڑوں کو پیدا کیا ہے (یعنی تمام اصناف و

اقسام کو جیسا کہ تفسیر میں ہے) اور یہ کہ اُس نے جوڑے جوڑے پیدا کیے ہیں (یعنی دو صنف یا دو قسمیں جیسا کہ تفسیر میں ہے، نر اور مادہ۔ اور یہ کہ اُس نے زمین میں ہر ایک ثمرات جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں (یعنی ہر قسم کے جیسا کہ تفسیر میں ہے) پس اوّل کی تینوں نصوص میں فی نفسہٖ یہ احتمال ہے کہ اُن کی تفسیر طریقۂ خلق کے موافق کی جائے یا طریقۂ نشو کے۔ اور اے اہل سائنس پہلے کی دونوں نصوص کے تو آپ لوگوں کا جدید قول کہ ذی حیات مادہ پانی سے حاصل ہوتا ہے بالکل موافق ہے۔ اب رہیں باقی نصوص مذکورہ ان کے متبادر اور ظاہری معانی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں عالموں (معدنیات۔ نباتات۔ حیوانات) کی انواع کو بطریق خلق کے ایجاد کیا یعنی اُس نے ہر نوع کو جداگانہ اور مستقل طور پر ایجاد کیا ہے دوسرے سے نہیں نکالا ہے۔

عام ہے کہ اُس نے دفعۃً ایجاد کیا ہو یا رفتہ رفتہ جیسا کہ یہ اَمر اُس شخص پر مخفی نہیں جو عربی کلام کے طرز سے واقف ہے کیونکہ مثلاً جب کوئی یہ کہتا ہے کہ مَیں نے اپنے مہمانوں کے سامنے کھانے کی مختلف انواع کو پیش کیا تو اُس کے کلام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ہر نوع کو مستقل طور پر تیار کیا اور اُسے اپنے مہمانوں کے سامنے پیش کیا رہا یہ اَمر کہ اُس نے پہلے سارا کھانا ایک ہی جنس کا تیار کیا ہو۔ پھر طباخی کی صنعت کے موافق اُس کو ترقی دے کر اُس سے اور انواع کو نکال لیا ہو یہ معنی ارادہ سے دور ہیں اس کا دل میں خیال بھی نہیں گذرتا اگرچہ یہ ممکن الوقوع ہے۔ بعض آحادی نصوص کہ جو مدار اعتقاد نہیں قرار پا سکتیں اِن نصوص کے ظاہری معانی کی تائید کرتے ہیں لیکن باوجود اس کی کوئی ایسی نص نہیں وارد ہوئی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کو مستقل طور پر ایجاد کیا ہے خواہ دفعۃً ایجاد کیا ہو یا رفتہ رفتہ۔ ہاں بعض آدمی آحادی نصوص میں (مسلم کی حدیث میں) یہ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں سے جن میں کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے درخت کو فلاں دن پیدا کیا۔ پھر اُس کے بعد حیوانات کو فلاں دن پیدا کیا لیکن اس سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں

معلوم ہوتا کہ حیوان کی پیدائش درخت کے بعد ہے رہا یہ اَمر کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نوع کو دفعتہً ایجاد کیا یا رفتہ رفتہ اس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ پس بنا بر نصوص مذکورہ کے بوجہ اُس قاعدہ سابق الذکر کے کہ بدون ضرورت معارضہ دلیل عقلی قطعی کے نصوص مشہورہ ومتواترہ کے معانی متعینہ ومعانی ظاہرہ کو چھوڑنا جائز نہیں۔

پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ یہی اعتقاد رکھنا ضروری ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات ارض کے تینوں عالموں (معدنیات۔ نباتات۔ حیوانات) میں سے ہر نوع کو مستقل طور پر پیدا کیا ہے بطریق نشو کے نہیں پیدا کیا اور نہ ایک نوع کو دوسرے سے نکالا اگرچہ وہ دونوں صورتوں پر بخوبی قادر ہے۔ رہا یہ اَمر کہ ہر نوع کو اُس نے دفعتہً پیدا کیا ہے یا رفتہ رفتہ موافق اُن قوانین قدرت کے جنہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے مقرر کیا ہے تو ان دونوں اَمروں میں سے وہ کسی کی نسبت قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ توقف کریں گے کیونکہ اُن کی شریعت میں کوئی ایسی نص نہیں وارد ہوئی جس سے ان دونوں طریقوں میں سے کسی ایک خاص طریقہ کا یقین ہو جائے اور حکم شریعت کے مقتضاء کے موافق اُن کو یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ اس ظاہری معنی (طریق خلق) کے اعتقاد سے عدول کر کے اُس کے خلاف ایک نوع کے دوسرے نوع سے نکلنے اور بطریق نشو کے پیدا ہونے کا اعتقاد کرلیں جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں کیونکہ یہ اَمر نصوص سابق الذکر کی ظاہری اور متبادر معنی کے خلاف ہے اور کوئی قطعی دلیل جو اُن کو اُن کی تاویل کرنے پر مضطر کر دے قائم نہیں ہوئی اور جو دلیلیں آپ لوگ طریق نشو پر اپنی کتابوں میں ذکر کیا کرتے ہیں وہ محض ظنی اور فرضی ہیں احتمال کے دائرے سے جس سے کہ استدلال (یقینی ساقط ہو جایا کرتا ہے) خارج نہیں ہیں جیسا کہ خودغرضی کو چھوڑ کر اُن دلیلوں کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے۔ اور جب تک یہ کیفیت رہے گی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروان نصوص کو اُن کے ظاہری معانی سے ہرگز نہیں پھیریں گے۔ اگرچہ یہی اعتقاد کیوں نہ رکھنا پڑے کہ طریق نشو بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کرنے

سے ہے بلکہ جب تک یہ حالت رہے اُن کو تاویل کرنا جائز بھی نہیں ہے۔
ہاں اگر عقلی قطعی دلیل اُن نصوص کے ظاہری معنی کے خلاف قائم ہو جاتی اُس وقت اُن کے ذمہ سابق الذکر قاعدہ کی بنا پر اُن نصوص کو عقلی قطعی دلیل کے ساتھ تطبیق دینے اور دونوں میں موافقت ثابت کرنے کیلئے تاویل کر دینا واجب ہوتا (اور میرے خیال میں یہ اَمر ناممکن ہے) پس اے اہل سائنس اگر فرض کر لیا جاوے کہ آپ لوگوں نے جو طریق نشو پر دلیلیں بیان کی ہیں وہ یقین کے درجہ کو پہنچ گئیں اور آپ لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے اعتقاد کرنے کی جس کی بنیاد اس پر ہے کہ کسی شے کیلئے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی خالق نہیں ہے۔ ہدایت ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ آپ لوگ ان نصوص کی تاویل کر لیں اور ان کو ان کے ظاہری معانی سے پھیر دیں اور اس طرح اُن کو طریق نشو کے جس پر کہ قطعی دلیلیں (بالفرض) قائم ہو چکی ہیں موافق بنالیں اور اُس کے ساتھ یہ بھی اعتقاد رہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کرنے سے ہیں اور جب یہ حالت ہو تو اس میں کوئی منافات نہیں کہ آپ کا شمار بھی اسلام میں کیا جاوے اِس سطح پر اس کائنات کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اُس کی قدرت علم اور حکمت کے کامل ہونے پر استدلال کرنے میں آپ لوگوں سے کوئی چیز رہ بھی نہیں سکتی لیکن مَیں آپ کو اس غلطی سے ڈرائے دیتا ہوں کہ آپ ظنی دلیل کو جو آپ کے نزدیک قائم ہوں کہیں یقینی نہ گمان کرنے لگیں اس لئے آپ کو اس بارے میں بڑی باریک بینی سے کام لینا چاہئے خدا ہی ہم سب کا ہادی ہے۔ کائنات ارض کی پیدائش کی نسبت جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ انسان سے قطع نظر کر کے تحریر کیا ہے اُس کی پیدائش کی نسبت میں مستقل طور پر گفتگو کرتا ہوں۔

پس میں کہتا ہوں کہ شریعت محمدیہ کی اُن نصوص میں سے جن پر کہ انسان کی پیدائش کی نسبت اعتقاد کے بارے میں اعتماد کیا جا سکتا ہے یہ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ﴿آیت یہ ہے بداء خلق الانسان من طین-۱۲﴾ نے اُس کی پیدائش کو مٹی سے شروع

کیا اور یہ کہ اُس ﴿خلقه من تراب﴾ نے اُسے مٹی سے چپکتے ہوئے ﴿انا خلقنا هم من طين لازب﴾ گارے سے ۔نتھرے ﴿ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ۔۱۲﴾ ہوئے گارے سے۔ سڑی ﴿لقد خلقنا الانسان من صلصال من حماء مسنون﴾ ہوئی سیاہ مٹی سے۔ ٹھیکرے ﴿خلق الانسان من صلصال کالفخار﴾ کے مثل مٹی سے پیدا کیا اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اُس نے اُسے ﴿واللہ خلق کل دابۃ من ماء﴾ پانی سے پیدا کیا۔ پس پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض علماء (امام رازی رحمہ اللہ) نے یہ کہا ہے کہ انسان کی اصل مٹی اور پانی ہے یعنی خدا نے اُس کو مٹی اور پانی سے پیدا کیا ہے۔

اسی لئے نصوص میں کہیں پانی کا ذکر ہے کہیں مٹی کا اور وارد ہوا ہے کہ ﴿ما منعک ان تسجد ما خلقت بیدی﴾ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ یہ عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کی پیدائش تمام کائنات سے ایک ممتاز صورت پر ہوئی ہے اور وارد ہوا ہے کہ خدائے پاک ﴿يا يها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة و خلق منها زوجها وبث منهما رجالاً كثيرًا و نساء﴾ نے آدمی کو ایک نفس (آدم) سے پیدا کیا۔ اور اُس سے اُس کی زوجہ (حوا) کو بنایا اور اِن دونوں سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔

اِن نصوص سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک مستقل نوع بنایا ہے بطریق نشو کے نہیں پیدا کیا اور نہ اُس کو کسی دوسری نوع سے نکالا جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں خصوصاً وہ نص جس کا یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی ہے اور بعض آحادی نصوص میں تو اس کی بخوبی تصریح موجود ہے کہ انسان کی پیدائش مستقل طور پر ہوئی وہ کسی دوسری نوع سے نہیں نکلا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آحاد ہی بانفرادہا اعتقادنہیں ہیں لیکن اس سے بھی گئی گذری نہیں کہ ان نصوص کے ظاہری معانی کے جو کہ مدار اعتقاد ہیں تائید وتقویت کر دیں۔ علاوہ بریں یہ اَمر غایت درجہ مستبعد ہے کہ انسان کی اصل مادہ بسیطہ ہو پھر اُس نے عناصر تک

ترقی کی ہو پھر جاندار مادہ تک اور وہ ''برٹو بلاسم'' ہے پھر ادنیٰ حیوان تک پھر اُس کے بعد ترقی کر کے بندر تک پہنچا ہو پھر بندر سے انسانی بندر تک اور پھر اُس سے ترقی کر کے انسان بن گیا ہو جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں اور پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان سب کا بیان چھوڑ دیا ہو اور صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کر لیا ہو کہ انسان کی پیدائش کو اُس نے مٹی سے شروع کیا ہے بلکہ اُس کی حکمت کا مقتضاء یہ تھا کہ ان تطورات اور ترقیات کی تشریح کرتا اور اس کی تفصیل بیان کرتا جیسے کہ اُس نے نسل انسان کی پیدائش کی تفصیل بیان کی ہے چنانچہ نصوص شرعیہ میں اُس نے اس تفصیل کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں منی سے پیدا کیا (یعنی اس لئے کہ ان کے باپوں کی غذاء جس سے منی بنتی ہے اُس کی اصل مٹی ہی ہے) ایسا ہی ''تفسیر رازی'' سے معلوم ہوتا ہے اور دوسری تفسیر میں خدا کے اس قول کے معنے کہ اُس (خدا نے) اُنہیں مٹی سے پیدا کیا یہ کہتے ہیں کہ اُن کے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اوروں کو اُن کے نطفہ سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے ٹکڑے سے پھر اُس کے بعد اُن کو بچہ بنا کر نکالا پس بے شک نفس کے بارے میں یہ تفصیل خالق سبحانہٗ کی قدرت پر دلالت کرنے کیلئے عقل کے نزدیک بہت باوقعت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں مادہ کے طرح طرح کے انتقالات پائے جاتے ہیں۔

پس نصوص مذکور کا طریق نشو اور انسان کے دوسری نوع سے نکلنے کے بیان سے ساکت رہنا اور محض بیان سابق پر اکتفاء کرنا اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ انسان مستقل نوع بنا کر پیدا کیا گیا ہے کسی دوسری نوع سے نہیں نکلا جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں اگرچہ دونوں اَمر عقلاً ممکن ہیں جس پر کہ خدا کو پوری قدرت حاصل ہے ہاں ان نصوص میں یہ اَمر صراحۃً مذکور نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے دفعۃً پیدا کیا یا رفتہ رفتہ بنایا اِس لئے اُن نصوص کے موافق جو کہ مدار اعتقاد قرار پا سکتی ہیں ان دونوں امروں میں سے کسی کے ساتھ یقین نہیں کیا جا سکتا بلکہ محل توقف ہے اگرچہ بعض آحادی نصوص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پہلے انسان (آدم علیہ السلام) کی رفتہ

رفتہ پیدائش ہوئی ہے اور اُس پر ایک طویل زمانہ گذرا۔ اور اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت ہے اور بعض علماء اسلام (امام رازی رحمہ اللہ) نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں کہ تم کو ﴿خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون۔۱۲﴾ اُس نے مٹی سے پیدا کیا پھر ناگاہ تم آدمی ہو کر پھیلنا شروع ہوئے۔ یہ تصریح کی ہے کہ انسان کی پیدائش مستقل طور پر ہوئی ادنیٰ حالت سے حالت موجودہ تک ترقی کر کے نہیں پہنچا ہے اور اس بارہ میں وہ یہ کہتے ہیں کہ عربی میں کلمہ ''اذا'' جس کا ترجمہ ناگاہ اور فوراً ہے کسی اَمر کے اچانک اور دفعتہً واقع ہو جانے پر دلالت کرتا ہے۔

چنانچہ عربی محاورہ ہے خرجت فاذا الاسد بالباب یعنی میں نکلا پس ناگاہ شیر دروازہ پر تھا اور یہ اس اَمر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قالب انسانی کو مٹی سے بنانے کے بعد لفظ کُن (ہوجا) کہہ کر انسان ہی بنا دیا اور وہ فوراً پیدا ہو گیا یہ نہیں ہوا کہ وہ معدن بنا۔ پھر نبات ہوا۔ پھر حیوان۔ پھر اس کے بعد انسان بنا اور یہ ایک فلسفی مسئلہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اوّل ہی سے انسان بنایا ہے اور وہ انسان بننے کے ساتھ ہی حیوان اور نامی ﴿نامی سے مراد وہ جسم ہے جس میں نشو و نما ہوتا ہو۔۱۲۔ مترجم﴾ سب کچھ بن گیا۔ یہ نہیں کہ اوّل اس کو نامی بنایا ہو پھر حیوان بنایا ہو پھر اِنسان بنایا ہو سو حقیقۃً مقصود اوّل انواع کا پیدا کرنا ہے پھر اُن انواع میں اُسی ایک ہی قصد اور اِرادہ سے اجناس بھی ہو جاتی ہیں سو اللہ تعالیٰ نے مرتبۂ اخیرہ ہی کو مقصود ٹھہرایا ہے جو جنس عالی سے نہایت ہی بعید ہے یہ نہیں کیا کہ اُوپر سے درجہ بدرجہ منتقل کرتے ہوئے اخیر مرتبہ (نوع حقیقی) پر لائے ہوں۔ (ختم ہوئی تقریر علامہ رازی رحمہ اللہ کی) پس یہ اس اَمر کی تصریح ہے کہ اس نص سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اِنسان کی پیدائش بطریق خلق کے مستقل طور پر ہے بطریق نشو کے نہیں ہوئی جیسا کہ آپ لوگوں کا گمان ہے اور باقی نصوص سے بھی بظاہر طریق خلق ہی کا پتہ چلتا ہے ۔پس پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتقاد کے بارے میں طریق خلق ہی پر اعتماد ہے

طریق نشو پر نہیں اور نہ اُن کو ان نصوص کی تاویل کرنا اور اُن کو اُن کے ظاہری معانی سے پھیرنا ہی جائز ہے مگر ہاں جب کوئی عقلی قطعی دلیل قائم ہو جائے جو اس بات پر دال ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بطریق نشو ہی کے پیدا کیا ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا گمان ہے (اور یہ اَمر کوسوں دور ہے) تو اُس وقت البتہ وہ ان نصوص کے ظاہری معانی کی تاویل کرنے پر مضطر ہو جائیں گے جیسا کہ اُن کے نزدیک عقلی اور نقلی دلیل میں تعارض کی حالت میں تطبیق دینے کا قاعدہ ہے اور اس کے بعد بھی اس اَمر میں خفا نہیں کہ طریق نشو اگر اُن کے نزدیک ثابت بھی ہو جائے تو وہ نشو وہ نہیں ہوسکتا جس کے کہ آپ لوگ قائل ہیں اس لئے کہ اگر اُن کے نزدیک نشو ثابت ہوگا تو وہ یہی کہیں گے کہ نشو اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کرنے سے ہے کیونکہ اُن کے نزدیک اس بات پر دلیل قائم ہو چکی ہے کہ سوائے خدا کے نہ کوئی خالق ہے اور نہ مؤثر۔ رہے قوانین قدرت جن سے کہ وہ کام لیتا ہے وہ محض عادی اسباب ہیں۔ اُن میں کوئی ذاتی تاثیر نہیں اور جو نشو آپ مانتے ہیں وہ آپ کے زعم کے اعتبار سے انہیں قوانین قدرت کی ذاتی تاثیر سے ہوتا ہے پس ان دونوں معنوں میں زمین و آسمان کا فرق نکل آیا۔

یہ بھی سُن لیجئے کہ جو دلیلیں آپ اپنی کتابوں میں نشو پر ذکر کیا کرتے ہیں اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو وہ ایسی دلیلیں نہیں ہیں جن کی وجہ سے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان ظاہری نصوص کی تاویل کرنے پر مضطر ہوں اور اُنہیں ''نشو'' کا قائل ہونا پڑے کیونکہ وہ سب ظنی دلیلیں ہیں جن کی بنیاد چند تخمینی چیزوں پر ہے۔ اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب تک کہ کوئی یقینی دلیل معارض نہ ہو تاویل کرنے پر مضطر نہیں ہوتے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔

پس اگر فرض کرلیا جائے کہ انسان کے بطریق نشو پیدا ہونے پر یقینی و قطعی دلیلوں تک آپ لوگوں کی رسائی ہوگئی اور آپ نے اسلامی دین کا بھی اعتقاد کرلیا۔ جس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اُس کے

سوا کسی کی کچھ ذاتی تاثیر نہیں۔ تو آپ لوگوں کے لئے بغرض تطبیق ان نصوص کی تاویل کرنے اور اُن کو اُن کے ظاہری معانی سے پھیر دینے سے کوئی اَمر مانع نہیں ہو سکتا اور اس طریقہ کو اختیار کرنے سے آپ اسلامی دین سے بھی خارج نہ رہیں گے۔

لیکن میں آپ کو اس غلطی میں پڑنے سے ڈرائے دیتا ہوں کہ کہیں آپ ظنی دلیلوں کو یقینی نہ سمجھ لیجئے گا بلکہ مناسب ہے کہ غور وفکر کر کے دلیلوں کو خوب جانچ لیجئے اور پھر آگے قدم بڑھایئے لیکن اس وقت پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جمہور کا یہ قول کہ پہلا اِنسان (حضرت آدم علیہ السلام) جنت عدن میں کہ وہ ہماری زمین کے علاوہ ہی پیدا کیا گیا ہے یا بعضوں کا (اور وہ سُدّی ہیں جیسا کہ ''کنز الاسرار'' میں ہے) یہ قول کہ وہ سماء دنیا میں پیدا کیا گیا ہے آپ کے خیال کے معارض واقع ہوگا اس لئے کہ یہ دونوں قول طریق نشو کے موافق نہیں ہیں جس کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ اسی زمین میں ہوا ہے پس آپ اُن میں سے بعض علماء (اور وہ منذر بن سعید بلاطی اور ایک بڑی جماعت کے لوگ ہیں جیسا کہ ''کنز الاسرار'' میں ہے) کے قول کے موافق اس سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور وہ قول یہ ہے کہ وہ دنیا کی جنتوں میں سے کسی جنت (باغ) میں پیدا کیا گیا ہے اور اس طور پر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کے موافق تو آپ ہو جائیں گے جس کی وجہ سے اسلامی دین کی مخالفت آپ سے دور ہو جائے گی اور آپ کے خیال کے یہ قول بھی معارض ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان (حضرت آدم علیہ السلام) کو پیدا کرنے کے بعد اُن سے اُن کی زوجہ کو پیدا کیا اور اُن دونوں کو جنت میں ٹھہرایا۔ اور یہ جنت وہی مقام ہے جہاں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایماندار بندوں کو مرنے اور پھر زندہ ہونے کے بعد جزا دینے کا وعدہ کیا ہے اور وہ ہماری زمین کے علاوہ ہے اور یہی جمہور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے پس آپ اُن میں سے بعض (اور وہ ابو القاسم بلخی اور ایک بہت بڑے مفسّر ابو مسلم اصفہانی ہیں جیسا کہ امام رازی نے نقل کیا ہے) کے قول کو اختیار کر کے اس سے بھی خلاصی

حاصل کر سکتے ہیں اور وہ قول یہ ہے کہ یہ جنت زمین ہی میں تھی اور اُن دونوں کا اُس سے اہباط یعنی اُتارنا ایک حصہ زمین سے دوسرے حصہ کی جانب منتقل ہونے پر محمول کیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں دوسرے مقام پر ''بنی اسرائیل'' کو خطاب کرنے میں) واقع ہوا ہے کہ تم سب ﴿وہ آیت ہے اہبطوا مصراً ۔۱۲﴾ شہر میں اُتر جاؤ یعنی شہر میں چلے جاؤ اور اگر آپ کو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اکثر کا یہ قول مشکل معلوم ہو (حالانکہ وہ کچھ مشکل نہیں ہے کیونکہ وہ عقلاً ممکن ہے جو کہ خداوندی قدرت کے تصرف میں داخل ہوتا ہے چنانچہ اسی حیوان ہیڈرا ء کو دیکھئے اُس کے تین حصے کر دیئے جاتے ہیں اور اُن میں سے ہر حصہ ایک مستقل حیوان بن جاتا ہے جیسا کہ پیشتر گذر چکا ہے لیکن ہم اپنے مقابل کی آسانی کی غرض سے اُسی کے خیال کے موافق گفتگو کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان (حضرت آدم علیہ السلام) کو پیدا کرنے کے بعد اُن سے اُن کی زوجہ (حضرت حوا علیہا السلام) کو پیدا کیا یعنی اُن کی بائیں جانب کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے کیونکہ اُن کی شریعت کی بعض آحادی نصوص میں یہ وارد ہوا ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور نیز بعض جلیل القدر صحابہ نے اس اَمر کی تصریح بھی کی ہے (اور وہ ابن مسعود اور ابن عباس اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں جیسا کہ تفسیر ''ابی السعود'' میں ہے)۔

پس آپ اس سے بھی خلاصی حاصل کرنے کے لئے اس قول کو مان سکتے ہیں جیسے کہ اُن میں سے بعض نے (ابو مسلم اصفہانی نے جیسا کہ تفسیر رازی میں ہے) اختیار کیا ہے اور اس نص کی تاویل کر دی ہے جس میں یہ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِنسانِ اَوّل سے اُس کی زوجہ کو پیدا کیا اور وہ تاویل یہ ہے کہ اس کی زوجہ کو اُن سے پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اُس کی جنس سے پیدا کیا۔ جیسا کہ اُس نے (خدا نے) دوسری نص میں کہا ہے (خدا نے) تمہارے نفسوں ﴿جعل لکم من انفسکم ازواجاً۔۱۲﴾ سے تمہاری ازواج کو بنایا۔ اور اِس طریقہ سے آپ ایک قسم کی تاویل کر کے پیروانِ محمد

صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض علماء کے ساتھ موافق ہو سکتے ہیں اور اس سے آپ کی اسلامی دین کے ساتھ ایسی مخالفت نہ ہوگی جس سے آپ اس کے پیروی کرنے والوں کی شمار سے خارج کر دیئے جائیں اس لئے کہ آپ نے کسی ایسی نص کی تکذیب نہیں کی جو کہ مدار اعتقاد ہو اور نہ آپ نے پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اجماع کی مخالفت کی جو کسی ایسے اَمر پر جس کا دین میں بالضرورت ہونا معلوم ہو چکا ہو منعقد ہوا تھا غایت سے غایت آپ نے جو روش اختیار کی اُس میں آپ نے اکثروں کی مخالفت کی اور بعض کے موافق ہوئے اور عقلی و نقلی دلیل میں تطبیق دینے کے لئے آپ نے نصوص میں تاویل کر لی ہم سب کو خدا ہی سیدھا راستہ دِکھلانے والا ہے۔

پھر سنئے کہ ہماری تقریر سابق کا خلاصہ یہ ہے کہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتقاد کے بارے میں اپنی شریعت کی ان نصوص کے ظاہری معانی پر جو کہ مدار اعتقاد قرار پا سکتی ہیں اعتماد کرتے ہیں کیونکہ شریعت میں اُن کا وارد ہونا قطعی ہے۔ اور اگر عقلی ظنی دلیل اُن کے معارض واقع ہو تو اُن کی تاویل نہیں کرتے اور نہ اُن کو اُن کے ظاہری معانی سے پھیرتے ہیں بلکہ جب عقلی قطعی دلیل اُن کے معارض واقع ہوتی ہے اُس وقت اُن کی تاویل کرنے پر مضطر ہوتے ہیں۔

اس تقریر سے دل میں یہ شبہ گذرتا ہے کہ آپ لوگوں کو اے اہل سائنس یہ کہنے کی شاید گنجائش نکلے کہ ہم مانے لیتے ہیں کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نصوص متعین المعنیٰ کے معانی کے اعتقاد کا ترک کرنا جائز نہیں لیکن نصوص ظاہر المعنیٰ جب تک کہ اُن میں غیر ظاہری معنے کا احتمال پایا جاتا ہو اگرچہ یہ احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو اپنے ظاہری معنیٰ پر دلالت کرنے کے اعتبار سے ظنی ہیں گو شریعت میں اُن کا وارد ہونا قطعی ہو۔ پس دلالت کے اعتبار سے اُن ظنی دلیلوں کے مساوی ہو گئیں کہ جو ہمارے نزدیک قائم ہو چکی ہیں۔ پس کیا وجہ ہے کہ وہ اُن نصوص کے ظاہری معانی کو ہماری دلیلوں پر ترجیح دیتے ہیں اس کے جواب میں مَیں یہ کہوں گا کہ اگرچہ نصوص

ظاہر المعنی کی اپنے ظاہری معنی پر دلالت ظنی ہے کیونکہ اُن میں بعید اور غیر ظاہری معنی مراد لینے کا احتمال پایا جاتا ہے۔ لیکن تخاطب اور بول چال میں اصل یہی ہے کہ لفظ کے ظاہری معنے ہی مراد لئے جائیں نہ کہ غیر ظاہری سوائے اُس حالت کے جبکہ کوئی ضرورت اس کی جانب داعی ہو پس بلا کسی ضرورت کے بعید معنے کے اِرادہ کرنے سے بول چال میں افادہ اور استفادہ کے اعتبار سے خلل لازم آئے گا اور اصل کو چھوڑنا پڑے گا اور اس میں جو کچھ خرابیاں ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں۔

پس اسی وجہ سے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر اجماع کر لیا ہے کہ ظاہری معنے ہی پر اعتماد کرنا ضرور ہے اور غیر ظاہری معنی کی طرف التفات کرنا جائز نہیں سوائے اُس صورت کے جب کوئی ضرورت اُس کی طرف داعی ہو اور وہ ضرورت عقلی قطعی دلیل کا معارض واقع ہونا ہے اور یہ اَمر داعی لفظ سے غیر ظاہر معنے مراد لینے کے لئے مثل قرینہ کے ہو جاتا ہے اور اس داعی کی وجہ سے یہی دوسرے معنے ظاہر بن جاتے ہیں اسی طرح اُن کو اُن کی شریعت کی جانب سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ظاہری معنے ہی پر اعتماد کریں اور اُس کے خلاف سوائے اُس صورت کے کہ کوئی داعی و مقتضی موجود ہو التفات نہ کریں۔ پس اگر فرض کیا جائے کہ قبل وقوع ایسی ضرورت کے جس سے اُن کو ظاہری معنی کو چھوڑنا ہی پڑے کسی لفظ کے ظاہر معنی ہی کے معتقد رہیں تو وہ اس اَمر کو بجالائے جس کا اُنہیں حکم دیا گیا تھا اور اُن پر کوئی گناہ نہیں ہوا اِسی طرح اگر فرض کیا جائے کہ اس کے بعد ظاہری معنے سے عدول کرنے کیلئے کوئی مقتضی و داعی ظاہر ہو گیا اور اُنہوں نے اُس نص کو اُس کے ظاہری معنے سے پھیر دیا تب بھی وہ اس اَمر کے بجالانے والے ہوئے جس کی اُنہیں تکلیف دی گئی تھی اور اُن پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہی اُن کی شریعت کا حکم ہے باقی رہی یہ بات کہ ظاہری معنی سے عدول کیلئے مقتضی و داعی کا انحصار صرف عقلی قطعی دلیل ہی میں کیوں ہو گیا ہے۔

اُس کی یہ وجہ ہے کہ اس دلیل کے چھوڑ دینے سے اس اصل کا چھوڑنا لازم

آتا ہے جس کے ذریعے سے اُن کے رسول کا سچا ہونا ثابت ہوتا ہے اور وہ دلیل عقل ہے جیسا کہ پیشتر ذکر ہو چکا ہے اور عقل کا چھوڑنا شرع کے چھوڑنے کو مستلزم ہے رہا دلیل ظنی کا معارضہ وہ ظاہری معنے کے چھوڑنے کے لئے اس وجہ سے مقتضی و داعی نہیں قرار پا سکتا کہ دلیل ظنی کے چھوڑنے سے عقل کا چھوڑنا نہیں لازم آتا جیسا کہ ظاہر ہے کیونکہ اُس میں غلطی کا بھی احتمال موجود ہے۔

پس اگر وہ ظاہری معنے کو چھوڑ دیں اور اُس کے معتقد ہو جائیں جس پر کہ دلیل ظنی دلالت کرتی ہے۔ اِس صورت میں اُن کے اعتقاد کے غلط ہونے کا احتمال ہے اور اس وقت اُن کو شریعت اس اَمر میں معذور نہیں رکھ سکتی کیونکہ اس وقت ان کو ظاہری معنے سے عدول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ اُس وقت اُن کو ضرورت درپیش تھی جبکہ عقلی قطعی دلیل معارض واقع ہوئی تھی علاوہ بریں اگر پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دلیل ظنی کا اتباع کر کے اپنی نصوص کے ظاہری معانی کو چھوڑنے لگیں تو اعتقاد میں بے انتہا خبط لازم آئے اور بڑیگڑ بڑ مچ جائے کیونکہ لوگوں کے ظنون اور گمان بکثرت ہیں ہر شخص کچھ نہ کچھ ظن اور تخمین کرتا ہے اور اعتقاد کے بارے میں یقین پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ پس اَمر صواب یہی ٹھہرا کہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریعت کی اُن نصوص کے (کہ جن کا وارد ہونا یقینی ہے ظاہری معانی کے ساتھ تمسک کریں اور محض ظنی اور تخمینی باتوں کی وجہ سے اُن کو ظاہری معانی سے نہ پھیریں۔ خدا ہی ہدایت کرنے والا ہے۔ باقی رہا آپ لوگوں کا باقی مسائل سے انکار کرنا جن کو آپ نے شریعت محمدی میں تو پایا لیکن آپ کے علوم میں اُن کی کوئی دلیل موجود نہیں یا اُن کی رُو سے وہ قابل ترک ہیں اُن کی نسبت سنئے۔ ہم سے اور آپ سے جو بحثیں ہو چکی ہیں بعض مسائل کی تو پوری تحقیق ہو چکی تاہم آئندہ موقع بموقع ہم تنبیہ کرتے جائیں گے اور جو مسائل باقی ہیں بعون اللہ تعالیٰ اُن کی تحقیق کے لئے میں ابھی گفتگو کرتا ہوں اور آپ لوگوں کو دِکھائے دیتا ہوں کہ اُن میں سے کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں جس کو عقلیں

متروک خیال کرتی ہوں بلکہ سب کے سب عقلی قواعد پر منطبق ہیں بشرطیکہ عقل سلیم سے کام لیا جائے۔ چنانچہ سُنئے میں بیان کرتا ہوں۔

یہ سب باتیں تو پہلے معلوم ہو چکی ہیں کہ مادۂ عالم پہلے نہ تھا اور پھر حادث ہوا اور یہ کہ جس نے اُس کو عدم سے پیدا کیا اور اُس سے انواع کائنات کو اس انتظام خاص پر بنا دیا وہ ہی خدا ہے اور یہ کہ وہ ان سب چیزوں کو نیست و نابود اور معدوم کرنے پر بخوبی قادر ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو باقی حیوانات سے علیحدہ اور مستقل طور پر پیدا کیا اُس سے اُس کی عورت کو بنایا۔ اور دونوں کو ایک مکان میں جس کا نام جنت ہے سکونت پذیر کیا پھر جس چیز سے اُنہیں منع کیا تھا اُس کی مخالفت کی وجہ سے دونوں کو زمین پر اُتار دیا اور یہ کہ جو کچھ عالم میں ہوتا ہے وہ سب خدا ہی کے قضاء و قدر سے ہوتا ہے یعنی وہ اُسے جانتا ہے اُس کا اِرادہ کرتا ہے اور اپنی قدرت سے اُسے موجود کر دیتا ہے اور یہ کہ جو کچھ وہ قضا (حکم) کرتا ہے وہ سب اُسی کے پیدا کرنے سے پایا جاتا ہے اُس کے سوائے کوئی خالق نہیں اگر چہ اُس نے مسببات کو اسباب کے ساتھ مرتبط کر رکھا ہے مسببات کو اس بات سے پیدا کر دیتا ہے لیکن دونوں کا وہ خود ہی خالق ہے پہلے سبب کو پیدا کرتا ہے اور اُس کے بعد ہی مسبب کو پیدا کر دیتا ہے اور تمام اشیاء میں جو تاثیر مشاہدہ کی جاتی ہے وہ خدا ہی کے پیدا کرنے اور ایجاد کرنے سے ہے کوئی شے حقیقت میں طبیعت یا اُس کی قوت کی وجہ سے جو اُس میں رکھی گئی ہو اثر نہیں کرتی اور یہ کہ خدائے سبحانہ موجود ہے۔ قدیم ہے۔ ہمیشہ رہے گا۔ اُس کا معدوم ہونا محال ہے۔ ایک ہے۔ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے۔

علاوہ اس کے عالم میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب سے غنی ہے کسی کا محتاج نہیں۔ ساری چیزیں اُسی کی محتاج ہیں۔ موجودات میں سے وہ کسی شے کے مشابہ نہیں اور نہ کوئی چیز اُس کے مشابہ ہے۔ کامل درجہ کا اِرادہ کرنے والا پورا پورا علم رکھنے والا ہے تمام چیزوں کو جو موجود ہیں خواہ گذر چکیں یا آئندہ ہوں گی۔ سب کو جانتا ہے اُس کے

علم سے کوئی شے باہر نہیں جتنی چیزیں عقلاً ممکن ہیں سب پر قادر ہے خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہی کیوں نہ ہوں۔ زندہ ہے۔ تمام صفات کمال کے ساتھ جو اُس کی ذات کے شایان ہیں موصوف ہے۔ تمام صفاتِ نقصان سے منزہ ہے پس یہ وہ مسائل ہیں جن پر سابق کے مباحث میں کافی طور پر گفتگو ہو چکی ہے۔ اب کوئی ضرورت نہیں کیونکہ بعض کے تحقق اور ثبوت پر تو میں نے یقینی دلیل قائم کردی ہے جیسے کہ مادہ کا حادث ہونا۔ خدا کا موجود ہونا۔ اور اُس کا اپنی صفات کے ساتھ متصف ہونا اور بعض کو مَیں نے آپ کے علوم کے ساتھ جن کے وہ معارض معلوم ہوتی تھیں تطبیق دے دی اور اُس کے لئے کوئی توجیہ ذکر کردی یا مَیں نے آپ کو ایسا طریق بتا دیا جس پر چلنے سے اسلامی دین کے ساتھ آپ کی ایسی مخالفت نہیں ہوتی کہ اُس سے آپ اسلام کے اعتقاد نہ رکھنے والوں میں شمار ہونے لگیں اور جس چیز کی میں نے تصریح نہیں بھی کی ہے وہ اَدنیٰ غور کرنے سے گذشتہ مباحث سے سمجھی جا سکتی ہے اور تفصیلی گفتگو بکثرت اسلامی کتابوں میں موجود ہے جس کا جی چاہے اُس کی جانب رجوع کرے۔

اب رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اُوپر سات آسمان پیدا کئے اور اِن آسمانوں کے اُوپر ایک بہت بڑا جسم جس کا نام کُرسی ہے اور اُس کے اُوپر اُس سے بھی بڑا جسم جس کا نام عرش ہے پیدا کیا۔ اور یہ کہ ہمارے اور ان اجسام کے مابین بہت ہی بڑی مسافت حائل ہے اور یہ کہ اُس نے ایک بہت بڑا جسم جس کا نام لوح ہے اور ایک دوسرا جسم جسے قلم کہتے ہیں اس لئے پیدا کیا تا کہ جتنی ہونے والی چیزیں ہیں ثبت رہیں اور لکھی جائیں گو وہ اس کا محتاج نہ تھا اور یہ کہ انسان کو خدا کی نعمتیں اُس کے ایک بنائے ہوئے مکان میں ملیں گی جس کا نام جنت ہے اور دوسرے مکان میں اُس کا عذاب ہوگا جسے جہنم کہتے ہیں۔ زمین۔ آسمان اور عالم کے تباہ ہونے کے بعد جب لوگ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے تو خدا ان لوگوں کو ان دونوں مکانوں میں داخل کرے گا پس میں کہتا ہوں کہ آپ اور پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خلاء (خلاء سے یہاں

زمین کے اُوپر کی وہ فضاء مراد ہے جو دیکھنے میں بے حد معلوم ہوتی ہے اور اس سے حقیقی خلاء مراد نہیں کیونکہ اہلِ سائنس کہتے ہیں کہ اس تمام فضاء میں ایتھر پھیلا ہوا ہے۔۱۲۔ مترجم ﴾ ممتد کے تو قائل ہی ہیں اور اس سے مراد بہت ہی دور دراز بُعد ہے جس کی وسعت کو سوچ کر عقل حیران رہ جاتی ہے پھر آپ کہتے ہیں کہ آفتاب اور ستارے اِس خلاء دُور و دَراز میں قانون کشش کے ذریعے سے قائم ہیں اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض کا قول بھی آپ کے قول کے موافق اور مؤید معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آفتاب اور ستارے آسمان میں گڑے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ خلاء میں قائم ہیں اور اُس خلاء میں جو اُن کا مدار حرکت ہے وہی اُن کا فلک ہے جیسا کہ پیشتر گذر چکا۔

پس اس سے کون سی چیز مانع ہوسکتی ہے کہ اِسی خلاءِ دُور و دَراز میں ان ستاروں کے اُدھر ان اجسام مذکورہ کو بھی خدا نے پیدا کیا ہو اور وہ ساتوں آسمان (اور اُن کا نظر نہ آنا پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض کے قول کے موافق ہے جیسا کہ پیشتر گذرا اور وہ ابوبکر بن العزلی ہیں) عرش۔ کرسی۔ لوح و قلم۔ جنت اور دوزخ ہیں۔ اور خدا نے اُن کو وہاں اپنی قدرت سے قائم کر رکھا ہے چاہے اُس نے قدرتی قوانین میں سے جنہیں کہ وہ اپنی مخلوقات میں رکھ دیا کرتا ہے کسی قانون سے کام لیا ہو یا بلا کسی طبعی قانون کے محض اپنی قدرت سے اُنہیں روک رکھا ہو کیونکہ وہ اِس بات پر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعتقاد کے موافق پورے طور سے قادر ہے کہ قوانین قدرت محض عادی اسباب میں جیسا کہ اُس نے آفتاب اور ستاروں کو اُس خلاء میں جس میں کہ وہ پائے جاتے ہیں قائم کر رکھا ہے پھر یہ سب ہم سے نہایت ہی دُور و دَراز مسافت پر واقع ہیں جیسے کہ باہم خود اُن کے مابین بہت ہی بڑی مسافتیں حائل ہیں اور اللہ کی اور اُس کی قدرت کی جو عظمت ہم اس کی مصنوعات میں جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں دریافت کر چکے ہیں اس کے لحاظ سے تو ان میں سے کوئی اَمر بھی بعید نہیں معلوم ہوتا۔ پس یہ سب چیزیں ممکن ہیں اور ہوسکتی ہیں عقل ان کو محال نہیں سمجھتی اور اللہ

کی قدرت ممکن کے ساتھ ایجاد کرنے کیلئے متعلق ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ رہا اُن کے ادراک تک آپ لوگوں کی رسائی نہ ہونا خواہ بذریعہ حواس ہو یا بواسطہ دیگر ذریعوں کے اُن کے معدوم ہونے کو مقتضی نہیں ہے اور اس تقریر سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ساتوں زمینوں کے موجود ہونے سے بھی جیسا کہ بعض شرعی نصوص میں وارد ہوا ہے کوئی اُمر مانع نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ اسی خلا میں جس میں کہ ہماری زمین اور تمام ستارے قائم ہیں چھ زمینیں اور بھی قائم ہوں اور اُن میں مخلوقات بھی پائی جاتی ہوں جیسا کہ آپ لوگ ستاروں میں مخلوقات کے موجود ہونے کا گمان کرتے ہیں۔ اور اگر آپ کہیں کہ ہم نے تو ان کو بڑی بڑی دُور بینوں سے بھی نہیں دیکھا تو میں کہوں گا ممکن ہے کہ روشن ہی نہ ہوں جو نظر آسکیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اُن کو دیکھا ہو اور اُنہیں ستاروں میں جو کہ خلاء میں قائم ہیں اُنہیں بھی شمار کر لیا ہو۔

اگر آپ کہیں ہم نے مانا کہ یہ سب کچھ ممکن اور ہو سکتا ہے لیکن اس پر کیا دلیل ہے کہ یہ سب چیزیں بالفعل موجود بھی ہیں اور کون سا اُمر باعث ہوا کہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قائل ہی ہو جائیں تو میں کہوں گا کہ اس کا باعث اُن کی شریعت کی نصوص ہیں جو اِن اجسام کے موجود ہونے کی تصریح کرتی ہیں اور یہی اُن کے وجود پر اُن کی دلیل ہے اور یہ وہ نصوص ہیں جن کا اُن کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وارد ہونا قطعی طور پر ثابت ہے اور وہ جتنی چیزوں کی خبر دیں سب میں سچے ہیں کیونکہ وہ جھوٹ سے معصوم اور محفوظ ہیں اس لئے کہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اللہ کے پاس سے ان کا رسول بن کر آنا قطعی دلیلوں سے ثابت ہو چکا ہے اور اگر آپ پوچھیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے اِن اجسام کو پیدا کیوں کیا تو میں جواب دوں گا کہ جیسے اُس نے ستاروں زمین اور باقی عالموں کو جن کا آپ مشاہدہ کرتے ہیں پیدا کیا وہی تمام چیزوں کے پیدا کرنے کی خوب حکمت جانتا ہے۔ اور وہ تو فاعل مختار ہے جو چاہے سو کرے اُس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا اور سابق میں اس اُمر پر دلیل قائم کر چکا ہوں کہ

اعمال خداوندی کے جمیع اسرار کو عقل انسانی احاطہ نہیں کر سکتی ہے۔ پس اُس کو یاد کیجئے۔
اور پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اجسام کے پیدا کرنے کے بہت کچھ اَسرار اور حکمتیں بھی بیان کی ہیں کہ اگر ہم اُن کو بیان کرنا شروع کریں تو بہت طوالت ہو جائے جس کا جی چاہے اُن کی کتابوں کو دیکھ لے۔

اب رہا یہ اَمر کہ اُس خدا نے کچھ نورانی اجسام پیدا کئے ہیں جن کا نام ملائکہ (فرشتے) ہے اور جو اپنی شکل کے بدل لینے پر قادر ہوتے ہیں اور یہ کہ آسمان اور زمین کے مابین جس قدر مسافت ہے وہ اُسے ایک بہت ہی تھوڑی مدت میں قطع کر سکتے ہیں اور یہ کہ وہ ہمارے سامنے سے اِس طرح گذر سکتے ہیں کہ ہم اُنہیں نہ دیکھیں اور یہ کہ وہ ایسے ایسے افعال کر سکتے ہیں جن سے انسانی قوتیں عاجز ہیں اور یہ کہ آسمان فرشتوں سے بھرے ہوئے ہیں جیسے کہ اُس نے کچھ دوسرے اجسام بھی جو ملائکہ مذکورہ کے ساتھ بعض خواص ہیں (جیسے کہ شکل بدل لینے پر قادر ہونا۔ نظروں سے پوشیدہ رہ سکنا۔ بڑے بڑے افعال پر قدرت رکھنا) مشابہ میں پیدا کئے ہیں لیکن وہ ملائکہ سے اس اَمر میں مختلف ہیں کہ وہ اُن کی طرح نورانی نہیں اِسی طرح بعض اور باتوں میں بھی اختلاف رکھتے ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے اور ان اجسام کا نام ''جن'' ہے۔

پس میں کہتا ہوں کہ اس سے کون سا اَمر مانع ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اجسام انہیں خواص کے ساتھ موصوف بنائے ہوں جنہیں کہ ملائکہ کہتے ہیں اور کچھ دوسرے اجسام بھی جو اُمور مذکورہ میں اُن کی نظیر ہوں پیدا کئے ہوں جن کا کہ نام ''جن'' ہو اور ممکن ہے کہ ان کا مادہ مادۂ ایتھر کی طرح ہو جس کی نسبت آپ یہ کہتے ہیں کہ تمام عالم میں بھرا ہوا ہے حالانکہ آپ نے اُسے دیکھا نہیں یا اُن کا مادہ مادۂ ہوا کی طرح ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے بنا کر اُس کے ذرّوں کو ایسی کیفیت پر مجتمع کیا ہو جس کی وجہ سے اُس میں خواص مذکورہ کی صلاحیت آ گئی ہو جیسے کہ اُس نے حیوان کو جمادی عناصر سے ایسی کیفیت پر بنایا جس سے کہ اُس نے حیات ادراک۔ اور حرکت وغیرہ

ساری قوتیں حاصل کر لیں حالانکہ پہلے عناصر میں ان میں سے کوئی شے بھی موجود نہ تھی پس ممکن ہے کہ ہمارا اُن کے دیکھنے پر قادر نہ ہونا اُن کی شفافیت اور لطافت کے باعث سے ہو جیسے کہ ہوا اور ایتھر کا حال ہے۔

علاوہ بریں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس اعتقاد کی بنا پر کہ دکھلائی دینا محض خدا کے پیدا کرنے سے ہوتا ہے جیسے کہ سابق میں اس کی تقریر گذر چکی یہ اَمر بالکل ظاہر ہے اور اُن کے اپنی شکل بدل لینے پر قادر ہونے کی توجیہ باوجودیکہ وہ عقلاً ممکن ہونے کی وجہ سے خدا کی قدرت کے تحت میں داخل ہے اس طرح ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اجسام کو ایسی کیفیت پر بنایا ہو جس کی وجہ سے وہ ہوا۔ ایتھر یا اسی کے مثل کسی اور شے سے کچھ مقدار لے لینے پر قدرت رکھتے ہوں اور اُس کو کثیف کر کے جس صورت کا چاہیں خول بنا سکتے ہوں پھر اُسے پہن لیتے ہوں اور اِس طرح نظروں میں اُسی صورت کے معلوم ہونے لگتے ہوں اور کیمیاوی اعمال میں جو اللہ تعالیٰ نے بعض اجسام کو بعض کی جانب منقلب کرنے پر جیسے کہ کثیف کو لطیف اور لطیف کو کثیف بنا دینے وغیرہ پر انسان کو قادر کر دیا ہے اسی سے ہماری تقریر کا سمجھنا عقلوں کو بہت ہی آسان ہو جاتا ہے اور چونکہ اجسام کا مختلف شکلوں پر ہو جانا کیسے ہی کیوں نہ ہو خداوندی قدرت کی عظمت کی جانب منسوب ہوتا ہے جس کے وہ اعمال عقلوں کو مدہوش کئے دیتے ہیں جو حیوان اور نباتات کو مختلف خواص عطا کرنے کے بارے میں ہوئے ہیں اس لئے اس میں ذرا بھی تعجب نہ کرنا چاہئے۔

رہا یہ اَمر کہ وہ باوجودیکہ لطیف اجسام ہیں لیکن ایسے ایسے اعمال کرنے پر قدرت رکھتے ہیں جن سے انسانی قوتیں بالکل عاجز ہیں تو مَیں کہتا ہوں کہ ہواؤں کے یہ کام کہ وہ کیسے بڑے بڑے درختوں کو اُکھیڑ کر پھینک دیتی ہیں اور نیز قوت کہربائی کے کرشمے کہ وہ کس طرح بڑی بڑی گرانبار اشیاء کو جن کو ہزاروں آدمی مل کر حرکت بھی نہیں دے سکتے کھینچ لیتی ہے دیکھ کر ملائکہ اور جنوں کے اعمال میں کچھ بھی

تعجب نہیں معلوم ہوتا خصوصاً جبکہ اس کا بھی خیال کیا جائے کہ ان کو ان اعمال کی قوت بخشنے والا وہی خدا ہے جس کی قدرت کی عظمت کے سامنے یہ ذرا بھی مشکل کام نہیں۔

اور جب ہم بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھ کی قوت سے لوہے کو توڑ ڈالتے ہیں حالانکہ اُن کے ہاتھ کی قوت محض ان کے پٹھوں کا عمل ہے جن کی انتہا ایک نہایت ہی نازک اور پتلے گودے (مبداء اعصاب جو دماغ کا ایک حصہ ہے) تک ہوتی ہے جو کہ حرکت کا مبداء ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں اور خارجی جسم کے ادنیٰ صدمے کو بھی برداشت نہیں کرسکتا بلکہ اُس مقدار سے جو اُس کیلئے ضروری ہے خون کا ایک زیادہ قطرہ بھی اُس کے نیست و نابود کرنے کیلئے کافی ہے جس کے بعد پھر انسان بھی زندہ نہیں رہ سکتا تو یہ دیکھ کر ہمیں یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شے نازک و لطیف کو ایسی قوت عطا کرنے پر بخوبی قادر ہے کہ جو کثیف اور سخت شے میں موجود نہ ہو کیوں نہ ہو اُس خدائے پاک کی عجب قدرت ہے۔

رہا ملائکہ کا اتنی بڑی مسافت کو جو ان سماوی اجسام کے مابین حائل ہے ایک بہت ہی تھوڑی مدت میں قطع کر لینا تو میں کہتا ہوں کہ عقلاً اس سے کوئی اَمر مانع نہیں ہے اس لئے کہ حرکت کی تیزی کسی حد کے ساتھ محصور نہیں اسی روشنی ہی کو دیکھئے کہ آفتاب سے کہ جو ہم سے نو کروڑ میل سے بھی کچھ زائد فاصلہ پر ہے آٹھ منٹ اور کچھ کسر کی مدت میں ہم تک پہنچ جاتی ہے اور اگر آپ کہیں کہ روشنی تو ہمارے نزدیک حرکت اور عرض ہے اور یہ اجسام ہیں تو میں کہوں گا کہ آپ کے طبعی علوم (سائنس) میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو جسم زمین پر گرتا ہے پہلے سیکنڈ میں اُس کے گرنے کی تیزی سولہ قدم اور کچھ کسر ہوتی ہے اور جب وہ آفتاب کی جانب گرے تو اُس کی تیزی پہلے سیکنڈ میں چار سو پچاس قدم اور کچھ کسر ہوگی۔ پھر اس کے مابعد کی تیزی دریافت کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ جسم کے ساقط ہونے کی تیزی پہلے سیکنڈ میں جس قدر تھی اُس کو اُس عدد کے مربع کے ساتھ ضرب دے دیں جس عدد کے لحاظ سے آپ کو تیزی

دریافت کرنا ہے مثلاً دوسرے۔ تیسرے۔ چوتھے سیکنڈوں کی تیزی دریافت کرنے کے لئے ۲، ۳، ۴ وغیرہ عددوں کے مربع کو علیحدہ علیحدہ پہلے سیکنڈ کی چال میں ضرب دے دیں تو یہی حاصل ضرب جواب ﴿مثلاً ہم کو چوتھے سیکنڈ میں اُسی جسم کی تیزی دریافت کرنا ہے جس کی پہلے سیکنڈ میں سولہ قدم چال تھی تو ۱۶ کو ۴ کے مربع یعنی ۱۶ میں ضرب دیں گے تو حاصل ضرب ۲۵۶ جواب ہوگا۔ صورت یہ ہے ۱۶×(۴)=۱۶×۱۶=۲۵۶ جواب۔۱۲۔ مترجم﴾ ہوگا۔

پس اس قانون میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حرکتِ اجسام کی تیزی اس قدر زیادہ ہوسکتی ہے کہ عقل کو سخت حیرت ہو اسی ستارۂ مشتری کو دیکھئے جس کی نسبت آپ لوگوں کی ہیئت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک گھنٹہ میں تیس ہزار میل اُس کی چال ہے یعنی توپ کے گولے سے بھی اُسی درجہ تیز چنانچہ جتنی دیر میں انسان سانس لیتا ہے اُتنے عرصے میں نو میل چل جاتا ہے اور اُس کی محوری گردش میں اُس کے سطحی اجزاء کی تیزی چار سو سڑسٹھ میل فی منٹ کے حساب سے ہے۔ حالانکہ وہ ہماری زمین سے بقول آپ کے یہاں کے ہیئت دانوں کے جن کے ساتھ دوسرے ہیئت دان بھی متفق ہیں ایک ہزار چار سو گیارہ گنا بڑا ہے پس وہ خدا جس نے اتنے بڑے کثیف جسم کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اتنی دُور و دراز مسافت کو اس قدر تھوڑی مدت میں قطع کر سکے تو اُس خدا کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ فرشتوں کو بھی بہت ہی تھوڑی مدت میں بہت کچھ مسافت کے قطع کرنے پر قادر کر دے اگرچہ یہ مسافت اُس مسافت سے جسے کہ ستارۂ مشتری قطع کرتا ہے بہت ہی کچھ زیادہ کیوں نہ ہو لیکن تاہم اس ستارہ کی رفتار صحیح طور پر نظر کرنے سے اس بات پر عقل کی کچھ تسکین سی ہو جاتی ہے کہ جس خدا نے اس ستارے کو اس قدر تیزی سے چلا رکھا ہے اس جنس کے بڑے سے بڑے عمل پر بھی وہ قادر ہے خصوصاً جب کہ گرنے والے اجسام کے قانون نے حرکت اجسام کی تیزی کی بے حد زیادتی اور بھی صاف طور پر ظاہر کر دی ہو اور اگر آپ کہیں کہ مشتری کی رفتار تو بذریعہ قوت کشش کے ہے جیسا کہ ہمارے علوم میں اس کی تفصیل موجود ہے اور اسی

طرح گرنے والے اجسام کی تیزی بھی اسی کشش کا نتیجہ ہے۔

تو میں کہوں گا کہ پھر وہ قوت کشش ہے کیا چیز جس کا نام لے کر آپ ہمیشہ ڈینگ مارا کرتے ہیں اور اُس کی جانب کائنات میں بڑے بڑے اعمال کو منسوب کرتے ہیں حالانکہ آپ کو نہ اُس کی حقیقت معلوم ہے اور نہ آپ یہی بتا سکتے ہیں کہ وہ اجسام میں کیوں قائم ہے اور اس کا کیا سبب ہے غایت سے غایت آپ ان حوادث کائنات کی وجہ بتانے کے لئے جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے جیسے کہ نظام شمسی وغیرہ اُس کے قائل ہو گئے ہیں اور اُس کے ثبوت کے تسلیم کر لینے کی تقدیر پر بتائیے تو سہی کہ اسے ایجاد کس نے کیا اجسام کا خاصہ کس نے بنا دیا اور کائنات میں اتنے اتنے بڑے اعمال اُس سے کس نے لئے کیا اُس خدا کے علاوہ کوئی دوسرا ہو سکتا ہے جس نے کائنات کو عدم سے ایجاد کر دیا اعلیٰ درجہ کی حکمتوں اور کامل انتظام پر بنایا۔ پس جب یہ خدا قوت کشش کی ایسی چیز کے ایجاد کرنے اور اُس سے ایسے ایسے اعمال کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ اس سے کب عاجز رہ سکتا ہے کہ ملائکہ (فرشتوں) کو اتنی بڑی مسافت کے بہت ہی تھوڑی مدت میں قطع کرنے پر قادر کر دے خواہ کسی قدرتی قانون کے ذریعہ سے جو اُن میں اُس نے رکھا ہو یا بلا کسی قانون کے کیونکہ سب کچھ عقلاً ممکن ہے اور اُس کی قدرت عظیمہ کچھ ہی کیوں نہ ہو سب کی صلاحیت رکھتی ہے۔

رہا آسمانوں کا فرشتوں سے بھرا ہوا ہونا تو اس میں کوئی بھی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہ بھی منجملہ مخلوقات خداوندی کے ہیں جن کو اُس نے انہیں آسمانوں ہی میں سکونت پذیر کر دیا ہے جیسے کہ کائناتِ ارض کو زمین میں ساکن کر رکھا ہے اور جیسے کہ کروڑوں ہی حیوانات جو خوردبین سے معلوم ہوتے ہیں ایک قطرۂ پانی میں ساکن بنائے ہیں اور اُس کی قدرت بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیز سب کے ساتھ مساوی نسبت رکھتی ہے کسی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور آپ اور آپ کے علاوہ اور لوگوں میں سے بہتیرے ہیئت دانوں کا یہ گمان ہے کہ ان ستاروں میں اِنسان کی طرح

بڑے بڑے کام کرنے والی کائنات موجود ہے جن کے وجود پر اُن کے اعمال کے آثار سے جو بذریعہ بڑی بڑی خوردبینوں کے خیال میں آئے ہیں استدلال کرتے ہیں وہ آثار یہ ہیں جیسے راستوں کا مفتوح ہونا اُس میں کچھ گڑھے سے معلوم ہونا وغیرہ۔

پس اس بیان کے بعد آسمانوں میں ملائکہ کے موجود ہونے اور اُن سے آسمانوں کے پُر ہونے سے تعجب ہی کا کون موقع ہے اور اگر آپ یہاں بھی یہی کہیں کہ جملہ گذشتہ اُمور یعنی ''ملائکہ'' اور ''جن'' کے ثابت ہونے۔ اُن میں ان خواص کے پائے جانے اور آسمانوں کے فرشتوں سے پُر ہونے پر پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا دلیل ہے! تو یہاں بھی مَیں یہی کہوں گا کہ ان سب چیزوں پر اُن کی دلیل اُن کی شریعت کی نصوص ہیں جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناطق ہوئے ہیں اور وہ سچے ہیں اور اُن کے سچے ہونے کی تصدیق اُن کی رسالت کے قطعی دلائل سے ثابت ہوجانے سے ہوچکی ہے یہی اَمر ہے جس نے اُنہیں اس کے اعتقاد پر آمادہ کردیا ہے اور یہ سب کچھ عقلاً ممکن ہے جس کے ماننے سے کوئی محال نہیں لازم آتا اس لئے وہ بلا کسی تاویل کے اس کے ساتھ ایمان لے آئے۔

رہا یہ اَمر کہ اِنسان میں ایک جان ہے جسے رُوح کہتے ہیں اور وہ اُس کے بدن کے علاوہ ہے اور اُس کو بدن سے ایسا تعلق ہے جس کی وجہ سے اُس میں حیات پیدا ہوتی ہے اور جب وہ اُس سے جدا ہوجاتی ہے تو اُس کو موت آجاتی ہے اور یہ کہ یہ رُوح بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اُسے ادراک ہوتا ہے اور اَلم حاصل کرسکتی ہے اور یہ کہ اِنسان کو مرنے اور فناء ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ پھر لوٹائے گا اور اُس کے ساتھ دوبارہ رُوح کا تعلق پیدا کردے گا اور اُس نے جو اپنی زمینی زندگی کی مدت میں اچھے عمل کئے ہوں گے اُن کی جزاء دے گا اور بُرے عمل میں اُن کی سزا کرے گا اور جس وقت بدن کے ساتھ رُوح کا تعلق ہوتا ہے اور اُس میں حیات قائم ہوتی ہے اُس وقت لذت اور اَلم مجموعہ رُوح اور بدن کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور یہ کہ

باقی حیوانات کی بھی انسان ہی کی طرح اَرواح ہوتی ہیں اور اُنہیں اتنا ادراک حاصل ہوتا ہے جتنا کہ اُنہیں اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے کافی ہو البتہ اتنا ادراک اور اتنی عقل اُن کو نہیں حاصل ہوتی جتنی کہ انسان کو ہوتی ہے چنانچہ اِسی لئے خدا کی عبادت کی تکلیف انسان کو دی گئی ہے نہ باقی حیوانات کو پس میں کہتا ہوں جب آپ نے اُمور مذکورہ کی تصدیق سے اس بناء پر انکار کیا کہ آپ کے علوم سے محض ہیکل انسانی ہی کا پتہ لگ سکا اور اس کے سوا کسی چیز کو جیسے کہ رُوح آپ نہ جان سکے۔ علیٰ ہذا القیاس حیوانات میں بھی آپ ارواح کو نہ دریافت کر سکے تو سنئے!

کہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر متفق ہیں کہ ہر انسان کے ایک روح ہوتی ہے جسے کہ اُس کے بدن سے تعلق ہوتا ہے لیکن ہاں اُس کی حقیقت سے بحث کرنے میں اُنہوں نے اختلاف کیا ہے پس بعضوں نے تو اُس میں خوض ہی نہیں کیا اس لئے کہ صاحب شریعت سے اُس پر کوئی دلیل نہیں وارد ہوئی تھی ان لوگوں کے طریق پر اُن شرعی نصوص کے تصدیق کرنے کیلئے جو رُوح کے وجود پر دلالت کرتی ہیں صرف یہی اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ ہر انسان کے رُوح ہوتی ہے اور وہ ایک موجود شے ہے جس کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور اُس کے وجود کے قائل ہو جانے سے عقل کے ذرا بھی خلاف نہیں لازم آتا۔ رہا اس کا محسوس نہ ہونا یہ اُس کے عدم کو مقتضی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ہم اُس کو اُس کی لطافت کی وجہ سے محسوس نہ کرتے ہوں جیسے کہ ایتھر جس کے آپ لوگ قائل ہیں حالانکہ آپ نے کبھی اُسے محسوس نہیں کیا یا اُس کے بہت سے باریک اور چھوٹے ہونے کی وجہ سے ہم اُس کا ادراک نہ کر سکتے ہوں جیسے کہ وہ حیوانات جو بذریعہ خوردبیں (مائیکرا سکوپ) کے نظر آتے ہیں یا کسی اور وجہ سے اور ان میں سے بعض لوگوں نے اُس کی حقیقت سے بحث کرنے میں خوض کیا ہے چنانچہ بعض محققین نے کہا ہے (اور وہ شیخ نودی ہیں جیسا جوہرہ کے حاشیۂ امیر میں ہے) کہ رُوح کے بارے میں جتنے اقوال ہیں سب میں زیادہ صحیح بعض محققین

(وہ امام الحرمین ہیں) کا یہ قول ہے کہ رُوح ایک لطیف۔ شفاف بالذات زندہ جسم ہے جو اجسام کثیفہ میں اُسی طرح رگ و پے میں سرایت کیے رہتا ہے جیسے کہ سبز شاخ میں پانی۔ پھر بعض تو یہ کہتے ہیں کہ بدن میں اُس کی جائے قرار معلوم نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اُس کا مقر پیٹ ہے بعض کہتے ہیں قلب کے قریب ہے۔ بعض کہتے ہیں قلب ہی ہے۔ پھر اُنہوں نے نفس حقیقت انسان میں اختلاف کیا ہے۔

پس بعض کہتے ہیں (اور وہ جمہور متکلمین ہیں جیسا کہ رازی وغیرہ میں ہے) کہ انسان بدن ہی ہے لیکن ہاں اُس کی رُوح ہوتی ہے (جیسا کہ پیشتر گذر چکا) جو اُس کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اور رُوح کے متعلق ہونے سے خدا کے پیدا کرنے کے باعث سے بدن کو حیات حاصل ہوتی ہے بعض کہتے ہیں کہ انسان مجموعہ رُوح اور بدن کا نام ہے۔ اور بعض قائل ہیں جن کی تعداد بہت کم ہے کہ انسان فقط رُوح ہی ہے اور بدن صرف اُس کا قالب ہے۔ لیکن بعد اس کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے مرنے اور اُن کے بدنوں کے فناء اور منتشر ہو جانے کے بعد اُن کے بدنوں کو دوبارہ بنا کر اُنہیں ضرور زندہ کرے گا اور اُن کی اَرواح کا اُن کے بدنوں کے ساتھ تعلق پیدا کر دے گا اور اُن سے حساب لے گا پھر اُن میں سے بعض کو جنت یعنی جزاء کے مکان میں داخل کر دے گا اور بعض کو جہنم یعنی سزا کے مکان میں داخل کرے گا اور یہ دوبارہ زندہ کیا جانا اور جو اُس کے توابع ہیں سب کچھ اسلامی دین کے قطعی اُصولوں میں سے ہے جس پر اُن سب کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور یہ دین کے ضروری معلومات میں سے ہے یہاں تک کہ جو اُس کے ممکن ہونے یا اُس کے واقع ہونے سے اِنکار کرے وہ اسلامی دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ شرعی نصوص میں بکثرت مقامات پر اس کی تصریح موجود ہے اس پر دلائل قائم کیے گئے ہیں۔

(مترجم کہتا ہے کہ کچھ عجب نہیں کہ اِس مقام پر پہنچ کر ناظرین کو خیال پیدا ہو کہ قبل ثبوت بعث کے تمام عالم کے فناء ہو جانے کو جس کو قیامت کہتے ہیں ذکر کرنا

مناسب یا واجب ہے تو سمجھنا چاہئے کہ اس فناء کا امکان چونکہ نہایت بدیہی تھا کیونکہ عالم کے ہزاروں کائنات ہمارے مشاہدہ میں فنا ہوتے چلے جاتے ہیں سواُن کائنات فانیہ ودیگر کائنات میں فرق ہی کیا ہے ممکن ہے کہ اِسی طرح سب ایک روز فنا ہوجاویں اس لئے اِس کا بالاستقلال بیان کرنا مصنف نے ضروری نہیں سمجھا بخلاف بعث بعد الموت کے کہ اس میں کسی قدر خفا تھا اُس میں گفتگو شروع کردی مگر زمانہ حال کے خیالات کے موافق ہم نے مناسب سمجھا کہ اِس بحث سے بھی یہ کتاب خالی نہ رہے اس لئے اس کے متعلق ہم ایک مفید مضمون بطور حاشیہ کے نقل کرتے ہیں جس کو ہم نے فاضل حکیم محمد علی صاحب ایڈیٹر ''مرقع عالم'' کی ''تقریر دلپذیر'' سے خلاصہ کیا ہے جس میں امکان سے گذر کر وقوع کو قریب بہم کر دکھلایا ہے اب قیامت و بعث کا مضمون مکمل ومرتب ہوجائے گا وہ مضمون مفید یہ ہے۔ ''آپ لوگ کہتے ہیں سائنس کا یہ مسلم مسئلہ ہے کہ انرجی (یعنی کسی کام کرنے کی قوت یا مدّ مقابل پر غالب آنے کی قوت جس کو قدیم فلاسفہ کی اصطلاح میں مبدء میل کہہ سکتے ہیں) کبھی ضائع نہیں جاتی اور جو چیز حرکت کررہی ہے اگر اُس کا کوئی روکنے والا نہیں ہے تو ہمیشہ اسی طرح حرکت کئے جائے گی چنانچہ ''پروفیسر بل فورٹ اسٹورٹ'' نے بھی کتاب ''کنسرویشن آف انرجی'' (انرجی کبھی ضائع نہیں ہوتی) میں اس کو خوب ثابت کیا ہے اس لئے زمین اوردیگر سیارے جس طرح اب حرکت کررہے ہیں اسی طرح برابر حرکت کئے جائیں گے اوراسی کے بھروسہ پرآپ بڑے دعوے سے کہا کرتے ہیں کہ جب انرجی ضائع نہیں جاتی اورحرکت میں رہنے والی چیز ساکن نہیں ہوسکتی تو پھر کیونکر دنیا کا خاتمہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں آپ مانتے ہیں کہ زمین میں دو حرکتیں ہیں ایک محوری (محوری حرکت وضعی ہے اوردُوری حرکت اینی ہے ۔۱۲۔ مترجم) یعنی روزانہ جس سے وہ چوبیس (۲۴) گھنٹہ کے اندر ایک مرتبہ اپنے محور پر گھوم جاتی ہے۔ اور دوسری حرکت دوری یا سالانہ جس سے وہ سال بھر میں آفتاب کے گرد گردش کرجاتی ہے اور یہ دونوں حرکتیں

بوجہ رگڑ کے حرارت میں تبدیل ہوتی جاتی ہیں اور زمین کی تیز رفتاری میں کمی آتی جاتی ہے روزانہ حرکت میں کمی ہونے کی خاص وجہ یہ ہے کہ مدّ و جزر (جو ماہتاب کی کشش سے ہوتا ہے) کی حرکت یا رفتار زمین کی حرکت سے (جو اپنے محور کے گرد ہے) خلاف ہے۔ اسی وجہ سے زمین اور پانی میں بے انتہا رگڑ پیدا ہوتی ہے جس سے پانی بانسوں اُونچا ہو جاتا ہے اور یہ رگڑ اگرچہ زور میں گھومنے والی زمین کی رفتار کو فوراً روک یا کم تو نہیں کر سکتی مگر ہاں رفتہ رفتہ اُس کے زور کو کم اور رفتار کو سُست کرتی جاتی ہے ہمارے اس دعوے کا ثبوت اُن منجموں کی تحریرات سے آپ کو مل سکتا ہے جنہوں نے گذشتہ زمانہ کے کسوف و خسوف کو اپنے حساب سے دریافت کیا اور اُس کا مقابلہ اگلی تاریخی کتابوں سے کیا کہ وہ کب پڑے تھے۔ اور ان دونوں مقابلوں سے یہ بات اُن کو معلوم ہوئی کہ گذشتہ زمانہ کے کسوف و خسوف اور حال کے کسوف و خسوف میں فرق ہے جس سے بدیہی نتیجہ نکلتا ہے کہ زمین کی روزانہ حرکت میں بہ نسبت سابق کے اب کمی ہے اور آخری نتیجہ اس رگڑ کا یہ ہوگا کہ اب چوبیس گھنٹہ میں اپنے محور کے گرد دورہ کر جانے والی زمین آئندہ کبھی اس قدر زمانے میں حرکت کر سکے گی جس قدر عرصہ میں کہ ماہتاب حرکت کرتا ہے یعنی اُنتیس (۲۹) دِن بارہ (۱۲) ساعت چوبیس (۲۴) دقیقہ اور تین ثانیہ اور پھر رگڑ موقوف ہو جائے گی۔ سالانہ حرکت کی قوت میں کمی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خلاء محال ہونے کا مسئلہ فلسفہ میں اچھی طرح مدلل ہو چکا ہے اور یہ اَمر بھی سائنس نے خوب اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ زمین اور آفتاب کے مابین کوئی مادی چیز ضرور ہے جس کو ایتھر سے تعبیر کرتے ہیں اور جب ایسی قوی چیز موجود ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ اُس میں اور گھومتی ہوئی زمین میں رگڑ پیدا ہو جس کے اثر سے زمین کی سالانہ حرکت میں بھی ضرور فرق واقع ہوگا ایک دُم دار ستارہ جس کو ''ایکنز کمٹ'' کہتے ہیں جبکہ وہ غائب ہوتا ہے اور پھر جب وہ طلوع ہوگا ہم کو حساب سے اچھی طرح معلوم ہے لیکن آبزرویشن (مشاہدہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی حرکت گھٹتی جاتی ہے جس

سے یہ بات بخوبی ثابت ہوئی ہے کہ یہ حیرت انگیز کمی اسی مادہ کی رگڑ کی وجہ سے ہے جو ہوا کی طرح سیاروں کے مابین میں واقع ہے یا وہ سیارے اُس کے اندر اُسی طرح حرکت کررہے ہیں جس طرح پانی کے اندر مچھلیاں یہ رگڑ زمین کی حرکت کے مقابلہ میں گو بہت کم ہے۔ یہ کہنا چاہئے کہ کوئی چیز نہیں لیکن دق کی حرارت کی طرح آہستہ آہستہ اپنا اثر کرے گی اوراس کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ کل سیاروں کی حرکت میں فرق آ جائے گا اور حرکت کرنے کی انرجی (قوت) حرارت میں تبدیل ہو جائے گی۔

گو اس موقع پر ''پروفیسر بل فورٹ اسٹورٹ'' کی کتاب ''کنسرویشن آف انرجی'' (انرجی کبھی ضائع نہیں ہوتی) ہمارے ساکت کرنے کیلئے کھول کر رکھ دی جائے گی مگر ہمارے دعوے کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ ہمارا مطلب یہ نہیں کہ زمین کے حرکت کرنے کی انرجی ضائع ہو جائے گی بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اُس کی انرجی حرارت کے قالب میں بدل جاوے گی اور پھر اس وسیع اور پُر فضا میدان یعنی دنیا میں ایسی آگ برسنے لگے گی کہ کوئی جاندار جانبر نہ ہو سکے گا۔

انرجی کا حرارت کی صورت میں تبدیل ہو جانا

﴿دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا﴾

گو نیوٹن کی آنکھ سے ضرور چھپا ہوا تھا اور اس کے بعد بھی کچھ دِنوں اس اَمر میں پس وپیش رہا کہ متحرک جسم کے رُک جانے پر انرجی کیا ہوئی کہاں گئی لیکن بعض بعض فلاسفروں کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ نیوٹن سے پہلے بھی بعض بعض کو اس اَمر کا شبہ سا تھا کہ شاید انرجی حرارت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور پھر تو یورپ کے محققین میں سے سر ہمفری ڈیوی۔ بنجمن۔ ٹامسن۔ سکاؤنٹ۔ کرمفرڈ۔ سی کوئین۔ میر۔ کولڈنگ اور ہیرن کی تحقیقات نے اِس مسئلہ کو بہت اچھی طرح ثابت کر دیا کہ انرجی واقعی حرارت کے قالب میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

(بس اسی بناء پر ہم بھی کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ انرجی جس پر خدا کی جاندار مخلوق کی حیات منی ہے اب خراب ہوتی جاتی ہے۔ حرارت تمام عالم میں پھیلتی جاتی ہے۔ اور سال بسال اُس کو ترقی ہوتی جاتی ہے تو اُس کا بڑھنا ابھی ہم کو محسوس نہیں ہوتا مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ آگے چل کر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اُس کے بڑھنے سے ہم اچھی طرح واقف نہ ہو جائیں گے۔ ''سر ڈبلو ٹامسن'' کہتے ہیں کل یونیورس (عالم) ایک سسٹم (منتظم) ہے جس کی ابتداء تھی اور ختم ہوگا اس لئے کہ زوال کی حالت ہمیشہ ایک حال پر اور ایک ہی حد پر نہیں ٹھہر سکتی۔'' ہمارے زمانہ حال کے محققین سائنس میں سے پروفیسر گال اور رابرٹ صاحب نے کیا خوب کہا ہے ''اگر ہم یونیورس کو ایک ایسا لیمپ فرض کریں جو نہیں جلا ہے تو شاید ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمیشہ سے ہے لیکن اگر اس کو مثل ایسے لیمپ کے خیال کریں کہ جو جلایا گیا ہے تو ہم کو اس کا پورا یقین ہے کہ وہ ازل سے نہیں جلتا ہے اور ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ گل ہو جائے گا دنیا کے مختلف مقاموں کی آبادی اور اُس کے کُل کاموں کا مدار حرارت کے مختلف درجوں (ٹمپریچر) پر ہے جس کا اعتدال اس رقیق مادے پر منحصر ہے جو آفتاب زمین اور سیاروں کے مابین بھرا ہوا ہے۔ اور جو سیاروں کی مختلف حرکتوں کو رگڑ کر برابر کر رہا ہے مگر انرجی کے حرارت میں تبدیل ہونے سے جب اس ایتھر کا ٹمپریچر اپنی حد سے تجاوز کر جائے گا تو دنیا رہنے کی جگہ نہیں رہے گی۔ نباتات کا زمین پر کہیں نام نہ رہے گا۔ کنویں ٹوٹ جائیں گے، دریاؤں میں خاک اُڑے گی اور پھر کُل جاندار کیا چرند کیا پرند کیا انسان حیوان سب مر کر رہ جائیں گے۔ سیاروں کے حرکت کرنے کی قوت (انرجی) جب حرارت میں تبدیل ہوتے ہوتے بہت کم رہ جائے گی تو اس کی حرکت کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ سب سیارے کسی وقت میں آفتاب سے لڑ جائیں گے۔ حشر برپا ہو جائے گا۔ زمین پھٹ جائے گی۔ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اُڑیں گے۔ ہستی کا یہ سارا طلسم ٹوٹ جائے گا اور یہی دنیا کا خاتمہ ہے۔۱۲۔ مترجم)

اور ان نصوص کی تصدیق کرنے اور بعث مذکور (دوبارہ زندہ کئے جانے) کے اعتقاد رکھنے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس بات کا اعتقاد کر لیا جائے کہ حساب کیلئے بدن کو اُس کے فنا ہونے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے اور اَرواح کا اُن کے ساتھ مکرر تعلق پیدا کرنے کے ذریعے سے بعث اور اُس کے توابع ضرور واقع ہوں گے اور یہ اعتقاد ایسے طریق پر ہونا چاہئے جس میں کوئی عقلی محال لازم نہ آئے بلکہ امکان عقلی کے دائرے میں رہے اور ظاہر ہے کہ جو شئے عقلاً ممکن ہے وہ ضرور اللہ کی قدرت کے تحت میں داخل ہے۔ اُن کیلئے یہ ضروری نہیں کہ اس دوبارہ پیدا کئے جانے کی تفصیل اور اُس کی کوئی کیفیت بھی جو عقلاً ممکن ہو انہیں معلوم ہو کیونکہ اُن کی شریعت کی جانب سے انہیں اُس کی تکلیف نہیں دی گئی لیکن جب اُن پر اُن کے مخالفین نے جو بعث کے منکر ہیں اس قسم کے اشکالات وارد کئے جن سے بدن کے دوبارہ پیدا کرنے میں بظاہر عقلی محالات لازم آتے ہوئے معلوم ہوئے تو اُن کو ضرورت پڑی کہ وہ دوبارہ زندہ کئے جانے اور اُس کی ممکن کیفیت کے بارے میں اپنے مخالفین کی تسکین کرنے کیلئے اُس کی تفصیل میں خوض کریں اور غور کر کے کوئی ایسی ممکن کیفیت بیان کریں جس سے عقلوں کو تسکین ہو جائے اور کمزور دین والوں کے خیالات پریشان نہ ہوں چنانچہ جو اشکالات بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے پر مخالفین کی جانب سے اُن پر وارد کئے گئے ہیں اُن میں زیادہ تر مشہور یہ ہیں کہ انسان اپنے مادہ کی وجہ سے انسان نہیں ہے۔ بلکہ اپنی صورت کی وجہ سے ہے اور انسانی افعال اُس سے صرف اُس کی صورت ہی کے پائے جانے کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں چنانچہ مادہ سے جب اُس کی صورت باطل ہو جائے گی اور مادہ اپنے اُصول یعنی عناصر کی جانب لوٹ آئے گا تو سرے سے وہ انسان ہی نابود ہو جائے گا پھر جب اُسی مادہ سے انسان کی جدید صورت بنائی جائے گی تو اُس سے دوسرا انسان پیدا ہو گا نہ یہ کہ پہلا کیونکہ دوسرے میں پہلے انسان کا صرف مادہ موجود ہے نہ اُس کی صورت اور وہ قابل تعریف یا قابل مذمت اور مستحق ثواب یا

عقاب اپنے مادہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اپنی صورت کی وجہ سے ہے پس لازم آتا ہے کہ جس انسان کو ثواب یا عقاب دیا جائے گا وہ نیکوکار یا بدکار انسان نہ ہو بلکہ ایک دوسرا انسان ہو جو مادہ میں اُس کا شریک ہے۔ اور نیز یہ اعتراض کہ جب کوئی انسان کسی انسان کو کھا جائے تو اُس کی غذا بن جانے کی وجہ سے دونوں ایک ہو جائیں گے پس بعث کے وقت دو روح ایک انسان کے ساتھ کیسے متعلق ہوں گی اور نیز یہ اعتراض کہ اکثر روئے زمین پر پُرانے مُردوں کی لاشوں کے اجزاء ہیں اور اُن میں بہت کچھ کاشتکاری کیلئے درخت لگائے گئے اور اُن سے لوگوں نے غذا حاصل کی اور یہ غذا گوشت اور خون بن کر اُن کے بدن کا بھی جزو ہوگئی۔

پس ایک اصل اور ایک مادہ اتنے بہت سے آدمیوں کی صورتوں کے لئے کیونکر ہو سکے گا فقط'' ان اشکالات کے مقابلہ میں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے دفع کرنے کے لئے اجمالاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وسعت علم اور اُس کی عظمتِ قدرت جن دونوں پر کہ اُس کے مصنوعات کے عجائب اُس کے اعمال کی غرائب ودقائق کے ذریعہ سے یقینی دلیل قائم ہو چکی ہے۔ ان دونوں کے لحاظ سے بعث کا ایسے طور پر ہو جانا جس سے وہ محالات جو ان اشکالات میں لازم کئے گئے ہیں لازم نہ آئیں ذرا بھی مستبعد نہیں ہے اور بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے ساتھ ایمان لانا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ کسی ایسے طریق پر واقع ہوگا جس سے کوئی محال نہ لازم آئے ہمارے لئے بالکل کافی ہے اپنے ایمان کے صحیح کرنے کے لئے ہمیں یہ ضروری نہیں کہ ہم اُس کی اُس کیفیت کو بھی بیان کریں جسے اللہ تعالیٰ اس میں جاری کرے گا ہمیں اس کا تفصیلی علم اللہ کے حوالہ کرنا چاہئے لیکن عقل کی تفصیلی تسکین کرنے اور کمزور دین والوں کے خیالات پریشانی سے بچانے کے لئے ہم کہتے ہیں کہ جسم کے جو اجزاء لوٹائے جائیں گے وہ سب اصلی اجزاء ہوں گے یعنی وہ اجزاء جو اوّل عمر سے آخر تک باقی رہتے ہیں نہ زائد اجزاء ایسا ہی اُس شبہ کے جواب دینے کے لئے جو ایک اِنسان

کی دوسرے انسان کو کھا جانے کی بناء پر کیا گیا ہے ''جمع الجوامع'' اور اُس کے حاشیۂ کمال سے نقل کر کے یواقیت میں اصلی ﴿ظاہر بات ہے کہ کیا انسان اور دیگر حیوانات زمانۂ حیات میں سب کے بدن سے اجزاء تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور بجائے اُن کے بذریعہ غذا کے دوسرے اجزاء جزوبدن بنتے رہتے ہیں اب یہ تبدیلی یا تو تمام اجزاء میں ہوئی ہوگی یا صرف بعض میں تبدیلی ہوگی اور بعض اجزاء اوّل عمر سے آخر تک باقی رہتے ہوں گے اوّل تقدیر پر تو یہ بات ثابت ہوگی کہ اگر کسی انسان کے سارے اجزاء بدل جائیں جب بھی وہ انسان دوسرا انسان نہیں بنتا بلکہ اُس میں صرف اُس کی رُوح کا اعتبار ہے اور ثانی تقدیر پر اصلی اور زائد اجزاء ثابت ہو جائیں گے بہرحال دونوں تقدیر پر انسان کا دوبارہ زندہ کیا جانا بلاتکلف ثابت ہوتا ہے۔۱۲۔ مترجم﴾ اجزاء اور زائد اجزاء کا ماننا مذکور ہے اور اسی اَمر سے باقی شبہوں کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے جیسے کہ میں ابھی اُس کی تقریر کرتا ہوں پس کون اَمر مانع ہو سکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ جس کا علم وسیع اور قدرت نہایت ہی عظیم ہے انسان کے ان اصلی اجزاء کو متفرق ہونے اور اپنی صورت کے زائل کرنے سے محفوظ رکھے اور دوسرے حیوان کے اصلی اجزاء کی ترکیب میں نہ داخل ہونے دے چاہے وہ زائد اجزاء کی ترکیب میں داخل ہو جائیں اس طرح پر اصلی اجزاء اُن کے منتشر ہونے کے وقت اُن سے جدا ہو جائیں گے پھر بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے وقت رُوح کا تعلق خدا اُنہیں اصلی اجزاء کے ساتھ کر دے گا اور اُن کے ساتھ کچھ زائد اجزاء بھی ملا دے گا۔ عام ہے کہ یہ بعینہٖ وہی اجزاء ہوں جو قبل موت کے ان اصلی اجزاء کے ساتھ منضم تھے یا دوسرے ہوں اور نعمت و عذاب کا احساس صرف رُوح اور انہیں اجزاء اصلیہ کو ہوگا۔ اس کیفیت پر یہ اَمر بخوبی صادق آتا ہے کہ یہ دوبارہ زندہ کرنا ہے کیونکہ رُوح کا اصلی اجزاء کے ساتھ دوبارہ تعلق پیدا کیا گیا ہے بعد اس کے کہ اُن اجزاء سے رُوح کا تعلق جدا ہو گیا تھا اور انہیں اصلی اجزاء میں حیات لوٹائی گئی ہے اور اُن کے ساتھ زائد اجزاء ملا دیئے گئے ہیں جن کے بعینہٖ اعادہ کرنے پر انسان کا اعادہ کرنا اور دوبارہ زندہ کیا جانا موقوف

نہیں پس اب نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس انسان کو نعمت یا عذاب دیا جائے گا وہ اُس انسان کا غیر ہے جو قبل موت کے تھا اور نہ یہ کہ دو رُوحوں کا ایک بدن کے ساتھ متعلق ہونا لازم آتا ہے اور نہ یہی کہ بہت سے آدمیوں کیلئے صرف ایک ہی مادہ ہوگا بلکہ اصلی اجزاء کے ساتھ کسی رُوح کے متعلق ہونے کی وجہ سے جیسے کہ قبل موت وہ کوئی انسان تھا اسی طرح بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے وقت بھی اُسی رُوح کے اُنہیں اصلی اجزاء کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے بعینہ وہی انسان رہے گا اور خدا کا علم اور اُس کی قدرت اس کیفیت کو ایسے طور پر جاری کرنے کیلئے جس سے کوئی بھی محال نہ لازم آئے کافی ہے چاہے یہ اَمر کسی قدرتی قانون کے ذریعے سے انجام پائے یا بلا کسی قانون کے اور ہمارا اُن کو نہ دیکھنا اُن کے واقع میں نہ ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ ہم صرف زائد اجزاء کو مشاہدہ کرتے ہوں اور اصلی اجزاء خواہ اپنے باریک اور چھوٹے ہونے یا اپنی لطافت کے باعث یا کسی اور وجہ سے ہمارے مشاہدہ میں نہ آسکتے ہوں اور کائنات میں تو بہت سے عالم ایسے ہیں جو ہمارے حواس سے مخفی اور پوشیدہ ہیں (جیسے گیس ایتھر وغیرہ) تو ممکن ہے کہ یہ بھی اسی قبیل سے ہوں۔

خلاصہ یہ کہ ہماری شریعت کی نصوص بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے ساتھ ناطق ہیں اس لئے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اس کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ امر ایسے طریق پر ہوگا جس سے کوئی محال نہ لازم آئے اور ہمارے ذمہ اس کی تفصیلی کیفیت کا بیان کرنا ضروری نہیں اور اگر اس کی ضرورت ہی ہو تو ہمارے خیال میں ایسی ہی کیفیت جس کی ہم نے تقریر کی عقلوں کو تسکین بخشنے اور اشکالات کے دفع کرنے کے لئے بالکل کافی ووافی ہے۔ زیادہ تو خدا ہی جانتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ خدا کے فضل سے اس مقام کی توجیہ اور توضیح ایسے طور پر ممکن ہے کہ جن شرعی نصوص پر اعتقاد کے بارے میں مدار ہے اُن میں سے کسی کے بھی خلاف نہ پڑے اور اس مقام پر ضرورت ہے کہ میں اُمتِ محمدیہ کے علماء کا کچھ کلام اس کے پیشتر ذکر کردوں تا کہ اُس

کے سمجھنے کے بعد یہ توجیہ اچھی طرح دل کو لگے۔

پس سنئے کہ شریعت محمد یہ کے علماء اکابر میں سے جس شخص نے اس بات پر کہ اصلی انسان اس ڈھانچہ کے علاوہ ہے استدلال کیا ہے (امام رازی ہیں اپنی تفسیر کبیر میں ذکر کرتے ہیں) چنانچہ ﴿مقصود اس تقریر سے اپنے مقابل کو الزام دینا نہیں ہے بلکہ صرف یہ بات دکھلانا ہے کہ علماء اُمت محمد یہ کی کیا رائے ہے تاکہ آگے چل کر جو احتمالات ممکنہ بیان کئے جاویں اُس میں شبہ مخالفت رائے علماء اُمت کا نہ ہو۔ واللہ اعلم﴾ وہ کہتے ہیں "کہ اس بات کا تو ہمیں بدیہی علم حاصل ہے کہ بدن کے اجزاء کمی اور زیادتی کے اعتبار سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں جیسے کہ فربہ اور لاغر ہونے میں اور یہ بات بھی بالبداہت معلوم ہوتی ہے کہ متبدل اور متغیر ہونے والی شے (بدن) ثابت اور باقی رہنے والی شے (انسان) کے مغائر ہے اور ان دونوں باتوں کے ملانے سے اس کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے کہ انسان اس مجموعی بدن کا نام نہیں ہے پھر اُنہوں نے کہا ہے کہ انسان کبھی زندہ رہتا ہے باوجودیکہ اُس کا بدن مردہ ہو جاتا ہے۔

پس ضرور ہوا کہ انسان اس بدن کے مغائر ہو اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کے صحیح ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "**ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون**" (یعنی وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اُن کو ہرگز مردہ نہ خیال کر بلکہ وہ زندہ ہیں اُنہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے۔" پس یہ نص اس بارے میں صریح ہے کہ یہ مقتول زندہ ہیں حالانکہ بذریعہ حس بدن مردہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ انسان مرنے کے بعد زندہ کیا جاتا ہے اور ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "**انبیاء اللہ تعالیٰ لا یموتون ولا ینقلون من دار الی دار**" (یعنی اللہ تعالیٰ کے نبی نہیں مرتے لیکن ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کر دیئے جاتے ہیں۔" علیٰ ہذا القیاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول "**القبر روضة من ریاض الجنة او**

حفرۃ من حفر النار ''(یعنی قبر یا تو باغ جنت میں سے ایک باغ ہوتی ہے یا آگ یعنی دوزخ کے خندقوں میں سے ایک خندق۔) پس یہ جملہ نصوص اس بات پر دال ہیں کہ انسان بدن کے مرنے کے بعد زندہ رہتا ہے حالانکہ بداہت عقل اور فطرت دونوں اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ بدن مردہ ہے اور اگر ہم اس کا اسی حالت میں زندہ ہونا جائز رکھیں تو اِس طرح کی زندگی تمام جمادات میں ہوگی۔ اور یہ نرا دھوکہ ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ انسان زندہ اور بدن مردہ ہے تو لازم آیا کہ انسان بدن نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی دوسری چیز ہے پھر اُنہوں نے کہا ہے کہ شرعی نصوص سے جن لوگوں کا مسخ ہو جانا معلوم ہوا ہے اُن کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ حالتِ مسخ میں وہ انسان باقی رہا یا نہیں پس اگر نہیں باقی رہا تو یہ اُس انسان کو مار ڈالنا اور اُس حیوان کو جس کی جانب وہ مسخ ہوا تھا ازسرِ نو پیدا کرنا ہوگا حالانکہ مسخ اسے نہیں کہتے اور اگر ہم کہیں کہ مسخ ہو جانے کی حالت میں بھی وہی انسان زندہ ہے تو اس تقریر پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہی انسان اور وہی بدن باقی ہے البتہ وہ ہیکل اور شکل نہیں رہی پس ضروری ہوا کہ انسان اس بدن کے مغائر کوئی شے ہو۔ پھر انہوں نے کہا ہے واجب ہے کہ انسان کے لئے صاحبِ ادراک عقلی ہونا ضروری اور ادراک عقلی قلب ہی میں حاصل ہوتا ہے نہ کہ بدن میں پس انسان کسی ایسی چیز کا نام ہونا چاہئے جو قلب میں موجود ہو اور جب یہ ثابت ہوا تو اس بات کا قائل ہونا کہ انسان اسی ہیکل اور اسی بدن کو کہتے ہیں باطل ہوگیا۔''

اس کے بعد اُنہوں نے اس پر کہ انسان کو علم ہوتا ہے اور نیز اس پر کہ وہ قلب میں ہوا کرتا ہے استدلال کیا ہے جس کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں۔

پھر جاننا چاہئے کہ قرآن شریف کی نصوص میں خدا کا یہ قول وارد ہوا ہے ''و اذاخذ ربک من بنی ادم من ظھورھم ذریتھم واشھد ھم علی انفسھم. الست بربکم قالوا بلی شھدنا'' جس کا ترجمہ یہ ہے اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی اولاد کو نکالا اور اُن کے نفسوں پر اُنہیں کو

شاہد بنا کر کہا۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو وہ کہنے لگے بے شک (تو ہمارا پروردگار ہے) ہم اس کی شہادت دیتے ہیں۔'' اور اس نص کی تفسیر حدیث میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر منقول ہے یہ وارد ہوئی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی کل اولاد کو ذرہ کی ہیئت پر اُن کی پُشت سے نکالا''۔ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض علماء نے اس مقام پر کہا ہے۔ (جیسا کہ تفسیر جلالین کے حاشیہ جمل میں تفسیر خازن سے نقل کیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کی اولاد ذرّہ کے مانند اُن کی پُشت سے نکالی پھر اُن ذروں سے جو آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالے گئے تھے، اُن کی اولاد کو ذرّوں کی مانند نکال لیا پھر اُن ذرّوں میں سے بھی اُن کی اولاد کو ذرّوں کے مانند نکالا پھر اسی طرح یہ سلسلہ نوع انسانی کی انتہا تک چلا گیا پھر اُن سب میں عقل۔ فہم۔ حرکت اور گویائی کو پیدا کر کے اُنہیں اپنے قول ''الست بربکم'' کے ساتھ خطاب کیا اس کے جواب میں سب نے بلیٰ (بے شک) یعنی تو ہمارا رب ہے کہا اس کے بعد سب کو آدم علیہ السلام کی پشت میں پھر داخل کر دیا اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں اب دو احتمال ہیں ایک یہ کہ وہ ذرّے خود منی بن گئے ہوں۔ دوسرا یہ ہے کہ وہ ذرّے اپنی اصلی حالت پر محفوظ ہوں اور جس مادۂ منویہ سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے اُس مادہ میں وہ منتقل ہوتے رہتے ہوں۔ اور حقیقت حال کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ (ایسا ہی جمل میں بالاختصار مذکور ہے) اور بعض نے کہا ہے (جیسا کہ جمل میں شعرانی سے منقول ہے) کہ فہم کے قریب تر جیسا کہ کہا گیا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِن سب کو اُن کی یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے بالوں کے مسامات کی راہ سے نکال لیا پھر یہ کہا ہے کہ اُنہوں نے گویائی کے ذریعے سے جواب دیا اور وہ اس حالت میں صاحبِ عقل اور زندہ تھے کیونکہ عقل کے نزدیک یہ اَمر محال نہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں باوجود اس قدر چھوٹے ہونے کے حیات اور عقل دے دی ہو (میں کہتا ہوں کہ میں نے وہ حیوانات جو بذریعہ مائیکرا

سکوپ (خورد بین) کے نظر آتے ہیں دیکھے ہوں گے اور نیز یہ کہ جس قدر ادراک اُنہیں حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے رزق کے حاصل کرنے کی سعی کر سکتے ہیں اُن میں توالد و تناسل ہوتا ہے۔ ایذاء رساں چیزوں سے بچتے ہیں۔

اُن کی راہ میں اگر کوئی دوسرا آجاتا ہے تو وہ کترا جاتے ہیں تو اُسے تو اس اَمر میں کچھ بھی تعجب نہ ہوگا اور خدا کے علم وقدرت کو لحاظ کر کے اس کو ذرا بھی مستبعد نہ سمجھے گا) اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ انسان کی صورت پر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذریت کا لفظ فرمایا ہے ذرات کا لفظ نہیں فرمایا، اور ذریّت کا اطلاق اُنہیں پر آیا کرتا ہے۔ جن کی صورت بھی بن چکی ہو پھر کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ خدا نے اُن کو زندہ نکالا ہے کیونکہ ان کو ذریت کہا ہے اور ذریت زندوں ہی کو کہا کرتے ہیں اس لئے احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے باپوں کی پشت کی تاریکی میں اُن میں اَرواح داخل کردی ہو اور دوسری مرتبہ اُن کی ماؤں کے پیٹ کی تاریکی میں اُن میں اَرواح پیدا کرے گا اور تیسری مرتبہ اُس حالت میں جبکہ زمین کے اندر کی تاریکی میں ہوں گے یہی خدا کے اس قول ''خلقاً من بعد خلق فی ظلمٰتٍ ثلث'' کا مطلب ہے (یعنی تین تاریکیوں میں یکے بعد دیگرے پیدا کرنا) خدا کی عادت اِسی طرح جاری ہوئی ہے پھر کہا ہے۔ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں جب آدم علیہ السلام کی پشت میں لوٹایا تو اُن کی رُوحوں کو قبض کرلیا کیونکہ جو کچھ وہ مرنے کے بعد زمین میں لوٹانے کے وقت کیا کرتا ہے اُس کا قیاس اُسی کو مقتضی ہے کیونکہ وہ اُن کی رُوحوں کو قبض کرلیا کرتا ہے اور زمین میں اُن کو لوٹا دیتا ہے۔ انتہیٰ باختصار (شعرانی کا قول اختصار کے ساتھ تمام ہوا) اور مشہور اِماموں میں سے بعض نے (امام ابو طاہر اپنی کتاب ''سراج العقول'' میں لکھتے ہیں جیسا کہ شعرانی کی کتاب ''الیواقیت'' سے معلوم ہوتا ہے سابق الذکر شبہوں کے جواب میں جو بعث پر وارد ہوتے ہیں کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو ذرّہ پہلی زمین سے لیا گیا تھا ہر انسان میں باقی رہتا ہے کبھی نہیں بدلتا۔ اور وہ وہی

جزء ہے جو قائم رہتا ہے اور جس سے کہ عہد لیا گیا تھا (یعنی جیسا کہ ذرّوں کے خطاب کرنے کی آیت میں ہے جو پیشتر گذری اور قبر میں اُسی پر سوال متوجہ ہوتا ہے اور وہی جواب کا ذمہ دار بنتا ہے اِس طرح کہ اُس میں رُوح لوٹا دی جاتی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اور اخبار سے معلوم ہوتا ہے پھر اُس کے ساتھ باقی اجزاء جہاں جہاں ہوں گے خداوندی قدرت سے مل جاویں گے یہاں تک کہ پورا آدمی بن جاوے گا۔

جیسا کہ دنیا میں تھا یہ ایسی بات ہے کہ نہ عقل اس کی مخالف ہے نہ شرع۔ انتھی بعض اختصار امام ابوطاہر کا قول کسی قدر اختصار کے ساتھ تمام ہوا) پس یہ دلائل جنہیں کہ اس عالم (رازی) نے اس بات پر قائم کیا کہ انسان اس ڈھانچہ کا نام نہیں ہے اور میں نے اُنہیں نقل کیا اور سابق الذکر آیت کی تفسیر جس میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد کا لیا جانا مذکور ہے اور جو کچھ کہ اس بارے میں بعض علماء اسلام (خازن اور شعرانی جیسا کہ جمل سے پیشتر منقول ہو چکا) کی جانب سے کہا گیا ہے اور وہ تقریر جسے کہ اسلامی عالم (ابوطاہر) نے اُن شبہوں کے رد کرنے کے لئے جو بعث پر وارد ہوتے ہیں بیان کیا اور جس کی نسبت یہ ذکر کیا کہ عقل اور شرع اس کے مخالف نہیں جب ہم ان سب کو خیال کر کے سمجھتے اور نظر دقیق سے دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز ہے کہ ان اجزاء اصلیہ کی تفسیر انہیں ذرّات کو ٹھہرائیں جن کی نسبت پیشتر گذر چکا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالے گئے تھے اور اُن سے عہد لیا گیا تھا سو اُن کو یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہ ذرّے ہر انسان کے کچھ اصلی اجزاء ہیں اور باقی بدن جسے ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ زائد اجزا کا بنا ہوا ہے جو آتے جاتے اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

پس حقیقی انسان جو مخاطب اور مکلّف ہے اور جو دوبارہ زندہ کیا جائے گا جسے نعمت ملے گی یا جسے عذاب ہوگا یہ وہی ذرّے مع روح کے ہیں جو ان میں حلول کر لی ہے اور انسانی ہیکل جس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے وہ زائد اجزاء ہیں اور اعادہ اور دوبارہ

پیدائش کے محقق ہونے کے باب میں اُن کا کوئی اعتبار نہیں ان اجزاء زائدہ میں دونوں باتیں برابر ہیں اور وہ بعینہٖ اعادہ کئے جائیں یا اُن کے مثل اور اجزاء ملا دیئے جائیں بلکہ اعادہ کی تحقیق میں جن کا اعتبار ہے وہ صرف اصلی اجزاء ہیں جن پر سوائے اس کے اور کوئی حالت طاری نہیں ہوتی کہ رُوح اُن سے نکل جاتی ہے اور زائد اجزاء اُن سے جُدا ہو جاتے ہیں اور بعث میں انہیں کی جانب رُوح لوٹا دی جائے گی اور زائد اجزاء انہیں کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے۔ اور پیشتر گذر چکا ہے کہ بعض لوگ رُوح کے بیان کرنے میں صرف اسی پر اکتفاء کرتے ہیں کہ وہ ایک موجود شے ہے۔ اُس کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور بعض اس کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ وہ ایک لطیف۔ شفاف اور بالذات زندہ جسم ہے اور کثیف اجسام میں اس طرح رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے جیسے کہ سبز لکڑی میں پانی۔

پس جملہ اُمور مذکورہ کی بناء پر اس مقام کی ایسی تقریر کرنا ممکن ہے جس سے بعث۔ سوال قبر۔ اور اسی کے مثل اور شرعی اُمور پر جو شبہے وارد ہوتے ہیں۔ سب دفع ہو جائیں اور کمزوروں کے خیالات پریشانی سے محفوظ رکھے جاسکیں۔ پس یوں کہا جائے کہ اِس سے کون سی شے مانع ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اَرواح کو لطیف مادہ کے اجزاء فرہ سے جیسے کہ ایتھر کا مادہ جس کے موجود ہونے کے آپ قائل ہیں ایسی ترتیب اور ایسی کیفیت و وضع پر بنایا ہو جس سے رُوح کی نسبت جتنے خواص ذکر کئے جاتے ہیں اور شرعی نصوص سے سمجھے جاتے ہیں سب حاصل ہو جائیں اور وہ خواص یہ ہیں کہ وہ (رُوح) بنفسہٖ اور خود زندہ ہے یعنی اس کے ساتھ کسی دوسری شے کے ملانے کی ضرورت نہیں جس سے کہ وہ زندہ ہو جائے اور یہ کہ وہ صاحب ادراک ہے اور جب کسی جسم میں حلول کرتی ہے تو اُسے بھی حیات۔ ادراک۔ اور زندہ شے کے اور باقی صفات سے موصوف کر دیتی ہے اور اس میں یہ سب خواص آ جاتے ہیں۔

(جیسے مقناطیس کی حالت ہے کہ فولاد کے ساتھ رگڑ دینے سے اُس میں لوہے

کے کشش کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے) اور وہ (روح) باوجود اِن سب باتوں کے ایک نہایت ہی چھوٹا ذرّہ ہے جس کو ہمارے حواس ادراک نہیں کر سکتے پھر اور اجزاء فردہ سے بہت ہی چھوٹے چھوٹے ذرّے ایسی کیفیت پر بنائے ہوں جو اپنے ساتھ رُوح کے متعلق ہونے کے وقت حیات۔ اور ادراک وغیرہ اُس کے باقی خواص کو حاصل کر لیتے ہوں اور اُن ذرّات کیلئے خدا نے انسانی اعضاء بھی بنا دیئے ہوں جیسے کہ اُن حیوانات کے اعضاء ہوتے ہیں جو مائیکروسکوپ (خوردبین) سے نظر آتے ہیں اور یہی اصلی اجزاء ہوں جن کا پیشتر ذکر ہو چکا پھر حضرت آدم علیہ السلام کی ہیکل کو زائد اجزاء سے بنایا اور اُن کی اُس ہیکل میں کہیں پر اُن کے اس ذرہ (جز اصلی) کو بھی رکھ دیا ہو اور احتمال ہے کہ وہ مقام تمام ہیکل میں سے قلب ہی ہو اور یہی قریب تر معلوم ہوتا ہے (اور علم فزیالوجی جاننے والوں کی عبارت عنقریب آتی ہے جس سے اس کے لئے قلب ہی کا مرکز ہونا فہم کے قریب ہو جاتا ہے) پھر اُن کی (آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کے ذروں کو اُن کی ہیکل کی پشت میں رکھ دیا ہو اور اس میں ان کروڑوں ہی ذرّوں کی گنجائش ہونا کوئی تعجب خیز اَمر نہیں کیونکہ پانی کے ایک چھوٹے سے قطرہ میں اتنے حیوانات مائیکروسکوپ (خوردبین) سے نظر آتے ہیں جن کا شمار روئے زمین پر کے سارے موجودہ آدمیوں کے برابر ہوگا۔

جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں۔ پس اس سے کوئی اَمر مانع نہیں ہو سکتا کہ اُن کی پشت میں جمیع بنی آدم کے ذرّے جو دنیا کی پشت میں پائے جائیں گے سما گئے ہوں۔ پھر خدائے پاک نے آدم علیہ السلام کی رُوح کو اُن کے ذرّہ و جز اصلی میں جو اُن کے ہیکل کے اندر تھا داخل کر دیا ہو اور وہ اُس میں حلول کر گئی ہو۔ اور عجب نہیں کہ قرآن شریف میں خدا کے اس قول سے ''ونفخت فیه من روحی'' یعنی میں نے اُس میں اپنی روح پھونک دی) اسی کی طرف اشارہ ہو اور اس قول میں روحی (اپنی روح) سے مراد وہ روح ہو جس کے نئی طرح پر پیدا کرنے اور اُس کی پیدائش کی حقیقت کے

شناخت کے لحاظ سے خدا تعالیٰ منفرد ہے پس اس ذرّہ (جز اصلی) میں اُس زوج کے حلول کرنے کے وقت حیات پیدا ہوگئی ہو اور پھر سارے ہیکل میں سرایت کرگئی ہو کیونکہ خدائے پاک نے اس ہیکل کو اس استعداد کے ساتھ پیدا کیا تھا پھر اُس کی پشت سے بنی آدم کے سارے ذرّوں کو نکالا ہو اور اُن میں اُن کی رُوحیں داخل کردی ہوں جس کی وجہ سے وہ زندہ اور صاحب ادراک بن گئے ہوں اس کے بعد اُن سے خطاب کیا ہو اور عہد لے لیا ہو پھر اُن کی رُوحوں کو اُن سے جدا کر کے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں لوٹا دیا ہو اور مسامات کی راہ سے اُس میں داخل کردیا ہو جس طرح اُن سے نکالا تھا اور اسی طرح تو امراض کے کیڑے بدن میں داخل ہوجاتے ہیں اور اُنہیں سے نکل آتے ہیں جیسے کہ آپ لوگ قائل ہیں۔

پھر ان رُوحوں کو عالم میں جہاں چاہا وہاں محفوظ رکھا پھر یہ ذرّے حضرت آدم علیہ السلام کی مادہ منویہ میں جماع کے وقت اُن کی زوجہ کے رحم میں آنے لگے اور اُن زوجہ کے تخم میں حلول کرنے لگے۔ پس اُن کی ہیکلیں اُن تخموں سے منی کے ساتھ مل کر بننے لگیں اور خدا اُس کو طرح طرح پر متغیر کرتا رہا یہاں تک کہ ہیکل انسانی کی صورت بن گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا پہلا ذرّہ جو اُن کی زوجہ کے تخم کی جانب منتقل ہوا تھا اُس کے ساتھ ہی وہ سب ذرّے بھی منتقل ہو کر چلے آئے ہوں جن کا سلسلہ توالد اِس ذرّہ سے چلنے والا ہوگا پھر اس پہلے ذرّہ کی ہیکل سے جو منی نکلی اس کے ساتھ بھی یہ ذرے اِس طرح پر منتقل ہوتے رہے اور یہی کیفیت ان کی اور ان ذرّوں کی باقی اولاد میں جاری رہی اور اس دنیا کے اختتام تک یہی کیفیت رہے گی۔ اور شاید اللہ تعالیٰ کے اس قول (وتقلبک فی الساجدین) ﴿اور دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے منتقل ہونے کو سجدہ کرنے والوں میں۔ ۱۲۔ مترجم﴾ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے بعض کی تفسیر کے موافق اسی جانب اشارہ ہو۔ پس اس قول کا یہ مطلب ہو جائے گا۔ آپ باپوں کی پشت اور ماؤں کے رحموں میں منتقل ہوتے رہے اور ہر ہیکل

جب ایک محدود تک پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ رُوح کو بھیج دیتا ہے۔

پس وہ اپنے ذرّہ میں حلول کرتی ہے اور اُس میں اور اُس ہیکل میں حیات اور حرکت کا سیران ہو جاتا ہے پس انسان روح اور اس ذرّہ کے مجموعہ کا نام ہے اور اسی ذرّہ کو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اصلی اجزاء کہتے ہیں اور یہ تمام عمر باقی رہتا ہے اور یہی بعد مرنے کے رُوح کے عود کرنے سے بحکم خدا زندہ ہو جائے گا اور جن سے کہ ہیکل بنی ہے وہ محض زائد اجزاء ہیں جو شب و روز بدلتے اور کم و بیش ہوتے رہتے ہیں پس جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کی موت کا اِرادہ کرتا ہے تو اُس کے ذرّہ سے اُس کی رُوح کو جدا کر دیتا ہے اِس طرح پر اُس سے اور نیز اُس کی ہیکل سے جو زائد اجزاء سے بنی ہے حیات زائل ہو جاتی ہے اور اس ذرّہ اور ہیکل دونوں کو موت آ جاتی ہے اس کے بعد ہیکل منحل ہونے لگتی ہے اور اس کا پراگندہ ہو جانا اور کسی دوسرے کی ترکیب میں داخل ہونا وغیرہ جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے ہوتا رہتا ہے اور وہ ذرّہ زمین کی تہوں میں محفوظ رہتا ہے۔ جیسے کہ سونے کے ذرّے بوسیدہ اور منحل ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور کسی حیوان کی ترکیب میں وہ داخل بھی ہو جاتا ہے تو وہ صرف اُس کی ہیکل کی ترکیب میں جو زائد اجزاء سے بنتی ہے داخل ہوتا ہے اور تاہم وہ منحل ہونے سے محفوظ رہتا ہے اور جب یہ ہیکل منحل ہو جاتی ہے تو وہ ذرّہ پھر اس سے علیحدہ ہو کر زمین کی تہوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور اس حیوان کے اصلی اجزاء کی ترکیب میں داخل نہیں ہوتا غایت سے غایت اس ذرّہ پر موت کی وجہ سے جو تغیر طاری ہوتا ہے وہ اُس کی روح کا اُس سے جدا ہو جانا اور اُس کے ہیکل کا منحل ہو جانا ہے۔ اور جب خدا اس ذرّہ کو زندہ کرنا چاہے گا تو اُس کی رُوح کو پھر اس میں داخل کر دے گا۔

پس اُس میں حیات اور رُوح کے باقی خواص آ جائیں گے اگرچہ اُس کی ہیکل منحل کیوں نہ ہو گئی ہو اور اس موقع سے قبر میں سوال ہونے۔ نعمت اور عذاب کے دیئے جانے اور اسی کے مثل اور اُن برزخی اُمور پر جن کی نسبت شرعی نصوص وارد ہیں

جو شبہے کئے جاتے تھے سب حل ہو گئے اور شریعت سے یہ جو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اُمور قبل بعث ہوتے ہیں اُس کی صورت بھی سمجھ میں آ گئی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ حساب وکتاب کے لئے ساری خلق کو اُٹھائے گا تو اِن انسانی ذرّوں کی ہیکلوں کو جو کہ زائد اجزاء سے بنی تھیں دوبارہ بنائے گا خواہ یہ ہیکل انہیں اجزاء سے بنے جن سے کہ موت کے پہلے بنی تھی یا دوسرے اجزاء سے کیونکہ دارومدار تو ان اصلی ذرّوں کے نہ بدلنے پر ہے زائد اجزاء چاہے بدلیں یا نہ بدلیں۔

اور اِن ذرّوں کو ان ہیکلوں میں داخل کر دے گا اور چونکہ اِن ذرّوں کے ساتھ رُوح متعلق ہو چکی ہو گی اس لئے اس میں اور ان ہیکلوں میں حیات قائم ہو جائے گی اور آخرت وقیامت میں لوگ اُٹھ کھڑے ہوں گے جیسے کہ اس دنیا میں تھے اور ساری مذکورہ باتیں ممکن ہے کہ انسان کے علاوہ باقی حیوانات میں بھی اسی تفصیل سے واقع ہوں۔ اور جب ہم اللہ تعالیٰ کی وسعت علم اور عظمت قدرت اور کائنات میں ان دونوں کے آثار کو خیال کرتے ہیں تو ہمیں ان مذکورہ باتوں میں سے کوئی شے بھی مستبعد نہیں معلوم ہوتی خواہ یہ ساری کارروائی اُن قوانین قدرت کے ذریعہ سے جن کو اللہ تعالیٰ نے اُن میں اسی غرض سے رکھ دیا ہو اور جن کے موافق یہ سارے اتصالات وانفصالات اور زائد اجزاء کے تکونات حاصل ہوئے ہوں انجام پائے یا بلا کسی قانون کے۔ اور اے اہل سائنس جب آپ اُن باتوں میں جن کے کہ آپ حیوانات کے غایت درجہ چھوٹے ہونے قطرہ بھر پانی میں اُن کے بکثرت پائے جانے۔ اُن کی حیات۔ حرکت اور اپنی ضروریاتِ زندگی کے ادراک کرنے اور اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے بارے میں مائیکروسکوپ (خوردبین) کے ذریعے سے تحقیقات کر کے قائل ہیں غور کریں گے تو آپ کو ظاہر ہو جائے گا کہ اس بات میں کوئی تعجب اور کسی قسم کا استحالہ نہیں کہ انسان کے ذرّوں میں حیات اور سارے خواص حلول کریں اور یہ کہ جتنے خواص رُوح کی نسبت بیان کئے گئے ہیں وہ سب اُس میں پائے

جائیں اور جب اس بات میں تامل کریں گے کہ انسانی ہیکل میں نہایت کثرت سے مسامات موجود ہیں حتیٰ کہ آپ لوگ قائل ہیں کہ ایک بالشت مربع میں چالیس لاکھ مسامات پائے جاتے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان ذرّوں کے نکلنے اور اُس میں اُن کے دوبارہ داخل کیے جانے میں آپ کو ذرا بھی استبعاد نہ ہوگا اور امراض کے کیڑوں کا (جیسے کہ ملیریا میں) بدن میں داخل ہونا اور ایک بدن سے دوسرے بدن میں متعدی ہو کر منتقل ہو جانا۔ اور اُن کا دورانِ خون میں سرایت کر جانا یہ ایسے اُمور ہیں جو ہمارے بیان کو آپ کی عقلوں کے اور بھی زیادہ قریب کر دیتے ہیں۔ اور حقائق مذکورہ کی امثال جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں آپ کے علوم ڈاکٹری کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔

پھر آپ لوگ قائل ہیں کہ منی میں کیڑے پائے جاتے ہیں جو نر کے دونوں خصیوں سے نکلتی ہے اور مادہ کے تخم کو حاملہ کر دیتی ہے اور یہ کیڑے غایت درجہ چھوٹے ہوتے ہیں اور مائیکروسکوپ (خوردبین) سے نظر آتے ہیں اور ایک کیڑا طول میں قیراط کے پانچ سو حصوں میں سے ایک حصہ سے لے کر چھ سو حصوں میں سے ایک حصہ تک کا ہوتا ہے۔ اور ایک کیڑے کے سر کا طول قیراط کے پانچ ہزار حصوں میں سے ایک حصہ سے لے کر چھ ہزار حصوں میں سے ایک حصہ تک کا ہوتا ہے۔

وہ اپنی دُموں کو اِس طرح پر ہلا کر جس سے اُن کا سر مختلف سمتوں میں چلے منی میں حرکت کرتے رہتے ہیں اور یہ اَمر ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی حرکت مستقل ہے خارجی کیفیات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ بشرطیکہ منی کے طبعی گاڑھے پن اور کثافت میں فرق نہ آنے پائے اور مادہ کے بدن کے اندر اُن کی حرکت سات یا آٹھ دن تک قائم رہتی ہے اور باہر چوبیس گھنٹہ تک اور اُن کی حرکت کا کوئی سمت معلوم ہی نہیں ہوتا۔

اور بعض علم فزیالوجی جاننے والے کہتے ہیں کہ وہ تیرہ منٹ میں ایک قیراط مسافت قطع کرتے ہیں اُن کا بڑا فائدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریب قریب تمام حیوانات

کی منی میں پائے جاتے ہیں اور مادہ کے بیضہ یعنی تخم سے اُن کا چھو جانا حاملہ کرنے کیلئے اشد ضروری ہے جیسا کہ علم فزیالوجی کی کتابوں میں مذکور ہے۔

پس اس سے کون سا اَمر مانع ہوسکتا ہے کہ خالق سبحانہٗ نے منی کے انہیں کیڑوں کو بنی آدم کے ذرّوں کا جو کہ اُن سے بھی چھوٹے ہوں حامل بنایا ہو اور وہ اُنہیں منی میں لئے پھرتے ہوں یہاں تک کہ ماں کے تخم میں اُن کو ڈالتے ہوں اور انسانی ہیکل جو زائد اجزاء سے بنتی ہے مادہ کے تخم کی نشو ونما پانے سے بننے لگتی ہو اور حقیقی انسان جس میں کہ رُوح حلول کرتی ہے اور اُس میں اوّل حیات آتی ہے پھر اُس سے تمام ہیکل میں سرایت کر جاتی ہے وہی ہو جس کے حامل یہ منی کے کیڑے تھے اور جیسے کہ اُنہوں نے مادہ کے تخم میں داخل کر دیا تھا اور اُس کے ساتھ ہی وہ سب ذرے سے بھی داخل ہو جاتے ہیں جو اُس کی اولاد میں پیدا ہونے والے ہوں۔ اور اُس کے ہیکل میں باقی رہتے ہوں حتیٰ کہ اُس کی منی میں نکلتے ہوں اور اُس کی فروع کی ہیکل میں منتقل ہوتے رہتے ہوں اور اِسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہو اور جب یہ کیفیت ہو جس سے عقل اور شرع مانع نہیں تو پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بلکہ بکثرت عقلاء کا یہ قول محقق ہو جاتا ہے کہ ہر انسان اپنے باپ سے منتقل ہو کر اپنی ماں کے رحم میں آتا ہے بخلاف اُس بات کے جس کے آپ لوگ قائل ہیں کہ انسان صرف اپنے ماں کے تخم سے بنتا ہے اور باپ کی منی کی صرف حاملہ کر دینے کے لئے ضرورت پڑتی ہے۔

پس چونکہ آپ لوگوں نے فقط انسانی ہیکل کو دیکھ لیا اور اس کے سوا کسی چیز کی آپ کو خبر نہ ہوئی اس لئے آپ صرف اسی کے قائل ہو گئے اور لوگوں کی رسائی ہیکل کے سوا کسی اور شے کی طرف بھی ہوئی اس لئے وہ قائل ہوئے کہ اصلی انسان اپنے باپ سے جدا ہو کر آتا ہے اور ماں سے صرف اس کو انسانی ہیکل دستیاب ہوتی ہے اور انسان کا اپنے باپ سے جدا ہو کر آنا ایسا اَمر ہے جس کو بکثرت لوگوں کی عقلیں مانتی ہیں اور باپوں کی اس قدر شفقت و میلان جو اپنی اولاد میں دیکھا جاتا ہے اس سے

اس کی کسی قدر تائید ہوسکتی ہے۔

پھر علماء علم فزیالوجی نے عمل قلبی کے نظام یعنی اُس کی حرکت کے سبب میں اختلاف کیا ہے اور اُس کی واہی تباہی وجہیں بتائیں ہیں اور پھر خود ہی اُن کو توڑا ہے آخر کار جس اَمر پر آکر قرار ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس عمل کا سبب خود قلب ہی میں موجود ہے پھر اُنہوں نے کہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی حرکت کا نظام اُن عصبی گانٹھوں سے پیدا ہوتا ہے جو قلب میں موجود ہیں پس اس نظامی عمل کے حقیقی مرکز یہی ہیں مگر اب تک اس کا پتہ نہیں لگا کہ یہ عصبی مرکز منقطع اور منتظم عمل کیوں کرتے ہیں دائمی عمل کیوں نہیں کرتے یعنی اُن کی حرکت باقاعدہ اور رُک رُک کر کیوں ہوتی ہے برابر کیوں نہیں ہوتی رہتی۔

پھر اُنہوں نے کہا ہے کہ بکثرت تجربوں سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ قوت دافعہ جو قلب کے انقباضات سے پیدا ہوتی ہے صرف وہی دوران خون کے لئے کافی ہے یہاں تک اُن کا کلام ختم ہوا۔ پس جب آپ اس قول میں غور کریں گے تو یہ بات آپ کے نزدیک ظاہر اور آپ کی عقلوں کے قریب تر ہو جائے گی کہ انسانی ذرّہ کا مرکز تمام ہیکل انسانی میں سے قلب ہی ہے اور جب اُس میں رُوح حلول کرتی ہے تو اُس میں حیات پیدا کر دیتی ہے اور وہ یہ منتظمہ حرکت کرنے لگتا ہے اِس سے دورانِ خون پیدا ہوتا ہے پھر اس سے تمام ہیکل میں حیات سرایت کر جاتی ہے اور اس ذرہ اور رُوح کا چھوٹا ہونا اس اَمر سے مانع نہیں ہوسکتا کہ اس سے ہیکل انسانی کی حیات اور اُس کے اعصاب وعضلات کے اعمال کے لئے کافی عمل پیدا ہو جائے کیونکہ بہتیرے ایسے نہایت ہی چھوٹے آلات ہیں کہ جب اُن کو چھوٹا سا بچہ حرکت دیتا ہے تو اس سے ایسی حرکت پیدا ہو جاتی ہے جو بہت ہی بڑے آلہ کے گھمانے کیلئے کافی ہو اور اُس سے بڑے بڑے اعمال پیدا ہونے لگتے ہیں جن کے کرنے کیلئے نہایت ہی عظیم قوت کی ضرورت ہے اور یہ بات تو اِنسان کے عمل میں پائی جاتی ہے تو پھر بھلا خیال تو کیجئے کہ خدا کے عمل میں آپ کے نزدیک کون سا استبعاد باقی رہتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا علم اور

کامل قدرت رکھتا ہے جس نے اپنی مصنوعات کو ایسی کیفیتوں پر پیدا کیا ہے جن کے خواص کو دیکھ کر فکروں کو حیرت بھی ہو جاتی ہے اور عقلیں اپنے آپے میں نہیں رہتیں۔

بحث سابق کا خلاصہ یہ ہے کہ اس تقریر پر حقیقی انسان وہ ذرہ ہی ہے جو قلب میں حلول کئے رہتا ہے اور جس میں کہ رُوح حلول کرتی ہے پس اُس میں حیات پیدا کر دیتی ہے پھر اس سے ساری ہیکل میں حیات سرایت کر جاتی ہے پھر یہ ہیکل محض اس بات کا آلہ ہے کہ اِس عالم میں یہ ذرّہ اپنے اعمال پورے کرے اور اُس کے ذریعہ سے علوم و معارف حاصل کر لے اور یہی ذرّہ مع اِس روح کے جو اس میں حلول کئے رہتی ہے تمام تکلیفات شرعیہ کا مخاطب ہے اسی کا اعادہ کیا جائے گا اِسی کو نعمت ملے گی اور اسی کو عذاب ہوگا خلاصہ یہ کہ جتنے اُمور انسان کے حق میں وارد ہوئے ہیں سب اسی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس تقریر کی بناء پر جتنے شبہات کہ شرعی اخبار جیسے کہ بعث قبر میں سوال ہونے۔ اس میں نعمت یا عذاب کے دیئے جانے۔ اپنی قبروں میں بعض لوگوں کے زندہ رہنے وغیرہ پر وارد کئے جاتے تھے سب کے سب ایک دوسرے سے ساقط ہو گئے جیسا کہ سچے طور پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس اگر کوئی کہے کہ شریعت میں ہم کچھ ایسی نصوص دیکھتے ہیں جو نفس ہیکل انسانی کے اعادہ کا ذکر کرتی ہیں یا اُس کے بعض اجزاء کے اعادہ کی اُن میں تصریح موجود ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اِس قول میں ہے (**من یحی العظام و ھی رمیم قل یحیھا الذی انشاھا اوّل مرۃ**) یعنی (لوگ تعجب سے پوچھتے ہیں) ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ گل چکی ہوں گی؟ (تو اے پیغمبر اُن سے) آپ کہہ دیجئے کہ اُن کو وہی زندہ کرے گا جس نے اُنہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ پس یہ مضمون بعث اور اعادی کی اس توجیہ کے ساتھ کیونکر منطبق ہوگا جس کو آپ نے ذکر کیا۔ تو میں کہوں گا کہ سابق الذکر توجیہ کا یہ مقتضیٰ ہے کہ جس طرح اصلی اجزاء کے لئے کہ یہی انسانی ذرّے ہیں بعث ہوگا لیکن پیشتر جو اشکالات بعث پر وارد کئے گئے تھے وہ میری تقریر

سے اصلی اجزاء یعنی ذرّات انسانی کے اعادہ کے اعتبار سے مندفع ہو گئے پھر بعد اس کے کہ اصلی اجزاء کے اعادہ کی کیفیت طریق مذکور پر بیان کرنے کی وجہ سے یہ اشکالات مندفع ہو چکے ہیں تو اب ہیکل انسانی کے اعادہ کئے جانے پر جو زائد اجزاء سے بنتی ہے عام ہے کہ وہ زائد اجزاء) بعینہ اعادہ کئے جائیں یا ان کی مثل دوسرے اجزاء بنائے جائیں وارد نہیں ہو سکتے اور شریعت نے جو زائد اجزاء یعنی ہیکل کے اعادہ کئے جانے کی تصریح کی ہے اُس سے اس کے سوا اور اشکالات کا دفع کرنا مقصود ہے جو اہل جاہلیت کے خیال کے موافق اُن کے اعادہ کئے جانے پر وارد ہوتے تھے کیونکہ بعث کے ذکر کرنے کے وقت اُن کا خیال صرف اسی ہیکل کی جانب جس کا وہ مشاہدہ کرتے تھے جاتا تھا چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہڈیوں میں گل جانے کے بعد حیات کیسے عود کر آئے گی اور یہ اجزاء جو زمین کے اندر پھیلے ہوئے پڑے ہوں گے کیونکر مجتمع ہو جائیں گے پس نصوص نے اُن کے انہیں اشکالات کو اس طرح دفع کیا کہ خدا قادر اور علیم ہے اس سے وہ عاجز نہیں ہو سکتا پس وہ ان ہڈیوں کو اُسی طرح زندہ کر دے گا جیسے کہ اُس نے پہلی مرتبہ اُن کو پیدا کیا تھا اُس کا علم تمام موجودات کو محیط اور اُس کی قدرت تمام ممکنات پر حاوی ہے علیٰ ہذا القیاس اُن کے اعتراضوں کے ایسے ہی اور بھی جوابات ہیں۔ اور یہ اَمر اُس توجیہ کے منافی نہیں ہوتا جو دوسرے سابق الذکر اشکالات کے دفع کرنے کے لئے اصلی اجزاء یعنی انسانی ذروں کے اعادہ کئے جانے کے بارے میں پیشتر بیان کی گئی ہے پس چاہئے کہ ذرا غور کر لیا جائے۔

اے صاحبو! جو کچھ میں اس سے پیشتر شرح وبسط کے ساتھ بیان کر چکا ہوں اُس کے بعد ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ مَیں یہ نہیں کہتا کہ یہی توجیہ اور اصلی اجزاء کے ذرّوں کے ساتھ اور زائد اجزاء کی ہیکل کے ساتھ تفسیر اور اس کے علاوہ جو تفصیل میں نے اس مقام پر بیان کی ہے وہ سب پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تصریحاً موجود ہے یا اُن کے ذمہ بعث کا اسی تفصیل و بیان کے موافق اعتقاد کرنا ضروری ہے ہرگز نہیں بلکہ

میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ علماء شریعت نے بیان کیا ہے کہ انسان کے اصلی اور زائد دو قسم کے اجزاء ہوتے ہیں اور اس کے ذریعے سے اُنہوں نے اُن شبہوں کو دفع کیا ہے جو بعث وغیرہ پر وارد ہوتے ہیں اور میں آپ سے پہلے کہہ بھی چکا ہوں کہ شریعت کے بڑے بڑے جلیل القدر کثیر علماء (جیسے کہ امام رازی۔ ابو طاہر مصنف سراج المعقول شعرانی۔ خازن۔ اور ایسے ہی اور علماء) کے کلام سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس سے کوئی اَمر مانع نہیں ہوسکتا اگر اصلی اجزاء سے جنہیں اُنہوں نے اعتراضوں کے جواب دینے کیلئے ذکر کیا ہے یہی ذرّے مراد ہوں جو اس نص قرآنی کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں مذکور ہیں جس میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد کے لئے جانے کا بیان کیا ہے اور یہ کہ روحیں انہیں ذرّوں کے ساتھ مل کر حقیقی انسان کے افراد ہوں اور یہ کہ زائد اجزاء سے انسانی ہیکلیں مراد ہوں اور اُنہیں علماء شریعت کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی انسان کا مقر تمام ہیکل میں سے صرف قلب ہی ہے۔

پس یہ ہیکل جو برابر بدلتی اور متغیر ہوتی رہتی ہے حقیقی انسان کے لئے اس عالم میں اُس کے اعمال کی انجام دہی اور علوم و معارف کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور آلہ قرار پائے گا اور یہ ایسی بات ہے جس سے بعث پر جو پیشتر اشکالات وارد کئے گئے تھے اُن کا مندفع ہونا آپ کے نزدیک بالکل ظاہر ہوجاتا ہے اور اِس سے عقل و شرع کی کوئی مخالفت بھی نہیں لازم آتی۔ اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم شبہوں کے جواب دینے کیلئے ان کے قائل ہوسکتے ہیں۔ ورنہ اُنہیں اپنا اعتقاد درست رکھنے کیلئے صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ انسان کے رُوح ہوتی ہے جس کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور ایسے ہی تمام حیوانات کے بھی۔ اور خدا انسان کو اُس کے مرنے کے بعد ضرور دوبارہ زندہ کرے گا۔ اُس سے حساب لے گا۔ پھر اُسے نعمت۔ یا عذاب دے گا اور یہ سب کچھ ایسی کیفیت پر ہوگا جس سے کوئی محال نہ لازم آئے اور ہمیں اُس کی تفصیل کرنا ضروری نہیں ہے اُس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کیونکہ یہ اَمر عقلاً ممکن ہے

اور خدا کے علم وقدرت کی وسعت کے سامنے ایسی شے کا ہوجانا کوئی محال نہیں۔

پس اے اہل سائنس اس مقام میں ذرا غور کیجئے اور باریک بینی سے کام لیجئے کیونکہ آپ کو اپنے علوم میں کوئی شے ایسی نہ ملے گی جس سے تفصیل سابق میں کی ساری چیزوں میں سے کوئی بھی ناممکن ثابت ہوتی ہو جیسے انسان کیلئے رُوح کا ہونا وغیرہ۔

ہاں اگر میرے بیان کے بعد بھی کوئی شے کسی چیز کے ناممکن ثابت کرنے میں آپ کی مدد کر سکے گی۔ تو سمجھ لیجئے کہ یہ وہی شے ہے جسے کہ عناد اور انصاف کا ترک کر دینا کہتے ہیں۔ سو اس کا کوئی علاج نہیں اور اگر آپ کہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ پیشتر کی جملہ باتیں عقلاً ممکن تو ہیں لیکن پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اُن کے واقع ہونے کے معتقد ہو گئے ہیں اس کا کیا باعث ہے تو میں کہوں گا کہ میرا وہی پیشتر والا جواب یاد کر لیجئے جسے کہ مَیں اسی کی نظیر میں بیان کر چکا ہوں وہ یہ ہے کہ اس کا باعث اُن کے لئے وہ شرعی نصوص ہیں جو اُن کے سچے رسول کی زبانی معلوم ہوئیں جن میں اُمور کی تصریح موجود ہے اور وہ سب مل کر تاویل کو بھی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ پس جب تک یہ اُمور عقل پر منطبق اور اُس کے حکم کی رُو سے ممکن ہیں اُس وقت تک اُن کے لئے اپنی ظاہری نصوص کو چھوڑنا اور کسی قسم کی تاویل کی جانب مائل ہونا ہرگز جائز نہیں۔ علاوہ بریں خاص کر بعث وحشر گو اُس کی نسبت یہ مشہور ہے کہ اُس کے امکان کی دلیل عقلی ہے جیسے اُس کی نظیروں کی اور اُس کے وقوع خارجی کی دلیل نقلی اور وہ بھی شرعی نصوص ہیں۔

بعث وحشر کے واقع ہونے پر عقلی دلائل جو ہر منصف کیلئے اطمینان بخش ہیں

لیکن اگر باریک بینی سے کام لیا جائے تو اُس کے واقع ہونے کی بھی عقلی دلیلیں ظاہر ہو جاتی ہیں اگرچہ وہ قطعی اور برہانی نہ سہی لیکن اطمینان بخش تو ضرور ہیں جنہیں عقلیں مان جاتی ہیں اور اُن سے دلوں کی تسکین ہو جاتی ہے اور اگر اُن سب کو یکجائی طور پر دیکھا جائے تو عقل کے نزدیک بعث کے واقع ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں رہتا اُس کے واقع ہونے کا پورا پورا یقین ہو جاتا ہے۔

پس بعض اسلامی علماء کے افادات میں سے جو کچھ میں اس موقع پر بیان کرتا ہوں اس کو سنئے جس میں مَیں نے بغرض توضیح کے کہیں اپنی طرف سے کچھ بڑھایا ہے یا اُس کا خوبی کے ساتھ اختصار کردیا ہے۔

قیامت کی اول دلیل

چنانچہ میں کہتا ہوں کہ اِن اُمور پر کہ خدائے عالم موجود ہے وہ تمام صفات کاملہ کے ساتھ متصف ہے اُس کی مخلوقات میں اُس کی اعلیٰ درجہ کی حکمت اور انتہا درجہ کا عدل پایا جاتا ہے۔ اُن پر اُس کی مہربانی اور رحمت بہت بڑی ہوئی ہے۔ قطعی دلیلیں قائم کردینے کے بعد ایسے شخص پر جو اس کا اعتقاد کرتا ہو بلا شک وشبہ یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب خلق کو پیدا کیا اُن کو عقل دی جس سے وہ نیک و بد میں تمیز کرسکتے ہیں۔ اُنہیں قدرت عنایت کی جس کے سبب سے بھلائی و بُرائی کے کرنے پر قادر ہیں تو اُس کی حکمت وعدل کا مقتضا یہ ہے کہ اُنہیں بے ادبی اور برائی سے اپنا ذکر کرنے، جہالت۔ کذب اور اپنے نیک بندوں کی ایذاء رسانی۔ خلاصہ یہ کہ جتنے بُرے اور قبیح کام ہیں سب سے منع کردے اور اُن کو اچھے کام کرنے اور عمدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہونے کی ترغیب دے جس سے اُن کی زندگی منتظم اور باقاعدہ رہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ بغیر اس کے کہ اچھے کام کو ثواب وجزاء کے ساتھ اور بُرے کام کو عقاب وسزا کے ساتھ مرتبط رکھا جائے یہ دونوں اَمر ہرگز پورے نہیں ہوسکتے اور چونکہ یہ جزا وسزا اس عالم دنیا ہی میں ہمیشہ نہیں مل جاتی اِس لئے ضروری ہے کہ کوئی دوسرا عالم پایا جائے۔ جہاں یہ کام پورا ہو۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عقلوں میں چونکہ یہ بات موجود ہے کہ وہ عمدہ چیزوں کو پسند کرتی ہے اور خراب چیزوں کو ناگوار سمجھتی ہے اِس لئے اُسی سے محض ترہیب (ڈرانا) وترغیب (رغبت دلانا) کافی ہوجائے گی۔ کیونکہ نفس اور خواہش نفسانی دونوں انسان کو اس بات پر اُبھارتے رہتے ہیں کہ وہ جسمانی

خواہشوں اور لذتوں میں پھنسا رہے اور جب عقل کے ساتھ یہ کشاکش لگی تو اُس کیلئے ضرور ہے کہ کوئی قوی مرجح اور کامل معاون پایا جائے اور یہ بغیر اس کے نہیں ہوسکتا کہ کرنے اور باز رہنے پر وعدہ وعید۔ جزا وسزا مرتب ہو۔

قیامت کی دوسری دلیل

علاوہ بریں عقل صریح حکم لگاتی ہے کہ حکیم کی حکمت کا مقتضا ہے کہ نیکو کار اور بدکار میں فرق کرے سب کو ایک ہی لکڑی نہ ہانکے اور یہ فرق اس عالمِ دنیا میں معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ہم بہتیرے بدکاروں کو انتہا درجہ کی راحت میں پاتے ہیں اور بہتیرے نیکوں کاروں کی اس کے خلاف حالت ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس عالم دنیا کے بعد کوئی دوسرا عالم ہو جہاں کہ یہ فراق وامتیاز حاصل ہو۔

حشر کی تیسری دلیل

پھر یہ دیکھئے کہ اگر لوگوں کے لئے خوفِ معاد زاجر نہ ہوتا تو عالم میں بڑی گڑ بڑ مچ جاتی۔ بڑے بڑے فتنے برپا رہتے۔ انتظام معاش میں بالکل خلل آجاتا۔ زندگی مشکل ہوجاتی اور مکلف کو ان اُمور کی بجا آوری کیلئے وقت ہی نہ ملتا جن کا کہ وہ مکلف بنایا گیا تھا اِس لئے ضرور کوئی عالم جزا وسزا ہونا چاہئے تاکہ نظام عالم باقاعدہ اور فساد سے محفوظ رہے اور اگر کہا جائے کہ نظام عالم کے باقی رہنے کیلئے بادشاہوں کا خوف اور ان کی سیاست ہی کافی ہے اور نیز یہ کہ بدمعاش لوگ اس کو خوب جانتے ہیں کہ اگر گڑ بڑ مچائیں گے تو اس میں اُن کا بھی نقصان ہوگا اور دوسرے لوگ اُن کے قتل کرنے اور اُن کے مال ومتاع کے چھین لینے کے درپے ہوں گے پس اس خیال سے وہ فتنہ انگیزی سے خود ہی احتراز کریں گے تو ہم کہیں گے کہ محض بادشاہوں کا خوف اس کے لئے کافی نہیں ہوسکتا کیونکہ یا تو بادشاہ کو اس قدر قدرت حاصل ہوگئی ہوگی جس سے

اُسے رعیت کا کچھ خوف نہ ہواور یا وہ ڈرتا ہوگا۔

پس اگر وہ رعیت سے نہیں ڈرتا اور اُس کے ساتھ ہی اُسے معاد کا بھی خوف نہیں تو اُس وقت وہ ظلم اور نہایت بُری طرح سے اپنی رعیت کی ایذاء رسانی پر پیشقدمی کرے گا کیونکہ اُس کی خواہشات نفسانی اس کی مقتضی قائم ہیں اور کوئی دنیوی یا اُخروی مانع موجود نہیں۔ اور اگر وہ خود رعیت سے ڈرتا ہوگا تو اُس وقت رعیت اُس سے بہت زیادہ نہ ڈرے گی پس بادشاہ کا خوف اُن کو ظلم اور بُری باتوں سے روک نہ سکے گا پس ثابت ہوا کہ بغیر اخروی خوف یا رغبت کے نظام عالم ہرگز پورا اور مکمل نہیں ہوسکتا۔

حشر کی چوتھی دلیل

پھر سُنئے کہ جب کسی رحیم وحکیم اور عادل بادشاہ کی بہت بڑی رعیت ہو اور اُن میں بعض قوی اور بعض ضعیف پائے جاتے ہوں۔ تو اُس کی حکمت۔ رحمت اور عدل کا یہ مقتضا ہے کہ کمزور مظلوم کا قوی ظالم سے انتقام لے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تو بہت بڑا رحیم وحکیم اور عادل بادشاہ ہے اس لئے اُس کی حکمت۔ رحمت اور عدل کا بھی یہی مقتضا ہونا چاہئے کہ وہ اپنے مظلوم بندوں کا اپنے ظالم بندوں سے انتقام لے اور ظاہر ہے کہ یہ انتقام اِس عالم دنیا میں تو حاصل ہوتا نہیں کیونکہ ہم بسا اوقات مظلوم کو دیکھتے ہیں کہ وہ نہایت ذِلّت خواری۔ مقہوریت اور آبروریزی کے ساتھ اپنی عمر گذار دیتا ہے اُس کا مال چھین لیا جاتا ہے۔ پس اس عالم کے علاوہ ضرور کوئی دوسرا عالم ہونا چاہئے جس میں یہ عدل اور یہ انصاف ظاہر ہو۔

حشر کی پانچویں دلیل

اور لیجئے اگر انسان کیلئے معاد نہ ہوتو انسان شرف اور مرتبہ میں تمام حیوانات سے گیا گذرا ہوگا۔ اور بیان اُس کا یہ ہے کہ دنیا میں تمام حیوانات سے انسان کے لئے زیادہ ضرررساں چیزیں موجود ہیں کیونکہ باقی حیوانات کی یہ حالت ہے کہ جب تک

اُن کو کسی قسم کی تکلیف یا بیماری پہنچ نہ جائے اُس سے پہلے پہلے اُن کے دل میں اس کا خیال بھی نہیں آتا اُن کا جی بالکل صاف اور خوش رہتا ہے کیونکہ وہ غور و فکر تو کر نہیں سکتے رہا انسان چونکہ اُسے عقل حاصل ہے اس لئے وہ ہمیشہ اپنے گذشتہ اور آئندہ احوال سوچا کرتا ہے پس بہتیرے گذشتہ احوال کی وجہ سے اُسے طرح طرح کے غم و حسرت لاحق رہتی ہے اور اکثر آئندہ احوال سے اُسے طرح طرح کا خوف لگا رہتا ہے پس ثابت ہوگیا کہ اِنسان کے لئے عقل کا ملنا دنیا میں بڑے بڑے ضرر اور سخت سے سخت نفسانی آلام کا باعث ہے۔ رہیں جسمانی لذتیں سو اُن میں کیا انسان اور کیا باقی حیوانات سب مشترک ہیں کیونکہ گوبر کا کیڑا گوبر ہی میں خوش ہے جیسے کہ عمدہ سے عمدہ مٹھائیاں انسان کو لذیذ معلوم ہوتی ہیں۔ پس اگر انسان کے لئے معاد نہ ہو جس کی وجہ سے اُس کی سعادت ظاہر اور حالت مکمل ہو سکے تو پھر اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ کمال عقل اُس کیلئے غم و علم کی زیادتی کا باعث ہو جائے اور کسی شے سے اُس کی تلافی نہ ہو اور ظاہر ہے کہ جس کی یہ حالت ہو تو وہ ضرور بڑی ہی ذلت خواری۔ بدبختی اور مشقت بے سود میں گرفتار ہوگا۔ اِس سے ثابت ہوا کہ سعادتِ اخروی حاصل نہ ہو تو انسان تمام حیوانات حتیٰ کہ غلیظ کے کیڑوں سے بھی گیا گذرا ہوگا اور چونکہ یہ اَمر قطعاً باطل ہے اس لئے ہم کو معلوم ہوگیا کہ ضرور آخرت بھی کوئی چیز ہے اور اِنسان آخرت ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ دنیا کیلئے۔ ہاں یہ بات ہے کہ یہ عالم دنیا گویا نیک چلن اور شریر کے درمیان میں امتیاز کر دیتا ہے تا کہ اَوّل کو ثواب۔ اور دوسرے کو عذاب دیا جائے کیونکہ جتنے شریر ہیں اُن کے لئے آگ ہی مناسب ہے۔ وہ اپنے وجود کا ثمرہ اور حصہ دنیاوی لذتوں سے حاصل کر چکے ہیں چنانچہ اسی لئے دنیاوی لذتوں سے شریروں اور بدچلنوں کو ہم مالا مال پاتے ہیں اور نیک لوگ اکثر بے لطف رہتے ہیں۔

اس بات کا بیان انکار بعث کے بارہ میں اہل سائنس کا خیال اتنا بڑا شر ہے کہ جس کے برابر دوسرا شر نہیں

اور اسی مقام سے اے اہل سائنس آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کے مخالفوں میں سے اہلِ شرائع کا آپ کی نسبت یہ قول کہ" آپ لوگوں کا مذہب خصوصاً معاد کے انکار کے بارے میں ایسا شر ہے جس کے مثل کوئی شر نہیں" بالکل سچا ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ حلال اور حرام کوئی چیز ہی نہ ہو اور دنیا آباد ہی نہ رہ سکے۔ اور اگر آپ یہ جواب دیں کہ نظام عالم اِس طرح کامل رہ سکتا ہے کہ انسان کو اپنے حقوق اور اُن واجبات کی معرفت حاصل ہو جائے جو اُن کے ذمہ ہیں۔ اور اُس کی یہ معرفت پورے پورے صحیح اور عام علم سے کامل ہو سکتی ہے تو میں کہوں گا کہ آپ کو اِس جواب میں اس بات کا خیال نہیں رہا کہ خواہشات۔ شہوات اور اپنے نفس کی محبت کا محض وہ قوانین جن کو علم قائم کرے گا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے۔ پس ضرور ہے کہ کوئی دوسرا مانع ہو جو نفوس کو ضرر رساں اشیاء سے باز رکھے اور کوئی ایسا مرجح ہو جو طریق خیر کی پیروی کرنے اور راہِ شر سے اجتناب کرنے کو ترجیح دے دے اور وہ مرجح معاد اور جزائے اعمال کا یقینی اعتقاد ہے ورنہ جسے عقل ہو وہ اس اَمر کو غور کر کے دیکھے کہ جب انسان کو یہ اعتقاد ہو کہ وہ زمین کی گھاس کی طرح اُگتا ہے پھر بلا اس بات کے کہ اُسے کہیں جانا ہو وہ دوسرے سے زائل ہو جاتا ہے اور اُس کے وجود کا فائدہ یہی حیوانی لذتیں ہیں جو مدت حیات میں اُسے حاصل ہوتی رہتی ہیں تو علم نے اُس کے لئے حقوق اور واجبات کی معرفت کے کیسے ہی کچھ قواعد کیوں نہ مقرر کر دیئے ہوں لیکن جب اُسے یہ قدرت حاصل ہوگی کہ وہ بلا کسی شخص کی اطلاع کے کسی کو قتل کر کے اُس کا کروڑوں روپیہ کا مال لے لے یا کسی شریف کی آبروریزی کر کے بلا اس کے کہ کسی کو اس کی خبر ہو نہایت ہی مرغوب لذت حاصل کر سکے۔ تو کیا اس وقت یہ گمان ہو سکتا ہے کہ یہ قوانین جنہیں کہ علم نے مقرر کیا تھا۔ اس جرم کے ارتکاب سے اُس کو باز رکھ سکیں گے؟ ہرگز نہیں اور اس بات کا انکار کرنا محض دھینگا دھینگی ہے۔

پس جو شخص اس بات کو پورے طور سے سمجھتا ہو گا وہ اِنسان پر جب تک کہ اُسے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اُسے دین سے علاقہ ہے اور وہ معاد کا اعتقاد رکھتا ہے کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا ہم تو اب بھی بعض بعض فرقوں کو دیکھتے ہیں کہ باوجودیکہ وہ معاد کے معتقد ہیں تاہم اُن

میں وہ وہ فساد ظاہر ہوتے ہیں جن کا کچھ ٹھکانا نہیں۔

پس اسی پر قیاس کر لیجئے کہ اگر یہ اعتقاد اُنہیں نہ ہوتا تو اس وقت اُن کی کیا حالت ہوتی بلاشک اگر وہ فساد اب رائی کے برابر ہے تو جب پہاڑ ہی بن جاتا۔ علاوہ بریں جن فرقوں میں آج کل علم کا خوب چرچا ہو رہا ہے وہی شرور اور برائیوں سے زیادہ حصہ لیتے ہیں بلکہ جوں جوں علم کی ترقی ہوتی جاتی ہے اُن میں روز افزوں بُرائیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ حرام کاری جس سے کہ لوگوں کے نسب ضائع ہوتے ہیں اور باہم مدد اور ہمدردی کا شیرازہ کُھلتا ہے پھیلتی جاتی ہے۔ قتل۔ خودکشی، مسکر اور منشی اشیاء کے استعمال سے عقلوں کو زائل کرنا اپنے علوم اور صنعتوں سے لوگوں کے مال چھیننا۔ دغابازی کرنا۔ فریب دینا اور ایسے ہی بہت سے اور اخلاق و عادات جن سے اجتماعی ہیئت کے نظام میں خلل واقع ہو وہ مہذب لوگ اختیار کرتے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جن علوم میں اُنہوں نے ترقی کی ہے اُس میں اعتقاد معاد کا کوئی حصہ شامل نہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر معاد کا اعتقاد باقی لوگوں میں قائم نہ ہوتا تو یہ فرقے ہلاک ہونے لگتے اور صفحۂ ہستی سے اُن کے نام و نشان مٹنے کا لگا لگ جاتا اور آپ کی جس بات سے زار و قطار روتی ہوئی عورت بھی ہنس پڑے وہ یہ ہے کہ جب آپ نے یہ خیال کیا کہ علم جب تک کہ تمام انسانی افراد میں پورے طور سے عام نہ ہوگا اُس وقت تک نظام عالم کی درستی کا متکفل نہیں ہو سکتا۔ تو علم کے اس اَمر کے واسطے متکفل ہونے کیلئے آپ نے یہ شرط لگا دی کہ وہ تام اور عام ہو پھر آپ کہنے لگے کہ ضرور کوئی نہ کوئی دن ایسا آئے گا۔ لیکن ہاں ہے یہ بہت ہی بعید۔ اور کیا عجب کہ ہزار پشتوں کی ضرورت پڑے۔

پس معاد کے اعتقاد چھوڑنے اور اپنے علم سے واہی تباہی اُمیدیں رکھنے کے اعتبار سے آپ لوگوں کی مثال اُس احمق طبیب کی سی ہے جو اپنے مریض سے جسے کوئی مرض قاتل لاحق ہو یہ کہتا ہو کہ تو پرہیز کرنا چھوڑ دے اور جو جی چاہے کھایا کر اور میں اتنے اتنے برسوں کے بعد تجھے ایسی دوا لا دوں گا جس سے تجھے بالکل شفا ہو جائے گی اس موقع پر تو یہ مشہور مثل کہ ''تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود'' پوری پوری صادق آ گئی۔ علاوہ بریں یہ کوئی عقل مندی۔ حسن تدبیر اور دُور اندیشی کی بات نہیں ہے کہ اگر آپ معاد کے منکر ہوں تو عام لوگوں میں اس کی تشہیر بھی کریں۔ اور اپنے نوجوانوں کو اس کا سبق پڑھایا کریں

جب تک کہ جس علم کی نسبت آپ کا گمان ہے کہ صرف وہی نظامِ عالم کے محفوظ رکھنے کیلئے کافی ہے آپ کو تام اور عام نظر نہ آنے لگے ورنہ سمجھ لیجئے کہ آپ اپنے اس باطل مذہب (انکارِ معاد) کو شہرت دے کر عالم میں خرابی کے دروازے کھولتے ہیں عام لوگوں میں اس خیال کے پھیل جانے سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں خدانخواستہ یہ خیال عام طور سے کیوں پھیلنے لگا۔ عقلِ سلیم تو اِس سے صاف صاف اِنکار کرتی ہے خدا تعالیٰ ہمیں اور آپ دونوں کو ایسے اُمر کی ہدایت کرے جس میں مخلوقِ خدا کی بہتری ہو۔ اور میں آپ سے محض خیر خواہی کے طور پر کہتا ہوں کہ آپ ذرا دُور اندیشی اور احتیاط سے کام لے لیں اور یہ خیال کر لیں کہ اگر آپ معاد کی تصدیق کر کے اُس کا سامان کر لیں گے پس اگر یہ واقعی اُمر ہوا تو آپ کو نجات مل جائے گی اور اگر بالفرض باطل ہی ہوا تو آپ کا یہ اعتقاد رکھنے میں کوئی نقصان نہ ہوگا غایت سے غایت اِس موقع پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جسمانی لذتیں آپ سے فوت ہو جائیں گی لیکن عاقل کے لئے تو ضروری ہے کہ ان لذتوں کی ذرا بھی پروا نہ کرے ایک تو اس لئے کہ یہ نہایت ہی ذلیل ہیں کیونکہ اس میں کتنے کیڑے مکوڑے یہاں تک کہ غلیظ کے کیڑے بھی مشترک ہیں اور دوسرے اس لئے کہ وہ فانی۔ سریع الزوال اور منقطع ہونے والی ہیں۔ پس اُن کی حرص کرنا اُس شے کے بارے میں احتیاط اور دُور اندیشی سے کام نہ لینے کے مساوی نہیں ٹھہر سکتا جس کے بُرے نتیجوں سے خوف و اندیشہ ہو۔

آسمان سے پانی نازل ہونے کا مسئلہ اور قوانین عقل پر اس کی تطبیق

مذکورۃ الصدر شرعی مسائل میں سے جن کا کہ آپ انکار کیا کرتے ہیں اب ایک مسئلہ اَور باقی رہ گیا ہے اور وہ آسمان سے بارش کے نازل ہونے کا مسئلہ ہے۔ آپ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے علمی تجربوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بارش اُن بخارات سے بنتی ہے جو زمین اور سمندروں سے اُٹھا کرتے ہیں اور ہوا کے سرد طبقہ (طبقہ زمہریر) تک چڑھ جاتے ہیں۔ پس وہاں سردی پا کر مجتمع ہوتے ہیں اور پھر برس پڑتے ہیں اور یہی بارش کہلاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ شریعت کی وہ متواتر نصوص جو بارش کے بارے میں مدارِ اعتقاد ہیں دو قسم کی ہیں بعض تو بارش کے آسمان سے نازل ہونے کی تصریح کرتی ہیں اور بعض یہ تصریح کرتی ہیں کہ بارش بادلوں سے نازل ہوتی ہے پھر لفظ سماء کا اطلاق عربی لغت میں چند معانی پر آتا ہے۔

جیسا کہ کتب لغت میں موجود ہے سما، بول کر کبھی آسمان مراد لیتے ہیں جو ملائکہ کا مسکن ہے کبھی چھت۔ کبھی وہ شے مراد ہوتی ہے جو کسی دوسری شے کے اُوپر ہو۔ کبھی بادل۔ کبھی بارش۔ اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قاعدہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ اُس وقت تک اپنی شرعی نصوص کے ظاہری اور متبادر معنی کا اعتقاد رکھتے ہیں جب تک کہ کوئی قطعی عقلی دلیل اس کے خلاف قائم نہ ہو جائے اور اگر کوئی ایسی دلیل قائم ہو جاتی ہے تو نص میں عقلی دلیل کے ساتھ تطبیق دینے کیلئے تاویل کر دیتے ہیں۔ اور اُس کو ظاہری معنے سے دوسرے معنے کی طرف پھیر دیتے ہیں اسی بناء پر نزول بارش کے بیان میں جو سماء کا لفظ واقع ہوا ہے وہ اُس کے بھی ظاہری معنے کا اعتقاد کرتے ہیں یعنی یہی جسم مراد لیتے ہیں جو ملائکہ کا مسکن ہے جیسا کہ یہی معنی بکثرت شرعی اطلاقات میں مراد ہیں اور یہ مراد لے کر اُن نصوص کو جن سے کہ بارش کا سماء (آسمان) سے نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اُن نصوص کے ساتھ جو بادل سے بارش کے نازل ہونے پر دلالت کرتی ہیں تطبیق دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ بارش کو آسمان سے ان مجتمع ابخروں پر جنہیں کہ بادل کہتے ہیں نازل کرے۔

پھر اُن سے زمین پر نازل کر دے اسی لئے شرعی نصوص کبھی تو استحکام کو ذکر کرتی ہیں جہاں سے پانی اوّلاً نازل ہوتا ہے اور کبھی اُس مقام کو جہاں سے ثانیاً نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب سچوں سے سچا ہے اور اگر اُن کے نزدیک آپ کا قول کہ بارش محض زمین اور سمندروں کے بخارات ہی سے بنتی ہے ثابت ہو جائے اور کوئی قطعی دلیل اس پر قائم ہو جائے تو انہیں سابق الذکر قاعدہ کے موافق ان نصوص کی تاویل کرنا جائز ہو جائے گا جن سے بظاہر بارش کا آسمان سے نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہہ دیں گے کہ اِن نصوص میں لفظ سماء سے بھی بادل ہی مراد ہے (اس تاویل کو سورہ بقرہ کی تفسیر میں امام رازی نے ذکر کیا ہے اور شیخ شرنبلالی نے بھی ''مراقی الفلاح'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے) یا یوں کہا جائے کہ جبکہ بارش سماوی اسباب سے نازل ہوتی ہے اور منجملہ اُن کے حرارتِ آفتاب ہے جس سے کہ اجزا مائیہ زمین سے سمندروں اور دریاؤں سے بخار بن کر ہوا پر چڑھ جاتے ہیں اور سردی کی وجہ سے بادل بن کر برس پڑتے ہیں تو گو حقیقۃً بارش بادلوں ہی سے نازل ہوتی ہو لیکن آسمان کی جانب مجازی نسبت ہو جائے گی اور یہ نسبت باعتبار سببیت کے صحیح ہے اور اللہ تو مسبب

الاسباب ہی ہے (اس تاویل کو حقی افندی نے سورۃ النباء کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔)

پس اے اہل سائنس اس بیان کے بعد بتایئے کہ اس مقام پر نصوص میں کون سا اشکال باقی رہ گیا جبکہ وہ نہایت ہی قریب تاویل سے عقل کے موافق ہوسکتی ہوں۔

ابھی اور بکثرت شرعی نصوص باقی ہیں جن کی نسبت میرا خیال ہے کہ اگر آپ اُن پر مطلع ہوں گے تو شروع شروع میں ضرور اُن کا انکار کریں گے کیونکہ آپ کو اُن کی توجیہ تو معلوم ہوگی نہیں اور نہ آپ یہی جانتے ہوں گے کہ علماء شریعت نے اُن کے معانی کی نسبت کیا کیا کہا ہے اور اُن کا کیا اعتقاد ہے لیکن جب آپ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے واقف کار علماء سے دریافت کریں گے تو آپ کو کوئی شے بھی ایسی نہ ملے گی جو قانونِ عقل پر بلا کسی مخالفت کے صحیح طور پر منطبق نہ ہو جاتی ہو لیکن شرط یہ ہے کہ اسلام کے اُن متبحر علماء سے گفتگو کی جائے جو شرعی قواعد سے پورے طور سے واقف ہوں اور اُن اقوال پر حاوی ہوں جو اُن جلیل القدر صحابہ کی زبان سے شرعی نصوص کی تفسیر نکلے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبدو باتیں کرنے والے تھے ورنہ ان بے چاروں سے کیا کام نکلے گا۔ جنہیں سوائے رسوم عبادات اور احکام معاملات کے کچھ معلوم ہی نہیں اور آپ اُن کو فاضل ترین علماء اور پختہ کار دانشمند و حکیم سمجھ لیں یہ لوگ تو آپ جیسے لوگوں کے ایمان میں بسا اوقات سدّ راہ ہوسکتے ہیں کیونکہ شرعی قواعد سے وہ پورے طور سے واقفیت تو رکھتے نہیں اور نہ اُنہیں یہی خبر ہے کہ نصوص شرعیہ اور دلائل عقلیہ میں کیونکر تطبیق دی جاتی ہے اور کب دی جاتی ہے اس لئے وہ اپنی غفلت اور ناواقفی کی وجہ سے ایسا طرز اختیار کریں گے جس سے اپنے نزدیک تو اسلامی دین کی حمایت کریں گے لیکن نتیجہ اُس کا یہ ہوگا کہ بجائے رغبت اور اسلام سے اُنس ہونے کے اُن کی تقریر سے اُلٹی نفرت پیدا ہوگی۔ پس ایسے لوگ اسلام کے حق میں اُس کے دشمنوں سے بھی زیادہ مضرت رساں ہیں۔

(میں نے اُنہیں بے چاروں میں سے بعض کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ "اسلامی دین میں براعظم امریکہ کے وجود کا اعتقاد کرنا جائز ہی نہیں کیونکہ اس سے زمین کا گول اور کروی ہونا لازم آتا ہے اور یہ اَمر اسلامی اعتقاد کے خلاف ہے۔" (یہاں تک اُن کی تقریر تمام ہوئی) پس خیال تو کیجئے کہ اِس غریب نے اپنی نادانی کی وجہ سے اہل اسلام کو اَمر محسوس اور مشاہدہ کے مقابلہ کرنے کی تکلیف دینا چاہی ہے اور اس کا سامان کیا ہے کہ اور قومیں

اسلام کو دل لگی میں اُڑائیں۔ حاشا وکلا اسلامی دین ہرگز ایسا نہیں وہ اس قدر پستی کے درجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ اسلام تو ایسا دین ہے کہ دنیا بھر کے دینوں میں سے اسی کو عقل میں سب سے بڑھ کر جگہ ملتی ہے اور اعتقاداتِ باطلہ اور ایسی چیزوں کے ماننے سے جن سے کہ عقول سلیمہ انکار کرتی ہیں سب سے زیادہ اسی میں کنارہ کشی کی گئی ہے اِس غریب بے چارے کو اس تنگ طریق میں کلفت اُٹھانے سے اِس طرح خلاصی مل سکتی تھی کہ امریکہ کے وجود سے جو تواتر اور مشاہدہ سے ثابت ہو چکا ہے انکار نہ کرتا اور جب یہی بات تھی جیسا کہ اُس کا گمان ہے کہ امریکہ کے وجود کو ماننا زمین کی کرویت کو قطعی طور پر مستلزم ہو جائے گا تو اُسے مناسب تھا کہ اسلام کے جلیل القدر علماء میں جو لوگ زمین کی کرویت کے قائل ہیں جیسے کہ امام رازی رحمہ اللہ اُن کے قول کو اختیار کرتا اور شریعت کی ظاہری نصوص کی جن سے کہ زمین کا پھیلا ہوا ہونا معلوم ہوتا ہے مناسب تاویل کر لیتا مثلاً اُس نص قرآنی کی تاویل میں جس میں یہ ہے ”والارض بعد ذلک دحاھا “یعنی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد زمین کو بچھایا“۔ یہ کہتا کہ زمین کے بچھانے سے مراد اُس کی ظاہری سطح کو بود و باش کے قابل بنا دینا ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے اور اب یہ اعتقاد شریعت میں اس وقت تک مضر نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان علماء کے اقوال میں سے کسی قول کے بھی موافق ہو جو دین اور شرعی نصوص کے سمجھنے کے بارے میں قابل اعتماد خیال کئے جاتے ہیں اور جب تک کہ تاویل کی صحیح وجوہ میں سے کسی درجہ پر بھی منطبق ہو سکے۔ لیکن اس بے چارہ کو اتنی سمجھ کہاں جو یہ جان سکے وہ تو صرف احکام کے چند لفظوں کو جانتا ہے اور اسی کو بگھارا کرتا ہے۔ کہنے کو تو وہ دین کا دوست ہے لیکن نادان دوست اپنی نادانی اور عقل کی کمی سے دشمنوں کی سی راہ چلتا ہے۔ خدا ہم سب کو راہِ راست پر چلنے اور علمِ حق سے مزیّن ہونے کی توفیق دے آمین)۔

یہ تو ہو چکا اب سنئے کہ جب اس محمدی عالم کی گفتگو کا سلسلہ مادہ کے قدیم ماننے والے فرقہ کے ساتھ یہاں تک پہنچا اور اُس نے اپنے بیان سے جتنے شبہے کہ اُن کو شریعت محمدیہ میں ہوتے تھے سب کو زائل کر دیا اور اُنہیں دِکھلا دیا کہ عقل سلیم کی نظر میں اُن کے مذہب کی کیا قدر و قیمت ہے تو اپنی غفلت سے بیدار ہوئے نیند سے چونکے اور ان کی عقلوں کو تنبہ ہوا اور تاریکی سے اُن کی فکروں کو خلاصی حاصل ہوئی اور اُس عالم سے کہنے لگے اے

ہمارے راہ نما اور ہمارے ساتھ خیر خواہی سے پیش آنے والے ہم تیرے غایت درجہ شکر گذار ہیں تو نے جتنی دُشواریاں ہمیں پیش آتی تھیں وہ زائل کر دیں اور ہمارے لئے راستہ صاف کر دیا لیکن اس سے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے جو مانع تھا وہ زائل ہوا ابھی اُن کی تصدیق کے لئے جو اَمر مقتضی ہو وہ تو باقی ہی ہے۔اور ہمارے نزدیک وہ مقتضی یہ ہے کہ جتنی دلیلیں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قائم ہیں ہم دیکھ لیں کہ وہ سب صحیح اور اُن کے صدق پر بھی قطعی دلالت کرتی ہیں یا نہیں۔تو اُس عالم نے جواب دیا کہ یہ کام تو آپ کا ہے اور اللہ کے فضل سے آپ پر آسان بھی ہے پس ان تمام دلیلوں میں اُنہوں نے غور کرنا شروع کیا اور ان میں اجمالاً وتفصیلاً ہر طرح پر باریک بینی سے بحث کرنے لگے۔

آخر کار بڑے غور اور فکر کے بعد انہیں ظاہر ہو گیا کہ ان دلیلوں کا صحت کے اعتبار سے بڑا درجہ ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر ایسے صاف طور پر دلالت کرتی ہیں جس میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں خصوصاً سب کے سب مل کر۔کیونکہ عقل سلیم اس کو محال سمجھتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی صحت پر دلالت کرنے میں ساری دلیلیں متفق ہو جائیں اور پھر بھی وہ دعویٰ صحیح نہ ہو رہا سب دلیلوں کا اتفاقی طور پر متفق ہو جانا اس کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔علاوہ بریں ان دلائل میں سے بعض دلیلیں ایسی بھی ہیں جن کے قائم کرنے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بھی دخل نہیں اور اُن کے اتفاقی طور پر حاصل ہو جانے کا سوائے ہٹ دھرمی کرنے والے کے اور کون قائل ہو سکتا ہے؟ (ان دلائل کی تفصیل اس فرقہ سے گفتگو کرنے کے موقع پر سابق میں گذر چکی ہے جہاں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے تفتیش کرنے لگا ہے اور آئندہ بھی اُن فرقوں پر رد کرتے وقت جو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل میں شک ڈالنے کے درپے ہیں ایسا کلام آئے گا۔پس مناسب ہے کہ اپنے اپنے موقع پر سب کو دیکھ لیا جائے یہاں مکرر بیان کرنے کی حاجت نہیں)۔

پس اب اس فرقہ نے خدا کے پاس سے رسول بن کر آنے کے دعوے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر لی۔خدا کے وجود کا مقر ہو گیا۔اُس کے رسولوں، اُس کی کتابوں۔ بعث وحشر اور جتنی چیزیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔سب کا معتقد بن گیا۔اور ایمان لے آیا۔اور ایمان بھی ایسا جو شافی وکافی بیان وتوضیح سے ثابت ہو گیا۔پس اِس فرقہ کے

لوگ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے نہایت مکرم اور آپ کے پکے پیرو ہو گئے اور خدا سب چیزوں پر پورے طور سے قدرت رکھتا ہے۔

خاتمہ

علوم کائنات جاننے والے اللہ کے وجود اس کے ذی قدرت ذی حکمت ہونے پر اس طرح اور اصاف پر استدلال آنے کے زیادہ مستحق ہیں اور وہ علماء جو ان مباحث پر تفصیل کے ساتھ واقفیت حاصل کرتے ہیں اور اُن پر ان سب کی باریکیاں۔ اسرار و حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ اس بات کے مستحق ہیں کہ عالم کے لئے ذی علم مدبر با حکمت پیدا کرنے والے خدا کا تمام لوگوں سے اور بھی زیادہ قوی یقین کریں اور اگر ہم کہیں کہ یہ لوگ اُن علماء علم کلام سے بھی جو خدا کے وجود پر اجمالی دلیلیں قائم کرتے ہیں بڑھ کر خدا پر ایمان لانے اور اُس کے وجود کو ماننے کے مستحق ہیں تو کچھ مستبعد نہیں معلوم ہوتا کیونکہ یہ لوگ تو عالم کے پیدا کرنے والے کی مصنوعات میں سے عجیب سے عجیب اشیاء کے تفصیلی حالات پر واقف ہوتے ہیں اور کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ خدائے پاک کے وجود پر سوائے اس کے کہ اُس کی مصنوعات اور عجائبات قدرت سے اُس پر استدلال کیا جائے اور بھی کوئی عقلی دلیل ہو سکتی ہے۔ پس جب کوئی انہیں مصنوعات میں غور کرے گا۔ اور ان کی تفصیلی حالت پر اُسے اطلاع ہوگی اُن کا استحکام اور یہ اَمر کہ اُن کے بنانے میں ضرور اِرادہ اور حکمت سے کام لیا گیا ہے اُس پر ظاہر ہوگا اور ضرورت اور اتفاق اُس کے نزدیک ساقط الاعتبار قرار پائیں گے تو اُس وقت آپ دیکھیں گے کہ ایسے شخص کے دل میں ایمان نے پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ اپنا قدم جمالیا ہے اور آپ کو نظر آئے گا کہ ضلالت و گمراہی کی دست درازیوں سے وہ کوسوں دور جا پڑا ہے اُس پر اس کا جادو ہرگز نہیں چل سکتا۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ جو لوگ اُن کالجوں میں داخل ہوتے ہیں جن میں کہ علوم کائنات کی تعلیم ہوتی ہے خصوصاً جن میں کہ علم طب وغیرہ میں کام آنے کی غرض سے علم نباتات یا علم حیوانات پڑھایا جاتا ہے تو اُن میں سے اکثر کی ہم یہ حالت دیکھتے ہیں کہ ان علوم کے حاصل کرنے کے بعد وہ کالج سے نکلتے ہیں بلکہ اُس کے ساتھ ہی دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو جاتے ہیں اُن کے عقائد اسلامی عقائد سے کوسوں دور معلوم ہوتے ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ موجدِ عالم کے اعتقاد کو چھوڑ بیٹھتے ہیں وجود کائنات اور تمام موجودات کے آثار کو مادہ اجزاء مادہ کی حرکت طبیعت قوانین قدرت فطرت وغیرہ اشیاء کے حوالہ کرتے ہیں اُن کے نزدیک خدا کوئی چیز ہی نہیں ہوتا اگر کچھ ہے تو نیچر ہے جو کچھ ہوتا ہے اسی بے شعور ناسمجھ نیچر سے ہو جاتا ہے۔ پس جب اُنہوں نے اتنا بڑا اسلامی رکن منہدم کر دیا تو اُنہوں نے دین اسلام میں سے اعتقاد ہی کس بات کا کیا ہے؟ اب اُن سے کس عبادت کی اُمید ہو سکتی ہے؟ اور اُن کی کون سی خصلت کون سا ادب قابل ستائش ٹھہر سکتا ہے خصوصاً جب وہ فن طبیعات بھی پڑھ لیتے ہیں جب اُنہیں کائنات کے قوانین قدرت پر اطلاع حاصل ہو جاتی ہے اور جب وہ اُن کے اثر کرنے کی کیفیت سے واقف ہو جاتے ہیں تب تو اُن کے ملحدانہ خیالات کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں ہوتا پس جب ایسی کیفیت ہو تو یہ کہنا کہاں رہا کہ جو لوگ ان علوم کو تفصیل کے ساتھ حاصل کرتے ہیں وہ خالق کائنات کے وجود کے یقین کرنے اور اُس کے وجود کے نہایت ہی قوی اعتقاد رکھنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس اشکال کا جواب مجھ سے سُنئے اِن شاء اللہ میں اس اعتراض کا شافی وکافی جواب دوں گا اور میں اپنے جواب سے اپنے اسلامی بھائیوں کو متنبہ کر کے اِس اَمر کی طرف متوجہ کروں گا کہ وہ اُس بلائے بے درماں کے دور کرنے کی جانب راغب ہو جائیں جو کہ اُن کی نسل کے نوجوانوں میں سرایت کرتی چلی جاتی ہے ورنہ آئندہ نسلوں میں جا کر اس کا علاج قریب قریب ناممکن کے ہو جائے گا اس لئے بہتر ہے کہ اس باوقعت اور قابل قدر دین کی حمایت کرنے میں کوتاہی نہ کریں اور اس کے تدارک کرنے کی طرف ابھی سے نہایت سرگرمی کے ساتھ متوجہ ہو جائیں۔

پس سُنئے کہ یہ علوم مذکورہ یعنی علم نباتات وعلم حیوانات اور اسی طرح علم فلکیات۔ علم کائنات جو ایسے ہی اور علوم طبعیہ جن میں کہ کائنات کے قوانین قدرت سے بحث کی جاتی ہے جن میں کہ روشنی۔ پانی۔ ہوا۔ قوت کہربائی وغیرہ کے خواص بیان کئے جاتے ہیں اس میں تو ذرا بھی شک وشبہ نہیں کہ ان علوم کے مباحث خالق کائنات کے وجود پر جن کے احوال سے ان علوم میں بحث کی جاتی ہے نہایت قوی دلیلوں کے ساتھ دلالت کرتے ہیں اور اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بنانے والا بہت ہی بڑا صاحب قدرت اور اعلیٰ درجہ کی حکمت رکھنے والا ہے کیونکہ ساری کائنات اُسی خالق کے آثار ہیں اور مؤثر پر اُس کے آثار

ہی کو دیکھ کر استدلال کیا جاتا ہے اور پھر چونکہ ان علوم کے مباحث میں عقل پر کائنات کے اسرار اور حکمتیں منکشف ہو جاتی ہیں اور اُس کے نزدیک یہ اُمر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ضرور یہ چیزیں کسی ذی اختیار نے اپنے قصد اور اِرادہ سے بنائی ہیں اور اُن کے بنانے میں اعلیٰ درجہ کی تدبیر اور انتظام سے کام لیا گیا ہے اس لئے اِن مباحث سے خدا پر بخوبی استدلال ہو سکتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ مؤثر پر استدلال کرنا بالکل آسان اُمر نہیں ہے اس استدلال کے طریقہ میں بسا اوقات بڑی دُشواری درپیش ہو جایا کرتی ہے یہاں قدم ذرا مشکل سے جمنے پاتے ہیں اِس موقع پر عقل کا لغزش سے بچا رہنا بڑا کام رکھتا ہے اس لئے کہ انسانی عقل جب آثار کو دیکھتی ہے اور اُن کے اسباب کے دریافت کرنے کے درپے ہوتی ہے اُس وقت اگر اُس نے باریک بینی سے کام نہیں لیا ہے تو وہ ظاہری سبب تک پہنچ کر رہ جاتی ہے اور اُسی کو مؤثر حقیقی اور سبب واقعی گمان کرنے لگتی ہے اور پھر اپنی رفتار کو وہیں ختم کر دیتی ہے اس وجہ سے جو لوگ علوم طبعیہ میں مشغول ہوتے ہیں اُن میں بعضوں کو جب ان آثار پر جن سے کہ ان علوم میں بحث کی جاتی ہے اطلاع حاصل ہوئی اور وہ بغیر اس کے کہ باریک بینی سے کام لیتے اور بحث میں غور وفکر کرتے اُن آثار کے اسباب سے بحث کرنے لگے اور چونکہ اُنہیں کسی سچے دین کا اعتقاد یا ایسا ہی کوئی اور اُمر جو اُن کی فکروں کو متنبہ کرتا اور مؤثر حقیقی اور سبب واقعی تک اُن کی راہنمائی کرتا حاصل نہ تھا اس لئے اُن کی عقلیں مادہ اور قوانین قدرت تک کہ جو ان آثار کے ظاہری اسباب تھے پہنچ کر رہ گئیں اور اُنہوں نے فرض کر لیا کہ مادہ کے اجزاء بسیطہ کی حرکت ہی سب کچھ کرتی ہے پس وہ اُسی کے وجود کے معتقد ہو کر رہ گئے اور چونکہ اُن کی نظریں باریک بینی سے قاصر تھیں اس لئے اُن کی عقلیں اس اُمر سے متنبہ نہ ہو سکیں اور اُنہوں نے اس بات میں غور نہیں کیا کہ آیا مادہ اور ان قوانین قدرت میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ ان تمام عجائبات عالم کے حقیقی سبب قرار پائیں یا ایسا نہیں ہے اور نہ اُنہوں نے اسی کو سوچا کہ دیکھیں مادہ میں یہ قابلیت موجود بھی ہے کہ اُسی سے ساری چیزیں صادر ہوں اور وہ مادہ کسی سے صادر نہ ہوا ہو یا اُس کو اس وجہ سے کہ اس کا حدوث لازمی اُمر ہے کسی دوسری شے کی بھی ضرورت ہے جس سے کہ وہ صادر ہوا ہو اِس سبب سے یہیں پر وہ ٹھہر کر رہ گئے اور اُنہوں نے اپنی عقلوں سے اس سے آگے کچھ کام نہ لیا

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُنہوں نے اس اُمر کا تو اعتقاد کرلیا کہ تمام کائنات کے صادر ہونے کا حقیقی سبب مادہ۔قوانین قدرت اور اُس کے ذرّات بسیطہ کی حرکت ہی ہے اور خدا نے عالم کے وجود کے منکر ہو گئے اور اس انکار کے ایسے عادی ہوئے کہ عالم میں جس اثر کو اُنہوں نے دیکھا مادہ اُس کی حرکت اور اُن قوانین قدرت کی جانب جو اُس میں پائے جاتے ہیں منسوب کرنے لگے پھر اُس کو اُنہوں نے مختلف عنوانات سے تعبیر کرنا اختیار کیا جس سے وہ صرف اپنی من سمجھوتی کر لیتے ہیں پس کبھی تو کہتے ہیں کہ یہ اثر طبیعت کے فعل سے ہوا۔کبھی کہتے ہیں قوانین قدرت کا فعل ہے اِسی طرح پر اور مختلف عنوانات بھی ہیں خلاصہ یہ کہ وہ اپنی اس ناتمام تحقیقات کے بڑے شدومد سے معتقد بن گئے۔پھر بعض کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ انہیں علوم کی رنگ آمیزیوں کی وجہ سے اُن مدارس میں سے جن میں کہ ان علوم کی تعلیم ہوتی ہے کسی مدرسہ کے ٹیچر ہو گئے اور اُن کے پاس نوجوان ناواقف طالب علم ان علوم کے حاصل کرنے کے لئے آئے جنہیں اسلام کے سچے عقائد کی اطلاع تک نہیں اور نہ اُنہوں نے اسی سے واقفیت حاصل کی کہ کائنات کے بننے اور ان آثار کے حادث ہونے کی کیفیت کی نسبت مسلمانوں کو کیا اعتقاد کرنا چاہئے اور نہ اُنہوں نے اسی کو سمجھا کہ ساری کائنات زمین و آسمان کے موجد کے پیدا کرنے سے موجود ہوئی ہے اب ان علوم کے پڑھانے والوں کو موقع ملا کہ اپنے ان ناواقف شاگردوں میں اپنے باطل خیالات اور غلط اعتقادات جو اُن کے دِلوں میں ناتمام تحقیقات کی وجہ سے جم کر رہ گئے تھے علمی تحقیقات کے پیرایہ میں پھیلائیں۔پس جب کبھی اُنہیں عجائبات میں سے کسی عجیب چیز پر اطلاع ہوئی یا اُسرار کائنات میں کوئی راز اُن کو معلوم ہوا یا مصنوعات کی حکمتوں میں سے کسی حکمت پر اُن کو واقفیت حاصل ہوئی تو بجائے اس کے کہ اپنے شاگردوں سے یہ کہتے کہ اِس عجیب اثر کے ایجاد کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حیرت انگیز صنعت کو دیکھو اور اُس کی اعلیٰ درجہ کی حکمت میں غور کرو اُنہوں نے اُن سے یہ کہا کہ تم نے دیکھا طبیعت کا کیسا تعجب خیز فعل ظاہر ہوا اور فلاں قدرتی قانون کا کیسا عجیب و غریب اثر ہے۔علیٰ ہٰذا القیاس ایسی ہی اور مخرب عقائد باتیں کہنا شروع کیں کاش اس موقع پر وہ یوں کہتے کہ "تم نے فلاں "قدرتی قانون" کو دیکھا کیسا عجیب و غریب ہے اب اس سے سمجھ لو کہ جس نے عالم میں ایسے قدرتی ﴿اِس موقع پر مناسب معلوم

ہوتا ہے کہ اِس اَمر کو ظاہر کردوں کہ قدرتی قانون نام کس چیز کا ہے۔ میرے نزدیک قانونِ فطرت کسی بااختیار کام کرنے والے کے طرزِ عمل کا نام ہے اور اُس کی مثال ریل کی پٹڑی کی سی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ریل جب چلتی ہے وہ اسی طرف کو جاتی ہے جدھر کہ اُس کی پٹڑی بچھی ہوتی ہے اِسی طرح عالم میں جو اثر ظاہر ہوتا ہے وہ قانون قدرت کے موافق ظاہر ہوتا ہے اور جیسے کہ ریل کے چلنے کے لئے محض پٹڑی کا ہونا کافی نہیں بلکہ کسی ڈرائیور کی ضرورت ہے جو اُس کو آگے لے چلے اسی طرح یہاں بھی کوئی ذی اختیار ہونا چاہئے جو اپنے افعال قانون قدرت کے موافق کرے اور جیسے کہ ریل کی پٹڑی بچھانے والے کو اختیار ہے کہ وہ جدھر چاہے اُس کا رُخ بدل دے اسی طرح خالق کائنات کو بھی اختیار ہے کہ جیسے کہ اُس نے اپنا طرزِ عمل ایک طور پر مقرر کرلیا تھا جس کو کہ قانونِ قدرت کہتے ہیں وہ بجائے اس کے کوئی دوسرا قانون مقرر کردے پس جیسے کہ ریل کے چلنے میں مؤثر اسٹیم یا ڈرائیور سمجھا جاتا ہے اور پٹڑی کو کوئی مؤثر نہیں کہتا اسی طرح اہل اسلام کے نزدیک حقیقت میں خدا مؤثر ہے اور قانونِ قدرت اُس کا طرزِ عمل ہے جس کو کہ اُس نے اپنے اختیار سے مقرر کررکھا ہے اس لئے قوانین قدرت حقیقی مؤثر نہیں ہوسکتے، اہل اسلام کے نزدیک قانون قدرت کا نام عادۃ اللہ ہے۔۱۲ جس نے قوانین جاری کئے ہیں وہ کیسا باحکمت اور قادرِ مطلق ہوگا؟

لیکن اُنہوں نے یہ تو کیا نہیں بلکہ قوانین فطرت تک پہنچ کر رہ گئے اور اُسی کی طرف تمام چیزوں کو مستند کیا کئے اور برابر اسی طریقہ کا اُن کے ساتھ برتاؤ کرتے رہے یہاں تک کہ یہی کیفیت اُن کے دِلوں میں بخوبی جاگزیں ہوا کی اور اسی قسم کے خیالات اُن کی عقلوں میں بھی منقوش ہوتے رہے خلاصہ یہ کہ مدارس میں رہنے کا زمانہ ختم بھی نہیں ہونے پاتا کہ اُس سے پہلے ہی اُن کے دِلوں میں یہ خیال جم جاتا ہے کہ عالم میں سوائے طبیعت مادہ کے ذرّات بسیطہ کی حرکت اور قوانین قدرت کے کوئی فاعل ہے ہی نہیں اور اُن کا یہ اعتقاد کہ عالم کا پیدا کرنے والا کوئی خدا ہے بالکل زائل ہوجاتا ہے پس جس وقت وہ مدرسہ کو چھوڑتے ہیں تو اُن کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اُس کے ساتھ ہی بلکہ اُس سے پہلے ہی آبائی دین کو بھی خیرباد کہہ چکتے ہیں اور اہل اسلام کو اُن سے یہ اُمید ہوتی ہے کہ جماعت اسلام میں تعلیم یافتہ اشخاص کی تعداد میں ترقی ہوئی، یہ لوگ دین سے واقف ہوں گے ان سے

اسلام کو نفع پہنچے گا شریعت محمدیہ کی حمایت کریں گے اپنے ہم وطنوں کے کام آئیں گے اُن کے کامیاب ہونے کی تدابیر بتلائیں گے لیکن حقیقت میں اُن کی یہ ساری اُمیدیں خاک میں مل جاتی ہیں اُن کی کوششیں بے سود ثابت ہوتی ہیں اور اُن کو ایسے لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت سے نقصان اُٹھانا پڑتا ہے جن کی نسبت وہ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی ہمیں لوگوں میں سے ہیں ہمارے تعلیم یافتہ دینی بھائی ہیں اور واقع میں دیکھئے تو وہ دین سلطنت اور وطن سب کے پکے دشمن ہوتے ہیں عقائد اُن کے اہل اسلام کے خلاف ہوتے ہیں اُن کے طرز۔ رفتار۔ گفتار۔ برتاؤ وغیرہ جس میں دیکھئے کسی میں اسلامی بوتک نہیں پائی جاتی اُن کے مقاصد اور اِرادے اسلامی شان کے بالکل خلاف ہوتے ہیں اُن کی حالت دیکھ کر تو بڑا جی دُکھتا ہے اور بے ساختہ مُنہ سے ''اِنا للہ و اِنا الیہ راجعون'' نکل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت کرے۔ پس بہی خواہانِ اسلام کے ذمہ یہ اَمر ضروری ہے کہ اِس مصیبت عظیمہ کا تدارک کریں خصوصاً اُن لوگوں کو تو اس کا پورا انتظام کرنا چاہئے جو حاملین اسلام میں سے صاحب حکومت اور ذی اختیار بھی ہیں اُن کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ان مدارس کے لئے حتی المقدور صرف ایسے ہی اشخاص معلم قرار دیئے جائیں جن کے عقیدے اسلام کے موافق صحیح صحیح ہوں طبیعت میں سلامت روی پائی جائے اسلامی تعلیمات کے صدق دل سے معتقد ہوں صرف نام ہی کے مسلمان نہ ہوں بلکہ باوجود درستی عقائد کے شریعت محمدیہ کے آداب و اخلاق سے بھی آراستہ ہوں اور حتی الامکان شریعت کے پورے پابند ہوں اس لئے کہ شاگرد کی مثال اپنے اُستاد کے اعتبار سے بالکل آئینہ کی سی ہے پس جیسے کہ آئینہ کے سامنے جو چیز آتی ہے اُسی کی صورت اُس میں منقش ہو جاتی ہے اور نظر آنے لگتی ہے اِسی طرح جو اُستاد کی حالت ہوتی ہے وہی شاگردوں میں بھی سرایت کر جاتی ہے اُستاد کے خیالات کا شاگردوں پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے اور دوسرا اَمر یہ ضروری ہے کہ طالب علم اِن مدارس (علوم طبعیہ کے مدارس) میں اُس وقت تک ہرگز داخل نہ کئے جائیں جب تک کہ وہ پہلے ایک کافی زمانہ تک دینی مدارس میں قیام نہ کر چکے ہوں اور وہاں رہ کر اُنہوں نے اپنے اسلامی عقیدے پورے طور سے صحیح نہ کر لئے ہوں۔

اُس کے بعد شبہات لایعنی سے اُن میں تزلزل نہ آنے پائے اور لوگوں کی بے سروپا

باتیں اور رنگ آمیزیاں اُن کو پس وپیش میں نہ ڈال سکیں آداب حسنہ سے اُن کی اصلاح ہو جائے اور عبادتوں کی بجا آوری کے عادی ہو جائیں اور اگر یہ خیال ہو کہ اس اَمر کے التزام کرنے سے وہ وقت جو ان دنیوی علوم کی تحصیل کرنے کے لئے زیادہ مناسب ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا تو پھر یہ اَمر ضروری بلکہ نہایت ضروری ہے کہ انہیں مدارس میں ایسے علماء رکھے جائیں کہ ان کو اسلامی عقائد اور احکام کی تعلیم دیا کریں اور اس ضرر کا مقابلہ کرسکیں ان مدارس میں داخل ہونے کے وقت سے لے کر اُن کے چھوڑنے کے وقت تک دینی عقائد اور احکام کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رکھا جائے چاہے تھوڑی ہی دیر کیوں نہ ہو لیکن ہو بلا ناغہ اور جب تک اُن کا مدارس میں قیام رہے اُس زمانہ تک برابر یہ علماء اُن کے عقائد۔ آداب۔ عبادات وغیرہ کے نگراں رہیں اور اُن کی اصلاح کرتے رہیں اور جہاں کہیں دینی احکام بظاہر ان عقلی علوم کے مخالف معلوم ہوں ان میں باہم تطبیق دیں اور دینی اُمور کو عقلی دلائل سے طلبہ کو ثابت کر دکھائیں پس اگر دونوں شرطوں کی رعایت کی جائے گی جن میں اوّل تو یہ کہ جو اساتذہ ان مدارس کے لئے انتخاب کئے جائیں وہ اسلام کے پابند ہوں اور اُن کے عقائد اسلامی تعلیم کے موافق صحیح صحیح ہوں اور دوسرے یہ کہ ان طالب علموں کو اسلامی احکام کی عموماً اور عقائد اسلام کی خصوصاً کافی نگرانی کے ساتھ تعلیم دی جائے عام ہے کہ سکولوں اور کالجوں میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کا انتظام کیا جائے یا عقلی علوم کے تحصیل کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی جاری رکھی جائے تو پھر یہ تعلیم یافتہ اشخاص کجروی سے ضرور محفوظ رہیں گے اُن کے دینی خصائل وآداب میں فتور نہ آنے پائے گا عبادات میں اُن سے بے پروائی ظاہر نہ ہوگی بلکہ اُن کے عقیدے پکے اور نہایت ہی پختہ ہوں گے خصوصاً اس وجہ سے کہ ان عقلی علوم کی تحصیل کے زمانہ میں اُن کو خداوندی مصنوعات اُس کے حیرت انگیز افعال۔ اور عجائبات قدرت کا مشاہدہ بھی حاصل ہوتا جائے گا کیونکہ اس تقدیر پر جب کبھی وہ کوئی عجیب صنعت یا عجائبات قدرت میں کوئی راز مشاہدہ کریں گے تو اپنے مسلمان اساتذہ کو یہی کہتے ہوئے سنیں گے کہ خداوندی صنعت کو دیکھو اور اس عجیب وغریب مصنوع میں جو اُس نے اپنی اعلیٰ درجہ کی پائیدار اور محکم حکمت سے کام لیا ہے اُس میں غور کرو پس اُس وقت بلا تأمل اُن کی زبان سے خدا تعالیٰ کی حمد وثناء نکلے گی اُس کی تسبیح اور تنزیہ میں

مشغول ہو جائیں گے اسی طرح خداوندی عظمت اُن کے دلوں میں روز افزوں ترقی کرتی رہے گی اور اُس کی قدرت اُن کی نظروں میں نہایت ہی عظیم معلوم ہوگی پس ان مدارس میں اُن کے قیام کا زمانہ گذرنے بھی نہ پائے گا کہ اس سے قبل ہی اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور موحدین میں سربرآوردہ اور افضل شمار کئے جانے کے مستحق ہو جائیں گے اُس وقت بے شک مسلمانوں میں ایسے تعلیم یافتہ اشخاص پیدا ہو سکیں گے کہ اسلامی دین کی حمایت کریں اور اپنی قوم ملک اور سلطنت کے کام آویں (اور جب ﴿خط وحدانی کے اندر مترجم کی تحریر ہے۔۱۲﴾ تک یہ کیفیت نہ ہوگی اُس وقت تک ہم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو لوگ علوم عقلیہ حاصل کر کے تعلیم یافتہ اشخاص میں شمار کئے جانے لگے اُن سے اسلام یا مسلمانوں کو کچھ بھی نفع پہنچ سکتا ہے کیونکہ جب اُن کے عقائد جو اسلام کا رکن اعظم ہے وہ ہی درست نہ ہوں گے تو اہل اسلام کو اُن سے کیا اُمید ہو سکتی ہے جب وہ خود ہی اسلامی تعلیم سے نا آشنا ہو رہی ہیں تو اہل اسلام کو بحیثیت اسلام کے کیا نفع پہنچا سکتے ہیں دنیاوی فوائد تو دین کے مقابل میں دنیاوی فوائد کی اُس شخص کی نظروں میں جو مسلمان ہے ہرگز وقعت نہیں ہو سکتی۔ یہ اَمر اسلامی مقتضے کے بالکل خلاف ہے بفرض محال اگر اُن سے اِس حالت میں دنیاوی نفع کی اُمید بھی کی جاوے تو دینی ضرر کے مقابلہ میں جو اُن سے پہنچے گا اس کی کوئی قدر نہیں کی جا سکتی علاوہ بریں اس اَمر میں اُن کی خصوصیت ہی کیا ہوئی دنیاوی نفع کے پہنچانے میں انسانی ہمدردی کے موافق تو غیر قومیں بھی برابر ہیں۔ میری اس تقریر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میرا مقصود اعتراض کرنا ہے میری اسلامی ہمدردی مجھ کو مجبور کرتی ہے کہ اپنے بھائیوں کو ذرا متنبہ کر دوں)

اب میں خدائے پاک سے اس اَمر کی التجا کرتا ہوں کہ ہمارے حکام کو ایسے اُمور کی توفیق دے جس میں اُمت محمدیہ کی بہتری ہو اور اُن کو اپنے فضل و کرم کی برکت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اس کا اجر جزیل عنایت فرمائے۔ امین۔

الاکسیر فی اثبات التقدیر

ترجمہ

التنویر فی اسقاط التدبیر

یعنی

تقدیر کیا ہے؟

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
رئیس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ
مَولانا مُحَمّد اَشرف علی التھانوی
نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

خدا در انتظار حمد ما نیست — محمد چشم بر راہ ثنا نیست
خدا مدح آفریں مصطفیٰ بس — محمد حامد حمد خدا بس
منا جاتے اگر خواہی بیان کرد — بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد
محمد از تو می خواہم خدا را — الٰہی از تو حب مصطفیٰ را

امابعد! عرض کرتا ہے یہ احقر خدام آستانہ فیض کاشانہ امام العارفین مقدام الراسخین سراج الاولیاء تاج الکبراء زبدۃ الواصلین قدوۃ الکاملین شیخ المشائخ سید السادات جنید الزماں بایزید الدوراں سیدی وسندی ومعتمدی ومستندی ذخیرہ یومی وغدوی مکان الروح من جدی حضرت مرشدنا ومولانا الحافظ الحاج الشاہ محمد امداد اللہ المہاجر التھانوی مولداً والمکی مورداً الفاروقی نسباً الحنفی مذہباً الصوفی مشرباً ادامہ اللہ تعالیٰ کاسمہ الشریف امداداً من اللہ علی العباد وافاضۃ علی طالبی الرشاد، کہ ہمارے زمانے میں اور ہمارے ملک میں اکثر لوگ تحصیل دنیا پر اس قدر گرے ہیں کہ حلال وحرام میں بھی تمیز نہیں کرتے اور اوامر ونواہی کی خبر نہیں رکھتے کارروائی پر نظر ہے نہ حساب کی خبر نہ عقاب کا خطرہ ہے منشاء اس انہماک استغراق کا یہی ہے کہ تقدیر پر اعتماد نہیں پھر ان میں بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ مسئلہ تقدیر کو عقیدۂ حق جانتے ہیں مگر پست ہمتی سے ظاہر کو باطن کے موافق نہیں کر سکتے اور بعض ایسے ہیں کہ اس مسئلہ تقدیر ہی کو فسانہ بے معنی سمجھتے ہیں اور ایسے اعتقاد والوں پر ہنستے ہیں یہ خیال باطل مدعیان تہذیب وروشنی جدید کا جمایا ہوا ہے جنہوں نے اس کے علاوہ دین میں اور بھی بہت سا فتور پھیلایا ہے، ایک روز حضور پرنور ممدوح الذکر دام ظلہم کی محفل قدس ومجلس انس میں کہ منبع فیوض وانوار ومعدن برکات واسرار ہے، منجملہ افادات اس مضمون کا بھی تذکرہ ہوا از آنجا کہ مقبولان الٰہی مظہر اتم صفت رحمت کے ہوتے ہیں، حضور ممدوح دام ظلہم کو براہ شفقت و

دل سوزی خیال ہوا کہ ان غریقان بحر غفلت کو ساحل ہدایت پر لانے کی کوئی صورت نکالی جائے ارشاد فرمایا کہ کتاب تنویر فی اسقاط التدبیر تصنیف حجۃ الاولیاء ابن عطا صاحب حکم قدس سرہ اس مبحث میں خوب ہے جس کا ہر مضمون مدلل بدلائل عقلیہ والنقلیہ وکشفیہ ہونے کے سبب سے مقبول ومرغوب ہے، اگر اردو زبان میں اس کا ترجمہ ہو جائے تو نفع اس کا عام اور فیض اس کا تام ہو اور عجب نہیں کہ مدعیان مذکور بھی بشرط فہم وانصاف وترک تعصب واعتساف راہ راست پر آویں ورنہ اور سادے مسلمان تو اس اعتقاد فاسد اور خیال کاسد سے محفوظ رہیں گے اور کسی کے دام میں نہ پھنسیں گے اور نیز اس سے طلباء کو علم اور علماء کو عمل اور عابدوں کو معرفت اور عارفوں کو حال اور اہل حال کو مقام اور اہل مقام کو کمال اور اہل کمال کو دولت بے زوال نصیب ہوگی اور اس نادان ناکارہ کو جو خاص واسطے استفادہ معانی وبرکات کے حضور میں ہند سے چند ماہ کا آیا ہوا تھا اور اس وقت حاضر محفل فیض منزل تھا ترجمے کے لئے فرمان ہوا جس پر میں باوجود اپنی نا اہلیت کے امتثالاً للامر مستعد بدل وجان ہوا، روزانہ تھوڑا تھوڑا لکھتا اور حضور میں سنا دیتا، یہاں تک کہ بہت تھوڑی مدت میں بحمد اللہ اتمام کو پہنچا اور اکسیر فی اثبات التقدیر نام رکھا گیا میری بد استعدادی وکاہلی پر اس امر کا سرانجام ہونا محض حضور دام ظلہم کا فیضان ہی ہے:

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے برآ ہو چین بستہ اند

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

بعض مواقع پر تفصیل اجمال یا توضیح اخلاق کیلئے ترجمے سے زائد متن میں کچھ بڑھایا گیا اس کے شروع پر حرف ف اور اس کے ختم پر حرف ت لکھ دیا گیا اور کہیں کہیں حاشیہ پر حضور دام ظلہم کے بعض ارشادات جو وقت استماع ترجمہ فرماتے جاتے تھے لکھ کر ختم پر لفظ ملفوظ لکھ دیا اور بعض جگہ جواز خود کچھ لکھا اس کے بعد مترجم لکھدیا اور اس ترجمے میں حضرات اخوان الطریقت وخلان الحقیقت جناب مولوی محب الدین صاحب پشاوری وجناب مولوی سید حمزہ صاحب دہلوی وجناب مولوی ابو احمد صاحب بمبوی وجناب مولوی محمد ابراہیم صاحب سنبھلی سلمہم اللہ تعالیٰ وکرمہم ونعمہم سے مدد ملی خصوصاً جناب مولوی سید حمزہ صاحب نے سب سے زیادہ مدد[1] فرمائی جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

[1] بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بنیاد ترجمے کی مولوی صاحب ہی نے ڈالی اور احقر نے صرف دیواریں اٹھادیں والفضل للمتقدم۔ (مترجم)

پھر یہ ترجمہ حضرت تاج الادباء سراج الفضلاء مولانا ذوالفقار علی صاحب رئیس دیو بند ضلع سہارنپور مدظلہ العالی کی خدمت میں بغرض اصلاح بھیج دیا گیا، مولانا ممدوح کے نظر فرمانے کے بعد اب یہ ترجمہ ان شاء اللہ تعالیٰ قابل اطمینان ہے پھر بھی اگر کہیں کوئی لغزش پائی جائے وہ اس نادان کی طرف منسوب سمجھنا چاہئے، اور ناظرین سے امید ہے کہ جب اس کو مطالعہ فرمائیں تو بزرگان مسبوق الذکر[1] کو اور اس احقر کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔

یاالٰہی اس ترجمہ کو مقبول فرما کر ذریعہ ہدایت بنا اور ہم کو بھی توفیق عطاء فرما، آمین یا رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ و ذریاتہ وعترتہ و اولیاء امتہ اجمعین ابدالا بدین ودھر الدھرین۔

عرض ضروری چونکہ تفصیل بعد الاجمال خوب دل نشین اور ذہن میں جاگزیں ہوتی ہے اس لئے کتاب ہذا کا خلاصہ مضمون اجمالاً اول لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل فہم تکرار سے محظوظ ہوں گے اور کم فہم غلط فہمی سے محفوظ رہیں گے، وہو ہذا

جاننا چاہئے کہ تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی مگر پھر بھی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں سے کہ بعض ان میں متعلق باسرار و حقائق ہیں تدبیر مشروع ہوئی مگر چند شرائط کے ساتھ مشروط کی گئی کہ اصول ان کے سات امر ہیں۔

اول- وہ تدبیر شریعت کے خلاف نہ ہو۔

دوم- تدبیر پر بھروسہ نہ ہو بلکہ مسبب الاسباب پر نظر رہے۔

سوم- اگر دنیا کی تدبیر کرے اس میں آخرت مقصود ہو۔

چہارم- تدبیر دنیا میں اس قدر غرق نہ ہو کہ اللہ سے اور اس کے احکام سے غفلت ہو جائے۔

پنجم- صلحاء وعلماء کی صحبت ترک نہ کرے تا کیدورت اسباب اثر نہ کرے۔

ششم- حقوق شرعی ادا کرتا رہے۔

ہفتم- ہر شخص اپنی حالت کے اعتبار سے ضرورت سے زائد جمع نہ کرے یہ تو ہم نے درخت شمار کرا دیئے اب بسم اللہ کر کے باغ میں چلو اور علوم وحکم کے پھل نوش جان کرو آگے ترجمہ شروع ہوتا ہے۔ (حضرت مولانا) اشرف علی (صاحب تھانویؒ)

---

[1] یعنی حضرت پیر ومرشد مدظلہ ومصنف تنویر واخوان طریقت ومولانا ذوالفقار علی صاحب۔ (مترجم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یوں فرماتے ہیں حضرت امام عارف پیشوا محقق تاج العارفین لسان المتکلمین امام زماں یکتائے دوراں حجۃ السلف امام الخلف قدوۃ السالکین حجۃ المتقدمین تاج الدین ابو الفضل احمد بن محمد بن عبدالکریم بن عطاء اللہ سکندری اللہ جل شانہ ان سے خوش ہو اور ان کو خوش کرے اور ہم کو اور تمام مسلمانوں کو ان کی ذات مقدسہ سے نفع بخشے بے شک وہ سب کی سنتا ہے اور سب کے قریب ہے اور سب کی دعا قبول کرتا ہے حمد کے قابل اللہ جل شانہ ہے جو کہ خلق اور تدبیر میں یکتا ہے حکم اور تقدیر میں یگانہ ہے ایسا بادشاہ جس سے کسی کو مماثلت نہیں کسی کو اس کی سی سماعت و بصارت نہیں اس کی سلطنت کو حاجت وزیر نہیں ایسا مالک ہے جس کے ملک سے باہر کوئی صغیر و کبیر نہیں کمال وصف میں کوئی اس کا شبیہ و نظیر نہیں، کمال ذات میں امکان تمثیل و تصویر نہیں، ایسا علیم کہ اس سے مخفی کسی کا مافی الضمیر نہیں۔

چنانچہ خود فرماتے ہیں۔ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ. وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ یعنی بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا حالانکہ وہ بڑا راز دان اور نہایت خبردار ہے وہ ایسا عالم ہے جو ہر امر کی ابتداء اور انتہا سے باخبر ہے وہ ایسا سننے والا ہے جس کے آگے چیخنا اور چپکے سے بولنا برابر ہے، وہ رزاق ہے تمامی مخلوقات کا روزی رساں ہے، وہ قیوم ہے اور سب کا ہر حالت میں ذمہ دار ہے وہ بخشش کرنے والا ہے اور اس نے اپنے کمال احسان سے روحوں کو وجود حیات بخشا ہے وہ قدرت والا ہے اور وہ اپنے کمال قدرت سے مخلوقات کو پھر دوبارہ زندہ کرے گا، وہ بڑا حساب کرنے والا ہے اور ان کو بدلہ دے گا جس روز وہ اچھے اور برے عمل لے کر اس کے روبرو آویں گے پس ہر عیب سے پاک وہی ذات مقدس ہے جس نے بندوں پر ان کے وجود سے پہلے انعام فرمایا اور ان کو ہر حال میں رزق پہنچاتا ہے خواہ اس کا حکم مانیں یا نہ مانیں اور اپنے کرم سے ہر موجود کی مدد کی اور اس کے وجود با جود کی مدد سے تمام عالم کے وجود کی بقاء ہے اور زمین پر اس کی حکمت کا ظہور ہے اور آسمان پر اس کی قدرت کا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سوا اس یکتا کے کوئی قابل عبادت نہیں اور کوئی اس کی

شرکت کا مستحق نہیں اور ایسی گواہی دیتا ہوں جیسے تابعدار اور حکم کا ماننے والا بندہ دیا کرتا ہے اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے ہیں اور رسول سب پیغمبروں سے افضل ہیں اور اللہ جل شانہ نے ان کو اپنے کمال فضل وعطا سے مخصوص فرمایا ہے ابتدا بھی انہیں سے ہے اور انتہاء بھی انہیں پر ہوئی اور یہ فضیلت اور کسی میں نہیں اور جس روز اللہ جل شانہ اپنے بندوں کو فیصلہ کرنے کے واسطے جمع کرے گا اس روز وہ سب کی شفاعت فرمائیں گے اللہ پاک کی رحمت ان کی ذات مقدس اور جمیع انبیاء اور ان کے آل واصحاب پر نازل ہو جو کہ آپ کی محبت کو مضبوط تھامے ہوئے ہیں۔

اور اللہ جل شانہ بہت سا سلام بھیجے بعد حمد وصلوٰۃ کے اے بھائی اس بات کو جان لے اللہ تعالیٰ تجھے اپنے عاشقوں میں کردے اور تجھے اپنا قرب نصیب کرے اور اپنے مستوں کی محبت کی چاشنی تجھے چکھائے اور ہمیشہ تجھ کو اپنے وصل میں رکھ کر اعراض اور روک ٹوک سے مطمئن کردے اور اپنے ان بندوں میں سے تجھے کردے جن کو اس نے پیام سلام کے ساتھ مخصوص فرمایا اور ان کو اپنے انوار تجلیات سے مشرف فرما کر دل جوئی کی جب کہ یہ سمجھ کر شکستہ دل ہو گئے تھے کہ ان آنکھوں سے دیدار نہیں ہو سکتا اور ان کے لئے دروازے باغ قرب کے کشادہ فرما کر ان کے قلوب پر اپنے قرب کی خوشبودار ہوائیں چلائیں اور ان کو تقدیر ازلی کا مشاہدہ کرادیا ان لوگوں نے اپنا کلی اختیار اس کے حوالے کردیا اور ان لوگوں پر یہ ظاہر کردیا کہ ہمارے کام میں ہماری مہربانی پوشیدہ ہوا کرتی ہے اس کے معلوم ہونے سے انہوں نے جھگڑا اور عناد چھوڑ دیا اور اس کے حکم کے مطیع ہو گئے اور ہر کام میں اس پر بھروسہ کرنے لگے کیونکہ وہ سمجھ گئے کہ مقام رضا جب نصیب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہے اور جان گئے کہ کھلم کھلا بندہ ہونا جب میسر آتا ہے کہ اس کی تقدیر کو مان لیا جائے پس ایسے بندے اغیار اور کدورت سے محفوظ رہتے ہیں جیسے کسی نے کہا ہے:

حوادث کی پہنچ ان تک کہاں ہے　　　کہ انکے ہاتھ میں اس کی عناں ہے

ان پر اللہ تعالیٰ کے حکم جاری ہوتے ہیں اور وہ لوگ اس کی عظمت کے آگے دبے رہتے ہیں اور اس کے حکم کے سامنے گردن جھکائے رہتے ہیں جیسے کسی کا قول ہے:

تصرف اس کے گو جاری ہیں تجھ پر　　　مگر دل نے جھکایا ہے ترے سر

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ کی جناب میں رسائی چاہے تو اس کو لازم ہے کہ دروازہ سے آئے (دروازہ تن بہ تقدیر ہوتا ہے) اور رسائی کے سامان پیدا کرے اور سب سے زیادہ تر چھوڑنے اور منہ موڑنے کے قابل تدبیر ہے جو اصل میں مقابلہ تقدیر ہے پس میں نے یہ کتاب اسی امر کے بیان میں اور اس میں جو کچھ ہے اس کو ظاہر کرنے کے لئے تصنیف کی اور تنویر فی اسقاط التدبیر اس کا نام رکھا تا کہ اس کا اسم اس کے مسمی کے موافق ہو جائے اور اس کی عبارت اس کے مطلب کے مطابق (یعنی تدبیر کے چھوڑنے کی خوبی کا روشن کر دینا) اور اللہ سے درخواست ہے کہ اس تصنیف میں اخلاص تام نصیب کرے اور اپنے فضل عام سے قبول فرمائے اور خاص و عام کو اس سے نفع دے بوسیلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ہر شیء پر قادر ہے اور قبول فرمانے کی قابلیت رکھتا ہے، اللہ جل شانہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

قسم ہے تیرے رب کی وہ لوگ ایماندار نہیں ہوں گے جب تک اپنے اختلافات میں تجھ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حکم نہ بنائیں اور پھر تیرے حکم سے دل تنگ نہ ہوں اور اس حکم کو تسلیم کریں اور فرمایا[۱] اللہ تعالیٰ نے کہ تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ مختار ہے مخلوق کو کچھ اختیار نہیں اللہ جل شانہ مشرکوں کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

اور فرمایا[۲] اللہ تعالیٰ نے کیا انسان کو اس کی ہر آرزو مل جاتی ہے پس خدا ہی کی ہے دنیا اور آخرت اور نبی[۳] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو خدا کو رب بنا[۴] کر اور اسلام کو دین ٹھہرا کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی سمجھ کر راضی ہوا اس نے ذائقہ ایمان چکھ لیا اور نبی[۵] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ سے راضی رہ کر اس کی عبادت کر اور اگر راضی رہنے کی تجھے قدرت نہ ہو تو نا مرغوب طبع پر صبر کرنے میں بھی بڑی خیر ہے اس کے علاوہ اور بہت سی آیتیں اور حدیثیں تدبیر کے ترک

---

۱ آیت یہ ہے کہ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (مترجم) ۲ آیت یہ ہے کہ وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لهم الخیرة سبحان الله وتعالیٰ عما یشرکون۔ (مترجم) ۳ آیت یہ ہے ام للانسان ما تمنیٰ فلله الآخرة والاولی۔ (مترجم) ۴ حدیث یہ ہے ذاق طعم الایمان من رضی بالله ربا وبالاسلام دینا و بمحمد نبیاً (تنویر) حدیث یہ ہے اعبد الله بالرضی فاذلم تستطع ففی الصبر علی مکروه خیر کثیر۔ (تنویر)

کرنے اور تقدیر سے نہ جھگڑنے پر دلالت کرتی ہیں۔ خواہ صراحۃً یا اشارۃً اور اہل معرفت نے فرمایا ہے جو شخص تدبیر نہیں کرتا اس کے لئے تدبیر ادھر سے ہوتی ہے[1]۔

اور شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تدبیر ضروریات سے ہے تو یہی تدبیر کرو کہ تدبیر کو چھوڑ دو اور انہوں نے فرمایا ہے کہ کسی کام میں اپنی پسند کو دخل نہ دے اور اپنی پسند کو چھوڑ دینا پسند کرے اور اپنی پسند سے بھاگ اور اپنے اس بھاگنے سے بلکہ ہر شیء سے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف بھاگ اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے

پس پہلی آیت جو ہے اعنی **فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم** وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایمان حقیقی اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نفس پر حاکم بنا دے قول میں اور فعل میں اور کسی شیء کے اختیار کرنے اور ترک کرنے میں اور محبت میں اور بغض میں اور یہ ارشاد احکام تکلیفی اور احکام تصریفی دونوں کو شامل ہے دونوں میں اتباع وتسلیم واجب ہے اور احکام تکلیفی سے مراد شریعت کے اوامر ونواہی ہیں جو افعال عباد سے متعلق ہیں اور احکام تصریفی سے مراد وہ امور ہیں جو اپنے مقصود کے خلاف وارد ہوتے رہتے ہیں پس اس سے ظاہر ہوا کہ حقیقت ایمان دو امروں سے حاصل ہوتی ہے، ایک حکم ماننا دوسرے اس کے قہر کے آگے گردن جھکا دینا پھر حق سبحانہ وتعالیٰ نے اسی پر بس نہیں کیا کہ اس شخص کے ایمان کی نفی کر دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہ مانے یا مانے مگر آپ کے حکم سے دل میں تنگی پائے بلکہ اس نفی پر اپنی اس ربوبیت کی قسم بھی کھائی جو جناب ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ از راہ رعایت وعنایت کے خصوصیت رکھتی ہے، کیونکہ **فلا والرب** نہیں فرمایا بلکہ **فلا وربک** فرمایا پس اس میں قسم بھی اور جس بات پر قسم کھائی ہے وہ بھی موکد ہو گئی کیونکہ اللہ سبحانہ جانتا ہے کہ دلوں میں کیا چیز بسی ہوئی ہے یعنی غلبہ اور نصرت کی محبت ہر حال میں خواہ اپنا حق اور پر ہو یا اور کا اپنے اوپر اور اس کلام میں اظہار اس امر کا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ جل شانہ کی کیسی کچھ عنایت ہے کیونکہ آپ کے حکم کو اپنا حکم اور آپ کے فیصلے کو

---

[1] کارساز ما بہ کارساز کار ما..... فکر ما در کار ما آزار ما (مترجم)

اپنا فیصلہ قرار دیا پس بندوں پر آپ کا حکم ماننا اور اطاعت کرنا واجب کر دیا اور خدائی پر ایمان لانا مقبول نہیں فرمایا تاوقتیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو نہ مانیں کیونکہ جب آپ کی صفت میں یہ فرمایا کہ آپ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے وہ سوائے وحی کے اور کچھ نہیں ہے پس آپ کا حکم حکمِ الٰہی ہے اور آپ کا فیصلہ۔ فیصلہ خداوندی ہے جیسا کہ فرمایا ہے جو لوگ[1] تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ خدا ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

اور اس قول کو موکد فرمانے کے لئے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے اور اس آیت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت قدر و عظمت امر کی طرف ایک دوسرا اشارہ ہے اور وہ یہ قول ہے فلا وربک اس میں اللہ جل شانہ نے اپنی ذات کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا، جیسے کہ دوسری آیت میں کٓھٰیٰعٓصٓ ۵ ذکر رحمۃ ربک عبدہ زکریا پس حق تعالیٰ نے اپنے نام پاک کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مضاف کیا اور زکریا علیہ السلام کے نام مبارک کو اپنے نام مبارک کی طرف مضاف کیا تا کہ بندے دونوں مرتبوں کا فرق سمجھ لیں۔

پھر اللہ جل شانہ نے تحکیم ظاہری پر اکتفاء نہیں کیا کہ اس سے مسلمان بن جائیں بلکہ شرط یہ لگائی کہ تنگ دلی بھی نہ ہونے پائے خواہ حکم ان کی خواہش کے موافق ہو یا مخالف اور دلوں کے تنگ ہونے کا سبب یہی ہے کہ انوار سے خالی اور اغیار سے پُر ہوتے ہیں اور مومن ایسے نہیں ہیں کیونکہ نور ایمان سے ان کے دل لبریز ہیں پس ان میں وسعت ہے اور انشراح اور خدائے واسع علیم کے نور نے ان کو وسعت والا بنایا ہے اور اللہ کے فضل عظیم نے ان کی مدد فرمائی اس کے احکام کے تسلیم کو تیار ہیں اور ہر حال میں اس کی رضا پر راضی۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ جب ارادہ کرتا ہے کہ کسی بندے سے اپنے حکم کی سہار کرائے تو اس کو اپنے انوار وصف سے خلعت عطاء فرماتا ہے پس حکم الٰہی پیچھے نازل ہوتا ہے اور اس سے پہلے انوار نازل ہو لیتے ہیں جن سے وہ شخص اپنے رب کا بن چکا ہے اپنا نہیں رہا پس وہ اس حکم کی گرانی و شدت پر قوی و صابر ہو جاتا ہے، بات یہی ہے کہ

[1] آیت یہ ہے کہ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم۔ (مترجم)

انوار وارد ہوتے ہیں اور تقدیر کی برداشت کرا دیتے ہیں خواہ یوں کہو کہ فہم کا دروازہ کھل جاتا ہے فہم آ کر ان سے احکام قبول کرا دیتی ہے خواہ یوں کہو کہ عطائیں آتی ہیں اور بلاؤں کو اٹھوا دیتی ہیں خواہ یوں کہو کہ اس کی خوبی اختیار کا مشاہدہ کرتے ہیں اور تقدیر کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں، خواہ یوں کہو کہ اس کے علم کا یقین اس کے حکم پر صابر بنا دیتا ہے اور خواہ یوں کہو کہ جب وہ جان گئے کہ وہ دیکھتا ہے ان کو واقعات پر صبر آ گیا خواہ یوں کہو کہ اس کے ظہور جمال نے اس کے افعال پر صابر کر دیا خواہ یوں کہو کہ جب ان کو یقین ہوا کہ صبر سے مقام رضا حاصل ہوتا ہے ان کو صبر آ گیا خواہ یوں کہو کہ حجاب اور پردوں کے اٹھ جانے نے ان کو صابر بنا دیا خواہ یوں کہو کہ ورود اسرار تصریف نے بار تکلیف کے برداشت کرنے پر قوت دیدی، خواہ یوں کہو کہ جب ان کو علم ہوا کہ اس کے احکام میں کیا کچھ لطف و احسان ہیں وہ صابر ہو گئے۔

پس یہ گیارہ اسباب ہیں کہ بندے کے صابر ہونے اور ثابت رہنے کے باعث ہیں اپنے آقا کے احکام پر اور قوی رہنے کے موجب ہیں ان کے وارد ہونے کے وقت اور ان اسباب کا اپنے فضل سے عطاء فرمانے والا اور مستحقان عنایت پر احسان کرنے والا وہی ہے اب ہم کو ہر قسم پر ان اسباب سے مفصل گفتگو کرنا چاہیے تاکہ فائدہ کامل ہو۔

پہلا سبب

وہ یہ کہ ورود انوار تقدیر کی برداشت کرا دیتا ہے یہ یوں ہے کہ انوار جب وارد ہوتے ہیں اور بندے کو حق سبحانہ وتعالیٰ کا قریب ہونا مکشوف ہوتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ یہ احکام اسی کی طرف سے ہیں اس کا یہ جاننا کہ یہ احکام میرے آقا ہی کی جانب سے ہیں اس کی تسلی اور صبر کا باعث ہو جاتا ہے تو ارشاد خداوندی نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا[1] کہ صبر کرو اپنے پروردگار کے حکم پر کیونکہ تم ہماری آنکھوں کے سامنے ہو یعنی یہ کسی غیر کا حکم نہیں کہ تم پر شاق ہو بلکہ وہ حکم تمہارے آقا کا ہے جس کا تم پر احسان قائم ہے اور ہمارا شعر ہے اس مضمون میں:

سبک ہو گیا مجھ پر جو کچھ تھا غم و بلا — سنا جب سے ہے تم نے کیا مجھ کو مبتلا
نہیں حکم حق سے آدمی کو کہیں پناہ — نہیں چلتا بس اس پر جو خود منتخب کیا

[1] آیت یہ ہے واصبر لحکم ربک فانک باعیننا۔ (مترجم)

اور اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی آدمی اندھیری کوٹھڑی میں ہو اس کے کوئی چیز آ کر لگی مگر یہ نہیں معلوم کہ مارنے والا کون ہے جب چراغ آیا تو دیکھتا ہے کہ اس کا شیخ ہے یا باپ یا حاکم ہے پس بے شک اس کا یہ جاننا ایسے مقام پر اس کے صبر کا موجب ہوگا۔

دوسرا سبب

کہ دروازہ فہم کا کشادہ ہو جانا قبول احکام پر معین ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر کوئی حکم وارد فرماتا ہے اور دروازہ فہم کا اس پر کشادہ کر دیتا ہے تو یہ بات بتلا دیتا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس حکم کے قبول کرنے کو چاہتا ہے اور یہ اس طرح ہے کہ فہم تجھ کو خدا کی طرف لے جاتی ہے اور اس کی طرف ترغیب دیتی ہے اور اس پر توکل کرا دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ** یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کو کافی ہے اور غیروں پر اس کی مدد فرماتا ہے اور اس کی رعایت فرماتا ہے کیونکہ خدا کی طرف سے جو فہم ہوگی وہ راز عبودیت کو منکشف کر دے گی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[1] کیا نہیں اللہ تعالیٰ کافی اپنے بندے کو اور ان دسوں وجہوں کا حاصل یہی فہم ہے اور سب اسی کے انواع ہیں۔

تیسرا سبب

کہ واردات عطایا برداشت بلیات پر معین ہوتی ہیں یہ اس طرح ہیں کہ جو عطائیں تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہو چکی ہیں ان کا یاد کرنا خدائے تعالیٰ کے احکام قبول کرنے میں معین ہوتا ہے کیونکہ جیسے اس نے تجھ کو بہتیری محبوب نعمتیں دیں تجھ کو چاہئے کہ اس کے محبوب احکام پر صبر کرے کیا تم نے یہ ارشاد نہیں سنا **اولما اصابتکم مصیبۃ قد اصبتم مثلیھا** پس اللہ تعالیٰ نے ان کی مصیبت میں تسلی اس چیز سے دی جو ان کے ہاتھ آئی تھی یہ تقریر تو عطایائے سابقہ میں ہے کبھی خود بلا کے وارد ہونے کے وقت اس کے ساتھ ایسی چیز مقترن ہوتی ہے جو اس بلا کو بندگان مقربین پر خفیف کر دیتی ہے۔

ایک اس میں سے یہ ہے کہ اس بلا میں جو ثواب کا عظیم ذخیرہ رکھا ہے اس کو کھول دیتا

---

[1] الیس اللہ بکاف عبدہٗ

ہے ایک اس میں سے یہ ہے کہ ان کے قلوب پر استقلال اور سکون نازل فرما دیتا ہے ایک اس میں سے یہ ہے کہ اس پر دقائق لطف وارد فرماتا ہے اور منتیں نازل فرماتا ہے یہاں تک کہ بعض صحابہؓ اپنے مرض میں فرماتے تھے اپنی خفگی کو اور سخت کر دے اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ میں ایک بار بیمار ہوا میں چاہتا تھا کہ یہ بیماری نہ جاوے کیونکہ مجھ پر اس میں اللہ کی امداد ہوئی اور غیب منکشف ہوا اور اس سبب میں کلام کرنے کا اور موقع ہے۔

چوتھا سبب

کہ مشاہدہ حسن اختیار کا تحمل تقدیرات پر قوت دیدیتا ہے اس طرح سے ہے کہ جب بندہ اس کے حسن اختیار کو اپنے لئے مشاہدہ کر لیتا ہے یقیناً جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دکھ دینا نہیں چاہتا کیونکہ وہ اس پر بڑا مہربان ہے چنانچہ خود ارشاد فرمایا ہے وکان بالمومنین رحیما اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کے پاس بچہ تھا آپ فرمانے لگے کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے، صحابہؓ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ جیسی اس کو اپنے بچے سے محبت ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے بھی زیادہ محبت ہے مگر یہ ہے کہ بعضے دکھ تم پر ڈالتا ہے کیونکہ ان پر فضل و انعام مرتب ہوتا ہے کیا تم نے سنا نہیں ارشادؔ[1] کہ پورے دیئے جاتے ہیں صبر کرنے والے اپنا اجر بے شمار۔

اور اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اختیار کے حوالے کر دیتا تو وہ اس کے منت و احسان سے محروم رہتے اور بہشت میں داخل نہ ہونے پاتے پس اس کا شکر ہے حسن اختیار پر کیا تم نے سنا نہیں ارشاد[2] حق تعالیٰ کا شاید ناپسند کرو تم کسی چیز کو حالانکہ وہ بہتر ہو تمہارے لئے اور شاید کہ پسند کرو کسی چیز کو اور وہ بری ہو تمہارے لئے اور مشفق باپ اپنے بیٹے کے لئے پچھنے لگانے والے کو لاتا ہے اور دکھ پہنچانا مقصود نہیں ہوتا۔ اور جیسے خیر خواہ طبیب کہ تیز تیز مرہموں سے تجھ کو رنج پہنچاتا ہے گو ان مرہموں سے تجھ کو تکلیف ہو اور اگر وہ تیرے

---

[1] آیت یہ ہے انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب
[2] آیت یہ ہے کہ عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئا وھو شرلکم۔(مترجم)

اختیار کا اتباع کرے تو شفا کوسوں دور بھاگے اور جس کو کوئی چیز نہ دی جائے اور وہ یہ جانتا ہو کہ یہ نہ دینا محض شفقت کے باعث سے ہے تو یہ نہ دینا ہی اس کے حق میں دینا ہے جیسے مادر مہربان اپنے بچہ کو بدہضمی کے اندیشے سے زیادہ نہیں کھانے دیتی اس واسطے شیخ ابوالحسن نے فرمایا ہے کہ اس کو جان لو کہ اللہ تعالیٰ اگر تم کو کوئی چیز نہیں دیتا تو یہ نہ دینا بوجہ بخل کے نہیں بلکہ عین رحمت ہے، پس اللہ تعالیٰ کا نہ دینا بھی دینا ہے لیکن نہ دینے میں دینا وہی سمجھتا ہے جو صدیق ہو اور ہم نے ایک اور کتاب میں ثابت کیا ہے کہ جب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بلا میں مبتلا کیا ہے تو بلا کا الم کم ہو جاتا ہے پس جس کی طرف سے تجھ پر یہ احکام تقدیری متوجہ ہوتے ہیں وہی تو ہے جو تیرے حق میں حسن اختیار رکھتا ہے۔

پانچواں سبب

کہ اس کے علم کا اعتقاد اس کے حکم پر صابر بنا دیتا ہے وہ اس طرح ہے کہ جب بندہ یقین کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو جس بلا میں مبتلا کیا ہے وہ اس پر مطلع بھی ہے تو بار بلاشک سبک ہو جاتا ہے کیا تم نے یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کا سنا نہیں کہ صبر[1] کر اپنے پروردگار کے حکم کے لئے کیونکہ تم ہماری آنکھوں کے روبرو ہو یعنی اے محمد کفار قریش سے جو عناد و تکذیب آپ کو پیش آتی ہے وہ ہم پر مخفی نہیں۔ ایک حکایت مشہور ہے کہ کسی شخص کے ننانوے تازیانے لگے اس نے آہ نہیں کی جب سوواں تازیانہ مارا آہ کرنے لگا کسی نے اس کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ جس کے سبب میں مارا گیا ہوں ننانوے میں تو وہ یہاں تماشائیوں میں موجود تھا اور مجھ کو دیکھ رہا تھا مجھ کو کچھ درد نہیں معلوم ہوا آخر تازیانے میں وہ چلا گیا اس وقت درد محسوس ہوا۔

چھٹا سبب

کہ اس کے ظہور جمال نے اس کے افعال پر صابر بنا دیا یہ اس طرح ہے کہ بندے پر کسی تلخ بلا پڑنے کے وقت اللہ تعالیٰ جب تجلی فرماتا ہے تو وہ حلاوت تجلی میں اس کی سختی کو جھیل لیتا ہے اور اکثر اوقات غلبہ تجلی سے دکھ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے اور تمہارے

---

[1] آیت یہ ہے واصبر لحکم ربک فانک باعیننا۔ (مترجم)

لئے اس مضمون میں یہ آیت بس کافی ہے پس[1] جب دیکھا عورتوں نے یوسف کو اس کی بڑائی کی اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔

ساتواں سبب

کہ اُن کے اس اعتقاد نے کہ صبر سے رضا پیدا ہوتی ہے ان کو قضاء پر صابر بنا دیا یہ اس طرح ہے کہ جو اللہ کے احکام پر صبر کرتا ہے یہ اللہ کی رضا کا باعث ہو جاتا ہے پس وہ اسکی تیزی کو طلب رضا کیلئے برداشت کر لیتے ہیں جیسے کڑوی دوا بامید شفا پی لی جاتی ہے۔

آٹھواں سبب

کہ پردوں کے اٹھ جانے نے ان کو تقادیر پر صابر بنا دیا ہے یہ اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے وارد ہونے والی بلائیں اٹھوانا چاہتا ہے تو اس کی بصیرت قلب سے حجاب اٹھا دیتا ہے پس اپنا قرب اس کو دکھلا دیتا ہے پس اس پر انس قرب اس قدر غالب ہوتا ہے کہ ادراک الم کا پتہ نہیں رہتا اور اگر خدائے تعالیٰ اہل نار پر اپنے جمال و کمال سے تجلی فرما دے تو ان کو عذاب عذاب نہ معلوم ہو اسی طرح اگر اہل جنت سے حجاب کر لے تو کوئی نعمت خوش نہ آئے پس عذاب حقیقت میں وجود حجاب ہے اور انواع عذاب اسکے مظاہر ہیں اور نعیم ظہور و تجلی سے ہے اور انواع نعیم اس کے مظاہر ہیں۔

نواں سبب

کہ اسرار تصریف کے وارد ہونے نے بار تکلیف اٹھانے پر قوت دیدی اور یہ اس طرح ہے کہ تکالیف تو بندوں پر بے شک شاق ہیں اور اس میں یہ سب امور داخل ہیں بجا لانا احکام کا، باز آنا نواہی سے، صبر کرنا احکام پر، شکر کرنا انعام پر یہ چار چیزیں ہوئیں، طاعت، معصیت، نعمت، بلا اور پانچویں کوئی چیز نہیں اور ان چاروں میں جدا جدا تیرے ذمے اللہ تعالیٰ کا حق عبودیت ہے کہ بمقتضائے ربوبیت تجھ سے اس کا تقاضا کرتا ہے پس اس کا حق اطاعت میں تو تیرے ذمے یہ ہے کہ اس کا احسان مشاہدہ کرے اور معصیت میں یہ حق ہے کہ اس میں جو کچھ ضائع کیا ہے اس سے استغفار کرے اور بلا میں یہ حق ہے کہ اس

[1] آیت یہ ہے کہ فلما رأینہ اکبرنہ وقطعن ایدیھن۔ (مترجم)

پر صبر کرے اور نعمت میں یہ حق ہے کہ اس پر شکر کرے اور تمامی بار فہم کی بدولت اٹھ سکتے ہیں جب تو نے یہ سمجھ لیا کہ طاعت کا نفع تجھ کو ہی ملے گا اس پر قیام کرنا آسان ہو جائے گا جب یہ جان لیا کہ معصیت پر اصرار کرنا اور گناہ میں پڑنا آخرت میں عتاب الٰہی اور دنیا میں زوال نور ایمان کا باعث ہے یہی موجب ترک ہو جائے گا اور جب یہ یقین کر لیا کہ صبر کا ثمرہ تجھ ہی کو ملے گا اور اس کی برکت تیری طرف پھر کر آئے گی تو تو ضرور اس کی طرف دوڑے گا اور اس کا سہارا پکڑے گا اور جب یہ اعتقاد کر لیا کہ شکر کی بدولت خدائے تعالیٰ کی طرف سے نعمت بڑھے گی کیونکہ اس کا فرمان ہے۔ لئن شکرتم لا زیدنکم یہ سبب ہو جائے گا، صبر پر دوام اور آمادگی کرنے کا اور ان چاروں میں کلام وسیع کریں گے ہم آخر کتاب میں اور اس کے لئے جدا فصل مقرر کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دسواں سبب

کہ اللہ تعالیٰ نے احکام تقدیری میں جو کچھ اپنا لطف واحسان پوشیدہ کیا ہے جب ان لوگوں کو اس پر اطلاع ہوتی ہے تو صبر آ جاتا ہے یہ اس طرح ہے کہ ناگوار چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے الطاف کو امانت رکھا ہے کیا تم نے سنا نہیں فرمانا اللہ تعالیٰ کا

عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم اور فرمانا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جنت ناگوار چیزوں کے ساتھ اور دوزخ شہوات سے گھیری گئی ہے اور بلیات وامراض و فاقوں میں اس قدر اسرار الطاف ہیں کہ ان کو سوائے اہل بصیرت کے کوئی نہیں سمجھ سکتا تم نے خیال نہیں کیا کہ بلاؤں سے نفس دب جاتا ہے اور ذلیل ہو جاتا ہے اور اپنے حظوظ کی خواہش سے مدہوش ہو جاتا ہے اور بلاؤں کے ساتھ ذلت ہے اور ذلت کے ساتھ نصرت۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ اور اس میں زیادہ گفتگو کرنے سے مقصود کتاب سے علیحدہ ہوئے جاتے ہیں اس لئے پھر آیت کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور وہ آیت یہ ہے کہ فلا وربک لا یؤمنون الآیۃ جاننا چاہئے کہ احوال تین ہیں قبل تحکیم بعد تحکیم، عین حالت تحکیم پس قبل تحکیم میں عبودیت یہ ہے کہ تحکیم کریں اور عین تحکیم اور

---

[1] حدیث یہ ہے کہ حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشہوات۔ (مترجم)

بعد تحکیم میں عبودیت یہ ہے کہ اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ تنگی نہ پانا تو حاکم بنانے کو لازم ہے جواب دیا جائیگا کہ یہ ضروری نہیں کہ جو حاکم بنادے تو وہ تنگی بھی نہ پائے کبھی ظاہر میں حاکم بناتا ہے اور دل میں کراہت موجود ہوتی ہے پس بالضرور تحکیم کے ساتھ فقدان جرح اور وجود تسلیم کو ملانا چاہئے اگر کوئی اعتراض کرے جب تنگی نہ پائی تو تسلیم کرلیا پھر اس کہنے سے کیا فائدہ ہوا **ویسلموا تسلیما** اس کا جواب یہ ہے کہ معنی اس قول کے یہ ہیں کہ جمیع امور میں تسلیم کرلیں اگر کوئی کہے کہ یہ تو **حتیٰ یحکموک** سے لازم آ گیا۔

جواب یہ ہے تحکیم کو مطلق نہیں لائے بلکہ **فیما شجر بینھم** کے ساتھ مقید کیا، پس یہ آیت تین امر کو شامل ہوئی ایک حاکم بنانا آپس کے جھگڑوں میں، دوسرا تنگی نہ پانا، تیسرا تسلیم مطلقاً پایا جانا آپس کے جھگڑوں میں بھی اور اپنے ذاتی حالات میں بھی پس یہ تعمیم بعد تخصیص ہے خوب سمجھ لو، دوسری آیت[1] **وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون** چند فائدوں کو شامل ہے۔

پہلا فائدہ

یہ جو فرمایا کہ **وربک یخلق ما یشاء ویختار** اس سے معلوم ہوا کہ بندے کو لازم ہے کہ اللہ کے سامنے کچھ تدبیر نہ کرے کیونکہ جب وہ جو چاہے پیدا[2] کرتا ہے تو تدبیر بھی جو چاہے کرے گا جو پیدا کرنے کا مالک نہیں وہ تدبیر کا بھی مالک نہیں، کیا پیدا کرنے والا یا نہ پیدا کرنے والا برابر ہوسکتا ہے آیا نصیحت نہیں قبول کرتے تم اور **یختار** سے معلوم ہوتا ہے کہ اختیار میں وہ یکتا ہے اور اس کے افعال صادر بالاضطرار نہیں بلکہ وہ صفت اختیار کے ساتھ موصوف ہے اس میں بندے پر لازم ٹھہراتا ہے کہ اپنا اختیار اور تدبیر اللہ کے آگے ساقط کردے کیونکہ جو صفت اس کی ہے وہ تیری نہیں ہوسکتی اور یہ قول **ما کان لھم الخیرۃ** اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ وہ لوگ اس لائق نہیں کہ ان کے لئے اختیار حاصل ہو اور اس کے مستحق ہوں دوسرے یہ کہ ہم نے ان کو اختیار نہیں دیا اور اس امر کا مستحق نہیں بنایا

---

[1] ترجمہ یہ ہے اور پروردگار تیرا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے نہیں ہے ان کے لئے اختیار پاک ہے اور برتر ہے اس چیز سے کہ شریک لاتے ہیں۔ [2] آیت یہ ہے **افمن یخلق کمن لا یخلق افلا تذکرون**

سبحان اللہ و تعالیٰ عما یشرکون یعنی اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کے آگے ان کا اختیار چلے اور اس آیت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جو شخص اللہ کے ساتھ اختیار کا دعویٰ کرے وہ مشرک ہے لسان حال سے دعویٰ ربوبیت کا کر رہا ہے اگر چہ زبانی اس سے برأت ظاہر کرتا ہو۔

تیسری آیت فرمایا اللہ تعالیٰ نے ام للانسان ما تمنیٰ فللّٰہ الاخرۃ و الاولیٰ یعنی کیا انسان کو اس کی ہر آرزو مل جاتی ہے پس اللہ ہی کی ہے آخرت اور دنیا۔

یہ آیت دلیل ہے اس کی کہ اللہ کے آگے تدبیر ساقط کرنا چاہئے کیونکہ یوں فرمایا کہ انسان کو اس کی ہر آرزو مل جاتی ہے یعنی ایسا نہیں ہوتا اور اس کو یہ شایاں نہیں کیونکہ ہم نے اس کو اس کا مالک نہیں کیا پھر اس کو موکد کیا اس قول سے فللّٰہ الاخرۃ و الاولیٰ یعنی جب دنیا و آخرت دونوں اللہ ہی کے ہوئے تو انسان کا کچھ نہ ہوا تو اس کو مناسب نہیں کہ غیر کی ملک میں تدبیر کرے البتہ دارین کی تدبیر کرنا اس ذات کو زیبا ہے جو ان دونوں کا مالک ہے اور وہ فقط اللہ تعالیٰ ہے اور یہ فرمانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاق[1] طعم الایمان الخ

اس میں دلیل ہے کہ جو ایسا نہ ہو گا ایمان کی حلاوت اور ذوق نہ پائے گا اس کا ایمان صرف ایک صورت بے جان اور ظاہر بے معنی اور نقش بے حقیقت ہو گا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو قلب امراض غفلت و ہوا سے سالم ہیں وہ لذیذ معانی سے مزے لیتے ہیں جیسے تمام نفوس لذیذ کھانوں سے خوش ہوتے ہیں اور ایمان کا مزہ وہی چکھے گا جو اللہ کے رب ہونے پر راضی ہو، کیونکہ جب اس کے رب ہونے پر راضی ہو گا اس کے آگے گردن جھکا دے گا اس کے حکم کا مطیع ہو گا اپنا اختیار اس کے حوالے کرے گا اس کے حسن تدبیر و اختیار کے روبرو اپنا اختیار و تدبیر چھوڑ دے گا اس وقت لذت عیش اور راحت تفویض دیکھے گا اور جب یہ اس سے راضی ہو گا رب بنانے میں اس کے لئے ادھر سے رضا ہو گی جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے اور جب اس کیلئے اللہ کی طرف سے رضا ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس کی حلاوت پیدا کرتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی منت و احسان کو جانے اور یہ رضا باللہ بدوں فہم کے نہیں ہوتی اور فہم بدوں نور کے نہیں

---

[1] یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے مع ترجمہ کے۔

ہوتا اور نور بدوں قرب کے نہیں ہوتا اور قرب بدوں[1] عنایت کے نہیں ہوتا پس جب عنایت اس بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے یہ تمام دولتیں خزانہ منت سے اس کے لئے ظاہر ہوتی ہیں۔

پس جب اللہ کی امدادیں اور انوار اس پر پیاپے آتے ہیں اس کا قلب امراض و اسقام سے صحت پاتا ہے تو صحیح الادراک ہو جاتا ہے پس ایمان کی لذت اور حلاوت کا ادراک بوجہ صحت ادراک وسلامت ذوق کے ہے اور اگر بیماری غفلت عن اللہ میں اس کا قلب مبتلا ہوتا تو اس کا ادراک میسر نہ ہوتا کہ بخار والا اکثر اوقات شکر کا مزہ تلخ پاتا ہے اور حالانکہ وہ واقعہ میں ایسا نہیں پس جب امراض زائل ہو جاتے ہیں حقائق اشیاء کو دریافت کرتا ہے پس پالیتا ہے حلاوت ایمان ولذت وطاعت کو اور تلخی قطع تعلق[2] اور مخالفت کو پھر جب حلاوت ایمان کو پائے گا تو اس پر خوش ہوگا اور اس میں اللہ کا احسان مشاہدہ کرے گا اور اس اسباب کو طلب کرے گا جن سے ایمان محفوظ رہے اور حاصل ہوا، اور جب لذت و طاعت کو پائے گا تو اس پر دوام کرے گا اور اس میں اللہ کا احسان مشاہدہ کرے گا اسی طرح جب تلخی کفران ومخالفت کو پائے گا تو ضرور ہے کہ اس کو ترک کرے گا اور اس سے نفرت کرے گا اور اس کی طرف مائل نہ ہوگا پس یہ باعث ہو جائے گا ترک گناہ کا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہونے کا اور یہ دونوں مفہوم جدا[3] جدا ہیں اور یہ نفرت گناہ سے اس لئے ہوگی کہ نور بصیرت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی مخالفت اور اس سے غافل ہونا قلوب کے حق میں زہر قاتل ہے پس مومنین کے قلوب میں اللہ کی مخالفت سے ایسی نفرت ہو جاتی ہے جیسے کہ تم کو طعام زہر آلود سے نفرت ہے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وبالاسلام دینا یعنی اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو کیونکہ جب اسلام کے دین بنانے پر راضی ہوا تو اپنے آقا کی پسندیدہ اور مختار چیز پر راضی ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان الدین عند اللہ الاسلام یعنی بے شک دین حق اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔

---

[1] کسی بزرگ کا قول ہے کار بعنایت ست باقی بہانہ (ملفوظات شریف) [2] یعنی اللہ سے تعلق قطع کرنا
[3] (یعنی گناہ کا ترک کرنا اور چیز ہے اور اس کی طرف متوجہ ہونا اور چیز۔ (مترجم)

اورفرمایا ان الدین عند اللہ الاسلام یعنی بے شک دین حق اللہ کے نزدیک اسلام ہےاورفرمایاو من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ یعنی جوشخص ڈھونڈ ھے سوائے اسلام کے اورکوئی دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے اورفرمایاان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون یعنی بے شک اللہ نے برگزیدہ کیا ہے تمہارے لئے دین پس مرنے نہ پاؤتم مگراس حال میں کہ تم مسلمان ہواور جب اسلام کے دین بنانے پر راضی ہوگا تو لازم ہے کہ اوامر کو مانے گا اور نواہی سے باز آئے گا اچھی باتیں اوروں کو بتلائے گا بری باتوں سے منع کرے گا اور جب کسی ملحد کو دیکھے گا کہ غیر دین کو دین میں داخل کرنا چاہتا ہے تو اس کو جوش پیدا ہوگا اور برہان سے اس کی مغز پاشی کرے گا اور قوت بیانیہ سے اس کی بیخ کنی کرے گا۔

اورفرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بمحمد نبیا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو، پھراس کو لازم ہے کہ آپ کا محب ہواور آپ کے آداب واخلاق اختیار کرے دنیا سے بے رغبت ہونے میں اس سے علیحدگی کرنے میں لوگوں کی خطا سے درگذر کرنے میں جواس سے بُرائی کرے اس سے معاف کرنے میں اوراس کے سوا جتنے امور ہیں سب میں آپ کا اتباع ہو کہنے میں، کرنے میں، اختیار کرنے میں محبت میں بغض میں ظاہر میں باطن میں، پس جوشخص اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگا اس کے آگے گردن جھکا دے گا جواسلام سے راضی ہوگا اس کے موافق عمل کرے گا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی ہوگا آپ کی متابعت کرے گا اوران تینوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہوتی جب تک سب نہ ہوں کیونکہ یہ امر محال ہے کہ اللہ کے رب ہونے پرتو راضی ہواور اسلام کے دین ہونے پر راضی نہ ہو یا اسلام کے دین ہونے پرتو راضی ہو، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی نہ ہواوران سب کا باہم لازم ملزوم ہونا ظاہر ہے کچھ مخفی نہیں۔

جب یہ بیان ہو چکا تو اب اس بات کو جان لو کہ مقامات یقین کے نو ہیں: توبہ، زہد، صبر، شکر، خوف، رضا، رجا، توکل اور محبت اور کوئی مقام ان میں سے بدوں ساقط کرنے تدبیر واختیار کے صحیح نہیں ہوتا اور یہ اس طرح ہے کہ توبہ کرنے والے کو جیسا اپنے گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے

ایسے ہی پروردگار کے آگے اپنی تدبیر کرنے سے بھی توبہ کرنا واجب ہے کیونکہ تدبیر اور اختیار قلوب کے کبیرہ گناہوں سے ہیں اور توبہ کے معنی رجوع کرنا تمامی ان امور سے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور تدبیر بھی اللہ کو پسند نہیں کیونکہ وہ شرک ہے ربوبیت میں اور کفران ہے نعمت عقل کا اور کفر کو اپنے بندوں کیلئے پسند نہیں فرماتا اور ایسے شخص کی توبہ کیسے درست ہوگی کہ تدبیر دنیوی میں مبتلا ہے اور اپنے آقا کے حسن رعایت سے غافل ہے اور اسی طرح زہد ٹھیک نہیں ہوتا جب تک کہ تدبیر سے علیحدگی نہ کرے کیونکہ جن چیزوں سے خارج اور بے رغبت ہونے کا حکم ہے ان میں سے تدبیر بھی ہے کیونکہ زہد دو طرح کا ہے ایک زہد ظاہر ہے دوسرا زہد خفی۔

زہد ظاہر

تو یہ ہے کہ جو چیزیں کھانے پینے اور پہننے وغیرہ کی حاجت سے زائد ہیں ان کی رغبت نہ رہے اور زہد خفی یہ ہے کہ سرداری اور ناموری کی ہوس نہ رہے اسی کی قسم ہے زھد کرنا تدبیر میں اللہ کے آگے، اسی طرح صبر و شکر بدوں تدبیر ساقط کئے ہوئے ٹھیک نہیں ہوتا کیونکہ صابر وہ ہے جو اللہ کی ناپسند چیزوں سے صبر کرے اور اللہ کی ناپسند چیزوں میں تدبیر و اختیار بھی ہے کیونکہ صبر کئی قسم پر ہے۔

ایک صبر کرنا حرام چیزوں سے دوسرے صبر کرنا واجبات پر، تیسرے صبر تدبیر اختیار سے خواہ یوں کہو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک صبر کرنا حظوظ بشریہ سے، دوسرے صبر کرنا لوازم عبودیت پر اور لوازم عبودیت سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے تدبیر ساقط کردے اسی طرح شکر ٹھیک نہیں ہوتا مگر اس شخص کے لئے جو تدبیر کو اللہ کے روبرو ترک کردے کیونکہ شکر کے معنی بقول حضرت جنیدؒ کے یہی ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بنائے اور اگر تجھ کو عقل نہ ہوتی جس کی بدولت اللہ نے تجھ کو تیرے امثال پر ممتاز کیا اور اس کو تیرے کمال کا سبب ٹھہرایا تو ہرگز تو تدبیر نہ کرتا کیونکہ جمادات وحیوانات کچھ بھی تدبیر نہیں کرتے کیونکہ انہیں عقل نہیں جس کا کام ہے انجام کو دیکھنا اور اس کا اہتمام کرنا۔

(ف) پس ایسی نعمت عظمیٰ یعنی عقل کو تو نے اس کی نافرمانی یعنی تدبیر کا ذریعہ ٹھہرایا۔

---

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف ولا یرضیٰ لعبادہ الکفر۔ (مترجم)

اور تدبیر کرنا مقام خوف ورجا کے بھی خلاف ہے کیونکہ خوف کا جب قلب پر غلبہ ہوتا ہے اس کو اس قدر چین نہیں لینے دیتا کہ تدبیر کرے اور رجاء کا بھی یہی حال ہے کیونکہ رجا کرنے والے کا دل تو خوشی سے بھرا رہے گا اور اس کے اوقات اللہ کے معاملہ میں مشغول ہوں گے، کون وقت میں تدبیر کی گنجائش ہوگی اور تدبیر کرنا مقام توکل کے بھی خلاف ہے، کیونکہ متوکل تو وہ ہے جو اپنا کل اختیار اس کے حوالے کر دے اور تمام امور میں اس پر اعتماد کرے پس اس کے لوازم میں سے ہے تدبیر نہ کرنا اور اجرائے احکام کے لئے گردن جھکا دینا اور ترک تدبیر کا تعلق مقام توکل ورضا کے ساتھ بہ نسبت تعلق دوسرے مقامات کے زیادہ ظاہر ہے اور تدبیر کرنا مقامات محبت کے بھی خلاف ہے کیونکہ عاشق اپنے محبوب کے عشق میں مستغرق ہے اور اس کا عین مطلوب یہ ہے کہ اس کے روبرو اپنے ارادے سے دست بردار ہو جائے اور عاشق کو کسی وقت میں تدبیر کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ اس کو اللہ کی محبت نے اس سے غافل کر رکھا ہے۔

اسی واسطے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے جس نے اللہ کی خالص محبت کا کچھ بھی مزہ چکھ لیا اس نے ماسوائے سے اس کو غافل بنا دیا اور تدبیر کرنا مقام رضا کے بھی خلاف ہے اور یہ بہت ظاہر ہے اس میں کچھ اشکال ہی نہیں اور یہ اس لئے ہے کہ جس شخص کو مقام رضا حاصل ہے وہ اللہ کی اگلی تدبیر پر بس کرے گا پھر وہ کیوں تدبیر کرے گا کہ اس کی تدبیر پر تو راضی ہو چکا کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ نور رضا قلوب سے تدبیر کا میل کچیل دھوڈالتا ہے پس رضا والا نور رضا سے اس کے احکام میں منبسط ہے وہ اللہ کے روبرو کچھ تدبیر نہیں کرتا اور غلام کے لئے اس کے آقا کا حسن اختیار ہی بہت ہے خوب سمجھ لو۔

فصل: جاننا چاہئے کہ ترک تدبیر واختیار کے اسباب چند امور ہیں اول تیرا یہ اعتقاد کہ اللہ نے تیرے لئے پہلے سے تدبیر کر دی ہے اور اس کو اس طرح جان کہ اللہ تیرا اس وقت تھا کہ تو بھی اپنا نہ تھا پس جیسا تیرے ہونے سے پہلے اس نے تیرے لئے تدبیر فرمائی تھی اور تیری تدبیر وہاں کچھ نہ تھی اسی طرح بعد ہونے کے بھی وہ مدبر ہے پس تو اس کے ساتھ ایسا رہ جیسا پہلے تھا وہ بھی تیرے ساتھ ایسا رہے گا جیسا پہلے تھا اور اسی واسطے حسین حلاجؒ نے دعا کی میرے واسطے ایسا ہو جا جیسا میرے نہ ہونے کے وقت میں تھا۔

حاصل دعا یہ ہے کہ میرے وجود کے بعد میری تدبیر فرما جیسا میرے وجود سے پہلے میری تدبیر فرماتا تھا کیونکہ وجود سے پہلے اللہ کے علم میں بندے کی تدبیر ہو چکی ہے اور اس کا کوئی وجود بھی نہ تھا کہ دعویٰ تدبیر کرتا اور اس وجہ سے اس کی نصرت نہ ہوتی اگر کوئی اعتراض کرے کہ قبل وجود تو معدوم محض تھا پس تدبیر کیسے اسکے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے جواب یوں سمجھو کہ تمام اشیاء علم الٰہی میں موجود ہیں اگرچہ خارج میں ان کا وجود نہ ہو پس اللہ تعالیٰ ان کے وجود علمی کے مرتبے میں ان کی تدبیر فرماتا ہے اور یہ مسئلہ بہت غور طلب ہے یہ موقع اس کی تفصیلی بحث کا نہیں۔

بیان واعلام

جاننا چاہئے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ جمیع اطوار میں تیری تدبیر کا ذمہ دار ہوا اور تمام حالات میں تیرے ایجاد کا اہتمام فرمایا یوم میثاق میں تیری تدبیر فرمائی جس روز پوچھا گیا کیا میں تمہارا رب نہیں سب بولے کیوں نہیں اس وقت تیرے لئے۔ یہ تدبیر فرمائی کہ تجھ کو اپنی شناخت دی تب تو نے اس کو پہچانا اور تجھ کو اپنی جھلک دکھلائی تو نے اس کو مشاہدہ کیا، تجھ کو گویا کیا تیرے دل میں اپنی ربوبیت کا اقرار ڈالا تب تو نے اس کی توحید کی اس کے بعد تجھ کو نطفہ بنایا جو باپ دادا کی پشت میں امانت تھا، اور اس مقام میں تیری تدبیر کا سامان کیا تیری حفاظت کی جس جگہ تو رہا اس کی حفاظت کی جس شخص میں تو رہا اس کے ذریعہ سے برابر تجھ کو مدد پہنچتی رہی۔

یہی سلسلہ آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے پھر تجھ کو ماں کے رحم میں ڈالا وہاں تیرے کام بنائے اور رحم میں قابلیت رکھ کر اس کو ایک زمین بنایا جس میں تو پھلے پھولے اور اس کو ایک محل امانت بنایا جس میں تجھ کو حیات عنایت ہو پھر دونوں نطفوں کو جمع کیا دونوں کو ملایا پھر تو دونوں سے بنا اس کا سبب حکمت الٰہی ہے کہ تمام وجود سر از دواج پر مبنی ہے پھر نطفے کے بعد تجھ کو علقہ یعنی خون بستہ بنایا جس میں صلاحیت اس صورت کی رکھی جو اس کے بعد پیدا کرنا منظور ہے پھر علقے کے بعد مضغہ بنایا پھر مضغہ میں تیری صورت نقش کی اور تیری بنیاد قیام فرمائی پھر اس کے بعد تیرے اندر روح پھونکی پھر ماں کے رحم میں خون حیض سے تجھ کو غذا دی۔

پس تیرے وجود میں آنے سے پہلے تیرا رزق جاری فرمایا پھر تجھ کو ماں کے رحم میں باقی رکھا یہاں تک کہ تیرے اعضاء قوی ہو گئے اور ہاتھ پاؤں مضبوط ہو گئے تا کہ تو ایسی جگہ

آنے کے قابل ہو جائے جہاں تیرا نفع ونقصان ہے اور تا کہ تجھ کو ایسے گھر کی طرف لائے جس میں تجھ کو اپنے فضل وعدل کے ساتھ اپنی شناخت کرائے پھر جب تجھ کو زمین کی طرف لایا اس کو معلوم تھا کہ تو سخت چیزیں نہیں کھا سکتا اور نہ تیرے دانت ہیں نہ ڈاڑھ جن سے تو کھانے میں کام لے سکے پس چھاتیوں میں لطیف غذا جاری فرمائی اور ان پر جوش دینے والی مہربانی ماں کے دل میں مسلط کی جہاں دودھ نکلنا موقوف ہوا اس محبت مادری نے اس کو جوش دیا جوش دینے والا بھی کیسا جو کبھی سست نہیں ہوتا ایسی مستعد جو کبھی بند نہیں ہوتا پھر ماں باپ کو اس کام میں لگا دیا کہ تیرے فائدے کی چیزیں حاصل کریں اور تجھ پر شفقت کریں اور تجھ کو محبت کی نگاہ سے دیکھیں اور یہ وہی شفقت ہے جس کو تیری طرف اور دوسرے شخصوں کی طرف بھیجنے میں ماں باپ کو مظہر قرار دیا تا کہ صفت مودت کے ساتھ اس کی معرفت ہو اور حقیقت میں اس کی ربوبیت کے سوا تیرا کوئی کفیل نہیں اور اس کی الوہیت کے سوا کوئی پرورش کرنے والا نہیں پھر باپ کے ذمے لازم ٹھہرایا کہ وقت بلوغ تک تیری خبر گیری کرے اور اپنی عنایت سے یہ اس پر واجب کر دیا پھر کمال فہم تک تجھ کو مرفوع القلم فرمایا اور یہ بلوغ کا وقت ہے پھر تب سے ادھیڑ ہونے تک اپنے عطا وفضل کو موقوف نہیں کیا پھر جب تو بڑھاپے کو پہنچا پھر جب تو مرے گا پھر جب قیامت میں زندہ ہوگا پھر جب تجھ کو اپنے روبرو کھڑا کرے گا پھر جب اپنے عقاب سے تجھ کو بچائے گا پھر جب تجھ کو بہشت میں داخل کرے گا۔

پھر جب اپنا پردہ تیرے سامنے سے اٹھا دے گا اور اپنے اولیاء اور احبا کی مجلس میں تجھ کو بٹھلائے گا۔

فرمایا[1] اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کہ متقی لوگ ہوں گے بہشتوں میں اور نہروں میں سچی مجلس میں قدرت والے بادشاہ کے پاس یعنی سب جگہ تجھ پر فضل رہا۔

پس تو اس کے کس کس احسان کا شکر کر سکتا ہے اور کون کون نعمتوں کو ذکر میں لا سکتا ہے اور سنو ارشاد اللہ تعالیٰ کا وما بکم من نعمة فمن اللہ یعنی جو کچھ نعمتیں تمہارے پاس ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں پس معلوم ہوا کہ تو اس کے احسان سے نہ کبھی نکلا ہے نہ نکلے

---

[1] آیت یہ ہے کہ ان المتقین فی جنت ونهر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر. (مترجم)

گا اور اس کا فضل و امتنان تجھ سے کبھی جدا نہ ہوگا اور اگر اپنے تغیر حالات کا علم اپنا مطلوب ہے تو یہ ارشاد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا سن لو

ولقد خلقنا الانسان من سللة من طين ثم جعلنا نطفة فى قرار مكين، ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظماً فكسونا العظم لحما ثم انشاناه خلقا اخر فتبارك الله احسن الخالقين، ثم انكم بعد ذلك لميتون، ثم انكم يوم القيٰمة تبعثون۔

یعنی بے شک پیدا کیا ہم نے آدمی کو خلاصہ مٹی سے پھر بنایا ہم نے اس کو نطفہ ٹھہرنے کی جگہ میں پھر پیدا کیا ہم نے نطفے کو خون بستہ پھر پیدا کیا ہم نے خون بستہ کو گوشت کی بوٹی پھر پیدا کیا ہم نے بوٹی کو ہڈیاں پھر پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت پھر پیدا کیا ہم نے اس کو دوسری پیدائش۔

(ف) یعنی روح پھونکی۔

(ف) پس بڑی برکت والا ہے اللہ بہتر سب تجویز کرنے والوں کا بے شک تم بعد اس کے البتہ مرنے والے ہو پھر بے شک تم قیامت کے دن زندہ کئے جاؤ گے، اس آیت کی جھلک تجھ پر ظاہر ہوگی اور اس کی چمک تجھ پر پھیلے گی، اور اس کا مضمون گردن جھکا دینے اور توکل کرنے کو تجھ پر لازم ٹھہرا دے گا اور تدبیر کے ترک اور تقدیر کے ساتھ منازعت نہ کرنے کی طرف تجھ کو کھینچ لے جائے گا اور توفیق دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

دوسرا امر

یہ ہے کہ جان لے کہ اپنے لئے تیرا تدبیر کرنا ناواقفی کی دلیل ہے اپنے فائدے کے سوچنے سے کیونکہ ایمان والے کا اعتقاد ہے کہ جب وہ اللہ کے روبرو تدبیر کو ترک کر دیتا ہے خدائے تعالیٰ اس کے لئے بخوبی تدبیر فرما دیتا ہے، بسبب فرمانے اللہ تعالیٰ کے **ومن يتوكل على الله فهو حسبه** یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کے لئے کافی ہے پس تیری تدبیر یہی ہے کہ تدبیر نہ کرے اور اپنی بڑی خیر خواہی یہی ہے کہ اس کی خیر خواہی کی فکر نہ کرے اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے قول[1] کو سمجھو کہ آؤ گھروں میں ان کے دروازوں سے پس تدبیر کا دروازہ اللہ کی طرف سے یہی ہے کہ اپنے لئے تدبیر نہ کرو۔

---

[1] آیت یہ ہے کہ واتوا البيوت من ابوابها۔ (مترجم)

تیسرا امر

یہ ہے کہ جان لو کہ یہ ضرور نہیں کہ تقدیر تیری تدبیر کے موافق جاری ہوا کرے، بلکہ اکثر وہی بات ہوتی ہے جس کی تدبیر نہیں کرتا، اور بہت کم وہ ہوتا ہے جس کی تدبیر کرتا ہے اور عاقل بے ٹھکانے مکان نہیں بناتا پس تیری عمارتیں کہاں پوری ہونے پائیں گی، تقدیر ان کو گرارہی ہے اور پورا ہونے سے روک رہی ہے:

عمارت کب وہ پوری ہو کہ تو اسکو بناتا ہو ۔۔۔ مگر ہو دوسرا اس جا کہ وہ اس کو گراتا ہو

اور جس حالت میں تیری طرف سے تدبیر ہو اور تقدیر برخلاف تیری تدبیر کے جاری ہوتی ہو تو ایسی تدبیر سے کیا فائدہ جس کی حمایت تقدیر نہ کرے اور تدبیر تو اسی کو سزاوار ہے جس کے ہاتھ میں تقدیر کی باگ ہے، اسی لئے کہا گیا ہے:

پایا میں نے قضا کو جب کاری ۔۔۔ اور نہیں اس میں کوئی شک طاری
کر لیا اعتماد خالق پر ۔۔۔ خود چاہا جس طرف وہ ہو جاری

چوتھا امر

یہ ہے کہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہی ذمہ دار ہے اپنی سلطنت کی تدبیر کا اس کی بلندی کا اس کی پستی کا اس کے غیب کا اس کی شہادت کا اور جیسا عرش کرسی اور آسمان وزمین میں اس کی تدبیر کو تو نے تسلیم کرلیا، اسی طرح اپنے وجود میں بھی اس کی تدبیر کو تسلیم کرلے کیونکہ تیرے وجود کی نسبت ان عالموں کے ساتھ ایسی ہے کہ تیرا پتہ بھی نہیں لگنے دیتی جیسا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کی نسبت کرسی کے ساتھ ایسی ہے کہ جیسے کسی چٹیل میدان میں ایک حلقہ پڑا ہو اور کرسی اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمین عرش کے سامنے یہی نسبت رکھتے ہیں پس تو بیچارا اس کے ملک میں کیا چیز ہے۔

پس تجھ کو اپنے نفس کی فکر کرنا اور اس کے لئے تدبیر کرنا بالکل اللہ سے ناواقف ہے بلکہ بات وہ ہے جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا وما قدروا اللہ حق قدرہ یعنی انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسی اس کی قدر کرنا چاہئے تھا، پس اگر بندہ اپنے رب کو پہچان لے تو اس کے آگے تدبیر کرتا ہوا شرمائے اور تجھ کو جو خدائے تعالیٰ سے آڑ ہے اسی نے تجھ کو دریائے تدبیر

میں پھینکا ہے، کیونکہ اہل یقین کی باطنی بینائی سے جو پردہ اٹھا انہوں نے اپنے کو دیکھا کہ ہماری تو تدبیر کوئی دوسرا کر رہا ہے ہم خود کچھ تدبیر نہیں کر سکتے اور ہم میں کوئی دوسرا تصرف کر رہا ہے ہم خود کچھ تصرف نہیں کر سکتے اور ہم کو کوئی دوسرا جنبش دے رہا ہے ہم خود کو کوئی جنبش نہیں کر سکتے اسی طرح سکان عالم بالا مشاہدہ کر رہے ہیں اس کے ظہور قدرت کا اور نفوذ وارادہ کا اور مقدورات کے ساتھ قدرت اور مراد کے ساتھ ارادے کے متعلق ہونے کا اور اسباب اس کی نگاہ میں سب برطرف ہیں اسی لئے وہ دعویٰ سے پاک ہیں کیونکہ ان کو معائنہ اور مواجہہ حاصل ہے۔

اس لئے حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا **انا نحن نرث الارض ومن علیها والینا یرجعون**۔ یعنی ہم وارث ہیں زمین کے اور جو اس کے اوپر بستے ہیں اور سب ہماری طرف پھیرے جاویں گے اس میں ملائکہ کا تزکیہ ہے اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے جوان کو عنایت کیا وہ اس میں مدعی نہیں اور جو ان کی طرف منسوب کیا اس میں وہ خود نسبت کرنے والے نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یوں فرماتے **انا نحن نرث الارض والسماء** بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو نسبت ہے اور اس سے ہیبت کرتے ہیں اور اس کی عظمت سے حیران ہیں یہ امور ان کو مانع ہیں کہ وہ کسی غیر کی طرف میلان کریں پس جیسا آسمان وزمین کے مقدمے میں اللہ کی تدبیر کو تسلیم کر لیا ہے اسی طرح اپنے وجود میں بھی تسلیم کر لے، کیونکہ آسمان[1] زمین کی خلقت تو بہرحال انسان کی خلقت سے بڑی ہی ہے۔

پانچواں امر

یہ ہے کہ جان لے کہ تو اللہ کی ملک ہے اور تجھ کو ایسی چیز کرنا نہیں پہنچتا جو غیر کی ملک ہو پس جو چیز تیری ملک میں نہیں تجھ کو اس کی تدبیر کا بھی استحقاق نہیں اور جو چیز تیری ملک میں ہے، اس میں جب کوئی تجھ سے منازعت نہیں کرتا اور حالانکہ تیری ملک صرف اس کے مالک بنانے سے ہوئی اور تیری ملک حقیقی نہیں بلکہ صرف ایک نسبت شرعی ہے جو تیری ملک کی موجب ہوگئی یہ نہیں کہ کوئی چیز تیرے وصف کے ساتھ قائم ہوگئی، جس سے تو مالک بننے کا مستحق ہوگیا تو اللہ کے ساتھ اس کی ملک میں منازعت نہ کرنا تو زیادہ تر مناسب اور سزاوار

---

[1] جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس الایۃ۔ (مترجم)

ہے، خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یعنی اللہ نے مول لے لیا ہے اہل ایمان سے ان کی جانوں کو ان کے مالوں کو اس معاوضے میں کہ ان کیلئے جنت ہے تو فروخت کرنے کے بعد تدبیر و منازعت کرنا مناسب نہیں کیونکہ جس چیز کو تو فروخت کر چکا اس کا تسلیم کر دینا اور منازعت نہ کرنا تجھ پر واجب ہو چکا پھر اس میں تدبیر کرنا عقد بیع کو توڑنا ہے۔

میں ایک روز شیخ ابو العباس مرسیؒ کی خدمت میں گیا اور کسی قصے کی شکایت کی فرمانے لگے، اگر تیرا نفس تیری ملک ہے تو اس کے ساتھ جو چاہے کر اور یہ تجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا اور اگر پیدا کرنے والے کی ملک ہے تو اس کو تسلیم کر وہ جو چاہے کرے پھر فرمایا کہ چین اسی میں ہے کہ اللہ کے سپرد کر دو اور تدبیر چھوڑ دو اور عبودیت کے یہی معنی ہیں۔

ابراہیم بن ادہمؒ سے منقول ہے کہ میں ایک شب سو گیا اور میرا معمول قضا ہو گیا میں جاگا اور نادم ہوا پھر تین دن ایسا سویا کہ فرض بھی قضا ہو گیا جب میں بیدار ہوا ایک ہاتف کی آواز سنی کہ کہتا ہے:

ہر خطا سے کرتے ہیں ہم درگذر		ہے مگر اعراض ہم سے سخت تر
رہ گئی طاعت جو تجھ سے بخشدی		رہ گیا جو اجر وہ ہے مدخر

پھر مجھ کو حکم ہوا اے ابراہیم! بندہ بنا رہ پس میں بندہ بنا اور چین میں ہو گیا۔

چھٹا امر

یہ ہے کہ جان لے کہ تو اللہ کا مہمان ہے کیونکہ دنیا اللہ کا گھر ہے اور تو وہاں آ کر اس کا مہمان ہوا ہے اور مہمان کو سزاوار ہے کہ میزبان کے ہوتے کوئی غم نہ پالے۔

شیخ ابو مدینؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ مشائخ کو ہم اسباب میں پھنسا ہوا دیکھتے ہیں اور آپ بالکل نہیں پھنستے فرمانے لگے اے بھائی! انصاف تو کرو دنیا اللہ کا گھر ہے اور ہم اس کے مہمان ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مہمانی تین روز تک ہے تو تین روز تک تو اللہ کے یہاں ہماری ضیافت ہی ہے اور[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایک دن تیرے رب کے یہاں کا ایک ہزار سال کے برابر ہے جس کو شمار کیا کرتے ہو اس

[1] آیت یہ ہے کہ وان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون۔ (مترجم)

حساب سے تین ہزار برس ہماری مہمانی کے ٹھہرے جس میں کچھ مدت تو دنیا میں مقیم ہیں اور باقی کو اپنے فضل سے آخرت میں پورا کرے گا اور خلود دائم مزید برآں ہے۔

ساتواں امر

یہ ہے کہ بندہ ہر شیء میں اللہ تعالیٰ کی قیومیت کو دیکھے کیا یہ قول اس کا تو نے نہیں سنا **اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم** یعنی اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اور وہ زندہ ہے، قائم رکھنے والا، پس حق سبحانہ وتعالیٰ قیوم ہے دنیا کا اور آخرت کا دنیا کا قیوم تو رزق اور عطاء سے ہے اور آخرت کا اجر وجزا سے جب بندہ اپنے رب کی قیومیت اور اس کی نگرانی کا یقین کرلے گا اپنا کلی اختیار اس کے حوالے کرے گا اور اپنے کو اس کا مطیع اور منتظر حکم کر کے اس کے آگے ڈال دے گا۔

آٹھواں امر

یہ ہے کہ بندہ کو عمر بھر احکام عبودیت میں مشتغل رہنے کا حکم ہے بدلیل قول اللہ تعالیٰ **کے واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین** یعنی اپنے رب کی عبادت کرتا رہ یہاں تک کہ آن پہنچے تجھ کو موت[1] جب اس کی ہمت رعایت عبودیت کی طرف متوجہ ہوگی یہ اس کو تدبیر وفکر کرنے کی فرصت نہ لینے دے گی۔

شیخ ابوالحسن کا قول ہے جاننا چاہئے کہ تجھ پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا عبودیت میں ایک حق ہے کہ اللہ تعالیٰ بمقتضائے ربوبیت اس کو چاہتا ہے اور بندے سے اس کا مطالبہ ہوگا اور اس حق سے اور اس کی سانسوں سے جو اس کے پاس اللہ کی امانت ہے سوال ہوگا پس اہل بصیرت کو اللہ کے حقوق سے فرصت کہاں ہے کہ اپنے نفس کے لئے تدبیر کرسکیں اور اس کی مصلحتوں میں باعتبار اس کے حظوظ اور حوائج کی فکر کرسکیں اور اللہ کی منت کاملہ تک کوئی نہیں پہنچتا بدوں اس کے کہ اپنے نفس سے غائب ہو اس کے مقدمے میں زہد اختیار کرے اس کی ہمت اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں میں مصروف ہو اس کی موافقت کے اسباب بکثرت ہوں اس کی خدمت اور معاملے پر دوام کرے پس جس قدر تجھ کو اپنے نفس سے غیبت یعنی فنا و

---

[1] عمل بعضھم علی الموت الاختیار ۔(ملفوظات شریف)

دوری ہوگی اسی قدر بقایا اللہ میسر ہوگا اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں اے وہ شخص جو اپنی راہ نجات کی طرف دوڑتا ہے اس کی درگاہ کا شائق ہے اگر چاہتا ہے کہ تیرا باطن اسرار ملکوت کے لئے کشادہ ہو جائے تو اپنے ظاہر کی طرف نظر کم کیا کر۔

نواں امر

یہ ہے کہ تو ایک تربیت یافتہ غلام ہے اور غلام کو سزاوار ہے کہ آقا کے ہوتے ہوئے کچھ غم نہ پالے اور ساتھ ہی اس کے وہ آقا افضال کے ساتھ متصف ہے اور اس کو کبھی مہمل نہ چھوڑے گا کیونکہ مقام عبودیت کی جان تو یہ ہے کہ اللہ پر کامل بھروسہ ہو اور اپنے کو اس کے حوالے کر دے اور یہ دونوں امر تدبیر و اختیار کے منافی ہیں بلکہ غلام کا کام یہ ہے کہ خدمت میں لگا رہے آقا اپنی عنایت سے آپ ہی کی اس خبر گیری کرے گا اور غلام کے ذمے خدمت کا سرانجام دینا ہے، اور آقا خود ہی اس کی روزی کا انتظام فرمائے گا، اللہ تعالیٰ کے اس قول کو خوب سمجھ لو۔ وأمر[1] اهلک بالصلوٰة واصطبر عليها لا نسئلک رزقا نحن نرزقک الآیہ یعنی تم ہماری خدمت کرو ہم اپنی روزی تم کو پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔

دسواں امر

یہ ہے کہ تجھ کو انجام کار کی خبر نہیں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی بات میں نفع سمجھ کر اس کی تدبیر کی الٹا اس میں نقصان ہو گیا اور بسا اوقات مصیبت کی راہ سے فوائد حاصل ہو گئے، اور فوائد کی راہ سے مصیبتیں اور مضرت کی راہ سے مسرت اور مسرت کی راہ سے مضرت آ گئی اور اکثر بار محنت میں منت اور منت میں محنت پوشیدہ ہوتی ہے، بہت دفعہ دشمنوں کے ہاتھ سے منفعت اور دوستوں کے ہاتھ سے ایذا پہنچتی ہے جب ایسا قصہ ہے تو عاقل سے کیسے ممکن ہے کہ اللہ کے آگے تدبیر چلائے حالانکہ اتنی خبر نہیں کہ مسرت کہاں ہے کہ اس کو حاصل کرے اور مضرت کہاں ہے کہ اس سے بچے۔

اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ کی دعا ہے یا اللہ ہم جس جگہ جانتے ہیں اور اس کا طریقہ بھی جانتے ہیں وہاں تو اپنے سے ضرر دفع کر ہی نہیں سکتے، پس جس جگہ ہم جانتے نہیں نہ اس کا

---

[1] (ترجمہ یہ ہے: اور حکم کر تو اپنے گھر والوں کو نماز کا اس پر قائم رہ، نہیں مانگتے ہم تجھ سے روزی ہم روزی دیں گے تجھ کو۔ (مترجم)

طریقہ معلوم ہو وہاں تو کیسے عاجز نہ ہوں اور تم کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول بس ہے عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئا وھو شر لکم الآیۃ اور بہت مرتبہ تم نے کسی بات کا ارادہ کیا ہوگا اور اللہ نے اس کو ہٹا دیا اور اس وجہ سے اپنے دل میں غم اور تنگی پائی ہو گی مگر جب اس کا انجام معلوم ہوا ہوگا تب سمجھا ہوگا کہ خدائے تعالیٰ نے تیرے واسطے کیسی شفقت فرمائی کہ تجھ کو خبر بھی نہ ہوئی اور اس ارادہ کرنے والے سے بدتر کون ہوگا جس کو فہم نہ ہو اور اس غلام سے بدتر کون ہوگا جس میں اطاعت نہ ہو جیسا کسی نے کہا ہے:

بہت کاموں کو میں چاہا نہیں ہونے دیا تو نے
ہمیشہ مجھ سے زیادہ مجھ پہ تیری مہربانی ہے
کیا ہے عزم اب میں نے نہ دیکھوں دل میں خطرہ بھی
مگر سمجھوں کہ یہ تیری جہت سے حکمرانی ہے
ارادہ یہ بھی ہے جاؤں نہ منہیات کے نزدیک
کہ میرے دل میں عزمت ہے تری اور کبر شانی ہے

کسی کی حکایت ہے کہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا تو کہتا تھا اسی میں کچھ خیر ہے ایک شب ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بھیڑیا آ کر اس کے مرغ کو کھا گیا، اس کو اطلاع ہوئی کہنے لگا اسی میں کچھ خیر ہوگی اسی شب اس کے کتے کے کہیں چوٹ لگی اور مر گیا اس کو اطلاع ہوئی کہنے لگا اسی میں کچھ خیر ہوگی پھر اس کے گدھے نے چلانا شروع کیا اور مر گیا کہنے لگا اسی میں کچھ خیر ہو گی اس کے گھر والے اس بات سے تنگ دل ہونے لگے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ اسی شب میں کچھ بدو آئے اور محلے والوں کو لوٹا مارا اور بجز اس شخص کے اور اس کے گھر والوں کے کوئی نہیں بچا وہ بدو مرغ اور کتے اور گدھے کی آواز کے پتے پر آئے تھے اور اس کے یہ سب مر چکے تھے پس ان چیزوں کا ہلاک ہونا اس کی نجات کا سبب ہو گیا، پس پاک ہے وہ تدبیر کرنے والا حکمت والا اور جب تک انجام نہیں ظاہر ہوتا اس وقت تک اللہ کی تدبیر کی خوبی بندے کو نظر نہیں آتی اور خاص لوگوں کے مقام سے اس کو کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ جن کو خدا کی طرف سے فہم عنایت ہوتی ہے وہ تو قبل انجام ظاہر ہونے کے اللہ کی خوبی تدبیر کو

مشاہدہ کر لیتے ہیں اور ایسے لوگ اس باب میں کئی طرح کے ہیں۔

بعض لوگوں کو اللہ کے ساتھ حسن ظن ہے اللہ تعالیٰ نے جوان کو اپنے احسان ولطف کا خوگر کر رکھا ہے اس سے وہ گردن جھکا دیتے ہیں، بعضوں کو حسن ظن اس وجہ سے ہے کہ جانتے ہیں کہ اہتمام اور تدبیر اور منازعت نہ تو تقدیر کو ٹال سکتی ہے نہ غیر مقسوم چیز کو حاصل کرا سکتی ہے، بعضوں کو اس وجہ سے حسن ظن ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے تعالیٰ سے حکایت فرمائی ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں جس طرح کا گمان میرے ساتھ رکھتا ہے اس لئے وہ شخص حسن ظن کو اور اس کے اسباب کو اختیار کرتا ہے اس امید سے کہ اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہو پھر اللہ بھی اس کے گمان کے موافق اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کی راہیں مسلمانوں کیلئے نہایت آسان کر دیں کہ ان کے گمانوں کی موافق معاملہ فرمایا خود ارشاد فرماتے ہیں۔یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا۔

اور ان سب مراتب سے بڑھ کر یہ ہے کہ تسلیم وتفویض اس وجہ سے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا مستحق ہے نہ ایسی وجہ سے جس کا نفع لوٹ کر اپنے ہی طرف آئے کیونکہ مراتب مذکورہ بالا میں بندہ ابھی بند علل میں گرفتار ہے کیونکہ جو شخص اپنے فوائد کیلئے اس کا مطیع بنا اس کا مطیع بنا تو الطاف سابقہ کی وجہ سے ہوا اگر یہ الطاف نہ ہوتے تو یہ مطیع نہ بھی ہوتا دوسرے کا بھی یہی حال ہے کیونکہ یہ سمجھ کر کہ تدبیر سے کچھ فائدہ نہیں اگر تدبیر کو چھوڑ دیا یہ اللہ کیلئے تو نہ ہوا کیونکہ اگر اس کو تدبیر کا نافع ہونا معلوم ہو جاتا تو شاید تدبیر کو نہ چھوڑتا اور جس نے حسن ظن اور اطاعت اس لئے اختیار کی کہ میرے گمان کے موافق مجھ سے معاملہ ہو تو درحقیقت وہ اپنے حظوظ نفس میں سعی کر رہا ہے، اس کو اندیشہ صرف یہ ہے کہ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو افضال جاتے رہیں گے، اور جو شخص اللہ کی اطاعت اور حسن ظن اس وجہ سے کرے کہ وہ عظمت الوہیت اور صفت ربوبیت کے ساتھ موصوف ہے۔

پس یہ شخص ہے کہ حقیقت حال تک پہنچ گیا اور اس گروہ میں داخل ہونے کے لائق ہو گیا جن کے حق میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کے بعضے بندے ایسے ہیں کہ ان کی ایک تسبیح جبل احد کے برابر ہے[1] اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں سے اس آیت میں ترک تدبیر کا عہد لیا ہے۔و اذ اخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم الآیہ۔

---

[1] حدیث یہ ہے ان اللہ عبادا تسبیحۃ واحدۃ منھم مثل جبل احد۔ (تنویر)

کیونکہ اقرار ربوبیت کو یہ بات لازم ہے کہ اس کے آگے تدبیر نہ کریں پس یہ عہد اس وقت ہو چکا ہے کہ جب نفس بھی نہ تھا جو محل اضطراب ہے اور اللہ کے سامنے تدبیر چلاتا ہے اور اگر بندہ اس پہلی حالت پر رہتا کہ پردہ اٹھا رہتا اور حضوری میسر رہتی تو خدا کے آگے تدبیر کرنا اس سے ممکن نہ ہوتا چونکہ حجاب حائل کر دیا ہے، اس سے تدبیر و اضطراب واقع ہوا، اسی واسطے جو اللہ کی معرفت رکھتے ہیں اور اسرار ملکوت کا مشاہدہ کرتے ہیں وہ اللہ کے سامنے تدبیر نہیں کرتے کیونکہ مواجہت تدبیر کو نہیں ہونے دیتی اور ان کی پکی پکی تدبیریں توڑ دیتی ہے، اور اللہ کے روبرو ایسا شخص کیونکر تدبیر کرسکتا ہے جو اس کی درگاہ میں حاضر ہے، اس کی کبریا و عظمت کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

(فائدہ) جاننا چاہئے کہ تدبیر و اختیار کا وبال عظیم ہے اور اس کا خطرہ شدید ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم نے جو غور کیا تو آدم علیہ السلام میں یہی بات پائی کہ اپنے لئے تدبیر کرنا درخت کھانے کا باعث ہوا کیونکہ شیطان نے آدم و حوا علیہما السلام سے وہ بات کہی تھی کہ جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اس قول میں دی ہے

قال ما نہا کما ربکما عن ہذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین

یعنی شیطان نے کہا کہ تمہارے پروردگار نے اس درخت کی کھانے سے اور کسی سبب سے منع نہیں کیا

صرف یہ وجہ ہے کہ کبھی تم دونوں فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ یہاں ہی بس پڑو، آدم علیہ السلام نے جو فکر کی تو معلوم ہوا کہ محبوب کے جوار میں رہنا تو اعلیٰ درجے کا مقصود ہے اور آدمی سے جو فرشتہ ہونے کا خیال ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فی الواقع وصف ملکیت افضل ہو یا آدم علیہ السلام کے گمان میں افضل معلوم ہوا ہو[1]، پس اپنے دل میں یہ تدبیر ٹھہرا کر درخت سے کھالیا، پس عین تدبیر ہی سے ان پر بلا آئی۔

اور اللہ کو یہی منظور تھا تاکہ ان کو زمین کی طرف اتاریں اور اس میں خلیفہ بنا دیں پس ظاہر میں تو یہ تنزل تھا اور حقیقت میں ترقی[2] تھی اسی واسطے ابوالحسنؒ نے فرمایا قسم ہے خدا کی

---

[1] قال العارف الرومی ایں ہمہ آنست وچوں آمد قضا ☆ دانش یک نہی شد بروئے عطا ☆ کائی عجب نہیں از پے تحریم بود ☆ یا بتاویلی بدوتو ہم بود ☆ درویش تاویل چوں ترجیح یافت ☆ طبع دو حیرت ہوئے گندم شتافت باغبار تر انار چوں در روئے رفت ☆ قد فرصت یافت کالا برو تفت۔ (مترجم)

[2] یہ ترقی الوہیت سے نزدیک ہے طرف مقام عبدیت کے جو اہل مقامات ہے۔ (ملفوظ شریف)

آدم علیہ السلام کو ان کی شان گھٹانے کے لئے نہیں اتارا بلکہ ان کی تکمیل کیلئے اتارا پس آدم علیہ السلام ہمیشہ ترقی میں رہے۔

کبھی معراج قرب وخصوصیت میں کبھی معراج زاری وانکساری میں اور یہ معراج عندالتحقیق اکمل ہے اور ہر ایمان دار پر اس اعتقاد کا رکھنا واجب ہے کہ نبی اور رسول کی جب کوئی حالت بدلتی ہے تو اس سے کامل حالت حاصل ہوتی ہے، اس مقام میں خدائے تعالیٰ کے اس قول کو سمجھو۔ والا خرۃ خیر لک من الاولیٰ۔

ابن عطیہ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ پچھلی حالت تمہارے لئے پہلی حالت سے بہتر ہے اور جب اس کو تم پہچان چکے تو اب یہ سمجھو کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے صفات میں سے تدبیر ومشیت ہے اور اس کی مشیت میں یہ بات ٹھہر چکی تھی کہ بنی آدم سے زمین کو آباد فرمائے گا اور اس میں اس کی مشیت کے موافق اچھے بھی ہوں گے اور اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والے بھی ہوں گے اور یہ امر اس کی تدبیر وحکمت سے تھا کہ اس کا پورا ہونا اور عالم شہادت میں ظاہر ہونا ضرور ہے۔

پس حق سبحانہ وتعالیٰ نے چاہا کہ آدم علیہ السلام کا اس درخت سے تناول کرنا ان کے زمین پر جانے کا سبب ہو اور ان کا زمین پر آنا مرتبہ خلافت کے ظہور کا باعث ہو جس سے آدم علیہ السلام پر منت رکھی ہے اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا وہ معصیت کیسی مبارک ہے جس نے خلافت کو ظاہر کیا اور پچھلے لوگوں کے لئے قیامت تک قانون توبہ مقرر کر دیا اور ان کا زمین پر آنا بحکم قضائے الٰہی تھا جو آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے مقدر ہو چکا تھا۔

اسی واسطے شیخ ابوالحسن نے فرمایا خدا کی قسم آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے زمین پر اتار چکے ہیں جیسے خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ انی جاعل فی الارض خلیفۃ یعنی میں بیشک بنادوں گا زمین پر ایک خلیفہ پس یہ اللہ کی تدبیر کی خوبی ہے آدم علیہ السلام کا درخت سے کھانا اور ان کا زمین پر آنا اور منصب خلافت وامامت کے ساتھ ان کو مکرم بنایا جب گفتگو یہاں تک پہنچی ہم کو چاہئے ان فوائد وخصائص کو ڈھونڈیں جو اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عنایت کئے تاکہ ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ خاص لوگوں کے

حالات اللہ کے ساتھ ایسے ہیں جو اوروں کو میسر نہیں اور ان کے باب میں اللہ کی ایک تدبیر ہے جس سے اوروں کی طرف توجہ نہیں فرمائی پس آدم علیہ السلام نے کھانے اور زمین پر آنے میں چند فوائد ہیں۔

ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جنت میں آدم وحوا علیہما السلام کو حق تعالیٰ کی معرفت صرف صفت رزق وعطا واحسان وانعام کی ساتھ حاصل تھی اللہ کو اپنے لطف خفی سے جو اس کی تدبیر میں ہوتا ہے، یہ منظور ہوا کہ یہ دونوں اس درخت سے کھالیویں تا کہ صفت علم وستاری ومغفرت وتوبہ واجتبائیت کے ساتھ بھی معرفت میسر ہو جائے حلم تو اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس فعل کے کرتے ہی جلدی سزا نہیں دی اور حلیم اسی کو کہتے ہیں کہ جو جلدی کسی فعل پر سزا نہ دے بلکہ مہلت دے، اس کے بعد خواہ عفو وانعام ہو یا گرفت و انتقال ہو دوسری بات کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے صفت ستاری کے ساتھ اپنی معرفت ان کو دی یہ اس طور پر ہے کہ جب دونوں نے اس درخت سے کھایا اور تمام لباس جنت کے اتر کران کی شرمگاہیں کھل گئیں، برگ جنت سے ان کی پردہ پوشی فرمائی جیسا خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **وطفقا یخصفان علیھما من ورق الجنة** یعنی دونوں اپنے بدن پر جنت کے پتوں کو ملا ملا کر رکھنے لگے یہ اس کی ستاری ہوئی۔

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کو یہ بتلانا منظور ہوا کہ تم ہمارے برگزیدہ ہو اور اس برگزیدگی سے دو مقام پیدا ہوتے ہیں، اس کی طرف رجوع اور توبہ کرنا اور اس کی طرف سے ہدایت ہونا پس اللہ کو منظور ہوا کہ آدم علیہ السلام کو ان کی برگزیدگی اور اپنی عنایت سابقہ جتلاویں پس درخت سے کھانا مقدر کر دیا پھر اس کھانے کو نہ اعراض کا سبب بنایا نہ اپنی مدد ان سے موقوف کی بلکہ اس میں اپنی مودت وعنایت کا اظہار فرمادیا جیسا بزرگوں کا قول ہے جس کے حال پر عنایت ہوتی ہے جنایت اس کو ضرر نہیں پہنچاتی، بعضی دوستی کو مخالفت قطع کر دیتی ہے مگر حقیقی دوستی وہی ہے جو دوست کی طرف سے دائم ہو خواہ موافقت کرو یا مخالفت اور یہ جو اللہ نے فرمایا ہے **ثم اجتبه ربه** یعنی پھر ان کے رب نے ان کو برگزیدہ کر لیا اس سے یہ مت سمجھ جانا کہ یہ اجتباء حادث ہے بلکہ وہ قبل وجود آدم ہے البتہ ظہور اثر اجتبائیت بیشک

حادث ہے اسی کو فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ثم اجتبہ ربہ یعنی ان کو توبہ کی توفیق اور ہدایت دے کر اثر اجتبائیت وعنایت کو ظاہر فرما دیا۔

پس اس آیت میں ثم اجتبہ ربہ فتاب علیہ وھدی تین باتیں بتلائیں ایک اجتبائیت دوسرے توبہ جو نتیجہ اجتبائیت کا ہے تیسرے ہدایت جو نتیجہ توبہ ہے اچھی طرح سمجھ لو پھر ان کو زمین پر لا کر اپنی صفت حکمت کے ساتھ ان کو اپنی معرفت دی جیسا جنت میں صرف غلبہ قدرت کے ساتھ معرفت دی تھی اور یہ اس طرح ہے کہ دنیا وسائط اور اسباب کا مقام ہے جب آدم علیہ السلام زمین پر آئے جوتنا بونا اور جس قدر سامان زندگی کی حاجت ہوتی ہے سب ان کو سکھلایا تا کہ اس چیز کو محقق کر دے جو قبل ان کے زمین پر اتارنے کے یہ کہہ کر ان کو بتلا دی تھی فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقیٰ یعنی کہیں شیطان تم کو جنت سے نہ نکال دے پھر مشقت میں پڑ جاؤ گے۔

پس مراد تشقیٰ سے مشقت ہے نہ شقاوت دلیل اس کی یہ ہے کہ تشقیٰ مفرد لائے جس میں صرف آدم علیہ السلام مخاطب ہیں تشقیا تثنیہ نہیں لائے کہ آدم وحوا دونوں مخاطب ہوتے، کیونکہ تعب وکلفت تو سب کا سب مردوں کی جان پر ہوتا ہے نہ عورتوں پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ اور اگر شقاوت مراد ہوتی جو قطع تعلق وجود حجاب سے ہوتی ہے تو فتشقیا فرماتے پس مفرد لانا دلیل ہے اس پر کہ یہاں شقاوہ نہیں جو قطع وابعاد سے ہوتی ہے پھر اگر تثنیہ بھی ہوتا تب بھی نیک گمان پر اس کو حمل کر کے یہی ظاہری تکلیفیں تاویل میں مراد لیتے۔

فائدہ جلیلہ

جاننا چاہئے کہ آدم علیہ السلام کا درخت سے کھانا عناد وخلاف کی راہ سے نہ تھا پس یا تو آدم علیہ السلام بھول گئے، کھانے کے وقت یاد نہیں رہا اور بعضوں کا یہی قول ہے اور اسی پر محمول ہے قول اللہ تعالیٰ کا فنسی ولم نجد لہ عزما یا یوں کہو کہ کھانے کے وقت یاد تھا پھر کیوں کھایا پس یا تو یہ وجہ ہے کہ شیطان نے یوں بہکایا کہ تم کو جو خدائے تعالیٰ نے منع کیا ہے صرف اس وجہ سے ہے کہ تم فرشتہ نہ بن جاؤ یا ہمیشہ یہاں ہی رہ پڑو، چونکہ ان کو اللہ کے ساتھ

محبت اور فریفتگی تھی، ایسی چیز کو پسند کیا جو اللہ کے جوار میں ان کو ہمیشہ رکھے یا ان کو فرشتہ بنا دیوے کیونکہ آدم علیہ السلام ملکیت کا قرب سے معائنہ فرما چکے تھے اس لئے درخت سے کھا لیا تا کہ رتبہ ملکیت کا حاصل کریں جو کہ واقع میں یا صرف ان کے گمان میں افضل تھا۔

چنانچہ علماء اور عرفاء میں اختلاف ہے، کہ ملکیت افضل ہے یا نبوت خصوصاً جبکہ اس ملعون نے قسم کھا کر یہ بھی کہہ دیا میں تمہارا خیر خواہ ہوں آدم علیہ السلام کو گمان بھی نہ تھا کہ کوئی اللہ کی قسم جھوٹی کھائے گا پس وہی ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطان نے دونوں کو دھوکہ میں لٹکا لیا۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ آدم علیہ السلام جو کچھ کھاتے تھے اس کی گندگی نہ ہوتی تھی بلکہ پسینہ آ جاتا تھا جس میں مشک کی خوشبو ہوتی، جیسے جنت والوں کو جنت میں ہوگا لیکن جب اس درخت سے کھایا جس سے ممانعت تھی پیٹ میں درد اٹھا حکم ہوا، اے آدم یہاں کہاں موقع ہے آیا تخت پر یا چھپر کھٹ پر یا نہروں کے کناروں پر زمین پر جاؤ جہاں یہ ممکن ہے پس جب ذریعہ معصیت کے آثار آدم علیہ السلام تک پہنچے تو حقیقی معصیت کے آثار عاصی تک کیسے نہ پہنچیں گے خوب سمجھ لو۔

تنبیہ و اعتبار

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع فرمایا ہے وہ مشابہ اس درخت کے ہے اور جنت اللہ کی حضوری ہے اور آدم تیرا قلب ہے اور حوا تیرا نفس ان دونوں کو خطاب ہوتا ہے کہ اس درخت کے پاس مت جانا کبھی ظالموں سے ہو جاؤ لیکن اتنا فرق ہے کہ آدم علیہ السلام کو عنایت گھیرے ہوئے تھی، جب انہوں نے درخت سے کھایا خلافت کے لئے زمین پر بھیج دیئے گئے اور تو اگر ممنوعہ درخت سے کھائے گا زمین عداوت پر پھینک دیا جائے گا اور تیرا دل کہ مشابہ آدم ہے مشقت میں پڑ جائے گا اور اس عداوت کی کلفت قلب کو ہوتی ہے نہ نفس کو کیونکہ ایسے وقت میں اس کے مزاج کے مناسب چیزیں ہوتی ہیں یعنی تلذذات شہوات اور غفلت میں غرق ہونا۔

ترتیب و بیان

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اول آدم علیہ السلام کو اپنی معرفت عنایت فرمائی صفت ایجاد کے ساتھ تو پکارا انہوں نے یا قدیر پھر صفت ارادے کے ساتھ تو پکارا یا مرید پھر صفت حکومت

کے ساتھ جو اکل شجر سے منع کرنے میں تھی تو پکارا یا حاکم پھر کھانا ان پر مقدر کیا تو پکارا یا قاھر پھر کھانے کے بعد جلدی سے سزا نہیں دی تو پکارا یا حلیم پھر اس مقدمہ میں ان کو رسوا نہیں کیا تو پکارا یا ستار پھر ان کی توبہ قبول فرمائی تو پکارا یا تواب پھر اس کا مشاہدہ کرایا کہ درخت سے کھانے سے دوستی قطع نہیں کی تو پکارا یا ودود پھر ان کو زمین پر بھیجا اور سامان زندگی کا ان کیلئے آسان کر دیا تو پکارا یا لطیف پھر اپنے احکام میں ان کو قوت بخشی تو پکارا یا معین پھر کھانے اور منع کرنے اور زمین پر آنے کے اسرار کا ان کو مشاہدہ کرائے تو پکارا یا حکیم پھر ان کو دشمن اور مکار پر غالب کیا تو پکارا یا نصیر پھر بار عبودیت برداشت کرنے میں ان کی مدد فرمائی تو پکارا یا ظہیر پس زمین پر ان کو صرف اسی واسطے بھیجا کہ احکام تصریف کی تکمیل فرمادے اور احکام تکلیف میں ان کو قائم کر دے تو آدم علیہ السلام میں دونوں عبودیتیں کامل ہو گئیں عبودیت تصریف بھی اور عبودیت تکلیف بھی پس اللہ تعالیٰ کی ان پر بڑی منت ہے اور اس کا بڑا احسان ہے اچھی طرح سمجھ لو۔

رجوع بمطلب

جاننا چاہئے کہ سب سے بڑا مقام جس میں بندے کو قائم ہونا چاہئے مقام عبودیت ہے اور تمام مقامات اس مقام کی نسبت مثل خادم کے ہیں اور دلیل اس دعویٰ کی کہ عبودیت سب سے بڑا مقام ہے اللہ تعالیٰ کے یہ اقوال ہیں سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا ما انزلنا علیٰ عبدنا کھیعص ذکر رحمۃ ربک عبدہ زکریا وانہ لما قام عبداللہ یدعوہ.

(ف) ان سب آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد فرمایا۔

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بادشاہ اور نبی بندہ ہونے میں اختیار دیا گیا آپ نے عبودیت کو اختیار کیا پس یہ بڑی دلیل ہے اس کی کہ یہ سب مقامات سے افضل اور تمام طریق قرب سے اعظم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ میں تو بندہ ہوں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور فرمایا[2] کہ میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور میں کچھ بڑائی نہیں کرتا۔

میں نے اپنے شیخ ابو العباس سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ لا فخر کے معنی یہ ہیں کہ

[1] حدیث یہ ہے کہ انما انا عبد لا اکل متکئا انما انا عبداللہ اکل کما یاکل العبد (تنویر)

[2] حدیث یہ ہے کہ انا سیدنا ولد آدم ولا فخر (تنویر)

میں سرداری پر فخر نہیں کرتا میرا فخر تو عبودیت سے ہے اور اسی کے لئے ایجاد واقع ہوا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور عبادت صورت عبودیت ہے اور عبودیت روح عبادت جب اس کو تم نے سمجھ لیا تو اب سمجھو کہ عبودیت کی روح ترک اختیار اور تقدیر سے منازعت نہ کرنا ہے۔

پس اس سے ظاہر ہوا کہ عبودیت کی حقیقت یہ ہے کہ ربوبیت کے آگے تدبیر واختیار ترک کردے، ہرگاہ اتمام مقام عبودیت کا جو اشرف المقامات ہے ترک تدبیر پر موقوف ہے تو بندے کو سزاوار ہے کہ اس کو ترک کردے اور تسلیم وتفویض کی راہ چلے تاکہ مقام اکمل اور مسلک افضل تک پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو قرآن پڑھتے سنا کہ آہستہ پڑھتے ہیں اور عمر کو سنا کہ پکار پکار کر پڑھ رہے ہیں۔

آپ نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ تم آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے؟

عرض کیا کہ جس سے باتیں کرتا تھا وہ تو سنتا تھا۔

حضرت عمرؓ سے پوچھا تم پکار کر کیوں پڑھتے تھے؟

عرض کیا میں سوتوں کو جگاتا تھا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔

آپ نے ابوبکر کو حکم دیا کہ ذرا اپنی آواز اونچی کردو اور عمر کو حکم دیا کہ ذرا آواز کو پست کردو، ہمارے شیخ ابوالعباس رحمہ اللہ فرماتے تھے اس مقام پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو منظور یہ تھا کہ دونوں صاحبوں سے ان کا ارادہ چھڑا کر اپنے ارادے کی طرف لاویں۔

تنبیہ: خدا تیرا بھلا کرے اس حدیث میں غور کر تجھ کو معلوم ہو جائے گا کہ اپنے ارادے سے باہر آنا تیری عبادت ہے کیونکہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ پوچھی تو ہر ایک نے وجہ وجیہ وقصد صحیح عرض کیا اس کے بعد بھی حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو ان کے ارادے واختیار سے علیحدہ کرکے اپنے اختیار کی طرف لائے۔

فائدہ:۔ جاننا چاہئے کہ بنی اسرائیل جب وادی تیہ میں داخل ہوئے اور من وسلویٰ ملنے لگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی روزی کے لئے یہی پسند فرمایا تھا کہ بلا محنت ومشقت محض منت و احسان سے عنایت ہوتا تھا چونکہ وہ اس کے خوگر نہ تھے اور اللہ کی تدبیر کا مشاہدہ نصیب نہیں ہوا

تھا ان کی کیفیت طبائع اسی پرانی عادت کی طرف راغب ہوئی اور کہنے لگے اپنے رب سے دعا کرو کہ زمین کے ان نباتات میں سے ہمارے لئے پیدا کرے ساگ ہے، ککڑی ہے، لہسن ہے، مسور ہے، پیاز ہے، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ادنیٰ چیز کو اچھی چیز کے بدلے چاہتے ہو شہر میں اترو وہاں تمہاری منہ مانگی چیز ملے گی اور ان پر ذلت وخواری جم گئی اور اللہ کے غضب میں پھر آئے اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ کی پسندیدہ چیز کو جوان کی حالت کے مناسب تھی اپنی پسند کی ہوئی چیز کے سامنے چھوڑ دیا تو ان کو بطریق توبیخ کہا گیا اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ بالذی ھو خیر اس کی ظاہری تفسیر تو یہی ہے کہ آیا لہسن پیاز مسور کو من و سلویٰ کے عوض میں چاہتے ہو حالانکہ یہ دونوں تو عین لذت اور بے مشقتی میں برابر نہیں۔

(ف) یعنی من وسلویٰ لذیذ ہے اور بے محنت ملتا ہے، بخلاف تمہاری خواستہ چیزوں کے کہ نہ ان میں وہ لذت ہے اور مصیبت ومشقت الگ رہی۔

اور معنی اسراری یہ ہیں کہ کیا ادنیٰ چیز کو کہ وہ تمہارا ارادہ ہے اعلیٰ سے کہ وہ ہمارا ارادہ ہے بدلنا چاہتے ہو اھبطوا مصراً فان لکم ماسالتم الآیہ اس کے معنی اسراری یہ ہیں کہ آسمان تفویض اور تدبیر واختیار مابدولت سے اپنی تدبیر واختیار کی زمین پر اترو اور ذلت و خواری کے ساتھ موصوف ہو کیونکہ اللہ کی تدبیر واختیار کے روبرو اپنی تدبیر واختیار چلاتے ہو اور اگر یہ امت تیہ میں ہوتی تو ایسی بات کبھی نہ کہتی جو بنی اسرائیل نے کہی کیونکہ ان کے انوار شفاف ہیں اور اسرار دور تک پہنچے ہیں۔

کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ بنی اسرائیل نے ابتداء میں موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا، اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون اور اسی سے تیہ میں مبتلا ہوئے اور آخر میں یہ کہا ادع لنا ربک الخ اول میں اللہ کی فرمانبرداری سے انکار کیا اور آخر میں اختیار خداوندی کے غیر کو اپنے لئے اختیار کیا اور ان سے بار بار بہت سی ایسی باتیں ہوئیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقت اور طریقت سے بالکل بے بہرہ تھے، کہیں کہتے ہیں ارنا اللہ جھرۃ یعنی ہم کو اللہ کو کھلم کھلا دکھا دو کہیں موسیٰ علیہ السلام سے فرمائش ہے اجعل لنا الھا کما لھم الھۃ یعنی ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو جیسا ان لوگوں کے پاس معبود ہے یہ

اس وقت کہا تھا کہ دریا شگافتہ ہوا اور یہ پار اتر گئے وہاں ایک قوم پر گذر ہوا جو اپنے بتوں کے سامنے بیٹھک جمائے ہوئے بیٹھی تھی حالانکہ ہنوز دریا کی نمی پیروں سے خشک نہیں ہوئی واقع میں وہ ایسے ہی تھے جیسا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک تم ایسے لوگ ہو کہ جہالت کرتے ہو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی دوسری حالت بیان کی۔ **واذ نتقنا الجبل فوقهم كانه ظلة وظنوا انه واقع بهم خذوا ما اتينكم بقوة** یعنی ہم نے پہاڑ اٹھا کر ان پر کھڑا کر دیا جیسا سائبان ہوتا ہے اور ان کو یقین ہوا کہ اب اگر حکم ہوا تو اختیار کرو جو احکام تم کو ہم نے دیئے ہیں ہمت کے ساتھ اور اس امت نے اپنے قلوب پر کوہ ہیبت وعظمت کو اٹھا لیا پس قوت ایمان سے کتاب اللہ کو اختیار کر لیا پس اس پر ثابت رہے اور اس امر میں تائید کئے گئے اور گوسالہ پرستی وغیرہ سے محفوظ رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو پسند کیا اور احکام کو اس کیلئے پسند فرمایا اور اپنے ان اقوال میں اس کی تعریف فرمائی **كنتم خير امة اخرجت للناس** یعنی تم بہت اچھے گروہ ہو جو لوگوں کے فائدہ ہدایت کیلئے پیدا کئے گئے **وكذالک جعلنا كم امة وسطا** یعنی ہم نے بنایا تم کو گروہ وسط یعنی عادل نیک پس اس سے تجھ کو ظاہر ہو گیا کہ تدبیر واختیار بڑا سخت گناہ اور وبال ہے جب تجھ کو یہ منظور ہو کہ اللہ کی طرف سے تیرے لئے اچھی بات تجویز کی جائے تو اپنی تجویز کو ساقط کر دے اور اگر یہ منظور ہو کہ تیرے لئے عمدہ تدبیر کی جائے تو اپنی تدبیر کا اس کے آگے دعویٰ مت کر اور اگر تجھ کو مراد تک پہنچنا منظور ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ اس کے آگے کچھ مراد نہ رہے اسی لئے جب بایزیدؒ سے پوچھا گیا کیا چاہتے ہو؟

کہا یہی چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں۔

پس ان کی آرزو اور خواہش اللہ سے یہی ہوئی کہ ان کا ارادہ جاتا رہے کیونکہ جانتے تھے کہ یہ بڑی کرامت ہے اور بڑی قربت ہے کبھی خاص لوگوں سے ظاہر میں کرامتیں ہوتی ہیں مگر کچھ بقیہ تدبیر کا اس میں مخفی ہوتا ہے حقیقی اور کامل کرامت یہی کہ تدبیر کو ترک کر دے اور اس کے حکم کے آگے تفویض اختیار کرے۔

اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ دو ہی تو جامع کرامتیں ہیں کہ ایک کرامت

ایمان جس سے یقین بڑھے اور عیاں مشہود ہو، دوسری کرامت عمل کہ جس میں اقتدا و متابعت ہو اور دعویٰ اور دھوکے سے اجتناب ہو جس کو یہ دونوں کرامتیں نصیب ہو گئیں پھر وہ کسی اور کرامت کا طالب ہوا پس وہ شخص یا تو فریب خوردہ جھوٹا ہے یا علم و عمل میں غلط کار ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کو بادشاہ کی حضوری کا اعزاز خوشنودی کے ساتھ دیا گیا پھر وہ گھوڑوں کی سائیسی کا مشاق ہوا اور بادشاہ کی خوشنودی کا لباس اتار دیا اور کرامت کے ساتھ اللہ کا راضی ہونا اور اللہ سے راضی ہونا مقرون نہ ہو وہ کرامت والا یا تو استدراج اور دھوکے میں ہے یا ناقص ہے یا ہلاکت میں ہے۔

اب یہ معلوم کرو کہ کرامت کا کرامت ہونا اللہ کی رضا سے مقرون ہونے پر موقوف ہے اور لوازم رضا سے یہ ہے کہ تدبیر ترک کردے اور اس کے روبرو اختیار معدوم کردے جاننا چاہئے کہ بعضوں نے بایزیدؒ پر اعتراض کیا ہے کہ جب انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ کچھ ارادہ نہ کریں تو یہ بھی ایک ارادہ ہے اور یہ اعتراض کسی بے علم کا ہے کیونکہ مراد بایزیدؒ کی یہ ہے کہ میں ارادہ نہ کروں کیونکہ اللہ کو ان کے اور تمام بندوں کیلئے یہ بات پسند ہے کہ ارادہ نہ کریں پس یہ اس ارادہ میں اللہ کے ارادے کے موافق ہیں۔

(ف) حاصل یہ ہے کہ مراد بایزیدؒ کی مطلق ارادے کی نفی نہیں بلکہ جو ارادہ اللہ کی مرضی کے خلاف ہو۔

اسی واسطے شیخ ابوالحسن نے فرمایا ہے کہ جتنی چیزیں شرع کی پسندیدہ اور ترتیب دادہ ہیں تیرا اس میں کچھ اختیار نہیں بس سنا کر اور مانا کر یہ مقام فقہ ربانی اور علم لدنی کا ہے اور یہ علم حقیقت کی زمین کے نزول کی زمین ہے جو اللہ سے حاصل کیا جاتا ہے اس شخص کیلئے جو قرار پکڑے۔

(ف) ختم ہوا کلام شیخ کا۔

پس شیخ نے اس کلام میں یہ بات بتلا دی کہ جتنی چیزیں شرع کی پسندیدہ ہیں ان کا اختیار کرنا مقام عبودیت کے خلاف نہیں، جس کی بنا ترک اختیار پر ہے تا کہ کوئی عقل ناحقیقت شناس اس سے دھوکہ نہ کھائے اور یہ نہ سمجھنے لگے کہ وظائف اور اوراد اور سنن موکدہ کے ارادہ کرنے سے مقام عبودیت سے نکل جائے گا کیونکہ اختیار تو کرلیا اسی لئے شیخ نے

بیان فرمادیا کہ جتنی چیزیں شرع کی پسندیدہ اور ترتیب دادہ ہیں ان میں کچھ اختیار نہیں۔

(ف) کہ اس کو چھوڑ کر بیٹھ رہے وہ تو کرنا ہی پڑے گا۔

تجھ کو یہ حکم ہے کہ اپنی تدبیر و اختیار سے نکل نہ کہ اللہ اور رسول کی تدبیر سے بھی اس کو اچھی طرح سمجھ لو پس تم کو معلوم ہو گیا کہ بایزید نے جو ارادہ نہ کرنے کا ارادہ کیا وہ صرف اسی وجہ سے کہ اللہ کی یہی مرضی ہے کہ ارادہ نہ کریں اس ارادے کے سبب وہ عبودیت سے خارج نہیں ہو سکتے جو ان سے مطلوب ہے پس معلوم ہو گیا کہ طریق موصل الی اللہ محو کرنا ہے ارادے کا اور چھوڑنا ہے خواہش کا یہاں تک کہ شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ ولی کبھی خدا تک نہیں پہنچ سکتا جب کہ اس کی ایک تدبیر و اختیار بھی باقی رہے اور میں نے اپنے شیخ ابوالعباسؒ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ بندہ خدا تک نہیں پہنچتا یہاں تک کہ یہ پہنچنے کی خواہش بھی اس کی منقطع ہو جائے مراد انقطاع سے واللہ اعلم انقطاع ادب معلوم ہوتا ہے نہ انقطاع ملال۔

(ف) انقطاع آرزو کبھی غایت ادب سے ہوتا ہے کہ مانگنے کو خلاف ادب جانتا ہے اگر چہ مطلوب کا شوق سینے میں مشتعل ہے اور کبھی ملال سے ہوتا ہے کہ مطلوب سے جی اکتا گیا اس لئے نہیں چاہتا تو اولیاء اللہ کو جو وصول الی اللہ کی آرزو منقطع ہوتی ہے وہ انقطاع ادب ہے نہ انقطاع ملال۔

یا یہ انقطاع اس وجہ سے ہے کہ قرب کے وقت مشاہدہ کرتا ہے کہ میں تو اس قابل نہ تھا اور اپنے کو اس مقام کی اہلیت سے حقیر دیکھتا ہے اس وجہ سے خواہش وصول منقطع ہو جاتی ہے، یہ نہیں کہ اس سے جی اکتا گیا یا ہٹ گیا پس اگر چاہتے ہو تو اشراق و تنویر کو اختیار کرو ترک تدبیر کو اور اللہ کی طرف بزرگوں کی راہ سے چلو جو ان کو ملا ہے تم کو بھی ملے گا۔

چلو تم راہ پر ان کی طریقہ دل سے لو ان کا — پہنچ جاؤ گے منزل پر یہی وادی کی جانب ہے

اور ہمارے اس مضمون میں ابتدائے عمر کے چند اشعار ہیں جو کسی دوست کی خاطر سے لکھے تھے۔

اے یار قافلہ تو یہ جلدی نکل گیا — ہم یوں ہی بیٹھے رہ گئے اب تم کرو گے کیا

کیا اس پہ تم ہو راضی کہ پیچھے پڑے رہو — جھگڑے ہوس تو آہی گرا دے تمہیں ہوا

عالم کی کہہ رہی ہے زباں یہ پکار کر — جتنے ہیں کائنات یہ ہو جائیں گے فنا

راستہ نجات کا نظر اس کو ہی آئے گا — بچ کر طمع سے پھینک دے سب حق کے ماسوا
جو حق کو دید خلق سے پہلے ہی دیکھ لے — صانع کے آگے دے گا وہ مصنوع کو اڑا
جو راہ چلتے ہیں نظر آتے ہیں ان کو نور — جن کا ہے رخ ادھر ہیں سب اسرار ان پہ وا
اٹھ دیکھ خلق کو کہ محیط اس کو ہے گا نور — اور صبح قرب ہے کہ طلوع اس نے ہے کیا
ہو کر غلام اس کا تو ہو جا مطیع حکم — تدبیر چھوڑ دے کہ نہیں اس میں فائدہ
تدبیر کیا کرے گا کہ حاکم تو اور ہے — جھگڑا کرے گا حکم خدا میں کہیں بپا
اپنے ارادے اور مشیت کو محو کر — مقصود خوب سن لے کہ ہے گا یہی بڑا
اگلے یونہی چلے تھے کہ مقصد کو پا گئے — پیر و جوان کا ہو تو وہ جائے یوں ہی چلا
رو دے وہ اپنی جان کو کرتا ہو جو طلب — محبوب کی نہ دیکھی مگر ایک بھی ادا
رونا جسے ہو رو دے وہ بیٹھ اپنی جان کو — کیا عمر یوں ہی لہو میں ہو جائے گی فنا

جان تو اللہ تعالیٰ تجھ کو توفیق دے کہ اللہ کے ایسے ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تادیب و تعلیم کی وجہ سے وہ لوگ اپنی تدبیر سے خارج ہو گئے پس انوار نے ان کی پختہ تدبیروں کو توڑ ڈالا اور معارف و اسرار نے ان کے کوہ اختیار کو چور چور کر ڈالا پس مقام رضا میں ان کی منزل ہو گئی اس مقام کی لذت ان کو ملی پس اللہ سے فریاد کرنے لگے اس خوف سے کہ کہیں حلاوت رضا میں مشغول ہو کر اس کی طرف مائل نہ ہو جاویں۔

(ف) یعنی تسلیم و تفویض کا ایسا غلبہ ہوا کہ رضا کا قصد کرتے بھی ڈرتے ہیں۔

شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ میں ابتدائے عمر میں تدبیریں کیا کرتا تھا کہ کیا طاعتیں کروں اور اس کے کیا اسباب مہیا کروں کبھی کہتا تھا کہ میدانوں اور جنگلوں میں جا پڑوں کبھی کہتا تھا کہ شہروں اور آبادیوں میں رہوں کہ وہاں علماء اور نیکوں کی صحبت میسر ہو مجھ سے کسی نے ایک ولی کی تعریف کی جو ملک مغرب میں کسی پہاڑ پر رہتے تھے، میں اس پر چڑھا اور ان کے پاس شب کو پہنچا اور اس وقت ان کی خدمت میں جانا نامناسب سمجھا۔

میں نے ان کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا یا الٰہی بہت لوگ تجھ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ مخلوق کو ان کا مسخر کر دے اور تو ان کو عنایت کر دیتا ہے اور وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے ہیں

یاالٰہی میری تو یہ دعا ہے کہ تمام خلقت مجھ سے ٹیڑھی ہو جائے تا کہ تیرے سوا میری کوئی پناہ نہ رہے میں نے سوچا اے دل غور تو کر یہ شیخ کس دریا سے چلو لے رہے ہیں، شب کو ٹھہرا رہا جب صبح ہوئی ان کے روبرو ہو گیا اور سلام کیا پھر پوچھا کہ جناب کیا حال ہے؟ کہنے لگے جیسے تجھ کو حرارت تدبیر واختیار کی شکایت ہے مجھ کو برودت تسلیم ورضا کی شکایت ہے، میں نے عرض کیا حضرت حرارت تدبیر واختیار سے جو مجھ کو شکایت ہے۔

اس کا مزہ تو چکھ چکا ہوں اور اس وقت بھی چکھ رہا ہوں لیکن آپ کی جو شکایت برودت رضا وتسلیم سے ہے اس کی معنی میری سمجھ میں نہیں آئے کہنے لگے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں ڈرتا ہوں کہ ان دونوں کی حلاوت اللہ تعالیٰ سے غافل نہ کردے پھر میں نے کہا کہ حضرت شب گذشتہ میں نے آپ کو یہ دعا کرتے سنا کہ یاالٰہی بہت لوگ تجھ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ مخلوق کو ان کا مسخر کردے اور تو ان کو عنایت کر دیتا ہے اور وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے ہیں یاالٰہی میری تو ہی دعا ہے کہ تمام خلقت مجھ سے ٹیڑھی ہو جائے تا کہ تیرے سوا میری کوئی پناہ نہ رہے پس تبسم فرمایا اور کہا کہ اے میرے بچے بجائے سخر لی خلقک کے یوں کہا کر یا رب کن لی یعنی اے پروردگار! تو میرا ہو جا! غور کر اگر ساری مخلوق تیری ہوگئی کیا تجھ کو کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں یہ کیسی کم ہمتی ہے۔

فائدہ:۔ جاننا چاہئے کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان اسی واسطے ہلاک ہوا کہ اپنی تدبیر کی طرف رجوع ہوا اور جو تدبیر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے کشتی والے ساتھیوں کیلئے فرمائی تھی اس پر راضی نہ ہوا نوح علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

اے بچے! ہمارے ساتھ تو بھی چڑھ جا اور کافروں کے ساتھ مت ہو، کہنے لگا میں کسی پہاڑ پر جا بیٹھوں گا جو مجھ کو پانی سے بچالے گا انہوں نے فرمایا آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچنے والا نہیں، ہاں مگر جس پر اسی کی مہربانی ہو پس باعتبار معنی کے اس نے کوہ عقل کی پناہ لی اور ظاہر میں جس پہاڑ کی پناہ لی تھی وہ اس جبل معنوی کی صورت تھی۔

پس وہی حال ہوا جس کی خبر اللہ نے دی۔ وحال بینھما الموج فکان من

---

[1] آیت یہ ہے کہ یا بنی ارکب معنا ولاتکن مع الکافرین قال ساوی الی جبل یعصمنی من الماء قال لاعاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم ۱۲ (مترجم)

المغرقین یعنی دونوں کے بیچ میں ایک موج کی آڑ ہوگئی اور ڈوب گیا، ظاہراً تو طوفان میں اور باطناً حرمان میں اے بندے ذرا عبرت حاصل کر جس وقت تقدیر کی موجیں تجھ پر تلاطم کریں اس وقت اپنی عقل باطل کے پہاڑ کی طرف مت رجوع کرنا کہ دریائے فراق میں نہ ڈوب جائے بلکہ کشتی توکل میں بیٹھ جانا جس نے اللہ تعالیٰ کی پناہ لی وہ سیدھی راہ پر پہنچا[1] اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کو کافی ہے[2] جب تو ایسا کرے گا کشتی نجات تجھ کو لے کر جو دی امن پر قرار پڑے گی، پھر تو اس پر جا اترے گا سلامتی قرب اور برکات وصل کے ساتھ جو نازل ہوں گی تجھ پر اور ان پر جو تیرے ساتھ جماعتیں ہیں اور وہ تیرے وجود کے عالم ہیں۔

خوب سمجھو غافل مت بنو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور جاہل مت بنو، پس تجھ کو معلوم ہو گیا کہ تدبیر و اختیار کا ترک کرنا بڑی ضروری چیز ہے جس کو اہل یقین لازم سمجھتے ہیں اور عبادت والے اس کو طلب کرتے ہیں اور بڑی شریف چیز ہے جس کے ساتھ اہل معرفت آراستہ ہوتے ہیں، میں نے خانہ کعبہ کے روبرو ایک عارف سے پوچھا آپ کی واپسی کس طرف کو ہوگی؟

کہنے لگے اللہ تعالیٰ کے ساتھ میری ایک عادت ہے کہ میرا ارادہ میرے قدم سے تجاوز نہیں کرنے پاتا۔

(ف) مطلب یہ کہ ارادہ بالکل مقدم نہیں ہوتا۔

بعض بزرگوں کا قول ہے اگر جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں چلے جائیں اور میں اکیلا رہ جاؤں مجھ کو دونوں گھروں میں کچھ بھی تمیز نہ ہو کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا، پس یہ حال ہوتا ہے اس شخص کا جس کے اختیارات اور ارادے محو ہو گئے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مراد کے آگے اس کی کچھ مراد نہ رہی ہو، جیسے بزرگان پیشین سے کسی کا قول ہے کہ میری خواہش تقدیر الٰہی کے مقام میں ہے۔

ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ چالیس سال سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو جس حال میں رکھا میں نے اس کو ناپسند نہیں کیا، اور جس حالت کی طرف منتقل کیا اس سے

---

[1] یہ مضمون ہے اس آیت کا ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الیٰ صراط مستقیم (مترجم)
[2] یہ مضمون ہے اس آیت کا من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (مترجم)

ناخوش نہیں ہوا اور ایک بزرگ نے مجھ سے فرمایا کہ چالیس سال سے یہ خواہش کررہا ہوں کہ مجھے کچھ کوئی خواہش نہ رہے تاکہ خواہش کی چیز ترک کردوں مگر کوئی چیز خواہش کی نہیں ملتی۔

(ف) جس کے ترک کے لئے نفی خواہش کی خواہش کروں۔

پس یہ وہ قلوب ہیں جن کی رعایت وحمایت خود حق تعالیٰ فرماتا ہے تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا۔ **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان** یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ مقام عبودیت کے ساتھ ان کا محقق ہونا ربوبیت کے آگے، ان کا اختیار نہیں ہونے دیتا اور نہ گناہ کرنے دیتا، نہ کسی عیب میں آلودہ ہونے دیتا اور فرمایا[1] حق سبحانہ وتعالیٰ نے بیشک بات یہ ہے کہ شیطان کا زور ان پر نہیں چلتا جو اللہ پر یقین لائے اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔

پس جن قلوب میں شیطان کا قابو نہ چلے اس میں وسوسہ تدبیر اور اس سے قلب کا مکدر ہونا کدھر سے آویگا اور اس آیت میں اس کا بھی بیان ہے کہ جو شخص ایمان اور توکل کو ٹھیک کرے اس میں شیطان کا بس نہیں چلتا کیونکہ شیطان دو طرح سے آتا ہے یا تو عقائد میں شک ڈال دیتا ہے یا مخلوق کی طرف مائل کرکے اس پر اعتماد کراتا ہے شک کی نفی تو ایمان سے ہوگئی اور اعتماد علی الخلق کی نفی توکل سے ہوجائے گی۔

تنبیہ

جاننا چاہئے کہ مومن کو کبھی تدبیر کے خطرات آتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کو اس میں نہیں رہنے دیتا اور اس حالت میں نہیں رہنے دیتا اور اس حالت میں نہیں چھوڑتا، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا فرمان[2] نہیں سنا کہ اللہ دوست ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف، پس حق سبحانہ وتعالیٰ اہل ایمان کو ظلمات تدبیر سے انوار تفویض کی طرف لاتا ہے اور استقلال حق کو اضطراب باطل پر غالب کرتا ہے۔

پس وہ اس باطل کے ارکان کو ہلا دیتا ہے اور اسکی عمارت کو گرا دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[3]

---

[1] آیت یہ ہے انه لیس له سلطان علی الذین آمنوا وعلیٰ ربھم یتوکلون (مترجم)

[2] آیت یہ ہے اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور (مترجم)

[3] آیت یہ ہے بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا ھو زاھق (مترجم)

بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر، پس وہ اس کا مغز توڑ دیتا اور وہ باطل جاتا رہتا ہے اور مومن پر اگر چہ اضطراب وتدبیر کے خطرات آتے ہیں مگر وہ گذرتے چلے جاتے ہیں ان کو ثبات نہیں ہوتا اور مضمحل ہو جاتے ہیں ان کا وجود نہیں رہتا کیونکہ نور ایمان ان کے دلوں میں ٹھہر گیا ہے اور اس کے انوار نے ان کے سرکش نفوس کو دبا دیا ہے اور اس کی چمک نے ان کے قلوب کو بھر دیا ہے اور اس کی روشنی نے ان کے سینے کھول دیئے ہیں، پس ایمان جو ان کے دلوں میں جا ٹھہرا ہے وہ اور کو نہیں بسنے دیتا بلکہ کبھی کچھ اونگھ سی ہو جاتی ہے جس میں تدبیر کی خیالی صورت کا آنا ممکن ہے، پھر ان کے دل جاگ اٹھتے ہیں وہ خیالی صورت جو ایک خواب سی تھی جاتی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان الذین اتقوا اذا مسھم طئف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون.

(ف) مصنف کی قرأت طئف بروزن خیف ہے، فائدہ ہم سے معلوم ہوتا ہے۔

یعنی جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں جب کوئی شیطانی خیال ان کو آ چھوتا ہے وہ فوراً چونک اٹھتے ہیں، پس اسی وقت سوجھ والے ہو جاتے ہیں اور اس آیت میں چند فوائد ہیں:

پہلا فائدہ

اذا مسھم الخ سے معلوم ہوا کہ اصل حالت تو ان کی یہی ہے کہ ایسے وساوس سے محفوظ رہتے ہیں اگر کبھی ایسا ہوتا ہے تو اتفاقاً ہوتا ہے اس میں ان کی ودیعت ایمان بتلانا منظور ہے جو ان کے قلب میں رکھی گئی ہے۔

(ف) وجہ معلوم ہونے کی یہ ہے کہ اگر وہ ہمیشہ وساوس میں گرفتار رہتے تو یوں نہ فرماتے کہ جب ان کو خیال چھوتا ہے اس فرمانے سے معلوم ہوا کہ پہلے نہ تھا پھر آ چھوا۔

دوسرا فائدہ

اذا مسھم فرمایا جس کے معنی ہیں چھونا امسکم یا اخذھم نہیں فرمایا جس کے معنی ہیں پکڑنا کیونکہ مس کہتے ہیں چھو لینے کو جس کو ثبات و امتداد نہ ہو اس عبارت سے، معلوم ہوا کہ خیال شیطانی ان کے دل میں جمنے نہیں پاتا بلکہ یوں ہی ذرا چھو جاتا ہے کافروں کی طرح ان کو پکڑ نہیں سکتا، وجہ یہ کہ شیطان کفار پر تو غالب ہے اور اہل ایمان کے قلوب سے کچھ لے بھاگتا ہے جس وقت عقل جو قلب کی پہرہ دار ہے ذرا سو جاتی ہے جب

بیدار ہوتے ہیں تو قلوب سے استغفار و ذلت و احتیاج الی اللہ کے لشکر اٹھتے ہیں اور شیطان جو لے بھاگا تھا اس سے واپس کرتے ہیں اور اس نے جو جھپٹا تھا اس سے چھین لیتے ہیں۔

تیسرا فائدہ

طئف کا لفظ فرمانے میں اشارہ ہے کہ جو قلوب ہمیشہ بیدار رہتے ہیں، شیطان ان میں نہیں آ سکتا، کیونکہ طیف سونے میں ہی ہوتا ہے جو کبھی قلوب پر غفلت ہونے سے طاری ہو جاتا ہے اور جو سوتا نہیں اس کے پاس طیف بھی نہیں آتا۔

چوتھا فائدہ

طیف فرمایا اور **مسهم** وارد یا اور اس کا ہم معنی کوئی لفظ نہیں فرمایا کیونکہ طیف کو ثبات وجود واقعی نہیں ہوتا صرف ایک صورت مثالیہ بے حقیقت ہوتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بتلا دیا کہ اس سے اہل تقویٰ کو ضرر نہیں ہوتا کیونکہ شیطان سے جس چیز کو وارد کیا وہ مثال طیف یعنی صورت خیالی کی جو خواب میں دیکھتے ہو جب جاگ اٹھے اس کا کچھ بھی وجود نہیں۔

پانچواں فائدہ

تذکروا فرمایا **ذکروا** نہیں فرمایا اس میں یہ اشارہ ہے کہ غفلت کو خالی ذکر دفع نہیں کرتا جب تک دل متوجہ نہ ہو، البتہ تذکر اور اعتبار یعنی نصیحت کو قبول کرنا اور عبرت پکڑنا اس غفلت کو دفع کرتا ہے خواہ ذکر بھی نہ ہو وہ یہ کہ ذکر کا محل تو زبان ہے اور تذکر کا محل قلب ہے اور طیف کا ورود قلب پر ہوا نہ زبان پر تو اس کی دفع کرنے والی چیز قلب ہی میں ہونی چاہئے کہ اس کے اثر کو مٹا دے اور وہ تذکر ہے۔

چھٹا فائدہ

تذکروا کا معمول حذف کر دیا، یوں نہیں فرمایا **تذکروا الجنة** یا **تذکروا النار** یا **تذکروا العقوبة** یا مثل اس کے اس حذف میں بڑا فائدہ ہے وہ یہ کہ تذکر جو طیف کو اہل تقویٰ کے قلوب سے مٹاتا ہے وہ علی قدر مراتب یقین کے ہے، اور مرتبہ تقویٰ میں انبیاء و مرسلین اور اولیاء اور صدیقین اور صالحین اور مسلمین سب داخل ہیں، ہر ایک کا تقویٰ اس کے حال و مقام کے لائق ہے، ایسا ہی ہر ایک کا تذکر اس کے مقام کے مناسب ہے اگر تذکر کی

کسی خاص قسم کوذکر فرماتے ہیں تو صرف اسی قسم والے اس میں داخل ہوتے مثلاً اگر یوں فرماتے ان الذین اتقوا اذا مسھم طئف من الشیطان تذکروا العقوبۃ فاذاھم مبصرون تو جولوگ ثواب سے تذکر حاصل کرتے ہیں وہ خارج ہو جاتے اور اگر فرماتے تذکروا سابق الاحسان یعنی یادکرتے ہیں پہلے کے احسان کوتو جولوگ پچھلے احسان کو یاد کرتے ہیں وہ خارج ہو جاتے وعلیٰ ھذا القیاس پس حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کا کوئی خاص معمول ذکر نہیں فرمایا تا کہ تمام مراتب کوشامل ہو جاوے، اچھی طرح سمجھ لو۔

ساتواں فائدہ

تذکروا فاذاھم مبصرون فرمایا یوں نہیں کہا تذکروا فابصروا یا تذکروا ثم بصرو یا اتذکروا وابصروا پس واؤ سے تو اس لئے تعبیر نہیں فرمائی کہ اس سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ یہ ابصار یعنی توجہ بسبب تذکروا کے ہوئی حالانکہ مقصود یہی بیان کرنا ہے کہ تذکر کے سبب سے ابصار ہوا تا کہ لوگوں کو اس کی رغبت ہو اور ثم اس لئے نہیں لائے کہ ایک تو اس میں وہی بات ہے جو واؤ میں مذکور ہوئی کہ سبب نہ معلوم ہوتی دوسرے اس سے مقصود ہی الٹ جاتا ہے کیونکہ ثم میں مہلت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ان کا ابصار تذکر سے تاخیر نہیں کرتا۔

(ف) بلکہ معاً تذکر کے ساتھ ہی ابصار ہے۔

اور صرف فاء اس لئے نہیں لائے کہ وہ تعقیب کو مقتضی ہے۔

(ف) یعنی یہ بھی خلاف مقصود ہے۔

بلکہ فاء کے ساتھ اذا بھی لائے اور یوں فرمایا فاذا ھم مبصرون گویا ہمیشہ سے صفت ابصار ہی پر رہے اس میں اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرماتا ہے اور ان پر کثرت احسان کو ظاہر فرماتا ہے مثلاً یوں کہو تذکر زید المسئلۃ فاذا ھی صحیحۃ یعنی زید کو مسئلہ یاد آیا، تو وہ صحیح نکلا مراد یہ ہے کہ پہلے ہی سے صحیح تھا اور اب بھی جب وہ معلوم ہوا صحیح ہے ایسے ہی اہل تقویٰ پہلے سے اہل ابصار ہیں لیکن طئف ہوئی کے وارد ہونے نے ان کی بصیرت کو جس کا نور ان میں جاگزیں ہے چھپا ڈالا تھا، پس وہ چونکہ ابر غفلت ہٹ گیا اور آفتاب بصیرت چمک اٹھا۔

آٹھواں فائدہ

اس آیت میں اور ایسے مضمون کی جتنی آیتیں ہیں ان میں اہل تقویٰ پر بڑی وسعت ہے اور اہل ایمان کے ساتھ بڑا لطف ہے کیونکہ اگر یوں فرماتے ان الذین اتقوا لا یمسھم طئف من الشیطان یعنی اہل تقویٰ کو کبھی شیطانی خیال لگتا ہی نہیں تو بجز معصوموں کے۔

(ف) کہ وہ انبیاء اور ملائکہ ہیں۔

سب خارج ہو جاتے، پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چاہا کہ اپنے دائرہ رحمت کو وسیع کرے اس لئے یوں فرمایا ان الذین اتقوا اذا مسھم طئف من الشیطان تا کہ تجھ کو معلوم ہو جائے کہ طئف کا آنا ان کو حکم تقویٰ سے اور ان پر اس نام کے جاری ہونے سے نہیں نکالتا جب کہ وہ جلدی سے تذکر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف تبصر کے ساتھ رجوع کریں اور اسی آیت کی مماثل وسعت رجا میں دوسری یہ آیت ہے ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور پاک ہونے والوں کو پیار کرتا ہے اور یوں نہیں فرمایا کہ ان اللہ یحب الذین لا یذنبون کہ اللہ تعالیٰ گناہ نہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے، کیونکہ اگر ایسا فرمائے تو تھوڑے سے لوگ داخل ہوتے اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ جو کچھ بندوں کی ترکیب میں غفلت رکھی گئی ہے اور جو خلاف ورزی مادۂ انسانی کا مقتضاء ہے کیونکہ مختلف نطفوں سے بنا ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور آدمی بہت کمزور پیدا ہوا ہے۔

بعض اہل علم نے یوں تفسیر کی ہے یعنی غلبہ شہوت کے وقت اپنے اختیار میں نہیں رہتا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ھو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض واذ انتم اجنۃ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو خوب جانتا ہے جب کہ پیدا کیا تم کو زمین سے اور جب کہ تم ماں کے پیٹ میں بچہ تھے، چونکہ معلوم تھا کہ انسان پر خطا غالب ہے اس لئے باب توبہ کو کشادہ فرمایا اور لوگوں کو اس کی راہ بتلائی اور اس کی طرف بلایا اور وعدہ فرمایا کہ توبہ کر تو قبول کریں گے، رجوع کر تو متوجہ ہوں گے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل ابن ادم خطاؤن وخیر الخطائین التوابون یعنی تمام بنی آدم خطاوار ہیں اور اچھے خطاوار وہ ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں پس حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ

وسلم نے یہ بات بتلا دی ہے کہ خطا تیرے وجود کو لازم ہے بلکہ تیرا عین وجود ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علیٰ ما فعلوا وھم یعلمون یعنی ایسے لوگ ہیں جب کوئی بے حیائی کر گذرتے ہیں یا اپنی جانوں پر ستم کرتے ہیں اسی وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں پس بخشش چاہتے ہیں اپنے گناہوں کی اور خدا کے سوا گناہوں کو کون بخشا ہے اور ہٹ نہیں کرتے اپنے فعل پر اور وہ جانتے ہیں یوں نہیں فرمایا والذین لا یعلمون الفاحشۃ یعنی بالکل گناہ ہی نہیں کرتے اور فرمایا واذا ما غضبوا ھم یغفرون یعنی جب ان کو غصہ آتا ہے معاف کر دیتے ہیں یوں نہیں فرمایا لا یغضبون یعنی غصہ ہی نہیں آتا اور فرمایا والکاظمین الغیظ یعنی غصہ کو ضبط کرنے والے یوں نہیں فرمایا والذین لا غیظ لھم یعنی جن کو غصہ ہی نہیں اس کو خوب سمجھ لو اللہ تعالیٰ کی تجھ پر مہر ہو یہ کھلے اسرار ہیں اور یقینی امور ہیں۔

نواں فائدہ

بیان مراتب متذکرین کا اہل تقویٰ سے۔

(ف) کیونکہ تذکر ایک مفہوم عام ہے جب اس کو کسی معمول کے ساتھ مقید نہیں کیا اپنی جمیع جزئیات کو شامل ہو گیا۔

جاننا چاہئے کہ اہل تقویٰ کو جب کوئی شیطانی خیال آ لپٹتا ہے ان کو تقویٰ مولیٰ کی نافرمانی پر اصرار نہیں کرنے دیتا بلکہ ان کا تذکر یعنی یادداشت ان کو مولیٰ کی طرف پھیر لاتا ہے اور ان کا تذکر کئی قسم پر ہے بعض لوگ ثواب کو یاد کر لیتے ہیں، بعضے عقاب کو بعضے حساب کے لئے کھڑے ہونے کو بعضے ترک معصیت کے بڑے ثواب کو بعضے احسان گذشتہ کو یاد کر کے نافرمانی سے شرما جاتے ہیں، بعضے مابعد کے احسان کو یاد کر کے اس کے عوض کفران کرتے ہوئے شرما جاتے ہیں، بعضے اللہ کا قرب یاد کرتے ہیں، بعضے اللہ تعالیٰ کے محیط ہونے کو یاد کرتے ہیں، بعضے اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کو یاد کرتے ہیں، بعضے اللہ تعالیٰ کے عہد کو یاد کرتے ہیں، بعضے لذت گناہ کا فانی ہو جانا اور اس کے مواخذے کا باقی رہنا یاد کرتے ہیں، بعضے نافرمانی کے وبال و رسوائی کو یاد کر کے اس کو ترک کر دیتے ہیں، بعضے فرمانبرداری کے

فوائد وعزت کو یاد کر کے اس راہ چلتے ہیں بعضے اللہ کی قیومیت کو یاد کرتے ہیں بعضے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور سلطنت کو یاد کرتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس جن جن چیزوں سے تذکر متعلق ہوتا ہے اوران کا حصر نہیں ہے، ہم نے اتنا بھی اس واسطے کہدیا کہ اہل تقویٰ کے احوال سے تم کو کچھ مناسبت ہو اور اہل بصیرت کے مقامات پر کچھ آگاہی ہو خوب سمجھ لو۔

دسواں فائدہ

ہوسکتا ہے کہ آیت میں مراد طیف سے وسوسہ وخطرۂ نفسانی ہو جو شیطان کے القاء سے آجاتا ہے۔

(ف) اور تقریر گذشتہ میں طیف سے مراد صورت خیالی تھی جو خواب میں نمودار ہوتی ہے۔

اس خطرے کو طیف اس واسطے کہا کہ یہ قلب میں طواف کرتا ہے، دوسری قرأت سے اس کی تائید ہوتی ہے، وہ یہ ہے **اذا مسھم طائف**.

(ف) بروزن خائف۔

پس ایک قرأۃ دوسری قرأت کی تفسیر بن جائے گی اور وسوسہ قلب کے گرد گھومتا ہے اور اگر دیوار یقین کے کسی رخنے سے اس کو راستہ مل گیا تو اندر گھس جاتا ہے ورنہ چل دیتا ہے اور مثال مقامات یقین اور نور یقین کی جو ان مقامات کو محیط ہے، ایسی ہی ہے جیسے شہر پناہ کی دیواریں کہ شہر اور قلعہ کو گھیرے ہوئے ہیں پس دیواریں تو انوار ہیں اور قلعہ جات مقامات یقین ہیں کہ شہر قلب کو گھیرے ہوئے ہیں پس جس شخص کے قلب کو دیوار یقین گھیرے ہوئے ہیں اور اس سے مقامات یقین کو کہ مثل قلعہ کے نوری احاطے ہیں درست کرلیا، اس شخص تک شیطان کی رسائی نہیں اور اس کے گھر کہیں اس کا ٹھکانا نہیں۔

کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا فرمانا نہیں سنا **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان** یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں یعنی چونکہ انہوں نے عبودیت کو ٹھیک کرلیا اس لئے نہ وہ میرے حکم سے منازعت کرتے ہیں نہ میری تدبیر میں معارضہ کرتے ہیں بلکہ مجھ پر توکل کرتے ہیں اور اپنے کو میرے حوالے کرتے ہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ ان کی رعایت ونصرت اور حمایت فرماتا ہے اور انہوں نے اپنی ہمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کردیں اللہ تعالیٰ بھی ان کو سب سے کافی ہوگیا۔

کسی عارف سے پوچھا گیا تمہاری شیطان کے ساتھ مجاہدے کی کیا کیفیت ہے

جواب دیا شیطان کون بلا ہے ہم وہ لوگ ہیں کہ اپنی تمام ہمتیں اللہ کی طرف متوجہ کردیں اس نے سب سے ہماری کفایت فرمائی۔

(ف) یعنی ہم کو مجاہدے کی حاجت نہیں اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ نمٹ لیتا ہے۔

میں نے اپنے شیخ ابوالعباسؒ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ان الشیطان لکم عدو فاتخذوه عدوا یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے تم اس کو دشمن سمجھو پس بعض لوگ تو اس خطاب سے یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے شیطان کے ساتھ عداوت کرنا مطلوب ہے انہوں نے اپنی تمامی ہمتیں اس میں تصرف کردیں اس نے ان کو محبوب کی محبت سے غافل کردیا اور بعض لوگ یوں سمجھے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے یعنی اور میں دوست ہوں۔

(ف) لان الاشياء تعرف باضدادها

وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت میں لگ گئے اللہ تعالیٰ ان کو سب سے کافی ہوگیا اس کے بعد اس عارف کی حکایت بیان فرمائی یہ لوگ اگر شیطان سے پناہ مانگتے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے نہ اس واسطے کہ یہ لوگ غیر اللہ کے لئے کچھ تصرف دیکھتے ہوں اور وہ لوگ غیر اللہ کے لئے کیسے تصرف دیکھ سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کو کہتے ہوئے سنتے ہیں ان الحكم الا لله امر ان لا تعبدوا الا اياه یعنی بات کسی کی نہیں چلتی سوائے اللہ کے اس نے فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پوجا مت کرو اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کید الشيطان كان ضعيفا یعنی شیطان کا داؤ بالکل بودا ہے اور فرمایا ان عبادی لیس لک علیهم سلطان یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں چلے گا اور فرمایا انه ليس له سلطان على الذين امنوا وعلىٰ ربهم يتوكلون یعنی شیطان کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو یقین رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اور فرمایا ومن يتوكل على الله فهو حسبه یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرے وہ اس کو کفایت کرتا ہے اور فرمایا الله ولى الذين امنوا يخرجهم من الظلمت الى النور یعنی اللہ اہل ایمان کا دوست ہے، نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف اور فرمایا وكان حقا علينا نصر المومنين یعنی ہمارے ذمے پر ہے حمایت کرنا ایمان والوں کی۔

پس ان آیتوں نے اور جوایسے مضمون کی ہیں مومنین کے قلوب مضبوط کر دیئے اور ان کی کھلی مدد کی، پس اگر شیطان سے پناہ مانگتے ہیں تو صرف اس کے فرمانے سے اور اگر نور ایمان سے ان پر غالب ہوتے ہیں تو اس کی حمایت سے اور اگر اس کے فریب سے سالم رہتے ہیں تو اس کی تائید واحسان سے۔

شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا کہ حالت سیاحی میں میری ایک شخص سے ملاقات ہوئی اس نے مجھ کو وصیت کی اور کہا کہ توفیق اعمال کے لئے لاحول ولا قوۃ الا باللہ سے بڑھ کر کوئی گفتار نہیں اور اللہ کی طرف بھاگنے اور اس کی پناہ لینے سے بڑھ کر کوئی کردار نہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہے وہ سیدھی راہ چلا جاتا ہے پھر کہا بسم اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے مدد چاہتا ہوں فررت الی اللہ یعنی بھاگا میں اللہ تعالیٰ کی طرف واعتصمت باللہ یعنی میں نے اللہ کی پناہ لی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ یعنی گناہ سے بچنا اور عبادت پر قوت ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہے ومن یغفر الذنوب الا اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا گناہ کو کون بخش سکتا ہے بسم اللہ زبان کا قول ہے جو قلب سے صادر ہوا فررت الی اللہ وصف روح اور سر کا ہے اعتصمت باللہ وصف عقل اور نفس کا ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ وصف ملکوت اور عالم امر کا ہے ومن یغفر الذنوب الا باللہ.

(ف) اس کلام میں اشارہ ہے لطائف اور ان کے آثار کی طرف۔

یارب شیطان کے عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں بیشک شیطان کھلا بہکانے والا دشمن ہے پھر شیطان سے خطاب کر کے کہا اللہ تعالیٰ کا علم تیرے حق میں یہی ہے کہ تو عدو مضل مبین ہے اور میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں اور اس پر توکل کرتا ہوں اور تجھ سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اور اگر اس کا حکم نہ ہوتا تو میں تجھ سے پناہ نہ چاہتا تیری حقیقت ہی کیا ہے جو تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہوں۔

(ف) یعنی اللہ تعالیٰ تو بڑا غالب قدرت والا ہے کسی سخت چیز سے اس کی پناہ مانگیں تو ہوسکتا ہے تو بیچارہ کیا چیز ہے۔

پس تو نے سمجھ لیا اللہ تعالیٰ کی تجھ پر مہر ہو کہ شیطان کی ان کے دلوں میں اتنی بھی قدر نہیں کہ اس کی طرف قدرت وارادے کو منسوب کریں اور بھید حکمت کا ایجاد شیطان میں یہ

ہے کہ وہ ایک مظہر ہے جس کی طرف اسباب عصیاں اور وجود کفران وغفلت ونسیاں کو منسوب کیا جائے تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا وما انسنیه الا الشیطان یعنی یوشع علیہ السلام بولے کہ مجھ کو وہ بات شیطان کے سوا کسی نے نہیں بھلائی اور فرمایا هذا من عمل الشیطان یعنی موسیٰ علیہ السلام بولے کہ قبطی کا خون شیطان کے عمل سے ہوا۔

پس راز حکمت اسکی ایجاد میں یہ ہوا کہ ایسی نسبتوں کا میل کچیل اس سے پونچھا جائے اسی واسطے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ شیطان اس عالم کی ایک صافی ہے کہ تمام گناہوں اور زشت وناپاک اعمال کا میل اس سے پونچھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کو اگر منظور ہوتا کہ معصیت نہ ہو تو ابلیس کو پیدا[1] نہ کرتا۔

اور شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں شیطان مثل نر کے اور نفس مثل مادہ[2] کے اور دونوں کے درمیان گناہ کا پیدا ہونا ایسا ہے جیسا کہ ماں باپ کے درمیان بچے کا پیدا ہونا یہ نہیں کہا کہ ماں باپ نے بچے کو ایجاد کیا بلکہ ان سے بچے کا ظہور ہوا۔

مطلب شیخ کے اس کلام کا یہ ہے کہ جیسا کسی عاقل کو اس بات میں شک نہیں کہ بچہ ماں باپ کا پیدا کیا ہوا اور ایجاد کیا ہوا نہیں مگر چونکہ ان دونوں سے اس کا ظہور ہوا، اس لئے ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اسی طرح کسی مومن کو اس میں بھی شک نہیں کہ معصیت نفس وشیطان کی پیدا کی ہوئی نہیں، بلکہ ان سے اس کا ظہور ہوا ہے اسی وجہ سے ان کی طرف معصیت کی نسبت ہوتی ہے اور یہ نسبت اضافی واسنادی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت خلقی وایجادی ہے جیسا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے طاعت کو پیدا کرتا ہے اور ایسا ہی اپنے عدل سے معصیت کو پیدا کرتا ہے خود ارشاد ہوا ہے قل کل من عند اللہ فمال هؤلآء القوم لا یکادون یفقهون حدیثا یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ سب خدا ہی کی طرف سے ہے پس ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ بات ہی نہیں سمجھتے، اور فرمایا اللہ خالق کل شیء اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور فرمایا هل من خالق غیر اللہ یعنی کیا سوائے اللہ کے اور بھی کوئی پیدا کرنے والا ہے اور فرمایا افمن یخلق کمن لا یخلق افلا تذکرون یعنی

---

[1] پس ظہور غفار وستار کا اس سے ہوا اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ گناہ مقصود ہے حاشا وکلا وہ تو یقیناً ممنوع ہے بلکہ مقصود بیان حکمت الٰہی ہے۔ (ملفوظ اشرف)

[2] مراد نفس یہ نفس امارہ ہے اور بعض نے نفس کو بادشاہ اور شیطان کو وزیر کہا ہے۔ (ملفوظ شریف)

کیا پیدا کرنے والا اور نہ پیدا کرنے والا برابر ہے کیا تم سمجھتے نہیں ہو اور آیت کرشکن اہل بدعت کی جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ طاعت کا خالق ہے اور معصیت کا نہیں یہ ہے واللہ خلقکم وما تعملون یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی۔

(ف) لفظ ما عام ہے طاعت و معصیت دونوں کو شامل ہے۔

اگر وہ لوگ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان اللہ لا یامر بالفحشآء یعنی اللہ تعالیٰ بری بات کا امر نہیں فرماتا تو جواب اس کا یہ ہے کہ امر اور ہے اور قضا اور ہے۔

(ف) یعنی امر کہتے ہیں حکم تشریعی کو اور قضا کہتے ہیں حکم تکوینی کو اس آیت سے نفی امر کی ہوئی اور اہل سنت مدعی قضا کے ہیں۔

اگر وہ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ما اصابک من حسنة فمن اللہ وما اصابک من سیئة فمن نفسک یعنی جو بھلائی پہنچے تجھ کو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری طرف سے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بندوں کو ادب سکھانا مقصود ہے، پس ہم کو حکم ہے کہ اچھی چیزیں اس کی طرف منسوب کیا کریں کیونکہ اس کے وجود حق کے لائق یہی ہے اور بری چیزیں اپنی طرف منسوب کیا کریں کیونکہ ہمارے وجود باطل کے مناسب یہی ہے یہ حسن ادب ہے جیسا خضر علیہ السلام نے فرمایا فاردت[1] ان اعیبها فاراد[2] ربک ان یبلغا اشدهما یعنی کشتی کے توڑنے میں تو یوں کہا کہ میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کردوں اور بنائے دیوار کے قصے میں یوں کہا کہ تیرے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں یتیم اپنے بلوغ تک پہنچ جائیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے یوں فرمایا واذا مرضت فهو یشفین یعنی جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھ کو شفا دیتا ہے اور خضر علیہ السلام نے یوں نہیں کہا فاراد ربک ان یعیبها یعنی تیرے رب نے اس کشتی کو عیب دار کرنا چاہا جیسا یتیموں کے قصے میں کہا فاراد ربک ان یبلغا اشدهما پس عیب کو اپنی طرف منسوب کیا اور اچھی بات کو اپنے مولیٰ کی طرف ایسے ہی ابراہیم علیہ السلام نے یوں نہیں فرمایا واذا مرضنی فهو یشفینی یعنی جب مجھ کو بیمار کرتا ہے تو

---

[1] یہ مقام قرب نوافل ہے (ملفوظ شریف) [2] یہ مقام قرب فرائض ہے (ملفوظ شریف)

شفا دیتا ہے بلکہ یوں فرمایا و اذا مرضت فهو یشفین پس مرض کو اپنی طرف منسوب کیا اور شفا کو اپنے رب کی طرف، باوجود یہ کہ مرض کا خالق اور فاعل حقیقی وہی ہے پس معنی ما اصابک من حسنة فمن الله کے یہ معنی ہیں کہ بھلائی تیری طرف سے ہے یعنی از روئے خلق و ایجاد کے اور وما اصابک من سیئة فمن نفسک کے یہ معنی ہیں کہ برائی تیری طرف سے ہے یعنی از روئے اضافت و اسناد کے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الخیر بیدیک والشر لیس الیک یعنی خیر تو تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف منسوب نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ خالق خیر و شر اور نفع و ضرر کا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن تعبیر میں ادب کی رعایت کی اور یوں فرمایا الخیر بیدیک والشر لیس الیک جیسا ہم نے اوپر بیان کیا خوب سمجھ لے اگر وہ لوگ یہ اعتراض کریں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ معصیت کے پیدا کرنے سے بھی پاک ہے کیونکہ معصیت قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے پاک ہے ہم جواب دیں گے کہ معصیت بندے کے اعتبار سے فعل قبیح ہے کیونکہ حکم کی مخالفت ہے۔

وجہ یہ ہے کہ قبیح خود فعل منہی عنہ کی ذات میں نہیں ہوتا بلکہ بسبب تعلق نہی کے اس فعل میں قبیح ہو جاتا ہے، جیسا حسن کہ فعل مامور بہ کی ذات سے تعلق نہیں ہوتا بسبب تعلق امر کے ہو جاتا ہے اچھی طرح سمجھ لو۔

(ف) اور حق تعالیٰ کے اعتبار سے وہ ایک مخلوق ہے کہ اس نسبت میں حسن و قبیح دونوں مساوی ہیں۔

کفر ہم نسبت بخالق حکمت است　　چوں بما نسبت کنی کفر آفت ست

پھر اہل بدعت نے جو اللہ تعالیٰ کی یہ تنزیہ کی ہے کہ معاصی کے پیدا کرنے سے وہ منزہ ہے اس تنزیہ سے اس کی تنزیہ کرنا واجب ہے جب وہ یوں کہیں کہ برتر ہے اللہ اس امر سے کہ معصیت کو پیدا کرے ہم مقابلہ میں کہیں گے برتر ہے اللہ تعالیٰ اس امر سے کہ اس کے ملک میں بدوں اس کے ارادے کے کوئی چیز ہو جائے۔

(ف) یعنی اگر معصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملک میں اس کے خلاف ارادہ دوسروں کا تصرف چل سکتا ہے تو یہ عین نقصان ہے سچ ہے:

دوستی بے خبر چوں دشمنی ست　　حق تعالیٰ زیں چنیں خدمت غنی ست

خوب سمجھ لو اللہ تعالیٰ ہم کو تم کو سیدھی راہ چلائے اور دین راست پر اپنے فضل سے قائم رکھے۔

تقریر و بیان جس میں فوائد تدبیر و منازعت تقدیر کا ذکر ہے

فرمایا اللہ تعالیٰ نے ومن یرغب عن ملة ابراهیم الا من سفه نفسه ولقد اصطفیناه فی الدنیا وانه فی الاخرة لمن الصالحین اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین، اورفرمایا ان الدین عند الله الاسلام

اورفرمایا: ملت ابیکم ابراهیم هو سماکم المسلمین من قبل.

اورفرمایا: فله اسلموا

اورفرمایا: فان حاجوک فقل اسلمت وجهی لله ومن اتبعن

اورفرمایا: ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الاخرة من الخاسرین.

اورفرمایا: ومن یسلم وجهه الی الله وهو محسن فقد استمسک بالعروة الوثقیٰ

اورفرمایا: توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین.

اورفرمایا: وانا اول المسلمین.

اور بہت سی آیتیں اس مضمون کی ہیں تو اب سمجھنا چاہئے کہ اسلام کا اس طرح بار بار جگہ جگہ ذکر کرنا اس کی عالی قدری اور عظمت شان کی دلیل ہے اور اسلام کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، ظاہر تو اس کا اللہ کے احکام کا بجالانا ہے اور باطن منازعت نہ کرنا، پس اسلام بدن کا حصہ ہے اور منازعت نہ کرنا اور اپنے کو حوالہ کر دینا قلوب کا حصہ ہے پس اسلام مثل صورت کے ہے اور استسلام اس ظاہر کا باطن ہے پس مسلم حقیقی وہ شخص ہے جو اپنے کو اس کا مطیع بنائے ظاہر میں اس کے امتثال امر سے اور باطن اس کے حکومت کے آگے گردن جھکا دینے سے اور حقیقت مقام استسلام کی یہ ہے کہ منازعت احکام الٰہی سے بعید ہو جائے اور اپنے کو حل وعقد میں اسی کے سپرد کر دے، پس جو شخص اسلام کا دعویٰ کرے گا اس سے استسلام کا مطالبہ کیا جائے گا، اس سے کہو کہ دلیل[1] لاؤ۔

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف قل هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین۔ (مترجم)

اگر سچے ہو تم کو معلوم نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام سے جب پروردگار نے فرمایا[1] اسلام لا، وہ بولے میں اسلام لایا رب العالمین کے واسطے پس جب ان کو ڈھیکلی میں بھلایا گیا ملائکہ نے شور مچایا، اے رب یہ تیرا خلیل ہے اس پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے تو خوب جانتا ہے، حق سبحانہ تعالیٰ کا حکم ہوا اے جبرئیل ان کے پاس جاؤ اگر تم سے مدد چاہیں مدد کرو اور نہیں تو میں جانوں اور میرا خلیل جانے جب جبرئیل علیہ السلام فضائی ہوا میں ان کے پاس آئے پوچھا آپ کو کوئی حاجت ہے فرمایا تم سے تو نہیں ہے ہاں اللہ سے ہے۔

جبرئیل علیہ السلام نے کہا پھر دعا کرو فرمایا: اس کو میرا حال معلوم ہونا دعا سے بس کرتا ہے، پس غیر اللہ کی انہوں نے مدد نہ چاہی، نہ ان کا قصد غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوا، بلکہ حکم الٰہی کے آگے گردن جھکادی بجائے اپنی تدبیر کے اللہ کی تدبیر پر اور بجائے اپنی نگہبانی کے اللہ کی نگہبانی پر اور بجائے اپنی دعا کے اللہ کے علم پر اکتفا کیا، کیونکہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جمیع احوال میں ان پر مہربان ہے پس خدائے تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف فرمائی اس قول سے وابراھیم الذی وفیٰ یعنی ایسے ابراہیم جنہوں نے اپنا قول پورا کیا اور ان کو اس آگ سے بھی نجات دی جس کی خبر خود دیتے ہیں قلنا ینار کونی برداً وسلاماً علیٰ ابراھیم یعنی ہم نے حکم کیا کہ اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر، اہل علم نے فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لفظ سلاماً نہ فرماتے تو ایسی سرد ہو جاتی کہ ہلاک کر دیتی پس وہ آگ بجھ گئی۔

اہل سیر نے کہا ہے کوئی آگ مشرق و مغرب میں نہ تھی جو بجھ نہ گئی ہو، ہر ایک نے یہی خیال کیا کہ شاید مجھ کو خطاب ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ صرف بیڑیاں اس آگ سے جل گئیں۔

فائدہ جلیلہ

ابراہیم علیہ السلام کا جواب دیکھنے کے قابل ہے کہ جب ان سے جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کو کچھ حاجت ہے تو یوں فرمایا کہ تم سے حاجت نہیں اور یوں نہیں فرمایا کہ مجھے حاجت نہیں، کیونکہ مقام رسالت وخلت کا مقتضا یہ ہے کہ عبودیت صریح بجا لائے اور مقام عبودیت کے لوازم سے یہ ہے کہ اللہ کی طرف حاجت ظاہر کرے اور احتیاج کے ساتھ

[1] آیت یہ ہے اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین ۔(مترجم)

اس کے روبرو کھڑا ہو اور اس کے ماسوا سے قصداً اٹھا لے پس یہی جواب مناسب تھا کہ تم سے حاجت نہیں یعنی اللہ کا تو محتاج ہوں مگر تمہارا نہیں، پس ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کلام میں دونوں باتیں جمع کر دیں اللہ کی طرف احتیاج کا ظاہر کرنا اور ماسوا سے قصداً اٹھا دینا اور وہ بات نہیں جو بعض لوگوں نے کہی ہے کہ صوفی صوفی نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اس کو اللہ سے بھی حاجت نہ رہے اور یہ کلام مقتدا اور اہل تکمیل کی شان کے لائق نہیں اگرچہ تاویل اس کی ہو سکتی ہے کہ مراد یہ ہے کہ صوفی کو یقین ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کی سب حاجتیں پوری فرما چکا ہے تو جو حاجت ہے وہ ازل میں پوری ہو چکی ہے اور حاجت کی نفی سے احتیاج کی نفی لازم نہیں آتی۔

(ف) حاصل یہ کہ بندے کو اللہ کی طرف احتیاج ضرور ہے خواہ حاجت پوری ہو چکی ہو یا نہ ہو چکی ہو اور قائل مذکور نے حاجت کی نفی کی ہے نہ کہ احتیاج کی جو کہ لوازم عبدیت سے ہے۔

اور دوسری تاویل یہ ہے کہ جو کہا اللہ سے اس کو حاجت نہ ہو مطلب یہ ہے کہ وہ خود اللہ کو طلب کرتا ہے کوئی حاجت اس سے طلب نہیں کرتا اور بڑا فرق ہے اس میں جو خود اللہ کا طالب ہو اور جو اللہ سے طالب ہو اور تیسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ جو کہا کہ اللہ سے اس کو حاجت نہ رہے، مطلب یہ ہے کہ اس نے ہمہ تن اپنے کو اس کے سپرد کر دیا ہے اور اس کے آگے گردن جھکا دی ہے پس اس کی مراد وہی ہے جو اللہ کی مراد ہے۔

(ف) یعنی اپنی طرف سے کچھ حاجت نہیں مانگتا بوجہ غلبہ مقام کے۔

دوسرا فائدہ جلیلہ

جب جبرئیل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کیا تم کو کچھ حاجت ہے اور انہوں نے جواب دیا کہ تم سے تو کچھ حاجت نہیں ہاں اللہ سے ہے۔

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اس جواب سے حضرت جبرئیل سمجھے کہ مجھ سے مدد نہ چاہیں گے اور ان کا قلب بجز خدائے تعالیٰ کے کسی کو مشاہدہ نہیں کرتا اس وقت عرض کیا کہ اچھا اسی سے سوال کرو یعنی اگر آپ نے یہ بات لازم ٹھہرا رکھی ہے کہ وسائط سے کچھ نہ چاہوں گا اور اس وجہ سے مجھ سے مدد نہیں چاہتے تو اپنے رب ہی سے سوال کرو کیونکہ وہ

آپ کے ساتھ مجھ سے زیادہ نزدیک ہے، ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرا حال اس کو معلوم ہونا میرے مانگنے سے کفایت کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ میں نے جو غور کر کے دیکھا تو اس کو اپنے ہاتھ سے سوال سے بھی زیادہ نزدیک پایا اور سوال کو وسائط سے دیکھا اور میں سوا اس کے کسی چیز سے تمسک کرنا نہیں چاہتا، دوسرے یہ کہ مجھ کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے پھر سوال کر کے یاد دلانے کی حاجت نہیں اور اس سے رعایت نہ فرمانے کا احتمال نہیں، اس لئے میں نے سوال سے علم الٰہی پر اکتفا کیا، اور یقین کر لیا کہ مجھ کو اپنے لطف سے کسی حال میں نہ چھوڑے گا، یہی ہے اکتفا کرنا اللہ تعالیٰ پر اور ادا کرنا کلمہ **حسبی اللہ** کے حقوق کا۔

اور ہمارے شیخ ابوالعباسؒ فرماتے تھے اس آیت کی تفسیر میں **وابراھیم الذی وفیٰ** کہ ابراہیم نے پورا کر دیا، **حسبی اللہ** کے مقتضا کو۔

(ف) یعنی جبرئیل کے جواب میں جو فرمایا حسبی اس پر جمے رہے اور کسی پر نظر نہیں کی۔

اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ کھانا دیا مہمان کو اور بیٹا دیا قربان ہونے کو اور بدن دیا آتش سوزاں کو اس پر اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی **وابراھیم الذی وفیٰ**۔

تیسرا فائدہ جلیلہ

جاننا چاہئے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں یعنی آدم اور اولاد آدم، فرشتوں نے کہا کہ آپ ایسے شخص کو زمین میں پیدا کرتے ہیں جو اس میں خونریزی وفساد کرے گا اور ہم تسبیح وتحمید وتقدیس کرتے ہیں یعنی ہم کو خلیفہ بنا دیجئے۔

جواب ارشاد ہوا کہ ہم جانتے ہیں جو کچھ تم نہیں جانتے پس ابراہیم علیہ السلام کا جبرئیل سے مدد نہ مانگنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں پر بڑی بھاری حجت ہوئی گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہاں ہیں جنہوں نے آدمی پر اعتراض کیا تھا کہ یہ فساد وخونریزی کریں گے، تم نے میرے بندے ابراہیم کو کیسا دیکھا اس سے اس قول کی شرح ہوگئی کہ ہم جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے، حدیث شریف[1] میں آیا ہے۔

---

[1] الفاظ حدیث یہ ہیں یتعاقبون فیکم ملائکة اللیل وملائکة النھار فیصعد الذین باتوا فیکم فیسالھم وھو اعلم کیف ترکتم عبادی فیقولون اتیناھم وھم یصلون وترکناھم وھم یصلون ۔(تنویر)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوبت بنوبت آتے ہیں فرشتے رات میں اور دن میں جو فرشتے شب کو دنیا میں رہے تھے، وہ آسمان پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ کہتے ہیں کہ ہم جب گئے تھے جب بھی نماز پڑھ رہے تھے۔

(ف) یعنی عصر کی۔

اور جب چھوڑ کر آئے ہیں جب بھی نماز پڑھ رہے تھے۔

(ف) یعنی فجر کی، کیونکہ بدلی انہیں دو وقت میں ہوتی ہے، شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا گویا اللہ تعالیٰ کے پوچھنے کے یہ معنی ہیں کہ اے معترضین تم نے بندوں کو کس حال میں چھوڑا پس جبرئیل علیہ السلام کے بھیجنے سے حق سبحانہ وتعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ خلیل اللہ علیہ السلام کا رتبہ اور شرف وعظمت شان ملائکہ کے آگے ظاہر کر دیں اور بھلا ابراہیم علیہ السلام کیسے کسی غیر سے مدد چاہتے وہ تو اسی کو دیکھتے تھے اور کسی کا مشاہدہ نہ کرتے تھے اور خلیل کو خلیل اسی واسطے کہتے ہیں کہ ان کے خلل قلب میں یعنی رگ وریشہ میں اللہ کی محبت اور عظمت اور احدیت سما گئی تھی کسی غیر کی گنجائش نہ رہی تھی جیسے کسی کا قول ہے:

مثل جاں مجھ میں ہو گیا پیوست　　ہے اسی سے خلیل نعت تری
بولتا ہوں تو ہے تو میرا کلام　　روزہ رکھوں تو تشنگی ہے مری

تنبیہ واعلام

جاننا چاہئے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے قلب کو نور رضا سے منبسط کر دیا تھا اور ان کو روح استسلام عطا فرمائی تھی اور ان کے قلب کو نظر الی الخلق سے محفوظ رکھا تھا پس آگ اسی واسطے ان پر سرد وسلامتی ہوگئی کہ ان کا قلب اطاعت کے ساتھ اللہ کے سپرد ہو گیا تھا پس استسلام سے رہے سلامت اور باطن مقام کے ٹھیک کرنے سے ہوئی یہ عزت وکرامت پس یہاں سے مومن کو سمجھنا چاہئے کہ جو موقع امتحان میں اللہ کی اطاعت اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ خار کو گل اور خوف کو اماں کر دیتا ہے، پس جب شیطان تجھ کو منجنیق امتحان میں پھینکنا چاہے اور کائنات تیرے روبرو آ کر دریافت کریں کہ تجھ کو کچھ حاجت ہے

یہی جواب دینا کہ تم سے تو کچھ حاجت نہیں، ہاں اللہ سے ہے، اگر کائنات یہ کہیں کہ اللہ ہی سے سوال کرے اس کا جواب دینا کہ اس کا علم میرے سوال سے کفایت کرتا ہے اگر تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ آتش دنیا کو سرد و سلامت کرے گا اور منت اور کرامت تجھ کو عطا فرمائے گا، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انبیاء اور مرسلین کے ذریعہ سے ہدایت کے راستے کشادہ کئے ہیں، پس اہل ایمان ان کی راہ چلے اور اہل یقین نے ان کی پیروی کو لازم جانا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قل هذه سبیلی ادعوا الی الله علیٰ بصیرة انا و من اتبعنی** یعنی کہہ دوائے محمد یہ میرا راستہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف میں بھی سوجھ والا ہوں اور میری اتباع کرنے والا بھی اور یونس علیہ السلام کی شان میں فرمایا **فاستجبنا له ونجیناه من الغم و کذلک ننجی المؤمنین** یعنی ہم نے ان کی دعا قبول کی اور غم سے نجات دی اور اہل ایمان کو ہم یوں ہی نجات دیا کرتے ہیں یعنی جو اہل ایمان قدم بقدم یونسؑ کے چلتے ہیں اور ان کے انوار کے مشتاق ہیں اور اللہ سے ذلت و احتیاج کے ساتھ مانگتے ہیں اور مسکنت اور انکسار کا لباس پہنتے ہیں ہم ان کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔

رجوع بمطلب

ابراہیم علیہ السلام کے اس قصے میں بیان ہے عبرت والوں کو اور ہدایت ہے بصیرت والوں کو اور وہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی تدبیر سے نکلتا ہے اللہ اس کے لئے بخوبی تدبیر کر دیتا ہے، دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ اپنی ذات کے لئے تدبیر و اہتمام نہیں کیا بلکہ اللہ کے حوالے کر کے اس پر توکل کیا انجام اس اطاعت کا سلامتی اور عزت اور تعریف کا باقی رہنا مدت گذر جانے پر ہوا اور ہم کو اللہ کا حکم ہے کہ ان کی ملت سے خارج نہ ہوں اور ان کے نام رکھنے کا لحاظ رکھیں جس کا ذکر اس آیت میں ہے **ملة ابیکم ابراهیم هو سماکم المسلمین من قبل** یعنی ملت اختیار کرو اپنے باپ ابراہیم کی انہوں نے ہی تمہارا نام مسلمان رکھا ہے پہلے سے پس جو شخص ابراہیمی ہو اس کو سزاوار ہے کہ اپنے تدبیر کرنے میں بری ہو اور اعتراض سے خالی ہو اور ملت[1] ابراہیم سے وہی اعراض کرے گا جو سفیہ ہو اور ان

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف ومن یرغب عن ملة ابراهیم الامن سفه نفسه۔ (مترجم)

کی ملت کو لازم ہے تفویض الی اللہ اور اطاعت فی احکام اللہ اور جاننا چاہئے کہ مقصود اعظم یہ ہے کہ اللہ کے آگے کوئی مراد باقی نہ رہے اور ہمارے اس مضمون میں اشعار ہیں۔

(ف) جاننا چاہئے کہ ان اشعار میں اللہ تعالیٰ کو متکلم اور بندے کو مخاطب قرار دیا ہے گویا اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے وہ اشعار یہ ہیں:

چاہتا ہوں دے مراد اپنی بھلا   رشد کا راستہ اگر ہے چاہتا
چھوڑ دے اپنا وجود اس کو نہ دیکھ   تھام لے مضبوط حلقہ صبر کا
کب تلک مجھ سے ہے غفلت میں تو ہوں   تیری الفت اور رعایت میں سدا
کب تلک دیکھے گا مخلوقات   اور پھرے گا جنگلوں سر مارتا
میرے در کو چھوڑ جاتا ہے کہاں   راہ سے بے راہ کیوں تو ہو گیا
ہے قدیمی تجھ سے میری دوستی   عہد قالوا حق میں میرے ہی ہوا
ہے ترا رب کوئی جس سے ہو امید   لے تجھے محشر کی سختی سے بچا
جس قدر مخلوق ہے عاجز ہے سب   کر رہا عاجز کو ہے عاجز ندا
مجھ سے سب مخلوق کو ہے گا قیام   کُن سے ہے ظاہر مظاہر کو کیا
میرے گھر میں اور میرے ملک میں   اعتماد اوروں پہ ہے تو نے کیا
چشم ایماں تیز کر اور دیکھ تو   خلق ساری ہوتی جاتی ہے فنا
ہے عدم سے راستہ سوئے عدم   تو بھی اس میں جائے گا بے شک چلا
تجھ پہ ہے خلعت مرا وہ مت اتار   اور رخ امید خلقت سے ہٹا
میرے در پہ لا امیدیں اپنی سب   مال تجھ سے کچھ نہیں میں مانگتا
دیکھ اپنی حیثیت اور رہ ذلیل   آرزو سب تری آوے گی برآ
بندہ بن جا بندہ ہو جاتا ہے خوش   جو کہ مولیٰ نے اٹھا کر دے دیا
وصف سے اپنے مٹا دوں تیرا وصف   دوں عناد وجہل کی تجھ کو سزا
کیا تو میرے ملک میں ہے گا شریک   جو وضوح حق پہ بھی جھگڑا کیا
گر رسائی چاہے اس دربار کی   بس عدو ہوجا تو اپنے نفس کا

ڈوب بحر نیستی میں ہم کو دیکھ بہر محشر ہم کو تو اپنا بنا
ہم سے کر باران رحمت تو طلب دیکھ پھر کرتے ہیں ہم احسان کیا
غیر سے مت کر ہدایت تو طلب ہے کوئی بتلائے تجھ کو راستہ

تنبیہ واعلام

جاننا چاہئے کہ تدبیر دو قسم کی ہے ایک تدبیر محمود دوسری تدبیر مذموم تدبیر مذموم تو وہ تدبیر ہے جس کا حظ تیری طرف لوٹ کر آئے ادائے حق اللہ کے لئے نہ ہو، جیسے تدبیر کرنا کسی گناہ کی تحصیل میں یا کسی حظ نفسانی میں غفلت کے ساتھ یا کسی طاعت میں نمائش اور شہرت کے ساتھ اور مثل اس کے یہ تمام تر مذموم ہے یا تو اس وجہ سے کہ اس سے استحقاق عذاب ہوتا ہے یا اس لئے کہ اس سے وقوع حجاب ہوتا ہے اور جو شخص نعمت عقل کو پہچانے گا وہ اس کو ایسی چیز کی تدبیر میں صرف کرتے ہوئے شرمائے گا جو اس کو قرب الٰہی تک نہ پہنچائے اور اس کی محبت کا سبب نہ بن جائے اور جتنی چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنی منت سے بندوں کو عطا فرمائی ہیں عقل ان سب میں افضل ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کر کے ان پر دو چیزوں سے فضل فرمایا، ایک ایجاد دوسرا دوام امداد۔

(ف) یعنی اول وجود عطا فرمانا پھر اس کو بقا دینا۔

اور ہر مخلوق کیلئے ان دو نعمتوں کا ہونا ضروری ہے نعمت ایجاد و نعمت امداد اور اس تقریر سے اللہ تعالیٰ کے معنی بھی سمجھ میں آ سکتے ہیں **ورحمتی وسعت کل شیء** یعنی میری رحمت سب چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

(ف) یہ وہی رحمت ہے جو مذکور ہوئی۔

لیکن چونکہ ان دو نعمتوں میں تمام مخلوق شریک تھی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ایک کو دوسری سے امتیاز دے تا کہ تعلقات ارادہ و مشیت کی وسعت ظاہر ہو جائے پس بعض موجودات کو تو صفت نمو سے ممتاز کیا جیسے نباتات وحیوانات وانسان پس بہ نسبت موجودات غیر نامیہ کے یعنی جن میں نمو نہیں ان تینوں میں قدرت کا زیادہ ظہور ہے۔

(ف) کیونکہ ان میں ایک وصف یعنی نمو زیادہ ہے۔

پھر چونکہ یہ تینوں وصف نمو میں شریک تھے حیوانات اور انسان کو حیات دے کر نباتات سے امتیاز دیا اب اس وصف میں حیوان اور آدمی شریک رہے تو بہ نسبت نباتات کے ان دونوں میں ظہور قدرت زیادہ ہوا اب یہ منظور ہوا کہ آدمی کو حیوان سے ممیز کرے پس اس کو عقل عنایت فرمائی اور اس کی وجہ سے تمام حیوانات پر بزرگی بخشی اور اس کی بدولت اپنی نعمت انسان پر کامل فرمائی اور عقل ہی کی افزونی اور روشنی سے دونوں جہان کے کام بنتے ہیں پھر اس نعمت عقل کا تدبیر دنیا میں صرف کرنا جو خدا کے نزدیک بالکل بے قدر ہے اس نعمت کی بڑی ناشکری ہے اور معاد کے اہتمام و اصلاح میں اس کا لگا دینا واسطے ادائے حق محسن کے جس سے اس نور کا فیضان ہوا نہایت مناسب ہے۔

پس اپنی عقل کو جو اللہ نے اپنی منت سے دی ہے تدبیر دنیا میں مت صرف کر جس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الدنیا جیفة قذرة یعنی دنیا مردار گندگی ہے اور فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضحاک سے تمہاری غذا کیا ہے عرض کیا گوشت اور دودھ یا رسول اللہ! فرمایا پھر وہ کیا ہو جاتا ہے، عرض کیا یا رسول اللہ جو ہو جاتا ہے آپ جانتے ہیں فرمایا آدمی سے جو نجاست نکلتی ہے اس کو اللہ نے دنیا کی مثال بنایا ہے۔

اور فرمایا[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک اتنی بھی ہوتی جتنی مچھر کا پر، تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ پلاتا۔

اور جس شخص نے اپنی عقل کو دنیا میں جو ایسی گندی ناپاک ہے صرف کیا، اس کی ایسی مثال ہے، جیسے بادشاہ نے کسی کو بڑی عظمت وشان کی ایک تلوار دی جو اور رعایا کو دینا گوارا نہیں کرتا اور اس واسطے دی کہ اپنے دشمنوں کو قتل کرے اور اس کو باندھ کر آراستہ و مزین ہو، یہ تلوار لینے والا مردار لاشوں کی طرف چلا اور اس تلوار سے اس کو مارنا شروع کیا، یہاں تک کہ اس کی چمک بے آب ہو گئی اور دھار کند ہو گئی، اور اس کی خوبی و رونق جاتی رہی جب

---

[1] حدیث یہ ہے قال صلی اللہ علیہ وسلم للضحاک ما طعامک قال اللحم واللبن یا رسول اللہ قال ثم یعود الیٰ ماذا قال الیٰ ماقد علمت یا رسول اللہ قال فان اللہ جعل مایخرج من ابن آدم مثلاً للدنیا (تنویر)

[2] حدیث یہ ہے قال صلی اللہ علیہ وسلم لو کانت الدنیا تزن عند اللہ جناح بعوضة ماسقی کافرا منها شربة ماء۔ (تنویر)

بادشاہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گی نہایت زیبا ہے کہ اس سے تلوار چھین لے اور اس کی بدکرداری پر سخت سزا دے اور اپنی توجہ وعنایت سے اس کو محروم کردے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تدبیر دو قسم پر ہے ایک محمود دوسری مذموم، تدبیر محمود وہ تدبیر ہے جو تجھ کو اللہ پاک سے نزدیک کرے، جیسے یہ تدبیر کرنا کہ مخلوق کے حقوق سے بری ہو جاؤں یا تو حقوق ادا کر کے یا معاف کرا کر اور توبہ کرنا خدائے تعالیٰ سے اور ان چیزوں کی فکر کرنا جو ہوائے نفسانی کا قلع قمع کر دیں جن سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور شیطان سے بچنے کی فکر کرنا جو لوگوں کو بہکاتا ہے اور یہ سب محمود، اس میں کوئی شک نہیں۔

اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] کہ ایک ساعت کی فکر ستر سال کی عبادت سے افضل ہے اور دنیاوی تدبیر بھی دو طرح کی ہے ایک تو دنیا کی تدبیر کرنا دنیا کیلئے، دوسری دنیا کی تدبیر کرنا آخرت کے لئے، اور دنیا کی تدبیر کرنا دنیا کے لئے تو یہ ہے کہ اس کے اسباب وسامان جمع کرنے کی تدبیر کرے واسطے افتخار اور دولت بڑھانے کے اور جس قدر اس میں افزائش ہوتی جاتی ہے اور غفلت اور دھوکہ بڑھتا جاتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ بجا آوری احکام سے غافل کر دے اور نافرمانی کا باعث ہو جائے اور دنیا کی تدبیر آخرت کیلئے یہ ہے جیسے کوئی شخص تجارت اور پیشہ اور زراعت کی تدبیر اس نیت سے کرتا ہے کہ حلال روزی کھاؤں گا، اور فاقے والوں کو اس میں سے دوں گا اور اپنی آبرو لوگوں سے بچاؤں گا اور جو شخص دنیا کو اللہ کیلئے طلب کرتا ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ زیادہ حاصل نہ کرے اور اندوختہ نہ رکھے لوگوں کے کام اس میں سے نکالتا رہے، اہل حاجت کو اپنے پر مقدم رکھے۔

اور زاہد کی دو علامتیں ہیں ایک علامت دنیا نہ ملنے کے وقت دوسری ملنے کے وقت، دنیا ملنے کے وقت تو زہد کی پہچان یہ ہے کہ محتاجوں پر ایثار کرے اور نہ ملنے کے وقت یہ ہے کہ بے چینی نہ ہو پس ایثار تو نعمت وجدان کا شکر ہے اور راحت نعمت فقدان کا شکر ہے اور یہ ثمرہ فہم وعرفان کا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا جیسا دنیا کے ملنے میں انعام ہے اسی طرح نہ دینے میں بھی بلکہ یہ نعمت زیادہ کامل ہے۔

---

[1] حدیث یہ ہے فکر ته ساعة خير من عبادة سبعين سنة ۔ (تنویر)

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں دنیا کی مجھ سے دور رکھیں اس میں زیادہ نعمت بہ نسبت اس کے کہ مجھ کو عطا کیں۔

شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں میں نے ابوبکر صدیقؓ کو خواب میں دیکھا ارشاد فرمایا کچھ خبر ہے دنیا کی محبت قلب سے خارج ہونے کی کیا پہچان ہے میں نے عرض کیا، مجھ کو معلوم نہیں۔

فرمایا دنیا کی محبت قلب سے خارج ہونے کی پہچان یہ ہے کہ ہوت میں خرچ کرے اور نہ ہوت میں چین سے بیٹھا رہے اس سے معلوم ہوا کہ ہر طالب دنیا مذموم نہیں بلکہ مذموم وہ ہے جو اپنے واسطے طلب کرے نہ رب کے واسطے، اور دنیا کے لئے طلب کرے نہ آخرت کے واسطے۔

پس لوگ دو قسم کے ہوئے ایک وہ شخص جو دنیا کو دنیا کے لئے طلب کرے دوسرا وہ جو دنیا کو آخرت کیلئے طلب کرے، کسی مبتدی صوفی نے کسی کامل صوفی دولت مند سے کہا تھا نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد۔

انہوں نے جواب میں فرمایا ''اگر دارد برائے دوست دارد''

میں نے اپنے شیخ ابوالعباسؒ سے سنا فرماتے تھے عارف دنیا نہیں رکھتا کیونکہ اس کی دنیا آخرت کے لئے ہوتی ہے اور آخرت رب کے لئے، اسی پر محمول کئے جائیں گے احوال صحابہ اور سلف صالحینؒ کے جب بھی وہ لوگ اسباب دنیا میں داخل ہوئے اس سے ان کو اللہ کا قرب مقصود تھا اور اس کی رضا کے اسباب پیدا کرنے تھے دنیا اور اس کی زینت اور لذت مقصود نہ تھی، حق تعالیٰ نے بھی ان کا یہی وصف فرمایا **محمد رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا، سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود** الآیہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھی کفار کے مقابلے میں سخت ہیں آپس میں مہربان ہیں، دیکھے گا تو ان کو رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے، ڈھونڈ رہے ہیں اللہ کے فضل اور رضا مندی کو ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے، سجدے کے اثر سے اور دوسری آیت میں فرمایا **فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والاصال رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ یخافون یوماً تتقلب فیہ القلوب والابصار** یعنی اللہ کا نور

ان گھروں میں ہے کہ اللہ نے حکم فرمایا کہ وہ گھر اونچے کئے جائیں اور ان گھروں میں ان کا نام پاک ذکر کیا جائے اس میں اللہ کی تسبیح صبح وشام ایسے لوگ کرتے ہیں کہ غافل نہیں کرتی ان کو سوداگری اور سودا سلف اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے، ڈرتے ہیں وہ لوگ ایسے دن سے کہ بدل جائیں گے اس میں قلوب اور نگاہیں۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے **رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضىٰ نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا** یعنی ایسے لوگ کہ سچ کر دکھلایا انہوں نے جو کچھ اللہ سے عہد کیا تھا پس بعضے تو ان میں وہ ہیں جنہوں نے اپنی منت پوری کر دی اور بعض انتظار میں ہیں اور انہوں نے عہد کو بالکل نہیں بدلا اور اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں اور ایسے لوگوں پر گمان ہوسکتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی صحبت اور مخاطب قرآن بنانے کے لئے پسند کیا پس قیامت تک کوئی مسلمان نہیں جس کی گردن پر صحابہؓ کے بے شمار اور یاد رکھنے کے قابل احسان نہ ہوں کیونکہ وہی لوگ تو ہیں جنہوں نے حکمت اور احکام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچایا، اور حلال وحرام کو بیان کیا اور خاص و عام کو سمجھایا اور اقالیم اور شہر فتح کئے اور مشرکین اور معاندین کو زیر کیا اور سچ ہے جو کہ ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اصحابی كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم** یعنی میرے سب یار مثل ستاروں کے ہیں جس کے پیچھے لگ لوگے راہ مل جائے گی، اور حق تعالیٰ نے پہلی آیت میں (**محمد رسول الله والذين معه الخ**) ان کے بہت سے اوصاف ذکر فرمائے، یہاں تک کہ فرمایا: **يبتغون فضلاً من الله ورضوانا** یعنی وہ لوگ اللہ کے فضل ورضا کو ڈھونڈتے ہیں پس اللہ تعالیٰ جو ان کے اسرار میں مطلع ہیں اور ان کے باطن اور ظاہر کو جانتا ہے وہ خبر دے رہا ہے کہ ان کو اپنے مقاصد میں دنیا مطلوب نہیں اور بجز رضا وفضل خداوندی کے دوسرا مقصود نہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فرماتا ہے **واصبر نفسک مع الذين يدعون ربهم بالغداوة والعشی يريدون وجهه** یعنی جم کر بیٹھا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام چاہتے ہیں اس کی رضا

ل اصطلاح صوفیہ میں اس کو خلوت در انجمن کہتے ہیں۔ (ملفوظ شریف)

مندی، پس اللہ تعالیٰ نے یہ بات ہتلادی کہ سوائے خدا کے پکھان کی مراد نہیں اور اس سے سوا ان کا کچھ مقصود نہیں، اور دوسری آیت میں یوں فرماتا ہے کہ پاکی بیان کرتے ہیں اللہ کی ان گھروں میں صبح وشام ایسے لوگ کہ غافل نہیں کرتی ان کو تجارت اور نہ خرید وفروخت اللہ کی یاد سے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے قلوب پاک ہوگئے اور ان کے انوار کامل ہوگئے اسی واسطے دنیا ان کے قلوب کو پکڑ نہیں سکتی اور ان کے چہرہ ایمان پر خراش نہیں کرسکتی اور دنیا ایسے قلوب میں کیونکر جاسکتی ہے جن کو اللہ نے اپنی محبت سے بھر دیا ہو اور اپنے قرب کے انوار اس میں روشن کردیئے ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان** یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کچھ قابو نہ چلے گا پس اگر دنیا کا زور ان کے دلوں پر چلتا تو شیطان کا بھی بس چلتا کیونکہ شیطان کی رسائی ان قلوب تک نہیں جن کے انوار زہد روشن ہوں اور جب[1] دنیا کے میل سے پاک وصاف ہوگئے ہو، پس مطلب **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان** کا یہ ہے کہ نہ تیرا اور نہ کسی مخلوق کا قابو چل سکتا ہے کیونکہ میری عظمت کا غلبہ جو ان کے قلوب پر ہے وہ میرے سوا کسی کا غلبہ وہاں تک آنے نہیں دیتا۔

پس آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ وصف فرمایا ہے کہ تجارت اور بیع ان کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ تجارت اور بیع نہیں کرتے بلکہ اس آیت کے مضمون میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ بیع اور تجارت جائز ہے تم نے کیا یہ قول نہیں سنا **اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ** پس اگر غنا سے منع فرمانا منظور ہوتا تو سبب غنا سے بھی کہ بیع و تجارت ہے، منع فرماتے دیکھو **ایتاء الزکوٰۃ** میں جب زکوٰۃ کو واجب فرمایا اس سے صاف واضح ہوا کہ جن لوگوں کے یہ اوصاف مذکور ہوئے ان میں بعض غنی بھی ہوتے ہیں اور پھر بھی تعریف کے قابل رہتے ہیں جب کہ اپنے مولیٰ کے حقوق ادا کرتے رہیں۔

عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ عثمانؓ جس روز شہید ہوئے ہیں ان کے خزانچی کے پاس ڈیڑھ لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم تھے اور اریس وخیبر اور وادی القریٰ کے درمیان میں کچھ زمینیں تھیں جن کی قیمت دو لاکھ دینار تھی اور زبیرؓ کے ترکہ کا آٹھواں حصہ پچاس ہزار دینار تھے۔

[1] شعر ۔ آسکے غیر مرے خانہ دل میں کیسے ☆ کہ خیال رخ دلدار ہے درباں اپنا (ملفوظ شریف)

(ف) اور پورا اتر کہ چار لاکھ دینار ہوئے اور ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار غلام چھوڑے تھے اور عمرو بن العاصؓ نے تین لاکھ دینار چھوڑے اور عبدالرحمٰن بن عوف کا غنی ہونا اتنا مشہور ہے کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اور دنیا ان حضرات کے ہاتھوں[۱] میں تھی دلوں میں نہ تھی جب نہ ملی تھی صبر کیا جب ملی شکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ابتدائے امر میں ان کو فاقے میں مبتلا فرمایا یہاں تک کہ ان کے انوار کمال کو پہنچ گئے اور اسرار پاک ہو گئے پھر ان کو دنیا[۲] دی کیونکہ اگر پہلے ہی مل جاتی تو شاید ان پر اثر کرتی چونکہ بعد تمکین اور رسوخ یقین کے ملی اس میں اس طرح تصرف کیا جیسے امانت دار خزانچی تصرف کرتا ہے اور اس ارشاد کو پورا بجالائے **وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ** یعنی خرچ کرو اس چیز سے جس میں تم کو خلیفہ کیا۔

(ف) حاصل یہ کہ مالکانہ تصرف نہ کرتے تھے بلکہ چاکرانہ کرتے تھے اسی مقام سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اول امر میں جہاد کرنے سے اس ارشاد میں کیوں ممانعت فرما دی تھی **فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ** یعنی معاف کرو اور درگذر کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے وجہ یہ کہ اگر ابتدائے اسلام میں جہاد کی اجازت ہوتی تو شاید بعض نو مسلموں کو جو اجازت ملتی تو اپنا ذاتی بدلہ لینے لگتے اور خرابی نیت کی خبر بھی نہ ہوتی یہاں تک کہ حضرت علیؓ جب کوئی ضرب مارتے تھے اس کے ٹھنڈے ہونے تک ٹھہرے رہتے تھے پھر دوسری ضرب لگاتے تھے اس اندیشے سے کہ شاید اس کے پیچھے اگر معاً ماروں تو کہیں نفس کی آمیزش نہ ہو جائے اس کا باعث یہ تھا کہ آپ نفس کے چھپے دھوکوں کو پہچانتے تھے اور بڑی حفاظت صحابہ کو دلوں کی تھی اور اپنے اعمال کو خالص کرنے کی اور اندیشہ ناک رہتے تھے کہ ان کے عمل میں ایسی چیز نہ مل جائے جس سے رضائے مولیٰ مقصود نہ ہو پس دنیا صحابہ کے ہاتھ میں تھی نہ دلوں میں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ صحابہؓ دنیا سے علیحدہ رہتے تھے اور دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم رکھتے تھے۔

حق تعالیٰ ان کی شان میں فرماتے ہیں: **یؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان**

---

[۱] بقول مولانا روم شعر۔ آب در کشتی ہلاک کشتی ست..... آب اندر زیر کشتی پستی است (ملفوظ شریف)

[۲] پس ایسا ہوا جیسا منتر سکھلا کر سانپ ہاتھ میں دیا۔ (ملفوظ شریف)

خصاصۃ یعنی اوروں کو اپنی ذات پر مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود ان پر فاقہ ہو یہاں تک کہ کسی صحابی کی پاس ایک بکری کی سری ہدیہ آئی فرمایا فلاں شخص مجھ سے زیادہ مستحق ہے ان بزرگ نے اور کسی کا نام بتلا دیا انہوں نے اور کا نام لے دیا یوں ہی ایک دوسرے کے پاس بھیجتے رہے یہاں تک کہ سات آٹھ آدمیوں میں گھوم گھام پھر پہلے صحابی کے پاس لوٹ کر آئی اور اس کی کافی دلیل ہے حضرت عمرؓ کا نصف مال سے علیحدہ ہو جانا اور ابو بکرؓ کا کل مال سے علیحدہ ہو جانا اور عبدالرحمٰن بن عوف کا سات سو اونٹ لدے لدائے دیدینا اور حضرت عثمانؓ کا جیش تبوک کیلئے سامان کر دینا اور بہت سے عمدہ کام اور اچھے حالات ان کے منقول ہیں۔

اور دوسری آیت جو ہے رجال صدقوا ماعاھدوا اللہ علیہ الخ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے پوشیدہ صدق کی خبر دی ہے جس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مطلع نہیں ہو سکتا اور بہت بڑی تعریف اور فخر کی بات ہے کیونکہ ظاہر افعال میں باعتبار علم مخلوق کے کبھی حالات مشتبہ ہو سکتے ہیں ان آیات سے ان کے ظاہر اور باطن کا تزکیہ ہوتا ہے اور ان کے محامد اور مفاخر ثابت ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تدبیر دنیا دو قسم پر ہے ایک تدبیر دنیا کی واسطے دنیا کے جیسا دور افتادہ اہل غفلت کا حال ہے دوسری تدبیر دنیا کی۔ واسطے آخرت کے جیسا صحابہ کرام اور سلف صالحین کا حال تھا اور اس کی دلیل حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ میں نماز میں اپنے لشکر کا سامان درست کرتا ہوں کیونکہ حضرت عمرؓ کی تدبیر معائنہ اور حضوری کی حالت میں تھے سو وہ تدبیر اللہ کے واسطے تھی اسی لئے نماز فاسد ہوئی، نہ کمال میں نقصان آیا، اگر کوئی اعتراض کرے کہ تمہارا تو یہ دعویٰ ہے کہ ان میں سے کوئی دنیا کا طلب نہ تھا حالاں کہ یوم احد میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو یوں فرمایا[1] کہ بعض تم میں سے کوئی دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت کے طالب تھے یہاں تک کہ بعض صحابہ کا قول ہے کہ ہم نہیں سمجھتے تھے کہ ہم میں کوئی دنیا کا طالب ہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ اب اس کا جواب سمجھ لو اللہ تم کو سمجھنے کی توفیق دے اور اپنے کلام کے سننے کے لائق کرے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ صحابہ کے ساتھ نیک گمان رکھے اور ان کی بزرگی کا معتقد رہے اور ان کے جمیع اقوال وافعال واحوال کو خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] آیت یہ ہے منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ۔ (مترجم)

وسلم کے وقت کے ہوں یا بعد کے اچھے وجوہ پر محمول کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی پاکی بیان کی تو کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں کیا ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابی کالنجوم الحدیث میں مطلق ارشاد فرمایا اور اس آیت کے دو جواب ہیں۔

جواب اول

آیت کا یہ ہے کہ بعضے تم میں سے دنیا چاہتے تھے یعنی آخرت کے واسطے جیسے وہ لوگ جنہوں نے غنیمت لینا چاہا تھا کہ اس میں سے خرچ و ایثار کر کے اللہ سے نیک معاملہ کریں اور بعضوں کا یہ مقصود نہ تھا صرف فضیلت جہاد ہی حاصل کرنا مطلوب تھا، انہوں نے غنیمت کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا نہ اس کی طرف التفات کیا، پس صحابہ میں بعض فاضل و کامل تھے، بعضے افضل و اکمل ناقص کوئی نہ تھا۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ آقا اپنے خاص غلام کو جو چاہے کہے ہم کو اس غلام کے ساتھ ادب لازم ہے کیونکہ اس کو آقا سے نسبت خاص ہے یہ نہیں کہ آقا اپنے غلام کو جو کہے ہم بھی وہی نسبت کریں یا اس کو خطاب کرنے لگیں کیونکہ آقا تو غلام کو اس واسطے جو چاہے کہہ لیتا ہے کہ اس کو خدمت کی رغبت پیدا ہو اور اس کی ہمت و عزم کو ترقی ہو اور ہم کو حدود ادب کا لحاظ رکھنا ضرور ہے اور اگر قرآن مجید میں تلاش کیا جائے، بہت سے ایسے مضامین نکلیں گے، مثلاً ایک سورہ عبس ہی ہے یہاں تک کہ حضرت عائشہ کا قول ہے کہ اگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم وحی میں سے کوئی چیز چھپاتے تو اس سورت کو ضرور چھپا لیتے اس سے ثابت ہو گیا کہ اسقاط تدبیر جو ممدوح ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ اسباب دنیا اور فکر مصالح میں بقصد طاعت مولیٰ و کار آخرت کے بھی داخل نہ ہو بلکہ تدبیر ممنوع وہ ہے کہ دنیا کی تدبیر دنیا ہی کے لئے کرے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ذریعہ نافرمانی بن جائے اور حلال وحرام سے اس کو سمیٹنا شروع کرے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ اشیاء کا مذموم و محمود ہونا ان کے نتائج کے اعتبار سے ہے پس تدبیر مذموم وہ ہے جو اللہ سے غافل اور ادائے خدمت مولیٰ سے معطل کر دے اور اس کے معاملے سے باز رکھے اور تدبیر محمود وہ ہے جس کی یہ شان نہ ہو بلکہ اللہ کا قرب بخشے اور اس کی رضا مندی تک

پہنچائے اسی طرح دنیا علی الاطلاق نہ مذموم ہے نہ محمود بلکہ مذموم وہ ہے جو مولیٰ سے غافل کرے اور آخرت کے لئے سامان کرنے سے باز رکھے، جیسے بعض عارفین کا قول ہے جو چیز تجھ کو اللہ سے غافل کردے خواہ بیوی ہو یا مال ہو یا اولاد ہو وہ تیرے حق میں منحوس ہے اور دنیائے ممدوح وہ ہے جو طاعت الٰہی میں معین ہو اور خدمت مولیٰ میں سرگرم اور مستعد کردے۔

الحاصل جو اچھے کاموں کا ذریعہ ہے وہ ممدوح اور جو برے کاموں کا ذریعہ ہے وہ مذموم ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ دنیا مردار گندی سڑیل ہے اور فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ملعون ہے اور جو اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر اور جو چیز اس کے متعلق ہو اور عالم اور طالب علم اور فرمایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی میں سے جو نجاست نکلتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا کی مثال بنایا ہے ان احادیث کا مقتضاء یہ ہے کہ وہ مذموم ہو اور لوگ اس سے نفرت کریں۔

اور یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] ہے۔

کہ دنیا کو برا مت کہو کہ ایماندار کے لئے خوب سواری ہے اسی پر سوار ہو کر خیر حاصل کر سکتا ہے اور شر سے بچ سکتا ہے، پس جس دنیا پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے وہ دنیا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کردے اسی واسطے آپ نے حدیث میں استثناء فرمایا کہ **الا ذکر اللہ الخ** یعنی مگر ذکر اللہ کا اور جو اس کے متعلق ہو اور عالم اور طالب علم تو آپ نے بیان فرمادیا کہ یہ چیزیں دنیا میں داخل نہیں اور جس دنیا کی نسبت فرمایا کہ برا مت کہو یہ وہ دنیا ہے جو تم کو طاعت الٰہی تک پہنچادے اسی واسطے حضرت نے فرمایا کہ وہ ایمان والے کے لئے خوب سواری ہے، سو سواری ہونے کے اعتبار سے اس کی مدح فرمائی نہ اس حیثیت سے کہ وہ دھوکہ اور گناہوں کا مقام ہے پس تیری سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ترک تدبیر کے یہ معنی نہیں کہ بالکل اسباب سے کنارہ اختیار کرلے یہاں تک کہ انسان ضائع ہونے لگے پھر لوگوں پر بار ہو جائے اور اللہ کی حکمت جو اثبات اسباب اور ارتباط و وسائط میں ہے اس سے جاہل بن جائے۔

---

[1] حدیث یہ ہے الدنیا ملعونة ملعون ما فیها الا ذکر اللہ وما والاہ و عالم او متعلم ۔(تنویر)

[2] حدیث یہ ہے لا تسبوا الدنیا فنعمت مطیة المؤمن فعلیها یبلغ الخیر وبها ینجو من الشر ۔(تنویر)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ کسی عابد پر آپ کا گذر ہوا اس سے فرمایا کہ تو کہاں سے کھاتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میرا بھائی مجھ کو کھانے کو دیتا ہے، آپ نے فرمایا کہ تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عابد ہے یعنی تیرا بھائی اگرچہ بازار میں رہتا ہے مگر تجھ سے زیادہ عبادت کرتا ہے کیونکہ وہی تو طاعت میں تیرا معین ہے اور تجھ کو عبادت کے لئے فارغ کرر کھا ہے اور اسباب میں قدم رکھنے کا کیسے انکار ہوسکتا ہے جب کہ یہ آیتیں آ چکیں واحل اللہ البیع وحرم الربوا یعنی خرید وفروخت اللہ نے حلال کیا اور سود کو حرام کیا واشھدوا اذا تبایعتم یعنی گواہ کرلیا کرو، جب بیع وشراء کرو اور فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ حلال روزی جس کو آدمی کھائے وہ ہے جو اپنے ہاتھ کی کمائی ہو اور داؤد علیہ السلام دستکاری سے کھاتے تھے اور فرمایا[2] ہے سب سے اچھی کمائی دستکاری ہے جب دغا وفریب نہ کرے۔

اور فرمایا[3] ہے جو سوداگر امانت دار سچا مسلمان ہو وہ قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا ان آیات اور احادیث کے بعد کیسے ہوسکتا ہے کہ اسباب کی مطلقاً مذمت کی جائے لیکن جو اللہ سے غافل کردے اور اس کے معاملے سے باز رکھے وہ بے شک مذموم ہے اور اگر تو یہ اسباب بالکل چھوڑ کر تجرید اختیار کرے مگر اللہ سے غفلت ہو تب بھی مذموم ہے اور آفات صرف اہل اسباب ہی پر نہیں پڑتے بلکہ اہل تجرید بھی مبتلا ہوتے ہیں اللہ کے قہر[4] سے وہی بچ سکتا ہے جس پر اس مہر کی ہو، بلکہ بعض اوقات اہل تجرید پر آفت سخت آتی ہے کیونکہ اہل اسباب پر تو یہی آفت ہے کہ وہ دنیا میں داخل ہوتے ہیں مگر مدعی نہیں ہوتے ظاہر باطن ان کا یکساں ہے اپنے قصور کا اقرار کرتے ہیں، جو لوگ فارغ ہو کر اللہ کی عبادت میں لگے ہیں ان کو اپنے سے افضل سمجھتے ہیں اور اہل تجرید کی آفتیں یہ ہیں کہ کبھی عجب پیدا ہو جاتا ہے یا تکبر یا نمائش یا تصنع یا مخلوق کے واسطے طاعت الٰہی سے آراستہ ہونا تا کہ ان کا مال حاصل کرلے اور کبھی یہ آفت ہوتی ہے کہ مخلوق پر اعتماد اور سہارا ہو جاتا ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ اگر لوگ اس کی تعظیم نہ کریں تو ان کی مذمت کرتا ہے اور جو خدمت نہ کریں تو ان پر ناخوش ہوتا ہے پس جو

---

[1] حدیث یہ ہے احل ما اکل المؤمن کسب یمینہ وان داؤد نبی اللہ کان یاکل من کسب یمینہ۔ (تنویر)

[2] حدیث یہ ہے افضل الکسب عمل الصانع بیدہ اذا نصح۔

[3] حدیث یہ ہے التاجر الامین الصدوق المسلم مع الشھداء یوم القیمۃ۔ (تنویر)

[4] آیت کا یہ مضمون ہے لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم۔ (مترجم)

شخص اسباب میں غفلت کے ساتھ ڈوبا ہے اس کی حالت اس سے بدرجہا بہتر ہے اللہ تعالیٰ ہماری نیتیں درست کرے اور ہمارے نفوس کو اپنے فضل وکرم سے آفات سے پاک کرے۔

فصل شاید اس کلام سے تو یوں سمجھ جائے کہ متجرد متسبب ایک مرتبے میں ہیں۔

(ف) کیونکہ آفت دونوں پر آتی ہے اور محفوظ بھی دونوں رہ سکتے ہیں۔

حالانکہ یہ بات نہیں اور جس شخص نے اپنے کو اللہ کی عبادت کیلئے فارغ کر دیا اور اپنے اوقات کو اس کے ساتھ مشغول کر دیا، خدائے تعالیٰ ہرگز اس کو اس شخص کے مثل نہیں کرے گا جو اسباب میں داخل ہوتا ہے اگر چہ اس میں تقویٰ رکھتا ہو پس اگر متسبب اور متجرد کا مقام باعتبار معرفت الٰہیہ کے برابر ہو اس وقت متجرد ہی افضل ہے اور اس کا شغل اعلیٰ اور اکمل ہے اسی لئے بعض عارفین کا قول ہے کہ مثال متسبب اور متجرد کی ایسی ہے جیسے بادشاہ کے دو غلام ہوں ایک سے تو فرمایا کہ کماؤ اور کھاؤ، دوسرے کو حکم ہوا کہ تم ہمارے دربار میں حاضر خدمت رہا کرو، تمہاری حاجت کا ہم انتظام کر دیں گے سو اس غلام کا رتبہ آقا کے نزدیک زیادہ ہے اور اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا اس کی عنایت کی بڑی دلیل ہے، علاوہ یہ ہے کہ اسباب میں داخل ہو کر نافرمانی سے بچنا اور صفائی عبادت نصیب ہونا شاذ و نادر ہے، کیونکہ ناجنسوں سے بسر کرنا ہوگا اہل غفلت اور عناد سے ملنا ہوگا اور بڑا معین طاعت پر مطیعین کا دیکھنا ہے اور بڑا باعث گناہ میں مبتلا ہونے کا گناہ والوں کا دیکھنا ہے، جیسا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد[1] ہے کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو ذرا دیکھ بھال کر دوستی کیا کرو، کسی شاعر نے کہا ہے:

آدمی کو پوچھ مت دیکھ اس کا یار ۔۔۔ یار اپنے یار کا ہے مقتدی
ہو جو اس میں شر تو ہو جلدی جدا ۔۔۔ خیر گر ہو مل کے ہو تو مبتدی

اور نفس میں خاصیت ہے کہ جس سے ملتا ہے اس کے ساتھ تشبہ کرتا ہے اور اس کی نقل اتارتا ہے اور اس کی صفات سے متصف اور مشابہ ہو جاتا ہے پس غافلین کی صحبت نفس کے لئے اور معین غفلت بن جاتی ہے کیونکہ اصل وضع میں غفلت اس کے مناسب ہے، ہرگاہ

---

[1] حدیث یہ ہے کہ المرء علیٰ دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل۔ (تنویر)

اس کے ساتھ ایک سبب بھی مل جائے کہ وہ مخالفت غافلین ہے اس وقت تو کیا حال ہوگا اور اے بھائی تجھ کو اللہ توفیق دے تو اپنا ہی حال دیکھ لے کہ جب تو گھر سے نکلتا اور جب تو لوٹ کر آتا ہے دونوں وقت میں ایک سا حال نہیں ہوتا گھر سے جانے کے وقت تجھ پر انوار کا غلبہ ہوتا ہے سینہ کشادہ ہوتا ہے طاعت کی ہمت ہوتی ہے دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہے اور لوٹتے وقت یہ حالت نہیں ہوتی اور یہ مقامات نہیں رہتے جس کا سبب صرف کدورت مخالطت ہے اور ظلمت اسباب میں قلوب کا غرق ہونا اور اگر یہ بات ہوا کرتی کہ اسباب و معاصی کے جانے سے ان کا اثر بھی جاتا رہا کرتا تو بے شک قلوب کے لئے سیر الی اللہ سے بعد انفصال وزوال کے مانع نہ ہوتے مگر ان کا حال تو آگ کا سا ہے کہ جلنا موقوف ہو جائے مگر سیاہی باقی رہتی ہے اور اہل اسباب کو دو چیزوں کی بڑی ضرورت ہے علم اور تقویٰ، علم کے ذریعہ سے تو حلال وحرام کو جانے گا اور تقویٰ کی وجہ سے ارتکاب گناہ سے بچے گا، حاجت علم کی تو اس لئے ہے کہ جو متعلق احکام معاملات بیع وسلم وصرف وغیرہ کے ہیں ان کو جاننا ضرور ہے ساتھ ہی اس کے جو جو واجبات وفرائض معینہ ہیں ان کا علم بھی ضروری ہے۔

(ف) تاکہ فوت نہ ہوجائیں۔

تنبیہ واعلام

چند امور کا التزام اہل تسبب کو رکھنا چاہئے۔

اول امر

قبل گھر سے نکلنے کے اللہ کے ساتھ پورا عزم کر لیں کہ اگر مجھ کو کوئی شخص رنج پہنچائے گا تو معاف کر دونگا کیونکہ بازار ایسا موقع ہے جس میں جھگڑا بات چیت ہو ہی جاتی ہے، اسی واسطے فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم ابی ضمضم کے برابر بھی نہیں ہو سکتے اس کی عادت تھی کہ گھر سے نکلتے وقت دعا کرتا یا اللہ میں نے اپنی آبرو مسلمانوں پر تصدق کر دی۔

دوسرا امر

قبل باہر نکلنے کے مناسب ہے کہ وضو کر کے دو رکعت پڑھ لے اور اللہ سے دعا

---

[1] حدیث یہ ہے ایعجز احدکم ان یکون کابی ضمضم کان اذا خرج من بیتہ قال اللھم انی تصدقت بعرصی علی المسلمین۔ (تنویر)

کرے کہ اس جانے میں سلامتی رہے کیونکہ اس شخص کو معلوم نہیں کہ کیا مقدر ہے کیونکہ بازار میں جانے والا ایسا ہے جیسا لڑائی میں جانے والا پس مسلمان کو زیبا ہے اعتصام وتوکل کی زرہ پہنے جو دشمنوں کے تیروں سے اس کو بچائے۔

(ف) یعنی بازار میں شیطان کا پورا دخل ہے اس کے اور اس کے لشکر جن وانس کے مکائد سے پناہ مانگنا ضرور ہے۔

اور جو اللہ کی پناہ میں آیا اس کو سیدھی راہ ملی اور جو اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کو کافی ہے۔

تیسرا امر

جب گھر سے جانے لگے تو مناسب ہے کہ اپنے اہل وعیال اور گھر کو اور گھر کی چیزوں کو اللہ کے سپرد کردے کہ اللہ کی حفاظت اس میں زیادہ ہوتی ہے اور یہ آیت پڑھ دے **فاللہ خیر حافظاً وھو ارحم الراحمین** یعنی اللہ اچھا نگہبان ہے اور وہ سب مہر والوں سے زیادہ مہر والا ہے اور یہ دعا جو حدیث میں آئی ہے پڑھ دے **اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاھل** کیونکہ اللہ کے سپرد کرنے میں امید ہے کہ لوٹ کر ان کو اچھی حالت میں پائے گا، کسی شخص نے سفر کیا اور اس کی بی بی حاملہ تھی جب سفر کو جانے لگا کہا یا اللہ جو اس عورت کے پیٹ میں ہے تجھ کو سونپتا ہوں اتفاق سے اس کے پیچھے وہ بیوی مرگئی جب سفر سے آیا اس کا حال دریافت کیا لوگوں نے کہا وہ تو حالت حمل میں مرگئی۔

جب شب ہوئی قبرستان میں ایک نور نظر آیا وہ اس کی تاک پر چلا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس عورت کی قبر سے نور نکل رہا ہے اور ایک بچہ اس کی چھاتیوں سے دودھ پی رہا ہے ایک ہاتف نے آواز دی کہ تو نے ہم کو بچہ سونپا تھا وہ تو نے پایا اگر دونوں کو سونپ جاتا تو دونوں کو پاتا۔

چوتھا امر

جب گھر سے نکلنے لگے تو مستحب ہے کہ یہ دعا پڑھے **بسم اللہ توکلت علی اللہ لا حول ولا قوة الا باللہ** اس کہنے سے شیطان مایوس ہو جاتا ہے۔

پانچواں امر

لوگوں کو اچھے کام بتلائے بری باتوں سے منع کرے اور اس کو نعمت قوت وتقویٰ کا شکر

سمجھے جو کہ اللہ نے اس کو عنایت کی ہیں اور اس ارشاد خداوندی کو یاد کرے الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور یعنی ایسے لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں زمین میں تو نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک باتیں بتلائیں اور برے کاموں سے منع کریں اور اللہ ہی کے لئے ہے انجام سب کاموں کا، پس جس شخص کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ممکن ہو اور کسی طرح کا صدمہ اس کی جان یا آبرو یا مال کو نہ پہنچے تو وہ قدرت والوں میں داخل ہے اور وجوب اسکے ساتھ متعلق ہے اور اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے پہلے صدمہ پہنچے یا بعد میں صدمہ پہنچنے کا ظن غالب ہو اس وقت وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور دل سے برا سمجھنا ہی کافی ہے۔

چھٹا امر

سکون ووقار کے ساتھ چلے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھوناً واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً یعنی اللہ کے خاص بندے ایسے ہیں جو چلتے ہیں زمین پر نرمی سے اور جب بات چیت کرتے ہیں ان سے جاہل لوگ کہتے ہیں وہ ملنساری کی بات اور یہ سکون ووقار کچھ چلنے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ امر مطلوب یہ ہے کہ تیرے سب افعال میں سکون ہو اور ہر امر میں استقلال ہو۔

ساتواں امر

یہ کہ بازار میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی[1] ہے کہ غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا بھاگنے والوں میں لڑنے والا بازار میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا مردوں میں زندہ اور بعض بندگان پیشین کی عادت تھی کہ خچر پر سوار ہو کر بازار جاتے، اور اللہ کا ذکر کر کے واپس آتے اور خاص اسی واسطے جایا کرتے۔

آٹھواں امر

بیع وشرا اور کسب معاش میں یا وقت جماعت پر نماز پڑھنے سے غافل نہ ہو کیونکہ ان اشغال کے سبب اگر نماز ضائع کردے تو اللہ کے غضب اور کمائی میں بے برکتی کا مستحق ہوتا

[1] حدیث یہ ہے ذاکر اللہ فی الغافلین کالمقاتل بین الفارین ذاکر اللہ فی السوق کالحی بین الموتٰی۔ (تنویر)

ہے اور اس سے شرمانا چاہئے کہ خدائے تعالیٰ اپنے بندے کو ایسی حالت میں دیکھے کہ اپنے حظوظ نفسانی میں اپنے رب کے حقوق سے غافل ہو جائے۔

اور بعض سلف کی یہ عادت تھی کہ اپنا کام کر رہے ہیں ہتوڑہ اٹھایا ہے کہ مؤذن کی آواز سنی اس کو پیچھے ہی چھوڑ دیا تا کہ طاعت کی طرف بلائے جانے کے بعد کچھ بھی مشغول نہ ہو اور جب مؤذن کی آواز سنے تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد کرے یاقومنا اجیبوا داعی اللہ یعنی اے ہمارے لوگو اللہ کے پکارنے والے کا کہا مانو اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے یایھا الذین امنوا استجیبوا لله وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم یعنی اے ایمان والو کہا مانو اللہ کا اور رسول کا جب تم کو ایسی چیز کی طرف بلائے جو تمہاری حیات کا باعث ہو اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے استجیبوا لربکم یعنی اپنے رب کا کہا مانو اور حضرت[1] عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ میں نعل مبارک درست فرماتے اور خادم کو سہارا لگا دیتے جہاں اذان ہوئی اس طرح چل کھڑے ہوتے گویا ہم سے کچھ جان پہچان ہی نہیں۔

نواں امر

قسم نہ کھائے اور اپنی چیز کی حد سے زیادہ تعریف نہ کرے اور اس کے بارے میں سخت وعید آئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] سوداگر لوگ فاجر ہیں مگر جو نیکی کرے اور سچ بولے۔

دسواں امر

غیبت اور چغل خوری سے زبان بند کرے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد کرو ولا یغتب بعضکم بعضا الخ یعنی آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم کو یہ بات پسند ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ ضرور تم کو برا لگے گا، اور جاننا چاہئے کہ غیبت سننے والا بھی مثل غیبت کرنے والے کے ہے، پس اگر اس کے سامنے کسی کی غیبت کی جائے تو اول تو انکار کرنا چاہئے اور اگر کوئی اس کی بات نہ سنے تو وہاں سے اٹھ کر کھڑا ہو اور خلقت کی حیا اللہ

[1] حدیث یہ ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی بیتہ تخصیف النعل ویعین الخادم فاذا نودی للصلوٰۃ قام کانہ لا یعرفنا۔ (تنویر) [2] حدیث یہ ہے التجارھم الفجار الامن برو صدق (تنویر)

کے لئے کھڑے ہو جانے سے باز نہ رکھے، کیونکہ اللہ سے شرم کرنا زیادہ زیبا ہے اور اللہ و رسول کا راضی رکھنا لوگوں کے راضی رکھنے سے زیادہ مناسب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ** اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت[1] ہے کہ غیبت[2] چھتیس زنا سے جو حالت اسلام میں ہوں زیادہ شدید ہے۔

شیخ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ فقیر متسبب کے چار اسباب ہیں اگر فقیر ان سے خالی ہے تو اس کی کچھ قدر نہ کرو گو سارے جہاں سے علم میں زائد ہو ایک تو ظالموں سے کنارہ کرنا اور دوسرے آخرت والوں کو ترجیح دینا، تیسرے فاقوں والوں کی غم خواری کرنا، چوتھے پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرنا اور واقعی شیخ نے سچ فرمایا کیونکہ ظالموں سے کنارہ کرنے میں دین کی سلامتی ہے، وجہ یہ ہے کہ ظالموں کی صحبت نور ایمان کو تاریک کر دیتی ہے اور ان سے کنارہ کرنا عذاب الٰہی سے بھی بچاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار** یعنی ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی لگے تم کو آگ اور یہ جو فرمایا کہ آخرت والوں کو ترجیح دینا اس کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء اللہ کے پاس بکثرت آمدورفت رکھے اور ان سے فیض اور برکات حاصل کرے تا کہ کدورت اسباب پر زور آور رہے ان اولیاء اللہ کے برکات اور آثار اس پر ظاہر ہوں اور اکثر اوقات اسباب میں بھی ان سے مدد پہنچی ہے اور ان کی محبت اور اعتقاد کی بدولت معصیت سے محفوظ رہتا ہے اور یہ جو فرمایا کہ فاقے والوں کی غم خواری کرنا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بندے پر واجب ہے کہ اللہ کی جو نعمت اس کے پاس ہو اس کا شکر کرے پس جب اسباب تجھ پر کشادہ فرمائے تو ان کا خیال کر جن پر اسباب کے دروازے بند ہیں۔

(ف) یعنی اسباب میں بے سامانوں کا خیال رکھ۔

اور جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء کا امتحان اہل فاقہ سے اور اہل فاقہ کا امتحان اغنیاء سے فرمایا ہے جیسا کہ خود ارشاد فرمایا **وجعلنا بعضکم لبعض فتنة اتصبرون**

---

[1] حدیث یہ ہے الغیبة اشد من ستة وثلثين زنية فی الاسلام۔ (تنویر) [2] کیونکہ غرور میں استکبار ہوتا ہے اور زنا میں ندامت وانکسار پس غیبت گناہ جاہی ہے اور زنا گناہ باہی ہے۔ (ملفوظ شریف)

وکان ربک بصیراً یعنی کیا ہم نے بعضے تمہارے کو واسطے بعضے کے آزمائش آیا صبر کرتے ہو اور ہے پروردگار تیرا دیکھنے والا اور فاقہ والوں کا وجود اہل غناء پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ ان کو ایسے لوگ ملے جو ان کے بوجھ آخرت تک اٹھا کر لے جاتے ہیں یعنی اگر غنی چاہے کہ اپنا مال واسباب آخرت میں بھیجوں تو یہ امر محتاجوں کے ذریعے سے ممکن ہے۔

اور ان کو ایسے لوگ ملے کہ جہاں انہوں نے لیا تو اللہ نے لے لیا اور اللہ خود غنی محمود ہے اگر اللہ تعالیٰ فقیر کو نہ پیدا کرتا تو اغنیاء کے صدقات کیسے مقبول ہوتے اور ایسے لوگوں کو کہاں پاتے جو ان سے لے لیویں اسی واسطے فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص حلال مال سے صدقہ دے اور اللہ حلال ہی مال قبول کرتا ہے تو گویا وہ خدائے تعالیٰ کے ہاتھ میں رکھتا ہے اللہ اس کو پالتا ہے جیسے تم میں کوئی شخص اپنا بچھڑا یا اونٹ کا بچہ پالا کرتا ہے، یہاں تک کہ ایک لقمہ احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

(ف) یعنی اس کا ثواب بڑھتا رہتا ہے۔

اسی واسطے قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ صدقہ دینے والے کو کوئی شخص ایسا نہ ملے گا جو ا ں کا صدقہ لے لیوے اور یہ جو فرمایا شیخ نے کہ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب فقیر متسبب کو یہ امر میسر نہ ہو کہ اللہ کی عبادت کے لئے فارغ ہو کر خاص طور پر خدمت واطاعت میں لگا رہے تو اتنا ضرور ہے کہ پانچ وقت کی نماز جماعت سے فوت نہ ہوتا کہ یہ التزام جدید انوار وحصول بصیرت کا موجب ہو اور فرمایا[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پڑھنے سے پچیس حصہ زیادہ بزرگی رکھتی ہے اور دوسری حدیث میں ستائیس حصہ آئے ہیں۔

اور اگر یہ امر مشروع کر دیا جاتا کہ ہر شخص اپنی دکان اور گھر میں نماز پڑھ لیا کرے تو مسجدیں ساری بیکار ہی ہو جاتیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فی بیوت[3] اذن اللہ

---

[1] حدیث یہ ہے من تصدق بصدقة من کسب طیب ولا یقبل اللہ تعالیٰ الا طیباً کان کانما یضعها فی کف الرحمن یربیها له کما یربی احدکم فلوه اوفصیله حتی ان اللقمة لتعود مثل جبل احد۔ (تنویر) [2] حدیث یہ ہے تفضل صلوٰة الجماعة علی صلوٰة الفذ بخمس وعشرین درجة وفی الحدیث الآخرة بسبع وعشرین جزءاً ۔(تنویر) [3] یہ آیت مع ترجمہ اوپر گذر چکی ہے۔(مترجم)

ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والآصال رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ الآیۃ

دوسری وجہ یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں قلوب مجتمع رہتے ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں آپس میں اتفاق رہتا ہے مسلمانوں کا یکجا دیکھنا میسر ہوتا ہے۔

اور فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا ہاتھ ہے جماعت پر اور یہ بات ہے جب جماعت مجتمع ہوتی ہے ان کے قلوب کے برکات حاضرین پر رکھتے ہیں اور ان کے انوار پاس والوں پر پھیلتے ہیں اور ان کا مجتمع اور متصل ہونا مثال ایک لشکر کے ہوتا ہے، کہ جب وہ مجتمع اور متصل ہوتا ہے تو غلبے کا سبب ہوتا ہے اور آیت کے ایک یہ بھی معنی ہیں ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفاً کانھم بنیان مرصوص یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو چاہتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں جیسے ایک مکان ہو جس میں سیسہ بھرا ہو۔

ضمیمہ

اور اے ایمان والے تجھ پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنے کام کے لئے نکلنے کے وقت سے لوٹنے تک اپنی نگاہ ناجائز چیز کے دیکھنے سے پست رکھے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد کرے قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکیٰ لھم یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں سے کہدو کہ نیچی کریں اپنی نگاہیں اور محفوظ رکھیں اپنی شرمگاہیں یہ بات بڑی ستھری ہے ان کے واسطے اور یہ بات جاننا چاہئے کہ نگاہ اللہ کی بڑی نعمت ہے سو نعمت الٰہی کی ناشکری نہ کرنا چاہئے اور یہ ایک امانت ہے اس میں خیانت نہ کرنا چاہئے اور اس ارشاد خداوندی کو یاد کرنا چاہئے یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور جو چھپاتے ہیں سینے اور فرمایا الم یعلم بان اللہ یریٰ یعنی کیا اس کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور جب کسی نامشروع چیز دیکھنے کا ارادہ دل میں آئے تو یہ سمجھ لے کہ وہ دیکھتا ہے اور جاننا چاہئے کہ جب کوئی اپنی نگاہ ناجائز چیز سے پست کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی بصیرت کو کشادہ فرمائے گا یہ پوری جزا ہے پس

---

[1] حدیث یہ ہے ید اللہ مع الجماعۃ۔ (تنویر)

جوشخص عالم شہادت میں اپنی جان پر تنگی کرتا ہے اللہ تعالیٰ عالم غیب میں اس پر کشادگی فرماتا ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ کسی شخص نے اپنی نگاہ حرام چیز سے پست نہیں کی مگر اس کے قلب میں ایک نور پیدا ہوا جس کی حلاوت پاتا ہے۔

رجوع بمطلب

جاننا چاہئے کہ تدبیر کرنا اللہ کے آگے اہل بصیرت کے نزدیک ربوبیت کا مقابلہ کرنا ہے وجہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز یعنی بلا وغیرہ تجھ پر پڑے اور تو اس کو اٹھانا چاہے یا کوئی چیز یعنی رزق تجھ سے اٹھائی جائے اور تو اس کا مقرر کرنا چاہے یا کسی ایسے امر میں تو فکر کرے جس کو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ذمہ دار ہے اور تیرے لئے انتظام کرنے والا ہے سو یہ ربوبیت کا مقابلہ ٹھہرے گا اور حقیقت عبودیت سے نکلنا قرار دیا جائے گا، اس مقام میں قول خداوندی کو خیال کرے فرمایا **اولم یر الانسان انا خلقناه من نطفة فاذا هو خصیم مبین** یعنی کیا آدمی نے دیکھا نہیں اس بات کہ پیدا کیا ہم نے اس کو نطفے سے پس یکا یک کھلا جھگڑالو نکلا، پس اس آیت میں آدمی کو توبیخ کی گئی ہے چونکہ وہ اپنی اصل پیدائش سے غافل ہوا اور پیدا کرنے والے سے جھگڑا نکالا اور اپنی ابتداء کے بھید سے ناواقف ہو کر ابتداء کرنے والے سے منازعت شروع کی اور جس کی پیدائش نطفے سے ہو اس کو کیسے لائق ہے کہ اللہ سے احکام میں جھگڑا کرے اور اس کے توڑ جوڑ میں مخالفت کرے، پس احتیاط کر اللہ کے آگے تدبیر چلانے سے تجھ پر اللہ کی مہر ہو اور جاننا چاہئے کہ مطالعہ غیب سے بڑا حجاب قلب کے لئے تدبیر کرنا اور بات یہی ہے کہ نفس کے لئے تدبیر کرنے کا منشاء نفس کی محبت ہے اور اگر نفس سے فنا ہو کر بقاء باللہ حاصل کر تجھ کو اپنے واسطے تدبیر کرنی اور بذات خود تدبیر کرنے سے غائب کر دے اور ایسا بندہ کس قدر قبیح ہے کہ اللہ کے افعال سے جاہل ہو اللہ کی عنایت سے غافل ہو کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا قل کفیٰ باللہ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ اللہ کافی ہے پس اللہ کو کہاں کافی سمجھتا ہے جو شخص اس کے آگے تدبیر چلاتا ہے اور اگر اللہ کو کافی سمجھتا تو یہ اعتقاد اس کو اللہ کے آگے تدبیر چلانے سے برطرف کر دیتا۔

تنبیہ واعلام

جاننا چاہئے کہ اکثر تدبیر کا طاری ہونا طالبین اور مریدین پر رسوخ یقین اور حصول تمکین سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ اہل غفلت اور بد کردار لوگ تو کبائر اور خلاف شرع اور اتباع شہوات میں شیطان کا کہنا مان چکے ہیں تو اب شیطان کو کونسی ضرورت ہے کہ ان کو تدبیر کی طرف بلائے اور اگر بلائے تو وہ جلدی سے قبول کر لیں سو ان کے حق میں یہ بڑا جال نہیں بلکہ تدبیر کو اہل اطاعت اور طالبین پر داخل کرتا ہے کیونکہ دوسرے طریقہ سے ان پر دسترس نہیں، پس بعض اوقات اہتمام تدبیر اور فکر مصالح صاحب ورد کو اس کے ورد یا، حضور سے معطل کر دیتی ہے بعض صاحب ورد کو شیطان کمزور دیکھتا ہے تو خفیہ تدبیریں اس کے دل میں ڈالتا ہے تا کہ صفاء وقت کو روک دے کیونکہ وہ تو حاسد ہے اور حاسد کا بڑا حسد اس وقت ہوتا ہے کہ تیرے اوقات صاف ہوں اور تیرے حالات اچھے ہوں، پھر تدبیر کے وسوسے ہر شخص کو اس کی حالت کے موافق آیا کرتے ہیں جس شخص کو آج یا کل کے گذارے کے لائق تدبیر کرنا ہو اس کا تو علاج یہ ہے کہ یقین رکھے کہ اللہ آپ میرے رزق کا کفیل ہے۔

خود اس کا ارشاد ہے **وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها** یعنی نہیں کوئی جاندار زمین پر چلنے والا مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے اور مفصل کلام باب رزق میں اس کے بعد ایک مستقل باب میں آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ، اور جس شخص کی تدبیر کسی دشمن کے دفعیہ میں ہو جس کے مقابلہ کی اس کو طاقت نہیں پس اس امر کا یقین کرے کہ جس سے یہ ڈرتا ہے اس کی چوٹی حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ کچھ نہیں کر سکتا مگر جو کچھ خدا کرے اور ان آیات کو خیال کرے فرمایا اللہ تعالیٰ نے **ومن یتوکل علی الله فهو حسبه** یعنی جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کو بس ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے **الیس الله بکاف عبده ویخوفونک بالذین من دونه** یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے اور دھمکاتے ہیں تجھ کو ان لوگوں سے جو خدا کے سوا ہیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے **الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوهم فزادهم ایمانا، وقالوا حسبنا الله ونعم الوکیل فانقلبوا بنعمة من الله وفضل لم یمسسهم سوء واتبعوا**

رضوان الله والله ذو فضل عظيم یعنی اہل ایمان ایسے ہیں کہ ان سے جولوگوں نے کہا کہ اہل مکہ نے تمہاری لڑائی کے واسطے سامان ولشکر جمع کیا ہے سوتم ان سے ڈرو تو ان کا اور بھی ایمان بڑھ گیا اور جواب دیا کہ کافی ہے ہم کو اللہ اور وہ اچھا کارساز ہے پس اپنے گھر لوٹ کر آئے اللہ کی نعمت اور فضل لے کر کہ نہیں لگی ان کو کچھ رنج کی بات اور پیروی کی انہوں نے خدا کی رضامندی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اور گوش دل کو اس ارشاد خداوندی کی طرف متوجہ کر فاذا خفت عليه فالقيه في اليم ولا تخافي ولا تحزني یعنی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام ہوا کہ جب تجھ کو موسیٰ کے مقدمے میں کچھ خوف ہو تو اس کو دریا میں پھینک دے اور نہ خوف کر نہ غم کر اور جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہنا زیادہ مناسب ہے پھر وہ پناہ دیتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے وهو يجير ولا يجار عليه یعنی اللہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مجرم کو کوئی پناہ نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ سے حفاظت طلب کرنا زیادہ لائق ہے، پھر وہ نگہبانی کرتا ہے، جیسا ارشاد ہے فالله خير حافظاً وهو ارحم الراحمين اور اگر تدبیر اس وجہ سے کرنا پڑتی ہے کہ قرض کی معیاد گذر گئی اور ادا کرنے کو کچھ بھی نہیں اور قرض خواہ صبر نہیں کرتے تو اس وقت یہ یقین کر کہ جس خدا نے اپنے لطف سے تجھ کو ایسا شخص میسر کر دیا جس نے تجھ کو وقت حاجت پر دے دیا وہی خدا اپنے لطف سے ادائیگی کا سامان بھی میسر کر دیگا هل جزاء الاحسان الا الاحسان یعنی نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں۔

(ف) مطلب یہ ہے کہ خدا نے جیسا تیرے ساتھ احسان کیا تو اسکے ساتھ نیک اعتقاد رکھ۔

اور تف ہے ایسے شخص پر جس کو اپنے قبضے میں آئی چیز پر قرار ہو اور جو خدا کے قبضے میں ہے اس پر اطمینان نہ ہو اور اگر تدبیر اس وجہ سے ہے کہ اپنے عیال کو چھوڑ آیا ہے، اور ان کی کفایت کے موافق ان کے پاس نہیں تو اس وقت یہ یقین کرنا چاہئے کہ جو خدا تیرے مرنے کے بعد ان کا سامان کرے گا وہی تیرے سامنے اور پیچھے بھی تیری زندگی میں سامان کرے گا، اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سنو اللهم انت الصاحب في السفر والخليفة في الاهل یعنی یا اللہ تو سفر میں ہمارا ساتھی ہے اور گھر والوں میں ہمارے بعد خبر گیراں ہے، پس

جس سے اپنے سامنے امید رکھتا ہے اسی سے اپنی غیبت میں امید رکھ اور ایک بزرگ کی بات سن وہ کہتے ہیں جس خدا کی طرف میں اپنے کو متوجہ کرتا ہوں اسی کو اپنے گھر والوں کا محافظ چھوڑ آیا ہوں ایک دم ان کا حال اس سے پوشیدہ نہیں اس کا فضل میرے فضل سے وسیع تر ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ سے زیادہ ان پر مہربان ہے تو اس کی فکر مت کر جو دوسرے کی کفالت میں ہے اور اگر تیری تدبیر و اہتمام کسی مرض کے باعث ہے جو تجھ کو لاحق ہے اس کے طول اور امتداد مدت سے ڈرتا ہے تو یقین کر لے کہ ہر بلا اور بیماری کی عمر مقرر ہے، جیسے کوئی جاندار نہیں مرتا جب تک اس کی عمر پوری نہ ہو اسی طرح کوئی بلا نہیں ختم ہوتی۔ جبتک کہ اُس کا وقت پورا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد خیال کرو **فاذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون** یعنی جب ان کی عمر پوری ہو جاتی ہے تو نہ پیچھے ہٹتے ہیں ایک ساعت نہ آگے بڑھتے ہیں۔

کسی شیخ کا ایک بیٹا تھا، باپ مر گیا بیٹا رہ گیا، اور فتوحات بند ہو گئے اس کے باپ کے بہت سے یار تھے یعنی مرید وغیرہ عراق میں پھیلے ہوئے تھے، اس نے فکر کی کہ اپنے باپ کے کون سے یار کے پاس جائے پھر قصد کیا جو سب سے زیادہ لوگوں میں وجاہت رکھتا ہو وہاں جانا چاہئے ایک ایسے بھی تھے ان کے پاس آیا انہوں نے تعظیم و تکریم کی پھر کہا کہ اے سردار اور سردار کے صاحبزادے تمہارے آنے کی کیا وجہ ہے؟

اس نے کہا کہ میں نے اسباب دنیا پر اکتفا کیا میں چاہتا ہوں کہ حاکم شہر کے پاس میرا ذکر کر دو، شاید میری کوئی صورت کر دے، جس میں میرا گذر چلے، ان بزرگ نے بڑی دیر تک سر جھکایا، پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ میرے امکان میں نہیں کہ سر شام کو صبح کر دوں میں کہاں تم کہاں؟ جب کہ تم اہل عراق کے حاکم بنائے جاؤ گے۔

(ف) ان بزرگ کو مکاشفے سے معلوم ہو گیا کہ اس لڑکے کو چند روز میں حکومت عراق کی ملے گی، مگر تقدیر الٰہی میں ابھی اس کا وقت نہ آیا تھا، اس واسطے انہوں نے فرمایا کہ سر شام کو صبح نہیں کر سکتا یعنی جس وقت ملنا مقدور ہے اس وقت کو کیسے حاضر کر سکتا ہوں۔

وہ لڑکا غضب ناک ہو کر ان کے پاس سے چلا گیا اور ان بزرگ کی بات نہیں سمجھا اتفاقاً ایسا ہوا کہ خلیفہ کو اپنے لڑکے کے واسطے معلم کی تلاش ہوئی، کسی نے اس لڑکے کا پتہ دیا

اور کہا کہ فلاں شیخ کا بیٹا ہے، غرض خلیفہ زادہ کی تعلیم کیلئے مقرر ہوا چند روز اس کو تعلیم دیتا رہا پھر اس کا مصاحب ہو گیا، یہاں تک کہ چالیس برس گذر گئے، اس خلیفہ کا انتقال ہوا، اس کا یہی لڑکا خلیفہ ہوا اس نے اپنے معلم کو حاکم عراق بنا دیا، اور اگر فکر و تدبیر بسبب زوجہ یا کنیزک کے ہے، جو مر گئی کہ تجھ سے تمام حالات میں مزاج موافق آ گیا تھا، اور تیری ضروریات کاروبار کو انجام دیتی تھی تو یقین کر کہ جس نے تجھ کو عنایت کی تھی اس کا فضل و احسان ختم اور منقطع نہیں ہو گیا اور اس کو قدرت ہے کہ اپنی عنایت سے تجھ کو اس سے بڑھ کر دیدے جو حسن اور واقفیت میں اس سے زیادہ ہو پس جاہل مت بن، اور جن وجوہ سے سردست فکر تدبیر ہونے لگتی ہے وہ بے شمار ہیں، ان کا پورا بیان کرنا ممکن نہیں، کیونکہ وہ منضبط اور منحصر نہیں اور جب اللہ تعالیٰ فہم عنایت کر دے گا خود تجھ کو بتلائے گا کہ کیا علاج کرنا چاہئے۔

تنبیہ و اعلام

جاننا چاہئے کہ تدبیر جو نفس سے پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حجاب ہے اور اگر نفس کی ہمسائیگی اور خطرہ سے قلب سالم اور محفوظ رہے تو تدبیر کا اس میں گذر نہ ہونے پائے اور میں نے اپنے شیخ ابو العباس مرسیؒ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی پر پیدا کیا اس میں اضطراب تھا پہاڑوں سے اس کو ٹھہرایا اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا والجبال ارساھا اسی طرح جب نفس کو پیدا کیا مضطرب ہوتا تھا تو اس کو جبال عقل سے ٹھہرایا، پورا ہوا کلام شیخ ابو العباسؒ کا

پس جس شخص کی عقل کامل اور نور وسیع ہوتا ہے اس پر پروردگار کی جانب سے سکون نازل ہوتا ہے پس اس کا نفس اضطراب سے ساکن ہو جاتا ہے اور مسبب الاسباب پر وثوق ہوتا ہے، پس مطمئنہ بنجاتا ہے یعنی احکام الٰہیہ کے روبرو دب جاتا ہے ٹھہر جاتا ہے اس کی قضا کے آگے ثابت رہتا ہے، تائید خداوندی اور انوار غیب سے اس کی مدد ہوتی ہے اور مقابلہ تقدیر سے برطرف ہوتا ہے اپنے رب کے حکم کو تسلیم کرتا ہے یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کیا کفایت[1] نہیں کرتا تیرا رب کہ وہ ہر شے پر حاضر و ناظر ہے پھر وہ نفس اس قابل ہوتا ہے کہ اس کو یوں خطاب کیا جائے۔

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف اولم یکف بربک انه علیٰ کل شیء شهید (مترجم)

یایتها النفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربک راضیة مرضیة، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی یعنی اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف رجوع کر تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، پس داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں اور اس آیت میں ایسے نفس کی بڑی خصوصیتیں اور اوصاف مذکور ہیں۔

پہلا وصف

یہ کہ نفس تین طرح کے ہیں امارہ، لوامہ، مطمئنہ، حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں کسی نفس کو مخاطب نہیں کیا سوائے نفس مطمئنہ کے، امارہ کی شان میں فرمایا ان النفس لا مارة بالسوء اور لوامہ کی شان میں فرمایا لا اقسم بالنفس اللوامة اور اس نفس کو خطاب کر کے فرمایا یایتها النفس المطمئنة.

دوسرا وصف

اس کا ذکر لقب سے فرمایا اور لقب عرب کے نزدیک تعظیم فی الخطاب کی دلیل ہے اور اہل عقل کے نزدیک افتخار کا باعث ہے۔

تیسرا وصف

طمانیت کے ساتھ اس کی مدح فرمائی اس میں تعریف نکلی کہ وہ مطیع ہے اور متوکل۔

چوتھا وصف

طمانیت کے ساتھ اس کو موصوف فرمایا اور مطمئن کہتے ہیں پست زمین کو، جب اس نے تواضع انکسار کے ساتھ پستی اختیار کی مولا نے اس کی تعریف فرمائی تا کہ اس کی بڑائی ہو، فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے تواضع کی اللہ کے واسطے بلند قدر کیا اس کو اللہ نے۔

پانچواں وصف

اس کو فرمایا ارجعی الیٰ ربک راضیة مرضیة اس میں اشارہ ہے کہ نفس امارہ اور لوامہ کو باعزاز رجوع ہونے کی اجازت نہیں بلکہ یہ دولت نفس مطمئنہ کو نصیب ہے چونکہ

---

[1] حدیث یہ ہے کہ من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ

اس میں وصف اطمینان ہے اس لئے حکم ہوا کہ اپنے رب کی طرف خوش اور پسندیدہ ہو کر آ، کیونکہ ہم نے تیرے لئے اپنی درگاہ میں آنا اور اپنی بہشت میں ہمیشہ رہنا مباح فرما دیا، اس میں آدمی کو ترغیب ہے مقام اطمینان پر اور اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تاوقتیکہ اطاعت اور ترک تدبیر اختیار نہ کرے۔

چھٹا وصف

ارجعی الیٰ ربک فرمایا ارجعی الی الرب نہیں فرمایا اور نہ الی اللہ فرمایا اس میں اشارہ ہو گیا کہ اس کا رجوع کرنا اللہ کی طرف باعتبار لطف ربوبیت کے ہے باعتبار قہر الوہیت کے نہیں، اس میں اس کو مانوس کرتا ہے اور اپنا لطف و کرم و عنایت ظاہر فرماتا ہے۔

ساتواں وصف

راضیة فرمایا یعنی خوش ہو اللہ سے دنیا میں اس کے احکام سے اور آخرت میں جود و انعام سے اس میں بندے کو آگاہ کرنا ہے کہ رجوع الی اللہ بدوں طمانینت و رضا کے میسر نہیں ہوتا اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب تک کہ اللہ سے دنیا میں راضی نہ ہو اللہ کے نزدیک آخرت میں مرضی و پسندیدہ بھی نہیں ہو سکتا۔

(ف) کیونکہ مرضیة سے راضیة کو مقدم کیا اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا بندے سے خوش ہونا نتیجہ اس کا ہے کہ بندہ اللہ سے خوش ہو اور دوسری آیت سے۔

(ف) رضی اللہ عنهم ورضوا عنه.

معلوم ہوتا ہے کہ بندے کا خوش ہونا اللہ سے نتیجہ اس کا ہے کہ اللہ بندے سے خوش ہو۔

(ف) حاصل اعتراض یہ ہے کہ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے رضا بندے کی طرف سے ہوتی ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

جواب میں سمجھنا چاہئے کہ ہر آیت اپنے مضمون کو ثابت کر رہی ہے اور دونوں آیتوں کی تطبیق میں کچھ خفا نہیں وجہ یہ کہ رضی اللہ عنهم ورضوا عنه کا مدلول یہ ہے کہ وجود ترتیبی میں پہلے اللہ کی طرف سے رضا ہوتی ہے پھر بندے کی طرف سے اور حقیقت اس کی

مقتضی ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اول ان سے راضی نہ ہو تو یہ کیسے راضی ہو سکتے ہیں۔

(ف) کیونکہ کمالات عبد کے بالعرض ہیں اور کمالات حق کے بالذات اور مابالذات مقدم ہوتا ہے مابالعرض پر

اگر از جانب معشوق نباشد کششے طلب عاشق بے چارہ بجائے نہ رسد

اور دوسری آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب بطریق مذکور بندہ اللہ سے دنیا میں راضی ہو گا اللہ اس سے آخرت میں خوش ہوگا اور یہ بات ظاہر ہے اس میں کچھ اشکال نہیں۔

آٹھواں وصف

اس کے حق میں فرمایا مرضیة اور اس نفس کی بڑی تعریف سب تعریفوں سے بڑھ کر ہے کیا تو نے یہ ارشاد خداوندی نہیں سنا ورضوان من اللہ اکبر یعنی اللہ کی طرف سے رضامندی ہونا سب سے بڑی دولت ہے یہ بعد بیان نعیم اہل جنت کے فرمایا ہے، مطلب یہ ہوا کہ دولت رضا تمام نعماء جنت سے بزرگ تر ہے۔

نواں وصف

فادخلی فی عبادی فرمایا اس میں نفس مطمئنہ کو بڑی بشارت ہے کہ وہ خاص بندوں میں داخل ہونے کے لئے پکارا اور بلایا گیا اور یہ لوگ کون بندے ہیں وہ خصوصیت و نصرت کے بندے ہیں، مملوکیت وقہر کے بندے نہیں وہ ایسے بندے ہیں جن کی شان میں فرمایا ان عبادی لیس لک علیھم سلطان یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا اور شیطان کو خبر دی عبادک منھم المخلصین یعنی تیرے مخلص بندوں کو نہ بہکاؤں گا وہ بندے نہیں جن کے حق میں فرمایا ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا اٰتی الرحمن عبدا یعنی جتنے آسمان و زمین والے ہیں سب کو رحمٰن کے پاس بندہ ہو کر آنا ہے پس نفس مطمئنہ کو اس ارشاد فادخلی فی عبادی کی زیادہ خوشی ہے دوسرے ارشاد سے وادخلی جنتی کیونکہ پہلی نسبت اپنی طرف ہے اور دوسری نسبت جنت کی طرف۔

دسواں وصف

وادخلی جنتی فرمایا اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو اوصاف نفس مطمئنہ میں ہیں انہوں

نے اس نفس کو اس قابل بنادیا کہ اس کے خاص بندوں میں داخل کیا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے، دنیا میں جنت طاعت اور آخرت میں مشہور جنت میں اور اللہ خوب جانتا ہے۔

(فائدہ) یہ آیت دو وصفوں کو متضمن ہے، ہر ایک کا مدلول یہی ہے کہ قواعد تدبیر کو ترک کیا جائے تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس نفس کی اتنی خصوصیتیں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائیں، اس کو چند اوصاف سے موصوف فرمایا ایک طمانیت دوسری رضا اور یہ دونوں بدوں ترک تدبیر نہیں حاصل ہوتے، کیونکہ نفس جبھی مطمئن بنے گا جب اللہ کی خوبی تدبیر پر وثوق کر کے اس کے آگے تدبیر چھوڑ دے وجہ یہ کہ جب اللہ سے راضی ہوگا اس کے آگے گردن جھکائے گا، اس کے حکم کی اطاعت کرے گا اس کے فرمانے کو مانے گا پھر اس کی ربوبیت پر مطمئن ہو گا اور اس کی الوہیت پر اعتماد کر کے قرار پکڑے گا اور اضطراب نہ رہے گا، کیونکہ اس کو نور عقل جو عطا فرمایا ہے وہ اس کو ثابت رکھے گا اور اس کو کچھ جنبش نہ ہوگی، اس کے احکام کے آگے دب جائے گا، اس کے توڑنے جوڑنے میں اپنے کو اس کے سپرد کر دے گا۔

(ف) جاننا چاہئے کہ حکمت تدبیر واختیار کے پیدا کرنے میں اپنی قہاریت کا ظہور کرنا ہے پس جب حق سبحانہ وتعالیٰ نے چاہا کہ اپنے بندوں کو صفت قہر سے اپنی شناخت کرائے ان میں تدبیر واختیار کو پیدا کیا پھر ان کو حجابوں سے وسعت دی تب کہیں تدبیر ان سے ممکن ہوئی کیونکہ اگر حضوری اور معائنہ میں رہتے تو تدبیر واختیار ممکن نہ ہوتا، جیسے ملاء اعلیٰ کو ممکن نہیں پس جب بندوں نے تدبیر واختیار شروع کیا اپنے قہر و غلبے سے اس تدبیر کی طرف توجہ فرماہوئے ان کے ارکان کو ہلا دیا اور ان کی عمارت کو گرا دیا جب اپنے غلبہ مراد سے بندوں کو اپنی شناخت کرائی ان کو یقین ہوا کہ بے شک وہی اپنے بندوں پر قاہر ہے سو ارادہ تیرے اندر اس واسطے نہیں پیدا کیا کہ وہ تیری چیز ہو بلکہ اس لئے پیدا کیا کہ اس کا ارادہ تیرے ارادے پر غالب آئے، پس تجھ کو معلوم ہو جائے کہ تیرا ارادہ کچھ نہیں اسی طرح تدبیر کو اس لئے نہیں بنایا کہ تجھ میں ہمیشہ رہا کرے بلکہ اس واسطے بنایا کہ تو بھی تدبیر کرے اور وہ بھی تدبیر کرے پھر اس کی تدبیر چلے تیری نہ چلے، اسی واسطے کسی بزرگ سے جو پوچھا گیا تم نے اللہ کو کس چیز سے پہچانا جواب دیا ارادہ کے توڑنے سے۔

فصل ہم نے اوپر وعدہ کیا تھا کہ تدبیر رزق کے بارے میں ایک مستقل باب لائیں گے۔
(ف) یعنی وہ باب یہی ہے۔
کیونکہ اکثر قلوب میں جو تدبیریں آتی ہیں وہ رزق کے لئے ہوتی ہیں۔
یعنی تقریر گذشتہ میں تو مطلق تدبیر کی بحث تھی اور یہاں خاص تدبیر رزق کی ہے
جاننا چاہئے کہ تدبیر رزق سے قلوب کا سالم رہنا بڑی عنایت ہے، یہ انہیں کو میسر ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے توفیق دیئے گئے ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ خوبی وثوق میں سچا معاملہ کیا ہے پس اس کے دلوں کو چین ہوگئی اور توکل کو محقق کرلیا یہاں تک کہ بعض مشائخ کا قول ہے کہ رزق کے قصے کو میرے لئے مضبوط کرلاؤ اور مقامات کو جانے دو۔
(ف) یعنی اپنے مریدوں سے فرمایا کہ رزق کے مقدمے میں توکل ٹھیک کرلو اور مقامات میں چنداں ریاضت کی حاجت نہیں۔
اور بعض بزرگوں کا قول ہے کہ سب سے بھاری فکر یہ ہے کہ کھانے کا تقاضا ہوتا ہے
اور شیخ موصوف نے جو فرمایا ہے اس کی شرح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کو ایسی مدد کا محتاج بنایا ہے کہ اس کی ترکیب کو قائم رکھے اور اس کی قوت کو بڑھائے کیونکہ اس میں جو حرارت غریزی ہے وہ اجزائے بدن کو تحلیل کردیتی ہے اور جب غذا پہنچتی ہے اس کو معدہ طبخ دے کر اس کا خلاصہ قبول کرلیتا ہے وہ جزو بدن اور تحلیل شدہ کا بدل ہوتا ہے اور اگر اللہ چاہتا ہے انسان کو مدد حسی اور غذا کھانے سے مستغنی کردیتا مگر اللہ کو منظور ہوا کہ جاندار کا محتاج غذا ہونا اور اس کی طرف مضطر ہونا اور اپنا ان حاجات سے غنی ہونا ظاہر فرمائے۔
اسی واسطے حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے **قل اغیر اللہ اتخذ ولیا فاطر السمٰوٰت والارض وھو یطعم ولا یطعم** یعنی کہہ دو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا خدا کے سوا کسی کو مددگار بناؤں اور خدا بھی کیسا آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا اور وہ اوروں کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا پس اللہ تعالیٰ نے اپنی مدح دو وصفوں سے فرمائی، ایک یہ کہ اوروں کو کھلاتا ہے کیونکہ جتنے بندے ہیں سب اس کے احسان سے لے رہے ہیں اور اس کے رزق ومنت سے کھا رہے ہیں اور دوسرا وصف یہ کہ کھاتا نہیں کیونکہ حاجت غذا سے

مقدس ہے بلکہ وہ صمد ہے اور صمد اُسی کو کہتے ہیں جس کو کھانے کی حاجت نہ ہو اور یہ کیا وجہ کہ اللہ نے حیوان ہی کو محتاج غذا بنایا اور موجودات کو نہیں بنایا وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانداروں کو اپنی صفات سے اس قدر عنایت فرمایا ہے کہ اگر اس کو بھوک نہ لگے تو خدا جانے کیا دعویٰ کر بیٹھے یا کوئی دوسرا اس کی نسبت دعویٰ کرنے لگے اللہ تو بڑی حکمت والا خبردار ہے اس کو منظور ہوا کہ اس کو کھانے پینے کا محتاج بنا دیں تا کہ بار بار کا محتاج ہونا سبب ہو جائے اس کا کہ یہ خود دعویٰ کرے نہ کوئی دوسرا اس کی نسبت دعویٰ کر سکے۔

(ف) جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ نوع حیوان کو خواہ آدمی ہو یا غیر آدمی محتاج بناؤں تا کہ اس کو اللہ کی معرفت ہو یا اس کے ذریعہ سے اللہ کی معرفت ہو۔

(ف) یعنی اگر آدمی اپنے نفس میں غور کرے تو اس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اگر اس کے حالات میں کوئی دوسرا غور کرے تو اس کے ذریعہ سے اس غور کنندہ کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

تو دیکھتا نہیں کہ محتاج ہونا بڑا ذریعہ ہے اللہ تک پہنچنے کا اور بڑا وسیلہ ہے جو تجھ کو خدا تک پہنچائے تو نے اللہ کا ارشاد نہیں سنا **یایھا الناس انتم الفقرآء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید** یعنی اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز تعریف کے قابل ہے پس محتاجی کو سبب بنایا اللہ تک پہنچنے کا اور اس کے روبرو ہمیشہ حاضر رہنے کا اور شاید اور اس مقام سے سمجھ گیا ہوگا معنی اس حدیث کے جو فرمایا[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے پہچانا اپنے نفس کو اس نے پہچانا اپنے رب کو یعنی جس نے اپنے کو پہچانا ساتھ محتاجی اور فقر اور ذلت اور فاقہ اور مسکینی کے پہچانا اُس نے اپنے رب کو ساتھ عزت اور غلبہ اور کرم اور احسان وغیرہ اوصاف کمال کے ساتھ، خصوصاً نوع آدمی میں اللہ تعالیٰ نے اسباب حاجت کو مکرر فرمایا اور انواع احتیاج کو متعدد کیا کیونکہ یہ محتاج ہے اپنے معاش و معاد کی اصلاح کا اس مقام میں اس آیت کو سمجھو **ولقد خلقنا الانسان فی کبد** یعنی ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا یعنی دنیا و آخرت کے کاروبار میں چونکہ اللہ کے نزدیک یہ مکرم ہے اس

---

[۱] حدیث یہ ہے **من عرف نفسهٗ عرف ربهٗ** ۱۲

لئے اسباب حاجت کو اس میں مکرر فرمادیا دیکھو کہ اقسام حیوانات بسبب اون اور بال کے لباس کے محتاج نہیں اور اپنے تھان اور گھونسلے کے سبب گھر سے مستغنی ہیں۔

(ف) دیگر وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو انسان کو امتحان کا مقصود ہے اسی لئے متفرق چیزوں کا اس کو محتاج بنادیا تاکہ دیکھیں کہ اپنی عقل وتدبیر سے ان چیزوں کو حاصل کرتا ہے یا اللہ کی تقسیم وتقدیر کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(ف) دیگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ بندے کا محبوب بنے، پس جس وقت اسباب حاجت کے اس پر وارد کر کے وہ حاجت رفع فرماتا ہے اس وقت اس کے نفس میں ایک حلاوت اور قلب میں ایک راحت پیدا ہوتی ہے یہ تجدید محبت کا موجب ہوتا ہے، فرمایا[1] ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے محبت کرو چونکہ اپنی نعمتوں سے تم کو غذا دیتا ہے پس جس قدر نعمتیں تازہ ہوتی جاتی ہیں ویسے ہی محبت تازہ ہوتی ہے۔

(ف) دیگر اللہ کو منظور ہوا کہ شکر کیا جائے پس بندوں پر اول حاجت وارد فرمائیں پھر اس کو پورا کیا تاکہ اس کا شکر ادا کریں اور اس کو احسان وسلوک کے ساتھ پہچانیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا **کلوا من رزق ربکم واشکروا له بلدة طیبة ورب غفور** یعنی کھاؤ اپنے رب کی روزی سے اور شکر بجالاؤ اس کا شہر ہے ستھرا اور رب ہے بخشنے والا۔

(ف) دیگر حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ بندوں پر دروازہ مناجات یعنی راز داری کا کشادہ فرمائے جب وہ کھانوں کے اور دوسری نعمتوں کے محتاج ہوتے ہیں بلند ہمتی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں پس اس کی مناجات سے مشرف ہوتے ہیں اور اس کے عطایا سے دیئے جاتے ہیں اور اگر محتاجی ان کو مناجات کی طرف نہ لائے تو عام لوگ ہرگز اس کی حقیقت نہ سمجھیں اور اگر حاجت نہ ہوتی تو بجز اہل عشق کے باب مناجات کو کوئی نہ کھلواتا پس حاجت کا وارد ہونا سبب مناجات کا ہوا اور مناجات بڑی بزرگی ہے اور عزت کا بڑا رتبہ ہے تم خیال نہیں کرتے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی خبر اس ارشاد میں فرمائی ہے **فسقیٰ لهما ثم تولیٰ الیٰ الظل فقال رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر** یعنی موسیٰ علیہ السلام

[1] حدیث یہ ہے احبوا اللہ لما یغذو کم من نعمه۔ (تنویر)

نے ان دونوں لڑکیوں کی خاطر سے بکریوں کو پانی پلایا پھر سائے کی طرف پھرے پھر دعا کی کہ اے پروردگار بے شک میں اس رزق کا جو میرے واسطے اتارا ہے محتاج ہوں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں قسم اللہ کی اور کچھ نہیں مانگا بجز ایک روٹی کے جس کو کھائیں اور لاغری سے یہ حال ہو گیا تھا کہ پیٹ کی جھلی کے اندر سے ساگ کی سبزی نظر آتی تھی پس غور کر تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ کس طرح خدائے تعالیٰ سے سوال کیا کیونکہ یقین رکھتے تھے کہ بجز خدا کے کوئی کسی چیز کا مالک نہیں اور مومن کو ایسا ہی ہونا زیبا ہے اللہ سے چھوٹی بڑی سب چیزیں مانگنا چاہئے، یہاں تک کہ بعضوں کا قول ہے کہ نماز میں اللہ سے مانگا کرتا ہوں، یہاں تک کہ آٹے کا نمک بھی اور اے ایمان والے جس چیز کی حاجت ہو اس کے قلیل ہونے کے خیال سے مانگنے سے مت رکو اگر قلیل اس سے نہ مانگے گا تو اس کے سوا کوئی دوسرا رب نہ ملے گا جو وہ چیز عنایت کرے اور مطلوب اگر قلیل ہی ہو لیکن چونکہ ذریعہ مناجات بن گیا اس اعتبار سے تو جلیل ہے یہاں تک شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ دعا میں اس کی فکر نہ ہونا چاہئے کہ وہ کام پورا ہو جائے اس میں تو اپنے رب سے حجاب ہو جاتا ہے بڑا قصد مناجات مولیٰ ہونا چاہئے اور اس آیت میں چند فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ

یہ ہے کہ مومن کو اپنے رب سے تھوڑا بہت سب مانگنا چاہئے اور اس کو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا فائدہ

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اسم ربوبیت سے پکارا کیونکہ اس مقام کے مناسب یہی ہے کیونکہ رب اس کو کہتے ہیں جس نے تجھ کو اپنے احسان سے پالا ہو اپنی منت سے تجھ کو غذا دی ہو اس اسم میں اپنے مالک کو مہربان بنانا ہے کہ اس کو اسم ربوبیت سے ندا کی کہ جس کے آثار و فوائد کبھی ان سے بند و موقوف نہیں ہوئے۔

تیسرا فائدہ

یوں کہا رب انی لم انزلت الی من خیر فقیر یوں نہیں کہا انی الی الخیر

---

[1] یہ سوال بے صبری سے نہ تھا بلکہ بہانہ مناجات تھا۔ (ملفوظ شریف)

فقیر اس میں یہ فائدہ ہے کہ الیٰ خیر ک فقیر یاالی الخیر فقیر کہتے تو یہ بات نہ معلوم ہوتی کہ اللہ تعالیٰ رزق اتار چکا ہے اور ان کو مہمل نہیں چھوڑا اس لئے یوں کہا رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر تا کہ معلوم ہو کہ ان کو اللہ تعالیٰ پر وثوق ہے اس کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھولے گا نہیں گویا اس طرح کہا کہ اے پروردگار یہ مجھ کو یقین ہے کہ تو نہ مجھ کو اور نہ کسی دوسری مخلوق کو مہمل چھوڑے گا اور تو میرا رزق نازل فرما چکا ہے، اب اس نازل کئے ہوئے رزق کو میرے پاس جس طرح چاہے جس طور چاہے اپنے احسان وامتنان کے ساتھ مقرون کر کے بھیج دے سو اس میں دو فائدے ہو گئے ایک طلب دوسرا اقرار اس امر کا کہ حق سبحانہ تعالیٰ ان کا رزق نازل فرما چکا ہے مگر وقت اور سبب اور واسطہ معین نہیں فرمایا تا کہ بندے کو اضطرار ہو اور اضطرار کے ساتھ قبولیت ہوتی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے امن یجیب المضطر اذا دعاہ اور اگر سبب اور وقت اور واسطے کو معین فرما دیتے تو بندوں کو اضطرار نہ ہوتا جو کہ ابہام کے وقت حاصل ہے پس پاک ہے اللہ تعالیٰ حکمت والا قدرت والا علم والا۔

چوتھا فائدہ

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا عبودیت کے منافی نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو مقام عبودیت میں کمال حاصل تھا پھر بھی اللہ سے مانگا اس سے معلوم ہوا کہ طلب کرنا مقام عبودیت کے منافی نہیں، اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر طلب کرنا مقام عبودیت کے خلاف نہیں تو ابراہیم علیہ السلام نے کیوں نہیں طلب کیا جب ان کو منجنیق میں رکھ کر پھینکا اور جبرئیل علیہ السلام نے آ کر پوچھا کہ آپ کو کچھ حاجت ہے اور آپ نے جواب دیا کہ تم سے تو نہیں ہاں اللہ سے ہے پھر جبرئیل بولے اللہ ہی سے دعا کرو اور آپ نے فرمایا میرے مانگنے سے اس کا جاننا بس کرتا ہے سو علم الٰہی پر اظہار طلب سے اکتفا کیا جواب اس کا یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہر مقام پر وہی معاملہ کرتے ہیں جس کو اللہ کی طرف سے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ مناسب ہے سو ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس مقام پر یہی مقصود ہے کہ طلب نہ کروں اور اسکے جاننے پر اکتفا کروں سو یہ اسی کے موافق تھا جو اللہ کی طرف سے سمجھا اور اس کی وجہ تھی کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو منظور تھا کہ اپنا راز وعنایت جو ابراہیم

علیہ السلام کے ساتھ تھی ملاء اعلیٰ پر ظاہر کر دے جن سے اللہ تعالیٰ نے مشورہ فرمایا تھا، کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں اور انہوں نے کہا تھا کہ آپ ایسے شخص کو مقرر فرماتے ہیں جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا اور ہم تو تسبیح وتحمید وتقدیس آپ کی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ بے شک میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے پس جس روز ابراہیم علیہ السلام منجنیق میں پھینکے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ کو اس ارشاد کا بھید ظاہر کرنا منظور ہوا کہ میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے گویا اس طرح فرمایا کہ اے وہ لوگو جو یوں کہتے تھے کہ آپ مفسد اور خونریز کو زمین میں بناتے ہیں تم نے میرے خلیل کو کیسا دیکھا، زمین میں اہل فساد سے جو خرابیاں ہونے والی ہیں جیسے نمرود اور اُسکے امثال سے ہوئیں تم نے اُن پر تو نظر کی اور اہل صلاح اور رشد سے جو خیر ہونیوالی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام سے اور جو اہل عشق میں ان کے پیرو ہیں ان سے ہوئیں اس پر نظر نہیں کی، رہے موسیٰ علیہ السلام ان کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت یہی مقصود ہے کہ احتیاج بظاہر کریں اور زبان سوال کھولیں، سو مقتضائے وقت حق بجالائے اور ہر ایک[1] کی ایک جہت ہے جس طرف اس کا رخ ہے، رسب کے پاس دلیل روشن اور ہدایت اور توفیق من اللہ اور رعایت ہے۔

پانچواں فائدہ

غور کرو کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے کس طرح رزق طلب کرتے ہیں کہ صراحتاً نہیں مانگا بلکہ اللہ کے روبرو اپنے فقر وحاجت کا اقرار کیا اور سبحانہ وتعالیٰ کے غنی ہونے کی گواہی دی، کیونکہ انہوں نے جب اپنے کو فقر وفاقہ سے پہچانا اس وقت اپنے رب کو غنا اور بھرپوری کے ساتھ پہچانا اور یہ مناجات کے بساطوں میں سے ایک بساط ہے۔

(ف) یعنی طریق مناجات سے ایک طریقہ ہے۔

اور یہ بساط بہت ہیں کبھی اللہ تعالیٰ تجھ کو بساط فقر پر بٹھلاتا ہے اس وقت تو پکارے گا یا غنی　کبھی بساط ذلت پر بٹھلاتا ہے اس وقت پکارے گا، یا عزیز، کبھی بساط عجز پر بٹھلاتا ہے تو پکارے گا یا قوی اسی طرح باقی اسماء ہیں سو موسیٰ علیہ السلام نے فقر وفاقہ کا

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف ولکل وجهة هو مولیها۔ (مترجم)

اقرار کیا اس میں تعریض واشارہ ہو گیا طلب کا، اگر چہ صاف طلب نہیں ہوئی اور تعریض طلب اس طرح ہوتی ہے کہ بندے اپنے اوصاف فقر و حاجت ذکر کرتا ہے۔ اور کبھی اس طرح ہوتی ہے کہ اپنے مالک اوصاف جہات یکتائی بیان کرتا ہے جیسا حدیث میں آیا ہے میری اور انبیاء سابقین کی سب دعاؤں میں افضل یہ ہے **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ** سواللہ کی ثناء کو بھی دعا فرمایا کیونکہ اپنے غنی مالک کے اوصاف کمال ذکر کر کے تعریف کرنا اس کے فضل وعطاء کا تعریضاً مانگنا ہے، جیسا شاعر کا قول ہے:

اس قدر ہے صاحب خلق کریم خلق یکساں اس کا ہے صبح ومسا
گر کرے اس کی ثنا کوئی کبھی مانگنے سے اس کو کافی ہے ثنا

اللہ تعالیٰ نے یونس کی حکایت میں فرمایا ہے **فنادیٰ فی الظلمٰت ان لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین** یعنی یونس نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں بے موقع کام کرنے والوں میں ہوں پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا معاملہ بیان فرمایا **فاستجبنا لہ ونجیناہ من الغم وکذلک ننجی المؤمنین** یعنی ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات دی اور اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں اور یونس علیہ السلام نے صراحتاً سوال نہیں کیا لیکن چونکہ اپنے رب عز وجل کی ثنا کی اور اس کے روبرو اپنی خطا کا اقرار کیا تو اس کی طرف اپنا احتاج ہونا ظاہر کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس کو طلب قرار دیا۔

(ف) کیونکہ جواب میں **فاستجبنا لہ** فرمایا جس کے معنی ہیں سوال پورا کرنا۔

چھٹا فائدہ

اور یہ سب میں زیادہ قابل لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں کے ساتھ سلوک کر دیا اور ان سے اجرت وجزا طلب نہیں کی بلکہ جب ان کی بکریوں کو پانی پلا چکے اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر اس سے مانگا ان دونوں سے نہیں مانگا بلکہ اپنے مالک سے مانگا جس کی یہ شان ہے کہ جب اس سے مانگا اس نے عطا کیا اور صوفی وہی ہے کہ اوروں کے حقوق جو اس کے ذمے ہیں پورے کر دے اور اپنے حقوق کا

مطالبہ نہ کرے اور اس مضمون میں ہمارے اشعار ہیں

عمر شکوۂ خلق میں ضائع نہ کر ۔۔۔ وقت کم ہے اور جاتا ہے چلا
کیوں شکایت ہے تجھے جب ہے یقین ۔۔۔ ہوتا ہے جو کچھ وہ سب لکھا گیا
جب خدا کا حق نہیں کرتے وفا ۔۔۔ کیا وفا تجھ سے کریں گے ہے تو کیا
دیکھ جو کچھ تجھ پہ ہیں ان کے حقوق ۔۔۔ صبر سے ان کو تو پورا کر ادا
جب کرے کچھ کام کر اس کا خیال ۔۔۔ ہے خدا تیری نیت کو جانتا

پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف سے حق ادا کیا اور اپنا حق نہیں مانگا ان کے لئے اللہ کے پاس پوری جزا ہوئی اور دنیا میں بھی سر دست عنایت فرمائی، علاوہ اس کے جو آخرت میں جمع ہے یعنی ایک لڑکی سے ان کا نکاح کر دیا اپنے نبی شعیب علیہ السلام کا داماد بنایا اور ان کے ساتھ مانوس کر دیا، یہاں تک کہ پیغمبری کا وقت آ گیا سوائے بندے! اپنا معاملہ اللہ ہی کے ساتھ رکھ نفع والوں میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ تیری وہی خاطر کرے گا جیسی متقی بندوں کی فرمائی۔

ساتواں فائدہ

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو دیکھو فسقیٰ لهما ثم تولیٰ الی الظل اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو جائز ہے کہ سایہ کو دھوپ پر اور سرد پانی کو گرم پانی اور سہل طریق کو دشوار طریق پر اختیار کریں اور مقدم رکھیں اور اس امر سے مقام زہد سے خارج نہیں ہوتا دیکھو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا کہ تولیٰ الی الظل یعنی سایہ کا قصد کیا اور اس کی طرف آئے اگر کوئی اعتراض کرے کہ کسی بزرگ کا قصہ ہے کہ کوئی شخص ان کے پاس گیا اور دیکھا جس گھڑے کا پانی پیتے ہیں اس پر دھوپ پھیل رہی ہے اس مقدمے میں ان سے کہا گیا۔

ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے جب یہ گھڑا رکھا تھا تو دھوپ نہ تھی، اب مجھ کو شرم آتی ہے کہ اپنے حظ نفس کیلئے چلوں، جواب میں جاننا چاہئے کہ یہ اس شخص کی حالت ہے جو صدق کو بتکلف طلب کر رہا ہے اور اپنے نفس کو اس کی آرزوؤں سے روک رہا ہے تا کہ اس کو غفلت عن اللہ سے باز رکھے اور اگر اس کا مقام کامل ہو چکتا تو پانی دھوپ سے اٹھا لیتا اور قصد یہ ہوتا کہ اپنے نفس کا حق اس لئے ادا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے نہ اس کی لذت حاصل

کرنے کو بلکہ اس لئے اس باب میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا کروں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے یرید اللہ ان یخفف عنکم و خلق الانسان ضعیفا یعنی اللہ کو منظور ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے اور انسان پیدا ہوا ہے کمزور اسی واسطے فقہاء کے نزدیک مسئلہ ہے کہ اگر کوئی منت مانگے کہ مکہ معظمہ تک ننگے پاؤں جاؤں گا تو اس کو جوتا پہن لینا جائز ہے، برہنہ پاؤں جانا واجب نہیں کیونکہ شریعت کا خاص یہ مقصود نہیں کہ لوگ سختی میں پڑیں اور شریعت لوگوں کو لذات حاصل کرنے سے نہیں روکتی اور کیونکر روکے آخر یہ لذات انہیں کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔

ربیع بن زیاد حارثی نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ میرے بھائی عاصم کے مقدمے میں میری مدد فرمایئے، آپ نے پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے؟ عرض کیا کہ کمل اوڑھا ہے فقیر بنا چاہتے ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لاؤ، غرض وہ اس ہیئت سے حاضر کئے گئے کہ ایک کملی باندھے ہوئے تھے اور دوسری کملی اوڑھے ہوئے تھے سر اور ڈاڑھی کے بال میلے اور پریشان تھے، آپ ان کو دیکھ کر چیں بہ جبیں ہوئے اور فرمایا تیرے حال پر افسوس ہے تجھ کو اپنی بیوی سے شرم نہ آئی، تجھ کو اپنے بچے پر ترس نہ آیا، کیا اللہ تعالیٰ ستھری چیزیں تیرے لئے مباح کر کے پسند نہیں کرتا کہ تو اس میں سے کچھ کھائے تیری قدر اللہ کے یہاں اتنی کہاں ہے کیا تو نے اللہ کا یہ قول نہیں سنا والارض وضعها للانام الیٰ قوله یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں اسی واسطے مباح کی ہیں کہ برتیں اور اللہ کی تعریف کریں پھر اللہ ثواب دے اور اللہ کی نعمتوں کا ابتذال فعلی ابتذال قولی سے بہتر ہے۔

(ف) یعنی کھانے پینے برتنے میں تو فعلاً ابتذال ہے اور انکار میں قولاً ابتذال ہے کہ اس کو بے قدر سمجھ کر چھوڑ دیا تو برتنا ترک سے بہتر ٹھہرا۔

عاصمؒ بولے پھر آپ کی کیا حالت ہے کہ موٹا کھاتے ہیں اور موٹا پہنتے ہیں، حضرت علی نے جواب دیا کہ تجھ پر افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ حق پر اسی بات کو فرض کیا ہے کہ اپنے کو غریب لوگوں کے برابر رکھیں، تاکہ غرباء کو ان تک رسائی ہو اور ان کی حالت دیکھ کر تسکین ہو اور بہت مصلحتیں ہیں۔

حضرت علیؓ کی تقریر سے واضح ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت بندوں سے یہ نہیں طلب کیا کہ لذات کو چھوڑ دیں بلکہ ان کو شکر ادا کرنے کا حکم کیا ہے، پس فرمایا اللہ تعالیٰ نے **کلو من رزق ربکم واشکروا له** یعنی اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا **یایھا الذین امنوا کلوا من طیبٰت ما رزقنکم واشکروا لله** یعنی اے ایمان والو کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے تم کو دیں اور شکر کرو اللہ کا اور فرمایا **یایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا**[1] یعنی اے پیغمبرو! کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو اچھے اور یوں نہیں فرمایا کہ کھاؤ مت بلکہ یوں فرمایا کہ کھاؤ اور عمل کرو۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ ان دونوں آیتوں میں طیبات سے مراد حلال چیزیں ہیں کیونکہ شریعت کی نظر میں تو طیب وہی ہیں تو جواب سمجھو کہ یہ بھی ممکن ہے کہ طیبات سے مراد حلال چیزیں ہیں کیونکہ وہ اس وجہ سے طیب ہیں کہ ان کے ساتھ گناہ یا مذمت یا حجاب متعلق نہیں ہوا اور یہ بھی ممکن ہے کہ طیبات سے مراد لذیذ کھانے ہوں اور حکمت ان کی اباحت اور کھانے کی اجازت کی یہ ہے کہ ان کا کھانے والا لذت پائے پھر اس کی ہمت شکر کے لئے بڑھے اور خدمت بجالائے اور حق حرمت کی رعایت کرے۔

شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ نے مجھ سے فرمایا اے بیٹا پانی ٹھنڈا پیا کرو، کیونکہ بندہ جب گرم پانی پیتا ہے تو الحمدللہ جی اترے سے کہتا ہے اور جب ٹھنڈا پانی پیتا ہے تو ہر عضو الحمدللہ کہنے میں ساتھ دیتا ہے پھر فرمایا وہ جو گھڑے والے کا قصہ ہے جو اوپر گذرا ہے وہ صاحب حال ہے، اس کا اقتدا نہیں کیا جائے گا۔

رجوع بمطلب

اس کو تو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ حیوان کو خصوصاً آدمی کو غذا کے محتاج بنانے میں جو اس کو مدد پہنچاتی ہے کیا حکمت ہے اب اس میں گفتگو کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس غذا دینے اور اس کے پہنچانے کی کفالت فرمائی ہے، سو جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے جب حیوان کو ایک مدد کا محتاج بنایا جو اس کی امداد کرے اور غذا کا محتاج بنایا جس سے اس کا وجود قائم رہے اور ان دونوں

[1] ان آیتوں میں بیان ہے نعمتوں کا۔ (مترجم)

جنس یعنی انسان و جن کی خلقت اس لئے ہوئی ہے کہ ان کو عبادت کا حکم ہو اور ان سے اپنی طاعت کا مطالبہ ہو اسلئے (ان کو بے فکر کرنے کیلئے) یہ فرمایا **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ما ارید منهم من رزق وما ارید ان یطعمون، ان الله هو الرزاق ذو القوة المتین** یعنی نہیں پیدا کیا میں نے جن وانسان کو مگر اس واسطے کہ میری عبادت کریں میں ان سے رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو کھلائیں، بے شک اللہ رزق دینے والا قدرت والا اور زور والا ہے، سو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ ان دونوں جنس کو صرف عبادت کیلئے پیدا کیا ہے یعنی اس واسطے پیدا کیا ہے کہ ان کو عبادت کا حکم کریں جیسے کوئی اپنے غلام سے کہے کہ اے غلام میں نے تجھ کو صرف اس لئے خریدا ہے کہ میری خدمت کرے یعنی اس لئے خریدا کہ تجھ کو خدمت کا حکم کروں اور تو اس کو بجالائے (یہ تاویل اس واسطے کی کہ معتزلہ کا مذہب ٹوٹ جائے چنانچہ آگے آتا ہے) اور کبھی غلام مخالفت اور سرکشی کرتا ہے اور تیرا خریدنا اس واسطے نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ تیری مہمات بجالائے اور تیرے کام پورے کرے اور معتزلی لوگ اس آیت کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو صرف اطاعت کیلئے پیدا کیا ہے اور کفر و معصیت کے خالق خود بندے ہیں اور ہم اس مذہب کو اوپر باطل کر چکے ہیں۔

(ف) حاصل جواب کا اہل سنت کی طرف سے یہ ہے کہ قصد دو ہیں ایک قصد تشریعی دوسرا قصد تکوینی سو اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ صرف عبادت کے قصد سے ان کو پیدا کیا ہے یہ قصد تشریعی ہے کہ وہ معصیت کے ساتھ متعلق نہیں کیونکہ شرع میں اس سے ممانعت ہے اور قصد تکوینی یعنی تخلیق طاعت و معصیت دونوں کے ساتھ متعلق ہے، لقولہ تعالیٰ **والله خلقكم وما تعملون** سو معتزلہ نے اس آیت میں قصد تکوینی مراد لیا ہے حالانکہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں بختائل۔

اور حکمت تخلیق ایجاد کے بیان کر دینے میں لوگوں کو بتلا دینا اور آگاہ کرنا ہے کہ کس واسطے پیدا ہوئے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کا جو ان کے مقدمے میں مقصود ہے اس سے ناواقف نہ رہیں اور طریق ہدایت سے بھٹک نہ جائیں اور رعایت حقوق کو چھوڑ نہ دیں اور بعض اخبار میں آیا ہے کہ ہر روز چار فرشتے آپس میں سوال و جواب کرتے ہیں، ایک کہتا ہے کاش یہ خلقت پیدا نہ ہوتی، دوسرا کہتا ہے اگر پیدا ہو چکے تھے تو یہی جانتے کہ کیوں پیدا ہوئے،

تیسرا کہتا ہے کہ جب جانتے کہ کیوں پیدا ہوئے تو علم کے موافق عمل کرتے، چوتھا کہتا ہے کہ اگر عمل نہیں کیا تھا تو برے اعمال سے توبہ ہی کرتے۔

پس حق تعالیٰ نے اس امر کو بیان کر دیا کہ بندوں کو ان کی ذات کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ اس واسطے پیدا کیا کہ اللہ کی عبادت اور توحید میں مشغول ہوں کیونکہ تو غلام اس لئے نہیں خریدتا کہ وہ اپنے کام میں لگا رہے بلکہ اس لئے خریدا کرتا ہے کہ تیری خدمت کرے پس یہ آیت ایسے لوگوں پر حجت ہے کہ اپنے حظوظ نفسانیہ میں رب کے حقوق سے اور اپنی ہوائے نفسانی میں مولیٰ کی طاعت سے غافل ہیں، اسی واسطے جب ابراہیم بن ادہم شکار کو نکلتے تو گھوڑے پر چڑھے ہوئے ہاتف کی آواز سنی اور یہی ان کی توبہ کا باعث ہوا وہ ہاتف کہتا ہے کہ اے ابراہیم کیا اسی لئے تو پیدا کیا گیا ہے یا تجھ کو یہی حکم ہوا ہے پھر دوسری آواز سنی اے ابراہیم نہ اس لئے تو پیدا ہوا ہے نہ تجھ کو یہ حکم ہوا ہے سو سمجھدار وہ شخص ہے جو حکمت ایجاد کو سمجھ کر اس پر عمل کرے اور فقہ حقیقی یہی ہے کہ جس کو یہ عنایت ہوا اس کو بڑی نعمت ملی۔

اور اسی کے حق میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ فقہ کثرت روایت سے نہیں ہوتا بلکہ فقہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ قلب میں رکھ دیتا ہے اور میں نے اپنے شیخ ابوالعباسؒ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ فقیہ وہ شخص ہے جس کے دیدۂ دل سے حجاب ہٹ جائے، پس جس کو اللہ کی طرف سے حکمت ایجاد کی سمجھ عنایت ہوگی کہ صرف اس کو اپنی طاعت کیلئے پیدا کیا ہے اور صرف خدمت کیلئے بنایا ہے اس کا یہ سمجھنا سبب ہو جائے گا دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کی طرف رخ کرنے کا اور حظوظ نفسانیہ کو چھوڑ کر فکر معاد و آمادگی کے ساتھ اپنے مالک کے حقوق میں لگ جانے کا یہاں تک کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر مجھے خبر دی جائے کہ تو کل کو مر جائے گا تو اپنے نفس میں کچھ تغیر نہ پاؤں۔

(ف) کیونکہ آخرت کے لئے تو تیار ہی بیٹھا ہوں۔

اور کسی بزرگ سے ان کی ماں نے کہا کہ اے بیٹا تو روٹی کیوں نہیں کھاتا؟ جواب دیا روٹی چبانے اور چپے ہوئے کھانے میں پچاس آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی عقلوں کو انتظار ہول قیامت اور ملاقات جبار نے اس دنیا سے

غافل کر دیا ہے اور اس خیال نے دنیا کی لذت کی آگاہی اور مسرت کی خواہش سے دور ڈال دیا یہاں تک کہ ایک عارف کہتے ہیں میں ملک مغرب میں کسی شیخ کے پاس ان کے گھر گیا اور وضو کے لئے پانی بھرنے اٹھا، وہ شیخ اٹھ کر بھرنے لگے میں نے منع کیا اور انہوں نے نہ مانا اور رسی کا سرا اپنے ہاتھ میں باندھا (تا کہ ڈول چھوٹ نہ جائے) اور گھر میں ان کے قریب کنویں کے کنارے پر زیتون کا درخت تھا کہ گھر پر مثل شامیانہ پھیلا ہوا تھا، میں نے کہا اے حضرت رسی کا سرا اس درخت سے کیوں نہیں باندھ دیتے؟

فرمانے لگے آیا یہاں درخت بھی ہے، مجھ کو اس گھر میں ساٹھ برس ہوئے مگر مجھ کو خبر نہیں کہ اس گھر میں درخت بھی ہے، سوائے طالب ذرا یہ حکایت اور اس کے مثل کان کھول کر سن تجھ کو معلوم ہوگا کہ اللہ کے ایسے بندے ہیں کہ ان کو اپنے ساتھ مشغول کر کے سب سے غافل کر دیا ہے اور کوئی شیء ان کو اللہ سے غافل نہیں کر سکتی، ان کی عقلوں کو اس کی عظمت نے ازخود رفتہ کر دیا ہے ان کے نفسوں کو اس کی ہیبت نے متحیر بنا دیا، ان کے دلوں میں اس کی محبت بیٹھ گئی، اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے زمرے میں شامل کر لے اور ان سے جدا نہ کرے۔

اسی طرح کی ایک اور حکایت ہے کہ صعید[1] میں کوئی ولی کسی مسجد میں رہتے تھے، کسی خادم نے اجازت چاہی کہ مسجد میں جو کھجور کے دو درخت کھڑے ہیں ایک میں سے ایک شاخ توڑ لوں، انہوں نے اجازت دے دی اس شخص نے پوچھا کہ حضرت کون سے درخت سے لوں زرد سے یا سرخ سے؟

فرمایا اے بیٹا مجھ کو اس مسجد میں چالیس برس ہوئے مجھ کو زرد و سرخ کا حال معلوم نہیں، اور ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کے بچے ان کے گھر میں پھرا کرتے پوچھتے تھے کہ یہ کس کے لڑکے ہیں جب تک بتلائے نہ جاتے تھے پہچانتے نہ تھے، اللہ کے ساتھ ایسا مشغول رہتے ایک بزرگ اپنی اولاد کو دیکھ کر کہتے کہ اگر چہ ان کا باپ جیتا ہے مگر یتیم ہیں اور اس جھلک کے آثار میں کلام بڑھانا مقصود کتاب سے علیحدہ کر دے گا۔

رجوع بمطلب

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ میں نے جن وانس کو عبادت ہی کیلئے پیدا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو

[1] ایک مقام کا نام ہے۔ (مترجم)

یہ معلوم تھا کہ ان کو حوائج بشریہ پیش آئیں گے کہ اپنے مقتضاء کے موافق ان سے مطالبہ کریں گے اور اخلاص توجہ عبودیت کو مشوش کریں گے، اس واسطے ان کے لئے رزق کی کفالت فرمائی تا کہ خدمت خداوندی فراغت سے کریں اور طلب رزق میں لگ کر عبادت سے غافل نہ ہو جائیں، سو فرمایا ما ارید منھم من رزق یعنی میں ان سے یہ نہیں چاہتا کہ اپنے کو رزق دیں کیونکہ میں اپنی کفایت وکفالت سے اس میں کافی ہو چکا ہوں وما ارید ان یطعمون یعنی میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ لوگ مجھے کھلائیں کیونکہ میں قوی ہوں صمد ہوں، جس کو کھانے کی حاجت نہیں۔

اسی واسطے اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین یعنی چونکہ میں ان کا رزق دینے والا ہوں اسلئے یہ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے لئے سامان رزق کریں اور چونکہ میں قوت والا ہوں اسلئے یہ نہیں چاہتا کہ وہ مجھے کھلائیں کیونکہ جس کی ذاتی قوت ہوگی وہ کھلائے جانے سے غنی ہوگا، پس یہ آیت اس مضمون کو مشتمل ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے رزق کا کفیل ہے خود فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان اللہ ھو الرزاق اور ایمانداروں پر یہ بات لازم ٹھہرادی کہ رزق رسانی میں اس کو یگانہ سمجھیں اور اس کا شمہ بھی مخلوق کی طرف منسوب نہ کریں اور اسباب اور اکتساب کی جانب مستند نہ کریں اور راوی کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت جس کی رات کو بارش ہو چکی تھی فرمانے لگے تم کو کچھ خبر ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو تو خبر نہیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ آج صبح کو میرے بندوں میں سے بعضے مومن ہوئے بعضے کافر، سو جس نے کہا کہ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ شخص تو مجھ پر ایمان لایا اور ستارے کے ساتھ انکار کیا اور جس نے کہا چاند کی فلاں منزل یا فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستارے پر ایمان لایا۔

پس اس حدیث میں اہل ایمان کو بڑا فائدہ اور اہل یقین کو بڑی بینائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کی تعلیم ہے اور امید ہے کہ یہ حدیث مومن کو علم نجوم اور ان کی تاثیرات کے قائل ہونے سے روکنے کیلئے کافی ہے اور جاننا چاہئے کہ قضائے الٰہی تیرے مقدمے میں مقدر ہے کہ ضرور اس کو نافذ فرمائے گا، اور اس کا حکم مقرر ہے کہ اس کو ظاہر فرمائے گا پھر علام الغیوب کے علم کی جستجو کرنے سے کیا فائدہ ہے، حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندوں کے

احوال جستجو کرنے سے منع کیا اور فرمایا ہے لا تجسسوا تو غیب خداوندی کو جستجو کرنا ہم کو کیسے زیبا ہے؟ کسی نے خوب کہا ہے:

میری جانب سے نجومی کو کہو حکم کوکب کو نہیں میں مانتا
جو خدا چاہے وہی ہو گا ضرور بالیقین اس امر کو ہوں جانتا

فائدہ

جاننا چاہئے کہ صیغہ رزاق کا فعال کے وزن پر آنا مبالغہ معنی رزق کو مقتضی ہے سو رزاق زیادہ بلیغ ہے، رازق سے کیونکہ فعال مبالغے میں فاعل سے زیادہ بلیغ ہے، سو ممکن ہے کہ یہ مبالغہ اس وجہ سے ہو کہ جن کو رزق دیا جاتا ہے ان کی تعداد بہت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود چونکہ رزق بھی بہت ہے اس لئے مبالغہ ہوا اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں امر مقصود ہوں۔

دوسرا فائدہ جو علم بیان سے متعلق ہے

جاننا چاہئے کہ جس مضمون سے ثنا مقصود ہو اس پر صفت کی دلالت فعل کی دلالت سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے سو تیرا یہ کہنا کہ زید محسن اس سے زیادہ بلیغ ہے کہ زید یحسن یاقد احسن اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت تو ثبوت اور استقرار پر دلالت کرتی ہے اور فعل اپنی اصل وضع میں تجدد اور انقراض کیلئے ہے اسی جہت سے ان اللہ ھو الرزاق کہنا ان اللہ ھو یرزق سے زیادہ بلیغ ہے اور اگر ان اللہ ھو یرزق فرماتے تو صرف اثبات رزاقیت کو مفید ہوتا حصر حاصل نہ ہوتا جب ان اللہ ھو الرزاق کہا تو اس نے انحصار کا بھی فائدہ دیا تو جب ان اللہ ھو الرزاق کہا تو گویا یوں کہا کہ لا رازق الا اللہ یعنی کوئی رازق نہیں سوائے اللہ کے، دوسری آیت رزق کے باب میں یہ ہے اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم یعنی اللہ ایسا ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو وفات دے گا پھر تم کو جلائے گا یہ آیت دو فائدوں کو متضمن ہے۔

پہلا فائدہ

یہ کہ خلق و رزق دونوں ساتھ ساتھ ہیں یعنی جیسا تم نے اللہ کی خالقیت کو تسلیم کر لیا خود

دعویٰ خالقیت نہیں کرتے اسی طرح رزاقیت بھی تسلیم کرلو اور رزاقی کے مدعی مت بنو یعنی اللہ تعالیٰ جیسا تخلیق و ایجاد میں یگانہ ہے ایسا ہی رزاقی اور مدد پہنچانے میں یکتا ہے اس لئے دونوں کو ساتھ ذکر کیا تا کہ بندوں پر حجت قائم ہو اور ان کو اس سے ممانعت ہو کہ اس کے رزق کو دوسرے کی طرف سے سمجھیں اور اس کے احسان کو مخلوق کی طرف سے خیال کریں اور اللہ تعالیٰ جیسا بلا واسطہ و بلا اسباب خالق ہے اسی طرح بے واسطہ بے سبب رازق بھی ہے۔

دوسرا فائدہ

یہ کہ اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتلا دی کہ رزق کا قصہ گذر چکا اور اس کی بات پختہ ہو چکی، اب قضا کسی وقت اس میں کوئی نئی بات نہیں کرتی اور زمانے کے آنے پر اس کے آنے کا انتظار نہیں، البتہ اس کا ظہور تازہ ہوتا ہے نہ کہ ثبوت اور رزق کا لفظ دو قسم کے رزق پر بولا جاتا ہے ایک وہ جو ازل میں مقدر ہو چکا دوسرا وہ جو بندے کے موجود ہونے کے بعد ظاہر ہونا شروع ہوا اور اس آیت میں دونوں معنوں کا احتمال ہے پس اگر مراد وہ رزق ہے جو مقدر ہو چکا اس وقت ثم محض ترتیب ذکری کے لئے ہے (اور ترتیب وقوع کے لئے نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ پیدا کرنے کے بعد رزق مقدر فرمایا حالانکہ تقدیر سابق ہے ایجاد سے) اور اگر مراد اس سے وہ رزق ہے جو وجود کے بعد ظاہر کیا گیا سو آگاہ کرنا ہے تا کہ عبرت حاصل ہو (یعنی تخلیق کے بعد جو رزق دیا جاتا ہے وہ ظاہر ہی ہے پھر بتلا دینے سے کیا فائدہ؟

جواب دیا کہ اہل غفلت کو آگاہ کرنا مقصود ہے) اور مقصود اس آیت سے جس کیلئے یہ بیان کی گئی ہے اللہ تعالیٰ کیلئے الوہیت کا ثابت کرنا ہے گویا یوں کہا جاتا ہے کہ اے غیر اللہ کے پرستش کرنے والو اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر روزی پہنچائی پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو جلائے گا، آیا یہ اوصاف غیر اللہ میں پاتے ہو یا کسی مخلوق میں ان اوصاف کا ہونا ممکن ہے، سو جو ذات ان اوصاف میں یگانہ ہے اس کی الوہیت کا اقرار کرنا چاہئے، اور اسی کو ربوبیت میں واحد سمجھنا چاہئے، اسی واسطے اس کے بعد فرمایا ھل من شرکائکم من یفعل من ذلکم من شیء سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون یعنی آیا تمہارے

شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے پاک ہے وہ اور برتر ہے اس چیز سے کہ شریک لاتے ہیں، تیسری آیت رزق کے مقدمے میں یہ ہے وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا لا نسالک رزقا، نحن نرزقک والعاقبۃ للتقویٰ یعنی حکم کرو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کو نماز کا اور اس پر قائم رہو ہم تم سے روزی نہیں مانگتے ہم تم کو خود روزی دیں گے اور نیک انجام تقویٰ کا ہے اور اس آیت میں چند فوائد ہیں۔

پہلا فائدہ

جاننا چاہئے کہ اگرچہ مخاطب اس آیت کے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر اس کا حکم اور وعدہ آپ کی امت کے ساتھ بھی متعلق ہے پس ہر بندے کو یہی کہا جاتا ہے وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا لانسالک رزقا نحن نرزقک والعاقبۃ للتقویٰ جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو اب جاننا چاہئے کہ اے بندے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو یہ فرمایا ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کر، کیونکہ جیسا اسباب دنیاوی سے ان کے ساتھ سلوک کرنا اور ان کی حاجت کا خیال رکھنا تجھ پر واجب ہے اسی طرح یہ سلوک کرنا بھی تجھ پر واجب ہے کہ ان کو اطاعت الٰہی کی طرف لائے[1] اور اس کی نافرمانی سے بچائے اور جیسا تیرے گھر والے دنیوی سلوک کے مستحق ہیں اسی طرح سلوک اخروی کے بھی مستحق ہیں، دوسرے یہ کہ وہ لوگ تیری رعیت ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ یعنی تم میں ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کا حال پوچھا جائے گا اور دوسری جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وانذر عشیرتک الاقربین یعنی اپنے قرابت والے کنبے کو ڈراؤ جیسا یہاں فرمایا وامر اھلک بالصلوٰۃ.

دوسرا فائدہ

دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں اول یہ فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو، پھر حکم کیا کہ تم بھی دوام کرو تا کہ یہ بات جتلا دے کہ یہ آیت خاص اسی مضمون کیلئے بیان کی گئی ہے کہ گھر والوں کو نماز پڑھاؤ اور دوسرا مضمون تبعاً ضمناً آ گیا ہے

[1] اس تدبیر کو تدبیر محمود کہتے ہیں اور جو تدبیر آخرت کیلئے ہو وہ محمود ہے۔ (ملفوظ شریف)

اگرچہ بذات خود وہ بھی مقصود ہو لیکن چونکہ بندہ یقیناً جانتا ہے کہ مجھ کو تو نماز کا حکم ہے حق اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے بندوں کو ایسے امر سے آگاہ فرمائے جس کا مہمل چھوڑ دینا ممکن ہے۔

(ف) یعنی گھر والوں کو نماز پڑھوانا۔

اس لئے اپنے رسول کو حکم فرمایا تاکہ دوسرے لوگ بھی سنیں اور پیروی کریں پھر اس کی طرف دوڑیں اور اس کی بجا آوری پر دوام کریں۔

تنبیہ

جاننا چاہئے کہ تجھ پر واجب ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرے جیسے بیوی لونڈی بیٹی اور ان کے سوائے جو اپنے متعلق ہوں اور نماز چھوڑنے پر ان کو مارنا بھی جائز ہے اور اللہ کے پاس تیرا یہ عذر مقبول نہیں کہ میں نے تو کہا تھا مگر انہوں نے سنا ہی نہیں اگر گھر والوں کو یقین آ جائے کہ تجھ پر ان کا نماز چھوڑنا اس قدر شاق ہے جیسے کھانا بگڑ جانا یا کسی ضروری کام کا رہ جانا تو ہرگز نماز نہ چھوڑیں مگر ان کو تو عادت ہوگئی ہے کہ تو ان سے اپنے حظوظ نفسانیہ میں مطالبہ کرتا ہے اور اللہ کے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا، اسی واسطے وہ لوگ ان حقوق کی رعایت نہیں رکھتے اور جو شخص خود نماز کا پابند ہو اور اس کے گھر والے نماز نہ پڑھتے ہوں اور وہ ان کو تاکید بھی نہ کرتا ہو تو قیامت کے روز ان ہی لوگوں کی جماعت میں اٹھے گا جو نماز کو ضائع کرنے والے تھے اور اگر کوئی کہے کہ میں نے تو ان سے کہا تھا مگر انہوں نے نہیں کیا اور ان کو نصیحت کی تھی مگر انہوں نے نہیں مانا اور مار پیٹ کی بھی سزا دی مگر وہ کسی طرح سے سیدھے ہی نہیں ہوتے اب میں کیا کروں جواب یہ ہے کہ تجھ کو چاہئے کہ جس کی مفارقت طلاق و بیع سے ممکن ہے اس سے مفارقت کر اور جس سے مفارقت ممکن نہیں اس سے اعراض کر اور اللہ کیلئے ان سے بولنا چھوڑ دے کیونکہ اللہ کیلئے کسی سے جدا ہونا اللہ سے وصل کرنا ہے۔

تیسرا فائدہ

جو فرمایا کہ واصطبر علیھا یعنی نماز پر صبر کرو اور قائم رہو اس میں اشارہ ہے کہ نماز میں نفس کو کسی قدر تکلیف ہوتی ہے جو نفس پر شاق ہے کیونکہ نمازیں لوگوں کے لذات واشغال کے وقت میں آتی ہیں اور تقاضا کرتی ہیں کہ سب کو چھوڑ کر اللہ کے روبرو کھڑا ہو اور غیر اللہ سے

بالکل فارغ ہو جاؤ دیکھو صبح کی نماز کیسے نیند کے مزیدار وقت میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ اپنے حظوظ میرے حقوق کیلئے اور اپنی مراد میری مراد کے لئے چھوڑ دے اسی واسطے صبح کی آذان میں خاص کر کے دوبارہ یہ پڑھا گیا الصلوة خیر من النوم رہی ظہر کی نماز وہ بھی قیلولے کے اور محنت اور مشقت سے رجوع کرنے کے وقت آتی ہے۔

رہی عصر کی نماز وہ بھی ایسے وقت آتی ہے کہ لوگ اپنی تجارتوں اور پیشوں میں غرقاب ہوتے ہیں اور اسباب دنیوی پر متوجہ ہوتے ہیں، رہی مغرب کی نماز وہ بھی کھانا کھانے کے اور اپنے بدن کی اصلاح واہتمام کے وقت آتی ہے، رہ گئی عشا کی نماز وہ بھی ایسے وقت میں آتی ہے کہ دن بھر کا تکان ہوتا ہے، اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واصطبر علیها اور فرمایا حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰة الوسطیٰ یعنی چوکسی کرو سب نمازوں کی اور خصوصاً نماز عصر کی اور فرمایا ان الصلوة کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً یعنی نماز اہل ایمان پر لکھی ہوئی اور وقت مقرر کی ہوئی ہے اور فرمایا اقیموا الصلوة یعنی نماز قائم کرو اور دلیل اس کی کہ نماز کے اہتمام کرنے میں تکلیف عبودیت ہے اور اس کا اہتمام خلاف مقتضائے بشریت ہے یہ ارشاد خداوندی بس ہے واستعینوا بالصبر والصلوٰة وانها لکبیرة الا علی الخاشعین یعنی صبر چاہو سہارا اور نماز کا، نماز بے شک بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر، بس صبر اور نماز کو ایک ساتھ لانا اشارہ ہے کہ نماز میں کئی طرح کے صبر کی حاجت ہے، ایک صبر کرنا، اس کی پابندی اوقات پر دوسرے بجا آوری واجبات وسنن پر تیسرے دفع غفلت کے اسباب پر اسی واسطے اس کے بعد یوں فرمایا وانها لکبیرة الا علی الخاشعین سو نماز کو علیحدہ کر کے بیان کیا اور صبر کو جدا بیان نہیں کیا، کیونکہ اگر صبر کا ذکر ہوتا تو یوں فرماتے وانه لکبیر۔

(ف) کیونکہ صلوٰۃ مؤنث ہے اور صبر مذکر۔

پس اوپر کے بیان سے معلوم ہوا کہ صبر اور صلوٰۃ دونوں باہم لازم وملزوم ہیں گویا دونوں ایک ہی چیز ہیں، جیسے دوسری آیت میں ہے واللہ ورسوله احق ان یرضوه یعنی اللہ اور رسول کا راضی رکھنا زیادہ لائق ہے اور فرمایا والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله یعنی جو لوگ جمع کر کے رکھتے ہیں سونا چاندی اور صرف نہیں

کرتے اس کو اللہ کی راہ میں اور فرمایا و اذا رأو تجارة او لهوا انفضوا اليها یعنی جب دیکھتے ہیں وہ لوگ تجارت یا کھیل کو چلے جاتے ہیں اس کی طرف پس اچھی طرح سمجھ لو۔

(ف) مقصود ان سب مثالوں سے یہ ہے کہ جیسے ان آیتوں میں دو دو چیزوں کا ذکر فرما کر ضمیر مفرد کی لائے اور مقصود دونوں چیزیں ہیں مگر تلازم کی وجہ سے ضمیر واحد پر اکتفا کیا مثلاً یرضوه کی ضمیر میں اللہ اور رسول دونوں مقصود ہیں لا ینفقونها کی ضمیر میں ذہب وفضہ دونوں مقصود ہیں انفضوا الیها کی ضمیر میں لہو و تجارت دونوں مقصود ہیں اسی طرح آیت مافیہ البحث میں بھی انها لکبیرة ضمیر مفرد کی لائے، جو بوجہ تانیث کے صلوٰۃ کی طرف راجع ہے مگر مقصود صبر و صلوٰۃ دونوں ہیں باہم ان دونوں کا تلازم موجب اکتفائے ضمیر واحد ہوگیا، فافہم۔

اور نماز کی بڑی شان ہے اور اللہ کے نزدیک اس کی بڑی قدر ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الصلوٰة تنهىٰ عن الفحشاء والمنكر یعنی بے شک نماز باز رکھتی ہے بے حیائی اور بری بات سے رسول[1] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا کہ سب اعمال میں افضل عمل کون ہے آپ نے فرمایا نماز پڑھنا اپنے وقت پر اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندے کو سب سے زیادہ قرب خداوندی سجدے میں میسر ہوتا ہے اور ہم نے غور کر کے دیکھا تو نماز میں اتنی عبادتیں جمع ہیں کہ دوسرے عمل میں نہیں مثلاً پاک ہونا، خاموش رہنا کلام دنیا سے قبلے کی طرف رخ کرنا تکبیر کے ساتھ شروع کرنا قرآن پڑھنا کھڑا ہونا جھکنا سجدہ کرنا رکوع و سجود میں اللہ کی پاکی بیان کرنا سجدے میں دعا کرنا اور بہت سی عبادتیں ہیں پس نماز[2] متعدد عبادتوں کا مجموعہ ہے کیونکہ صرف ذکر کرنا ایک مستقل عبادت ہے صرف قرآن پڑھنا ایک عبادت ہے اسی طرح تسبیح و دعاء و رکوع و سجود قیام میں ان میں

---

[1] یہ تین حدیثیں ہیں اول سئل ای الاعمال افضل قال الصلوٰة لوقتها ثانی قال صلی الله علیه وسلم المصلیٰ یناجی ربه ثالث، قال صلی الله علیه وسلم اقرب ما یکون العبد من ربه فی السجود ۔ (تنویر) [2] کوئی ڈوم کسی بزرگ سے بیعت ہوا انہوں نے پابندی جماعت کا عہد لیا اکثر اوقات عین گرمی مجلس نشاط میں اذان ہوتی وہ چھوڑ چھاڑ اٹھ جاتا، آخر وہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی اس امر سے تنگ ہوگئے، سب افعال اس کے چھوٹ گئے۔ (ملفوظ شریف)

ہر عمل جداگانہ عبادت ہے اور اگر اندیشہ تطویل نہ ہوتا تو نماز کے اسرار وانوار میں ہم تفصیلی گفتگو کرتے اس مقام پر اتنی ہی جھلک کافی ہے، والحمد لله.

چوتھا فائدہ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے لا نسئلک رزقا، نحن نرزقک یعنی ہم تم سے یہ سوال نہیں کرتے کہ تم اپنے کو یا اپنے گھر والوں کو رزق دو اور ہم تم کو یہ حکم کیسے کریں اور یہ تکلیف کس طرح دیں کہ تم اپنے رزق دو حالانکہ تم کو اس کی قدر نہیں اور ہماری شان کے کب لائق ہے کہ تم کو خدمت کرنے کو کہیں اور تمہاری روزی کا سرانجام نہ کریں گویا جب خدائے تعالیٰ نے جانا کہ لوگوں کو رزق طلب کرنا دوام طاعت میں خلل انداز ہوگا اور یہ فکر فراغ طاعت سے مانع ہوگی اس لئے اپنے رسول کو خطاب فرمایا تاکہ اور لوگ سنیں پس فرمایا وامر اهلک بالصلوٰة عليها لا نسالک رزقاً نحن نرزقک یعنی تم ہماری خدمت بجا لاؤ ہم روزی کا تمہارے لئے سرانجام کریں گے۔

اور یہ دو چیزیں ہیں ایک چیز کا تو اللہ کفیل ہو گیا ہے اس سے بدگمانی مت کرو یعنی رزق دوسری چیز تجھ سے طلب کی ہے اس کو مت چھوڑ یعنی عبادت پس جو شخص اللہ کے ذمے کی ہوئی چیز کی تحصیل میں لگ کر اس کی طلب کی ہوئی چیز کو چھوڑ بیٹھا یعنی رزق کے پیچھے عبادت چھوڑی اس کی بڑی جہالت اور بہت غفلت ہے اور جگانے سے بھی نہیں جاگتا بلکہ بندے کو سزاوار ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے طلب کیا اس میں لگ جائے اور جس کی اس نے خود ذمہ داری لی ہے اس سے بےفکر رہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ جب منکرین کو رزق دیتا ہے تو مومنین کو کیسے نہ دے گا اور اہل کفر پر جب رزق جاری کر رکھا ہے تو اہل ایمان پر کیسے جاری نہ فرمائے گا۔

پس اے بندے تجھ کو معلوم ہو گیا کہ دنیا کا تو ذمہ ہو گیا اس قدر کہ تیری کجی کو سیدھا کر دے یعنی بقدر کفایت اور آخرت کی تجھ سے طلب ہے یعنی آخرت کیلئے عمل کرنا فرمایا اللہ تعالیٰ نے وتزودوا فان خير الزاد التقوىٰ یعنی توشہ لے لو، بے شک اچھا توشہ تقویٰ ہے، پس تیری عقل بصیرت کس طرح ثابت ہو حالانکہ تجھ کو مضمون کے اہتمام[1] نے

[1] اس کی شرح اوپر اچھی طرح آ چکی ہے۔ (مترجم)

مطلوب کے اہتمام سے غافل کر رکھا یہاں تک کہ کسی بزرگ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دنیا کی کفالت کی اور آخرت کو طلب فرمایا کہ کاش آخرت کی کفالت فرمالیتے اور دنیا طلب کرتے اور نحن نرزقک صیغہ مضارع سے اس لئے لائے تاکہ استمرار و دوام پر دلالت کرے کیونکہ انا اکرمک صیغہ مضارع کے ساتھ اور اکرمتک ماضی کے ساتھ برابر نہیں کیونکہ انا اکرمک کے معنی تو ہیں کہ بار بار اکرام ہوتا ہے اور انا اکرمتک ماضی سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ ماضی میں اکرام ہو چکا تکرار دوام پر دلالت نہیں پس نحن نرزقک کے یہ معنی ہوئے کہ ہم بار ہا و ہمیشہ رزق دیتے رہتے ہیں اپنی منت تم سے معطل نہیں کرتے اپنی نعمت تم سے منقطع نہیں کرتے اور جیسا ہم نے بندوں پر ایجاد سے احسان کیا اسی طرح دوام امداد کا سرانجام کیا۔

اس کے بعد فرمایا والعاقبة للتقوىٰ یعنی انجام کی بھلائی تقویٰ کیلئے ہے گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم کو معلوم ہے کہ جب تم اسباب دنیا سے منہ موڑ کر اور اس کے اشغال کو چھوڑ کر ہماری خدمت میں لگے رہو گے اور ہماری طاعت کی طرف متوجہ رہو گے تو تمہارا رزق امیروں کا سا اور تمہارا عیش فراغت والوں کا سا نہ ہوگا لیکن اس حالت پر صبر کیجیو کیونکہ عاقبت کی خوبی اہل تقویٰ ہی کیلئے ہے، جیسا اس آیت سے اول فرمایا ولا تمدن عينيك الىٰ ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحيوٰة الدنيا لنفتنهم فيه ورزق ربك خير وابقىٰ یعنی اپنے آنکھیں مت بڑھاؤ اس چیز کی طرف کہ فائدہ دیا ہم نے اس سے کفار کی جماعتوں کو وہ رونق ہے زندگی دنیا کی، تاکہ ہم اس میں ان کو فتنے میں ڈالیں اور روزی تیرے پروردگار کی اچھی ہے اور زیادہ باقی رہنے والی اگر کوئی اعتراض کرے کہ تقویٰ کے ساتھ عاقبت ہی کو کیوں مخصوص فرمایا کیونکہ اہل تقویٰ کو تو حسن عاقبت کے ساتھ دنیا میں بھی مزے کا عیش ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من عمل صالحاً من ذكر او انثىٰ وهو مؤمن فلنحيينه حيوٰة طيبة یعنی جو شخص نیک کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت مگر مومن ہو زندگی دیں گے ہم اس کو اچھی زندگی جواب سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے ان کی عقل کے موافق خطاب فرماتا ہے گویا یہ معنی ہوئے کہ اے بندو اگر تم کو یہ خیال ہے کہ اہل غفلت

وعدوان کیلئے دنیا ہے تو اہل تقویٰ کیلئے عقبیٰ ہے والعاقبة للتقوی پس لوگوں سے ان کی عقل وفہم کے موافق خطاب فرمایا جیسا کہ آیا ہے اللہ اکبر اگر چہ کوئی اس کے سوا بڑائی نہیں رکھتا جو اس کہنے کی ضرورت ہو کہ اللہ اکبر یعنی اللہ سب سے بڑا ہے لیکن چونکہ نفوس آثار قدرت کی بڑائی مشاہدہ کر رہے ہیں جیسا خود فرمایا لخلق السمٰوٰت والارض اکبر من خلق الناس ولکن اکثر الناس لا یعلمون یعنی البتہ پیدائش آسمانوں اور زمین کی بہت بڑی ہے پیدائش سے آدمیوں کی لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے پس گویا یوں کہا گیا کہ اگر تم کو کسی شیء میں خواہ مخواہ بڑی نظر ہی آتی ہے تو اللہ اس سے بھی بڑا ہے اور ہر بڑے سے بڑا ہے۔

جیسے آیا ہے الصلوٰۃ خیر من النوم یعنی نماز زیادہ بہتر ہے سونے سے بجائے اس کے اگر یوں کہا جاتا کہ سونے میں بالکل بہتری نہیں تو نفوس یوں کہتے کہ ہم تو اس کی لذت اور راحت دیکھ چکے ہیں اس لئے اس کے علم کو تسلیم کر کے کہا گیا کہ جس کی طرف ہم تم کو بلاتے ہیں یہ اس سے زیادہ بہتر ہے جس سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں یعنی نماز سونے سے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ جس سونے کی طرف تم مائل ہو رہے ہو وہ بے بقا ہے اور جس کی طرف بلا رہے ہیں وہ ایسا معاملہ ہے جس کی جزا ہمیشہ باقی رہے گی، کبھی فنا نہ ہوگی اور اللہ کے پاس[1] چیزیں زیادہ بہتر ہیں اور زیادہ باقی رہنے والی ہیں۔

فائدہ جلیلہ

جاننا چاہئے کہ جن کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے ان کو اس آیت نے یہ بتلا دیا کہ اللہ کے رزق کو کیونکر ڈھونڈھیں سو جب ان پر اسباب معیشت تنگ ہوں گے وہ زیادہ خدمت و اطاعت کریں گے، وجہ یہ ہے کہ اس آیت نے یہ بات انکو بتلائی ہے تم خیال نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا لا نسالک رزقاً نحن نرزقک سو وعدہ رزق کا دو امر کے بعد فرمایا ایک گھر والوں کو نماز پڑھوانا دوسرے خود اس کی پابندی کرنا ان دونوں امر کے بعد فرمایا نحن نرزقک پس اہل معرفت سمجھ گئے کہ روزی کی راہیں بند ہوں اور دروازہ رزق کو اس طرح کھولنا شروع کریں کہ رزاق

---

[1] یہ مضمون ہے آیت کا وما عند اللہ خیر و ابقیٰ۔ (مترجم)

سے معاملہ اچھا رکھیں یہ نہیں جیسے اندھے غافلوں کی عادت ہے جب اسباب دنیا تنگ ہوئے انہوں نے اور زیادہ مشقت شروع کی اور غفلت والے دل اور بھولی ہوئی عقل سے اور بھی دنیا پر پڑ گئے، اور اہل معرفت ایسا معاملہ کیوں نہ کرتے جب اللہ کا حکم سن چکے کہ فرماتا ہے واتوا البیوت من ابوابھا یعنی گھر والوں میں ان کے دروازوں سے داخل ہوا ان کو یقین ہوا کہ رزق کا دروازہ رزق دینے والے کی اطاعت ہے پھر نافرمانی سے رزق کیسے طلب کیا جائے اور اس کی مخالفت سے کیونکر باران فضل کی درخواست کی جائے حالانکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد[1] ہے اللہ کی نعمتیں اس کو ناراض کر کے نہیں ملتیں بدوں اطاعت روزی نہیں مانگی جاتی۔

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو ایک جگہ واضح فرما دیا ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب یعنی جو اللہ سے ڈرتا ہے اور اللہ اس کے لئے کوئی راہ نکال دیتا ہے اور ایسی جگہ سے اس کو روزی دیتا ہے کہ اس کا گمان بھی نہ تھا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے لو استقاموا علی الطریقۃ لا سقیناھم ماءً غدقاً یعنی اگر وہ لوگ سیدھی راہ مستقیم پر رہتے تو ہم ان کو فراغت کا پانی دیتے اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ دونوں رزق کی کنجی ہے، دنیا کے رزق کی بھی اور آخرت کے رزق کی بھی جیسے فرمایا ولو ان اھل الکتاب امنوا واتقوا لکفرنا عنھم سیآتھم ولا دخلناھم جنت النعیم، ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم یعنی اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم اُن کی برائیاں دور کر دیتے اور ان کو نعمت کی بہشتوں میں داخل کرتے؟ اور اگر وہ لوگ قائم رکھتے تورات کو اور انجیل کو اور اس کتاب کو جو اتاری گئی ہے ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے یعنی قرآن تو البتہ کھاتے وہ اپنے اوپر سے اور نیچے سے یعنی اوپر سے تو بارش ہوتی اور نیچے سے پیداوار۔

پس حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو ظاہر کر دیا کہ اگر وہ لوگ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے یعنی ان کے احکام پر عمل کرتے اوپر نیچے سے ان کو کھانے کو ملتا یعنی ہم ان پر روزی کو فراخ کرتے اور ہمیشہ ان پر خرچ کرتے رہتے مگر انہوں نے تو جو ہم چاہتے تھے وہ نہیں کیا اس لئے ہم نے بھی جو وہ چاہتے تھے وہ نہیں کیا یعنی انہوں نے طاعت نہ کی اور ہم نے وسعت نہ کی۔

---

[1] حدیث یہ ہے لا ینال من عند اللہ بالسخط۔ (تنویر)

چوتھی آیت

مقدمہ رزق میں یہ ہے وما من دآبة فی الارض الا علی اللہ رزقھا ویعلم مستقرھا ومستودعھا کل فی کتاب مبین یعنی نہیں کوئی جاندار زمین پر چلنے والا مگر اللہ کے ذمے ہے اس کی روزی اور جانتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قرار کی جگہ اور سپردگی کی جگہ سب موجود ہے کھلی کتاب میں، اس آیت نے حق تعالیٰ کا کفیل[1] رزق ہونا صاف بتلا دیا اور تمامی وسوسوں اور خطروں کو اہل ایمان کے قلوب سے مٹا دیا کہ اگر کبھی خطرات آنا چاہتے ہیں تو لشکر ایمان اور توکل کے ان پر حملہ کر کے بھگا دیتے ہیں جیسا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا ھو زاھق یعنی بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں حق کو باطل پر وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے پس یکا یک جاتا رہتا۔

پس اپنے اس ارشاد سے کہ وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا اپنے بندوں کی کفالت فرمائی تا کہ صفت مودت کے ساتھ اس کی معرفت ہو اگر چہ یہ اس کے ذمے واجب نہیں بلکہ اپنی ذات پر بطور کرم واحسان کے لازم ٹھہرا لیا پھر یہ کہ اس کفالت کو عام فرما دیا گویا معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اے شخص میری کفالت اور رزاقی تیرے ساتھ کچھ مخصوص نہیں بلکہ زمین پر جتنے جاندار ہیں میں سب کا ذمے دار اور روزی رساں ہوں اس سے میری کفالت کی وسعت اور استغنائے ربوبیت اور احاطہ قدرت کو قیاس کر لے اور میرے کفیل ہونے پر وثوق کر اور مجھ کو کارساز سمجھ سو ہر گاہ تو میری تدبیر ورعایت وکفالت کو اور حیوانات کیلئے دیکھتا ہے سو تو اشرف الانواع ہے اور زیادہ مستحق ہے کہ میری کفالت پر وثوق کرے اور میرے فضل پر نظر رکھے۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح فرمایا ہے ولقد[2] کرمنا بنی آدم یعنی ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی دوسرے حیوانات پر اس طرح کہ ان کو اپنی خدمت کیلئے حکم کیا اور اپنی بہشت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا اور اپنی درگاہ میں بلایا اور انسان کا مکرم ہونا بہ نسبت دوسری مخلوقات کے یوں واضح ہوتا ہے کہ تمام مخلوق اس کے لئے پیدا ہوئی اور یہ درگاہ خداوندی کے پیدا ہوا۔

---

[1] یہ رزق مضمون کہلاتا ہے اور دوسرا رزق موعود، تیسرا مبسوط، چوتھا معلوم (ملفوظ شریف)
[2] ای بالمعرفة والنقل۔ (ملفوظ شریف)

میں نے شیخ ابوالعباسؒ سے سنا ہے کہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابن آدم میں نے تمام اشیاء کو تیرے لئے پیدا کیا اور تجھ کو اپنے لئے پیدا کیا سو اپنی مملوک میں لگ کر مالک کو مت بھول اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا والارض وضعھا للانام یعنی زمین کو مخلوق کے لئے پیدا کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے وسخرلکم ما فی السموٰت وما فی الارض جمیعاً منه یعنی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سب کو اپنی طرف سے اور میں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ تمام کائنات تیرے غلام ہیں کہ ان کو تیرے کام میں لگا رکھا ہے اور تو غلام درگاہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ الذی خلق سبع سموٰت ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللہ علیٰ کل شیء قدیر وان اللہ قد احاط بکل شیء علما یعنی اللہ ایسا ہے جس نے پیدا کئے سات آسمان اور زمین بھی اتنا ہی نازل ہوتا ہے حکم ان سب میں تاکہ تم جانو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ نے گھیر لیا ہے ہر چیز کو علم سے سو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کر دیا کہ تمام آسمان وزمین اسی لئے پیدا ہوئے کہ تجھ کو علم حاصل ہو جب تجھ کو معلوم ہو گیا کہ تمام کائنات تیرے لئے ہی پیدا ہوئے ہیں خواہ برتنے کو یا نظر وفکر کرنے کو کہ یہ بھی ایک نفع ہے تو اب یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو تیری خاطر پیدا کیا ہے جب ان کو رزق دیتا ہے تو تجھ کو کیسے نہ دے گا تم نے یہ آیتیں نہیں سنی وفاکھة وابا متاعاً لکم ولانعامکم یعنی تمہارے لئے پیدا کیا میوہ اور گھاس تمہارے فائدے کو اور تمہارے چارپایوں کے فائدے کو اور جملہ یعلم مستقرھا ومستودعھا کفیل ہونے کی تاکید ہے یعنی کسی جاندار کا مقام اور حال اس پر مخفی نہیں بلکہ سب جانتا ہے اور ہر ایک کے پاس اس کا حصہ پہنچاتا ہے۔

پانچویں آیت

مقدمہ رزق میں یہ ہے وفی[1] السماء رزقکم وما توعدون فورب السمآء والارض انه لحق مثل ما انکم تنطقون یعنی آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جس چیز کا تم

[1] ای فی السماء الصوری رزقکم الحیّ وفی السماء المعنوی من الحقائق والمعارف۔ (ملفوظ شریف)

سے وعدہ ہے پس قسم ہے پروردگار آسمان وزمین کی کہ یہ بات سچی ہے کہ جیسے تم بول رہے ہو۔

اور یہ وہ آیت ہے جس نے شکوک کو اہل ایمان کے قلوب سے دھوڈالا اوران کے قلوب میں انوار یقین کو روشن کردیا پس ان قلوب پر اصل مقصود کے علاوہ بہت سے زائد مضامین وارد کئے چونکہ اس میں فوائد تھے کیونکہ یہ آیت اتنی چیزوں کو شامل ہے ذکر، رزق، محل رزق، قسم کھانا اس پر تشبیہ دینا ایسے امر سے جس میں ذرا خفانہیں اب ہم کو چاہئے کہ سب فوائد ایک ایک کرکے بیان کریں۔

پہلا فائدہ

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ معلوم ہے کہ نفس کو مقدمہ رزق میں بڑا اضطراب[1] ہوتا ہے اس لئے بار باراس کا ذکر فرمایا چونکہ اس کے عوارض قلوب پر بار بار وارد ہوتے ہیں جیسے جب معلوم ہوا کہ شبہ جانب مقابل کے دل میں بہت جما ہوا ہے دلیل کو بار بار بیان کیا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے قیامت کے حق ہونے پر متعدد آیتوں میں استدلال فرمایا چونکہ ملحدین اس میں بہت اضطراب کرتے ہیں اوراس کو مستبعد سمجھتے ہیں کہ جب آدمی کے جوڑ علیحدہ ہوگئے اس کی ترکیب مضمحل ہوگئی اور مٹی ہوگیا یا درندوں اور کیڑوں مکوڑوں نے کھالیا پھروہ زندہ ہو۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے دلائل بیان کئے ایک ان میں سے یہ آیت ہے **وضرب لنا مثلاً ونسی خلقه قال من یحیی العظام وھی رمیم، قل یحیھا الذی انشاھا اول مرۃ** یعنی بیان کی انسان نے ہمارے لئے کہاوت اور بھول گیا اپنی پیدائش کو کہتا ہے کہ کون جلادے گا ہڈیوں کو جب وہ گل گئی ہوں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیدو کہ ان کو وہی جلادے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا اور دوسری آیت میں فرمایا **وھو اھون علیه** یعنی دوبارہ پیدا کرنا اللہ کو اور بھی آسان ہے اور فرمایا **ان الذی احیاھا لمحی الموتیٰ** یعنی جس نے زمین کو زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کرے گا ایسا ہی جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوا کہ مقدمہ رزق میں نفس کا اضطراب بہت بڑا ہوا ہے اس کی دلیل کو کئی آیتوں میں مؤکد فرمایا بعض آیتیں تو گذر چکیں اور بعض ہم نے ذکر نہیں کیں چونکہ اللہ

[1] وجه الاضطراب ما قال اللہ تعالیٰ الشیطان یعدکم الفقراء۔ (ملفوظ شریف)

تعالیٰ کو یہ بات لوگوں کے نفسوں کی معلوم تھی، کبھی یوں فرمایا ان اللہ ھو الرزاق کبھی یوں فرمایا اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم کبھی یوں فرمایا نحن نرزقک کبھی یوں فرمایا امن ھذا الذی یرزقکم ان امسک رزقہ یعنی بھلا جو تم کو روزی دیتا ہے اگر اپنی روزی بند کرے تو تم کیا کرلو اور اس مقام پر فرمایا وفی السمآء رزقکم وما توعدون تا کہ رزق کا مقام معلوم ہو جائے پھر قلوب کو تسکین ہو جائے اور مقام مبہم رکھنے کے ساتھ جو ذمہ داری ہے وہ اس مرتبہ کی نہیں جو مقام بیان کر دینے کے ساتھ ہے گویا یوں ارشاد ہے کہ ہم پر واجب تو نہیں کہ تمہارے رزق کا مقام بیان کر دیں بلکہ تمہارا رزق ہمارے پاس ہے جب اس کا وقت آئے گا تمہارے پاس پہنچاویں گے اور ہمارے ذمے اس کا بیان کرنا ضروری نہیں مگر پھر بھی اپنے لطف ورحمت وفضل ومنت سے مقام رزق کا بیان فرما دیا تا کہ بھروسہ زیادہ ہو اور شک بالکل دفع ہو جائے۔

اور اس میں ایک اور بھی فائدہ ہے وہ یہ کہ مقام جو بیان کر دیا اس میں طالب کی توجہ مخلوق سے بالکل اٹھی گئی اور یہ کہ بجز بادشاہ حقیقی کے کسی سے طلب نہ کریں کیونکہ جب تیرے قلب میں کسی مخلوق کی طرف سے طمع آئی یا کسی سبب پر حوالہ آیا تبھی ارشاد ہوا وفی السمآء رزقکم وما توعدون یعنی اے روزی ڈھونڈھنے والے زمین میں مخلوق سے کہ جو خود ضعیف عاجز ہے تیرا رزق اس کے پاس نہیں وہ تو میرے پاس ہے اور میں حکومت والا قدرت والا ہوں اسی وجہ سے کسی اعرابی نے جو یہ آیت سنی تو اپنی اونٹنی ذبح کر ڈالی اور سب چھوڑ چھاڑ کر اللہ کی طرف بھاگا اور کہتا ہے سبحان اللہ میرا رزق تو آسمان میں ہے اور اس کو زمین میں ڈھونڈھتا ہوں سو خیال کر تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ وہ اللہ کی بات کو کیسے سمجھا کہ مقصود اللہ تعالیٰ کا یہی ہے کہ اپنے بندوں کی ہمتیں اپنی طرف متوجہ کرے اور ان کی رغبت اسی چیز میں ہو جو خدا کے پاس ہے، جیسا دوسری آیت میں فرمایا وان من شیء الا عندنا خزآئنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم یعنی کوئی ایسی چیز نہیں جو ہمارے یہاں ڈھیر کے ڈھیر نہ ہوں اور ہم ایک معین انداز سے زیادہ نازل نہیں کرتے یہ بھی اسی لئے فرما دیا تا کہ ہمتیں اس کے دروازے کی طرف بڑھیں اور تا کہ قلوب اس کی درگاہ کی طرف جھکیں سو خدا کی تجھ پر عنایت

ہوآسمان والا بلندی والا بن زمین والا پستی والا مت ہواسی واسطے کسی نے کہا ہے۔

جب تجھے پانی نہ دے دست لیئم رکھ قناعت سے شکم کو تو بھرا
ہو اگرچہ جسم تیرا خاک پر رہ مگر ہمت سے بالائی سما
جان دینا سہل ہے لیکن ہے سخت آبرو کھو کر کے کرنا التجا

اور میں نے اپنے شیخ ابوالعباسؒ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ واللہ میں نے کسی بات میں عزت نہ دیکھی مگر اس میں کہ مخلوق سے امید اٹھائی جاوے اور اس مقام پر اللہ کا ارشاد یاد کرو لله العزة ولرسوله وللمؤمنين یعنی اللہ ہی کی عزت اور رسول کی اور مومنین کی پس اللہ تعالیٰ نے جو عزت مومن کو دی ہے اس سے اس نے اپنا قصد مولیٰ کی طرف متوجہ کر دیا اور اللہ پر وثوق کیا نہ اور کسی پر اور اللہ سے شرم کر کہ اس نے تجھ کو خلعت ایمان پہنایا اور زینت معرفت سے آرائش دی اس کے بعد بھی تجھ پر غفلت ونسیاں غالب ہے کہ مخلوق کی طرف راغب ہے اور غیر اللہ سے جود واحسان کا طالب ہے اسی واسطے کسی نے کہا ہے۔

مجھے اس نے حکم حقائق دیا کرم مجھ پہ خالق نے کیا کیا کیا
کیا مطلع مجھ کو ملکوت پر میں اس پر بھی اوروں سے مانگوں گا کیا

اگر تجھ کو نفس غافل کہے کہ اپنی حاجت مخلوق کی طرف لیجا سو تو اس کی طرف لیجا جس کی طرف وہ مخلوق بھی اپنی حاجت لے جاتی ہے اور نفس کو یہ بات بڑی سہل ہے کہ تو اس کی خواہش پورا کرنے کے لئے اپنی ایمان کی بے قدری کر لے[1] اور اس کی آرزو حاصل کرنے کے لئے اپنے کو خوار کرے جیسا کسی نے کہا ہے۔

نفس نے بس اپنی عزت کے لئے میری ذلت کو گوارا کر لیا
کہتا ہے یحیٰ ابن اکثم سے تو مانگ میں کہا کر رب یحیٰ سے دعاء

اور مومن کے لئے یہ امر نہایت زشت ہے کہ باوجود یقین وحدانیت اور یگانگی ربوبیت اللہ تعالیٰ کے پھر اوروں کے روبرو اپنی حاجت پیش کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد سن رہا ہے الیس الله بکاف عبده یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کافی نہیں اور یہ امر

---

[1] اسی واسطے بزرگوں نے الحرام سوبالظن کو حق نفس میں فرمایا ہے ۱۲۔ (ملفوظ شریف)

یوں تو ہر شخص سے زشت ہے مگر مومن سے ہو تو زشت تر ہے اور اس ارشاد خداوندی کو یاد کرنا چاہئے یایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود یعنی اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو جو عہد تو نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی حوائج اور کسی سے پیش نہ کرے گا اور اسی پر توکل کرے گا اور یہ عہد اس اقرار ربوبیت سے لازم آتا ہے جو یوم میثاق میں الست بربکم کے جواب میں ہوا تھا یہ کیسی بات ہے کہ وہاں تو اس کی معرفت اور توحید حاصل تھی یہاں آ کر بھلا دیا حالانکہ اس کے احسانات تجھ پر پیاپے ہو رہے ہیں اور اس کے فضل و منت نے تجھ کو گھیر رکھا ہے جیسا کسی نے کہا ہے۔

دل میں میرے گھر تمہارا ہو گیا — اب نہ لیلےٰ اور نہ شیریں کی ہے جا
آپ کو جانا تھا میں میثاق میں — کیا بڑھاپے میں تمہیں دونگا بھلا

اور خلق سے ہمت کو بلند رکھنا یہی فقراء کی میزان اور مردوں کی پہچان ہے اور جیسے اجسام کا وزن کیا جاتا ہے ایسے ہی احوال و صفات کا بھی وزن کیا جاتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے واقیموا الوزن بالقسط یعنی وزن کو عدل کے ساتھ قائم رکھو تا کہ سچا اپنی راستی سے اور مدعی اپنی آمیزش سے ظاہر ہو جاوے اور اللہ تعالیٰ[1] اہل ایمان کو اس حالت پر نہ چھوڑیں گے جس میں اب ہو یہاں تک کہ گندے کو پاک سے الگ کر دے اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمت و منت سے مدعی فقیروں کو اس طرح جانچا کہ جو کچھ ان کے اندر حب دنیا و شہوت پوشیدہ تھی اسکو ظاہر کر دیا پھر انہوں نے اپنے کو دنیا داروں کے روبرو بیقدر کر دیا ان سے بے تکلفی کرتے ہیں ان سے نرمی کرتے ہیں ان کی خواہش پر ان کی موافقت کرتے ہیں ان کے دروازوں پر دھکے کھاتے ہوئے جاتے ہیں بعضوں کو تو دیکھے گا کہ دلہن کی طرح بناؤ سنگار کرتے ہیں ظاہر کی اصلاح میں پھنس رہے ہیں باطن کی اصلاح سے غافل ہیں اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان لوگوں پر ایک دھبہ لگا دیا جس سے ان کا عیب ظاہر ہو گیا اور سب اترا پترا کھل گیا سو اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ سچا کرتے ہیں تو ان کی نسبت کہا جاتا ہے عبدالکبیر یعنی خدا کا بندہ اور اللہ والا اب ناراستی کے وبال میں اس نسبت سے نکل کر یوں کہ

[1] یہ مضمون ہی آیت کا ما کان اللہ لیذر المؤمنین علی ما انتم علیه حتی یمیز الخبیث من الطیب ۱۲ مترجم

جاتا ہے شیخ الامیر یعنی فلاں امیر کا شیخ اور استاد

(ف) وہ دھبہ یہی ہے کہ پہلے خدا کی طرف نسبت ہوتی اب امیر کی طرف ہونے لگی:

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

یہ لوگ اللہ پر جھوٹ بولنے والے ہیں لوگوں کو اولیاء اللہ کی صحبت سے روکنے والے ہیں کیونکہ عوام لوگ جو ان کی حالت دیکھتے ہیں وہ سب اللہ والوں کو اسی پر قیاس کر لیتے ہیں خواہ سچا ہو یا جھوٹا سو یہ مدعی لوگ اہل تحقیق کی آڑ ہیں اور آفتاب توفیق کے بادل ہیں۔

(ف) جیسا آڑ اور بادل میں اشیاء وانوار چھپ جاتے ہیں اسی طرح اچھے لوگ ان جھوٹوں میں چھپ جاتے ہیں۔

یہ لوگ ان کے نقارے بجا رہے ہیں اور ان کے نشان کھولے کھڑے ہیں اور ان کی زرہیں پہن رکھی ہیں۔

(ف) مطلب یہ کہ ان کی سی وضع بنائے ہوئے ہیں۔

جب حملہ ہوگا الٹے پاؤں بھاگیں گے۔

(ف) یعنی امتحان کے وقت جھوٹے نکلیں گے۔

زبانیں دعویٰ میں چلتی ہیں دل تقویٰ سے بالکل خالی ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا **لیسئل الصادقین عن صدقهم** یعنی اللہ تعالیٰ صادقین سے ان کے صدق کی تحقیق کرے گا کیا تو سمجھتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ صادقین سے پوچھے گا ان مدعیوں کو بے پوچھے چھوڑ دے گا کیا انہوں نے یہ ارشاد نہیں سنا **وقل اعملوا فسیری الله عملکم ورسوله والمومنون وستردون الیٰ عالم الغیب والشهادة فینبئکم بما کنتم تعملون**۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقوں سے کہہ دو کہ تم اپنے کام کئے جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل دیکھ رہا ہے اور پیغمبر اور اہل ایمان بھی دیکھ رہے ہیں اور قریب ہے لوٹائے جاؤ گے طرف جاننے والے چھپے اور کھلے کے پھر تم کو خبر دے گا اس چیز کی کہ جو تم کرتے تھے پس یہ لوگ وضع تو سچے لوگوں کی ظاہر کرتے ہیں اور عمل اغراض والوں کا سا ہے جیسا کہا گیا ہے۔

خیمے تو ایسے ہیں جیسے ان کے تھے عورتیں ان عورتوں کے ہیں سوا

میں قسم کھاتا ہوں ذات پاک کی — لوگ کرتے حج ہیں جس کے بیت کا
آ گیا جب کوئی خیمہ بھی نظر — سامنے ہو کر کھڑا روتا رہا

پس تجھ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اپنی ہمت مخلوق سے بلند رکھنا یہ اہل طریقت کی زینت اور اہل حقیقت کی علامت ہے اور اس مضمون میں ہمارے اشعار ہیں۔

وہ لگی کرنے جو شکوہ دھر کا — پھر کر رخ اس سے میں نے یوں کہا
شکوہ کیوں کرتی ہے ایسے دھر کا — جس سے مطلق ہو نہ امید وفا
مجھ کو گمنامی سے کیا نقصان ہے — بدر کو کیا ہو چھپایا ہو کھلا
کیوں نہ لوگوں سے بچاؤں آبرو — کیوں نہ دیکھیں ٹھاٹھ شاہانہ مرا
کیوں کروں ظاہر میں ان سے اپنا فقر — سب کے سب عاجز ہیں جب پیش قضا
مانگوں کیوں مخلوق سے خالق کا رزق — گر کروں تو ایسا تو ہے پوری جفا
ہے بڑی کم ہمتی عاجز سے گر! — دوسرا عاجز کرے شکوہ گلا
مانگ رزق اللہ سے جس کا کرم — ہے تمامی خلق کو شامل ہوا
التجا کر اس سے پائے گا مراد — اس کے دروازے سے مت ہو تو جدا

دوسرا فائدہ

یہ جو فرمایا **وفی السماء رزقکم** اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک معنی تو یہ ہو سکتے ہیں کہ رزق سے مراد ثبات رزق سے ہو یعنی لوح محفوظ میں تمہارا رزق ثبت کر دیا ہے اگر یہ مراد ہے تو اس میں لوگوں کو مطمئن کر دیتا ہے اور ان کو جتلا دینا ہے کہ تمہارا رزق یعنی جس چیز سے تم کو رزق دیا جاوے گا ہم اپنے پاس لکھ چکے ہیں اور اپنی کتاب میں ثبت کر چکے ہیں اور اپنی آیات میں اس کو تمہارے ہونے سے پہلے مقدر کر چکے ہیں، اور تمہارے ظہور سے پہلے معین کر چکے ہیں پھر تم کس لئے مضطرب ہوتے ہو اور تم کو کیا ہوا کہ میری قرار نہیں پکڑتے اور میرے وعدے پر وثوق نہیں کرتے۔

دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ رزق سے مراد سبب رزق ہو یعنی پانی جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وجعلنا من الماء کل شیء حی افلا یومنون** یعنی ہم نے سب زندہ

چیزیں پانی سے بنائیں ہیں کیا ان کو یقین نہیں ابن عباسؓ نے اسی طرح تفسیر کی ہے کہ رزق سے مراد بارش ہے اس صورت میں رزقکم کے یہ معنی ہونگے کہ جو چیز تمہارے رزق کی اصل ہے دوسرے یہ کہ خود پانی بھی رزق ہے۔

تیسرا فائدہ

یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت سے مقصود حق سبحانہ وتعالیٰ کا لوگوں کو عاجز کرنا ہو اس دعویٰ سے کہ ہم کو اس بات پر قدرت ہے وجہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ بارش کو زمین پر نازل ہونے سے روک لے تو تمام سبب والوں کے سبب بیکار ہو جائیں خواہ کھیتی والا ہو یا تاجر ہو یا درزی یا منشی یا اور کوئی پیشہ کا ہو۔

(ف) کیونکہ سب صنعتوں میں بواسطہ یا بلا واسطہ پانی کی حاجت ہے۔

پس گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے اسباب تم کو رزق نہیں پہنچاتے بلکہ میں رزق دینے والا ہوں اور اسباب میسر کرنا میرے قبضے میں ہے کیونکہ جس چیز کی بدولت تمہارے اسباب درست ہوتے ہیں اور صنعتیں کامل ہوتی ہیں اس چیز کو میں نازل کرتا ہوں یعنی پانی۔

چوتھا فائدہ

رزق کو ما توعدون کے ساتھ لانے میں بڑا فائدہ ہے وجہ یہ کہ مؤمنین کو چونکہ یقین ہے کہ اللہ نے جو کچھ وعدہ کیا ہے وہ ضرور ہوتا ہے اور یہ لوگ اس کے جلدی یا دیر میں ہونے پر قدرت نہیں رکھتے نہ اس کی تحصیل کی کوئی تدبیر ان کے پاس ہے پس گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ جیسے تم کو اس امر میں شک نہیں کہ ہمارے وعدہ کی کوئی چیز ہمارے پاس ہے اسی طرح اس میں بھی تم کو شک نہ ہونا چاہئے کہ تمہارا رزق بھی ہمارے پاس ہے اور جس طرح تم ہمارے وعدے کے جلدی حاصل کرنے سے قبل وقت عاجز ہو اسی طرح تم اس سے بھی عاجز ہو کہ جس رزق کو ہماری ربوبیت والوہیت نے ایک خاص وقت پر مقرر کیا ہے تم اس کو جلدی حاصل کر سکو۔

پانچواں فائدہ

اللہ تعالیٰ نے جو قسم کھائی ہے **فو رب السمآء والآرض انه لحق مثل ما انکم تنطقون** اس میں لوگوں پر بڑی بھاری حجت ہے کہ ایسا سچے وعدے والا جو ایسا وعدہ بھی کبھی خلاف نہیں کرتا وہ لوگوں کے واسطے اس چیز پر قسم کھاتا ہے جس کا ان کے لئے ذمہ لیا ہے چونکہ

اس کو علم ہے کہ نفس میں کیسا شک واضطراب ہے اس لئے فرشتوں نے جب یہ آیت سنی کہنے لگے یہ آدمی برباد ہو جائیں جنہوں نے اپنے رب جلیل کو غضبناک کر دیا یہاں تک کہ قسم کھائی۔

کسی نے یہ آیت سن کر کہا سبحان اللہ کس شخص نے ایسے کریم کو قسم کھانے کی ضرورت دلوائی اور جس شخص کی نسبت تم کو یقین ہوتا ہے کہ میرے وعدے پر وثوق کرے گا اس کے سامنے تجھ کو قسم کھانے کی حاجت نہ ہوگی اور جب یہ معلوم ہو کہ اس شخص کو میرے وعدے میں بے اطمینانی ہے اس کے سامنے قسم کھاؤ گے پس اس آیت نے بہتوں کو خوش کیا اور بہتوں کو شرمندہ کر دیا رہے وہ لوگ جن کو خوش کیا وہ تو وہ لوگ ہیں جو پہلے مقام میں ہیں کیونکہ اس قسم سے ان کا اور ایمان بڑھ گیا اور یقین پکا ہو گیا وسوسہ شیطانی اور شکوک نفسانی میں انہوں نے اس سے مدد لی، رہے وہ لوگ جن کو اس آیت نے شرمندہ کیا ان کو خیال ہوا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ہماری بے اطمینانی اور اضطراب دیکھ کر ہم کو قائم مقام اہل شک کے ٹھہرا کر قسم کھائی اس خیال نے ان کو اللہ سے شرمندہ کیا اور یہ خجالت مقتضائے فہم ہے۔

اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شئے بعضوں کے لئے باعث مسرت ہوتی ہے بعضوں کیلئے باعث حزن وخجالت جیسی کسی کی فہم ہو اور جیسے واردات الہامی ہوں دیکھ جب یہ آیت نازل ہوئی **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** یعنی آج کامل کر دیا میں نے تمہارے لئے دین تمہارا اور پوری کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت اور پسند کیا میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین تو تمام صحابہؓ خوش ہوئے، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ مغموم ہوئے کیونکہ وہ اس آیت سے خبر وفات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے اور رونے لگے اور اسی مقام سے ماخوذ ہے کہ کوئی چیز جب کامل ہو جاتی ہے اس پر اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ نقصان کی طرف رجوع کرے جیسا کسی نے کہا ہے۔

جب کمال آیا ہوا نقصاں قریب   بس ہوا زائل جوں ہی کامل ہوا
گر تو ہو انعام میں رکھ اس کا پاس   معصیت کی تو نے اور زائل ہوا

اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جانا جب تک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اس وقت تک کسی قسم کا نقصان ہو نہیں سکتا۔

(ف) یعنی جب خبر کمال سے اندیشہ ہوا اور نقصان حیات میں ہو نہیں سکتا اس سے خبر وفات سمجھے۔

اور دوسرے صحابہؓ ظاہر بشارت پر خوش ہوئے اور جہاں تک ابو بکرؓ پہنچے تھے وہاں تک نہ پہنچے اس سے ظاہر ہو گیا بھید اس حدیث[1] کا کہ ابو بکر تم سے روزہ نماز میں نہیں بڑھے بلکہ ان کے دل میں ایک چیز بیٹھ گئی ہے پس جس چیز سے ان کو اوروں پر سبقت تھی وہی اس کی موجب ہوئی کہ ایسی بات سمجھے جو کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔

اور اسی کے مثل یہ آیت ہے **ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون** یعنی اللہ نے مول لے لیا مومنین سے ان کی جانوں کو اور ان کے اموالوں کو اس معاوضہ میں ان کے لئے جنت ہے لڑتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں اور میں نے شیخ ابو محمد مرجانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ ایک قوم نے جو اس آیت کو سنا تو اس معاملے سے بہت خوش ہوئے اور خوشی سے ان کے چہرے گورے ہو گئے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اس لائق کیا کہ ان سے خریداری فرمائی اور انکا بڑا مرتبہ بڑھایا کہ ان کو خریداری کے لئے پسند کیا اور نیز بھاری قیمت اور بڑی اجرت سے خوش ہوئے اور ایک قوم نے جو سنا تو ان کے چہرے شرمندگی سے زرد ہو گئے کہ ان سے ایسی چیز خریدی کہ جس کا خود ہی مالک ہے سو اگر اللہ تعالیٰ کو ان کی مالکیت کا پوشیدہ دعوے معلوم نہ ہوتا تو یوں نہ فرماتے کہ اللہ نے مول لے لیا پس جن لوگوں کے چہرے خوشی سے سفید ہو گئے ان کو دو باغ ملیں گے جس میں چاندی کے برتن ہوں گے اور سب چیزیں بھی چاندی کی ہوں گی اور جن کے چہرے شرمندگی سے زرد ہو گئے ان کو دو باغ ملیں گے جس میں سونے کے برتن ہوں گے اور سب چیزیں بھی سونے کی ہوں گی ختم ہوا کلام شیخ کا۔

(ف) وجہ مناسبت ظاہر ہے کیونکہ چاندی سفید ہوتی اور سونا زرد۔

سو اگر اہل ایمان میں کچھ بقیہ منازعت کا نہ ہوتا تو ان پر یہ خرید و فروخت واقع نہ ہوتی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان اللہ اشتری کے بعد من المؤمنین فرمایا اور من

[1] حدیث یہ ہے ماسبقکم ابو بکر بصوم ولاصلوٰۃ ولکن بشیء وقر فی صدرہ ۱۲۔ (تنویر)

الانبیآء والمرسیلین نہیں فرمایا۔

اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا کہ نفس تین قسم کے ہیں ایک وہ جس کی خریداری نہیں کی جاتی بوجہ بیقدر ہونے کے دوسرا وہ جس کی خریداری ہوتی ہے بعجہ ذی قدر ہونے کے تیسرا وہ جس پر خریداری واقع نہیں بوجہ آزاد ہونے کے قسم اول کافروں کا نفس ہے کہ بوجہ بے قدر ہونے کے خریدا نہیں جاتا قسم دوم اہل ایمان کا نفس ہے کہ بعجہ ذی قدر ہونے کے اس کی خریداری ہوئی قسم سوم انبیاء ومرسلین کا نفس ہے کہ بعجہ آزاد ہونے کے ان پر خریداری نہیں واقع ہوئی۔

چھٹا فائدہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی ربوبیت کی قسم کھائی جو کہ آسمان وزمین کی کفیل ہے اور کسی اسم کی قسم نہیں کھائی وجہ یہ کہ ایسی ربوبیت جو آسمان وزمین کی کفالت کئے ہوئے ہے اس پر وثوق کرنے میں کسی ایماندار کو شک نہیں ہوسکتا اور اس کی شان ہی ہے کہ اتنے بڑے عالم کی کفالت کرتی ہے اور جب تجھ کو اس عالم سے نسبت کر کے دیکھیں تو بالکل ایک ناچیز اور بے بود معلوم ہوتا ہے سو رب کہنا افادۂ وثوق میں زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت دوسرے اسماء سمیع وعلیم ورحمٰن وغیرہ کے خوب سمجھ لو۔

ساتواں فائدہ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے فورب السمآء والارض انه لحق اور ضد باطل کی ہے اور باطل کہتے ہیں اس معدوم کو جس کا بالکل ثبوت نہ ہو اور رزق حق ہے جیسا رزق دینے والا حق ہے اور رزق میں شک کرنا گویا رازق میں شک کرنا ہے یہاں تک کہ ایک شخص کی حکایت ہے کہ قبروں میں سے کفن چرایا کرتا تھا پھر توبہ کرلی اس نے ایک عارف سے کہا کہ میں نے ایک ہزار کفن چرائے ہیں مگر میں نے سب مردوں کے منہ قبلے سے پھرے ہوئے پائے اس عارف نے کہا کہ بدگمانی رزق نے ان کے منہ کو قبلے سے پھیر دیا۔

(ف) یعنی چونکہ رازق پر بدگمانی کر کے کہ دیگا یا نہیں دوسرے اسباب کی طرف رخ توجہ کرتے تھے اس کی سزا میں یہ رخ ظاہری بیت اللہ سے پھر گیا۔

آٹھواں فائدہ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے مثل ما انکم تنطقون اس سے اثبات رزق میں تاکید ہوگئی اور اس کی حقیقت کو ذہن میں جما دیا اور یہ بات بتلا دی کہ کسی صاحب ایمان اہل ایقان کو اس میں شک وتردد نہ ہونا چاہئے اور اس کا ثبوت دل کی آنکھوں کے سامنے ایسا ہے جیسے ظاہری گویائی ان آنکھوں سے معلوم ہوتی ہے اس لئے معنی کو صورت کی طرف نقل کر دیا اور غیبت کو شہادت سے تشبیہ دی اور مقدمہ رزق میں لوگوں کا شک قطع کر دیا یعنی جیسا تم باتیں کرتے ہو اور اس میں شک نہیں کرتے کیونکہ معائنہ سے معلوم ہوتا ہے ایسے ہی تم لوگ مقدمہ رزق میں شک مت کرو کیونکہ نور ایمان سے اس کا ثبوت ہو رہا ہے۔

سو خیال کر اللہ کی تجھ پر مہر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے قصے میں کس قدر اہتمام فرمایا اور بار بار اس کا ذکر کیا اور اس کے مقامات بتلائے اس کی نظیر اور مثال محسوسات سے لائے جس میں دیکھنے والے کو ذرا بھی شک نہیں اور صفت ربوبیت کی قسم کھائی جو آسمان وزمین کو محیط ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک میں بھی اس کا ذکر مکرر آیا ہے۔

ارشاد فرمایا ہے ان روح القدس نفث فی روعی ان نفساً لن تموت حتی تستکمل رزقها فاتقوا الله واجملوا فی الطلب یعنی جبرئیل نے میرے قلب میں یہ بات پھونک دی کہ کوئی جان نہیں مرے گی یہاں تک کہ اپنا رزق پورا کرے سو اللہ سے ڈرو اور رزق کو طریق جمیل سے ڈھونڈو اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لو توکلتم علی الله حق توکله لرزقکم کما یرزق الطیر تغدوا خماصاً وتروح بطاناً یعنی تم کو اگر اللہ پر پورا بھروسہ ہوتا جیسا ہونا چاہئے تو تم کو اس طرح رزق دیتا جیسا پرندوں کو رزق دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے آشیانوں سے آتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر جاتے ہیں۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طالب العلم تکفل الله برزقه یعنی طالب علم کے رزق کا اللہ کفیل ہے اور بہت حدیثیں ہیں جو اس بارے میں آئی ہیں فائدہ جاننا چاہئے کہ سبب کا ہونا مقدمہ رزق میں توکل علی اللہ کے خلاف نہیں جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کیونکہ آپ نے یوں فرمایا فاتقوا الله واجملوا فی الطلب سو طلب کو مباح فرمایا

پس گویا یوں ارشاد ہوا کہ جب طلب کرو تو طریق جمیل سے طلب کرو یعنی طلب میں اللہ کے ساتھ بر دتفویض رکھو سو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوہ طلب کو مباح فرما دیا اور طلب منجملہ اسباب ہے اور یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے[1] کہ آدمی جو کھاتا ہے اس میں بڑی حلال وہ چیز ہے جو اپنے ہاتھ سے کمائے اور بہت حدیثیں ہیں جو اسباب کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے بلکہ اسباب پر ترغیب اور استحسان معلوم ہوتا ہے اسباب میں بہت فائدہ ہیں۔

پہلا فائدہ

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے قلوب کا ضعیف ہونا اور مشاہدہ قسمت سے قاصر ہونا اور سچے بھروسے سے عاجز ہونا معلوم ہے اس لئے اسباب کو ان کے لئے مباح کر دیا تا کہ ان کے دلوں کو سہارا رہے اور ان کے نفس ثابت رہیں سو یہ اللہ کا ان پر احسان ہے۔

دوسرا فائدہ

یہ ہے کہ اسباب میں آبرو ذلت سوال سے اور رونق ایمان زوال سے محفوظ رہتی ہے جس کا اندیشہ خلقت سے طلب کرنے میں ہے سو تجھ کو اللہ تعالیٰ اسباب سے جو عطا فرماتا ہے اس میں کسی مخلوق کی منت نہیں کیونکہ کوئی یوں احسان نہیں رکھتا کہ میں نے تجھ سے فلاں چیز خرید لی یا کسی کام پر تجھ کو نوکر رکھا کیونکہ اس نے اپنے حظ نفس میں سعی کی ہے اور اپنی ذات کو نفع پہنچانے کا قصد کیا ہے پس سبب سے بے منت حاصل ہو گیا۔

تیسرا فائدہ

یہ کہ لوگوں کو اسباب میں لگا دینے سے گناہ اور بافراغت مخالفت کرنے سے بچا دیا دیکھو عید وغیرہ میں جب اسباب معطل ہو جاتے ہیں یعنی کوئی کام نہیں رہتا تو غافلین کیسے فرصت میں اللہ کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی میں غرقاب ہو جاتے ہیں سو انکا کام میں لگا دینا اللہ کی بڑی رحمت ہے۔

چوتھا فائدہ

یہ ہے کہ اسباب کے سرانجام دینے میں تارکین دنیا پر رحمت ہے اور طالب طاعت

---

[1] اس کے یہ الفاظ ہیں احل ما اکل المؤمن من کسب یمینہ ۔۱۲ (تنویر)

اور فارغین عبادت پر اللہ کا بڑا احسان ہے اگر اہل اسباب سرانجام اسباب نہ کرتے تو خلوت والے کو خلوت اور مجاہدہ والے کو مجاہدہ کیسے بن آتا پس حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اسباب کو ان لوگوں کی خدمت کیلئے مقرر کردیا جو اس کی طرف متوجہ ہیں اور ادھر رخ کئے ہوئے ہیں۔

پانچواں فائدہ

یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اہل ایمان آپس میں مل جل کر رہیں چنانچہ فرمایا انما المؤمنون اخوۃ سو اسباب تعارف باہمی کا باعث اور محبت باہمی کا موجب ہوگئی اور اسباب کا انکار وہی کرے گا جو جاہل ہے یا جو شخص کہ اللہ سے غافل ہے اور ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کو خدا کی طرف بلایا تو اسباب چھوڑنے کا ان کو حکم کیا بلکہ ان کو ایسے اسباب پر قائم رکھا جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوں اور ہدایت کی طرف ان کو بلایا اور قرآن وحدیث دونوں ثبوت اسباب سے پر ہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

دیکھو مریم کو ہوا حکم خدا نخل بن کو تو ہلا اور کھا رطب
چاہتا گر شاخ کر دیتا قریب ہے مگر عالم میں ہر شیء کا سبب

اس شاعر نے اس آیت کی طرف اشارہ کیا وھزی الیک بجذع النخلة تساقط علیک رطباً جنیاً یعنی مریم علیہا السلام کو حکم ہوا کہ ہلا اپنی طرف کو شاخ کھجور کی بکھیرے گی تیرے اوپر تازہ چھوارے چنے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کی لڑائی میں دو زرہیں اوپر تلے پہنیں اور نیز آپ نے ککڑی کو کھجور کے ساتھ کھایا اور فرمایا یہ اس کی دافع ضرر ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پرندوں کی نسبت یہ ارشاد فرمایا کہ صبح کو بھوکے آتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر لوٹ جاتے ہیں اس میں بھی اسباب کا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ صبح وشام کی آمدورفت بھی ایک سبب ہے کہ پرندوں کے حق میں قائم کیا گیا یہ ایسا ہے جیسا آدمی صبح وشام اپنے پیشیوں کی طرف جاتے ہیں اور قول فیصل اس مقدمے میں یہ ہے کہ اسباب کا وجود تو ضرور ہونا چاہئے مگر ان پر نظر نہ ہونا چاہئے پس اسباب کو ثابت کر چونکہ اللہ نے اپنی حکمت سے ان کو ثابت کیا ہے مگر اس کا سہارا نہ کر چونکہ اس کی احدیت کا یقین رکھنا ہے اگر کوئی سوال کرے کہ حدیث میں جو آیا ہے فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب سو اس اجمال سے کیا مراد ہے

اجمال فی الطلب کا پہلا معنی

جواب جاننا چاہئے کہ اجمال فی الطلب کے معنی ہو سکتے ہیں ہم کو اللہ نے جس قدر کھولا ہے وہ ہم تجھ کو بتلاتے ہیں سو جان تو اللہ کی تجھ پر عنایت ہو کہ روزی ڈھونڈنے والے دو قسم کے ہیں ایک تو وہ شخص ہے جو اس میں غرق ہو کر اور تمامی ہمت کو اس میں متوجہ کر کے اس کو طلب کرتا ہے اس میں تو ضرور اس کا رخ اللہ سے پھر جاتا ہے کیونکہ ہمت جب ایک طرف متوجہ ہوگی تو دوسری جانب سے ہٹ جاوے گی۔

شیخ ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلب ایک طرف متوجہ ہوتا ہے جس طرف پھیرو گے دوسری طرف سے پھر جاوے گا اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے وما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے جوف میں دو دل نہیں بنائے یعنی ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اس کا باعث ضعف بشریت ہے کہ دو طرف توجہ ممکن نہیں پس انسان جب کبھی دو طرف متوجہ ہوگا ایک جہت میں ضرور خلل واقع ہوگا اور تمام جہات کا ایک وقت میں سرانجام کرنا اس طرح کہ کسی میں خلل واقع نہ ہو یہ اللہ ہی کی شان ہے۔

اسی واسطے ارشاد فرمایا ہے وھو الذی فی السمآء الہ وفی الارض الہ یعنی وہی ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے اس سے یہ بات بتلا دی کہ وہ اہل آسمان کی طرف بھی متوجہ ہے اور اہل زمین کی طرف بھی اہل آسمان کی طرف متوجہ ہونا اہل زمین کے حال پر توجہ فرمانے سے مانع نہیں اور اہل زمین کی طرف متوجہ ہونا اہل آسمان کے حال پر توجہ فرمانے سے مانع نہیں اور اسی طرح کوئی چیز کسی چیز سے اس کو غافل نہیں کرتی اسی وجہ سے الٰہ کے لفظ کو اس آیت میں مکرر لائے اور اگر اس لفظ کو مکرر نہ لاتے تو یہ فائدہ لفظ سے حاصل نہ ہوتا، ہاں اللہ تعالیٰ کی صفات کا مقتضا تو ہے ہی اسی سے واضح ہو گیا کہ جو شخص رزق کو اس طرح ڈھونڈے کہ اس پر اوندھا ہو کر اللہ سے غافل ہو جائے وہ شخص طلب میں اجمال نہیں کرتا اور جو ایسا نہ ہو وہ اجمال کرتا ہے۔

دوسرا معنی

دوسرے معنی اجمال کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے روزی طلب کرے اور کوئی مقدار اور سبب اور وقت مقرر نہ کرے۔

پس حق تعالیٰ اس کو جو چاہے اور جس طرح چاہے جس وقت چاہے روزی دے اور یہ ادب طلب ہے اور جو شخص روزی طلب کرے اور یا مقدار یا سبب یا وقت معین کرے وہ اللہ تعالیٰ پر حکومت جتلاتا ہے اور غفلت نے اس کے قلب کو گھر لیا ہے، کسی کی حکایت ہے، یوں کہا کرتا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان اسباب کو چھوڑ دوں اور مجھ کو دو روٹی روزانہ کہیں سے مل جایا کریں مقصود یہ تھا کہ کلفت اسباب سے راحت ملے۔

(ف) دیکھو مقدار جو معین کی اس کا وبال آتا ہے۔

وہ شخص کہتا ہے کہ میں اتفاقاً قید ہو گیا اور مجھ کو قید خانے میں ہر روز دو روٹیاں ملا کرتیں اسی حالت میں ایک زمانہ دراز گذر گیا یہاں تک کہ تنگدل ہونے لگا ایک روز کچھ سوچ رہا تھا کہ مجھ سے کہا گیا کہ تو نے ہم سے دو روٹیاں روز مانگی تھیں اور عافیت نہیں مانگی تھی، سو جو تو نے مانگا وہ ہم نے تجھ کو دیا میں نے استغفار کیا اور رجوع الی اللہ کیا یکا یک کوئی شخص دروازہ قید خانے کا کھٹکاتا ہے پس میں چھوٹ کر باہر نکلا۔

سو اے ایمان والے! اس قصے سے ادب حاصل کر اور یہ مت طلب کر کہ ایک امر سے نکال کر دوسرے امر میں تجھ کو داخل کیا جاوے بشرطیکہ تو جس حالت میں ہے وہ شریعت کے موافق ہو کہ اس طرح طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے ادبی ہے پس صبر اختیار کر کہیں ایسا نہ ہو کہ تو از خود کسی امر سے نکلنا چاہے اور تیرا مطلوب تجھ کو مل جاوے مگر راحت نصیب نہ ہو کیونکہ بہت سے ایسے ہوئے ہیں کہ ایک سبب کو چھوڑ کر دوسرے سبب میں داخل ہوئے تا کہ ثروت و راحت ملے اور وہ تعب میں پڑ گئے اور آسانی کے عوض سختی بڑھ گئی اس سزا میں کہ اپنے لئے یہ صورت تجویز کی تھی اور ہماری ایک دوسری کتاب میں یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر تجھ کو اسباب میں رکھے اس وقت تجرید طلب کرنا شہوت خفیہ ہے اور اگر تجھ کو تجرید میں رکھے اس وقت اسباب طلب کرنا خلاف ہمت علیہ ہے۔

پس خوب سمجھ لے اللہ کی تجھ پر مہر ہو کہ اس دشمن کی یعنی شیطان کی یہ حالت ہے کہ جس کام میں تو لگا ہو اسی راہ سے تیرے پاس آتا ہے اور تیری نظر میں اس کی تحقیر کرتا ہے تا کہ جس شغل میں تجھ کو اللہ نے رکھا ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے میں لگ جاوے پھر تیرا دل

مشوش اور وقت مکدر ہو اور یہ یوں ہوتا ہے کہ اہل اسباب کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تم اسباب چھوڑ دو اور مجرد ہو جاؤ تو تمہارے انوار روشن ہوں اور تمہارے قلوب و اسرار صاف اور یوں کہتا ہے کہ دیکھو فلاں فلاں نے ایسا ہی کیا اور حالانکہ یہ شخص اس قابل نہیں ہے کہ اس سے تجرید کی امید ہو نہ اس کو اس قدر طاقت ہے بلکہ اس کی خیریت اسباب ہی میں ہے پس وہ اسباب کو چھوڑ بیٹھا ہے پھر اس کا ایمان ڈگمگ ہونے لگتا ہے اور یقین جاتا رہتا ہے اور خلقت سے طلب کرنے کی طرف اور رزق کے اہتمام کی طرف متوجہ ہوتا ہے پس دریائے دوری میں پھینک دیا جاتا ہے اور اس دشمن ایمان کا یہی مقصود تھا کیونکہ وہ تیرے پاس خیر خواہ کے پیرایہ میں آتا ہے۔

اس لئے اگر دوسری صورت میں آوے تو اس کی بات کیسے مانے جیسے آدم حوا علیہما السلام کے پاس ناصح بن کر آیا اور کہا **مانھا کما ربکما عن ھذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین** جیسا اوپر بیان ہو چکا اسی طرح تارکین اسباب کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ کب تک ان اسباب کو چھوڑے رہو گے تم کو معلوم نہیں کہ ترک اسباب میں قلوب کی توجہ لوگوں کے مال میں ہونے لگتی ہے اور دروازہ طعن کا کشادہ ہو جاتا ہے اور اس حالت میں تجھ سے نہ کسی کی حاجت روائی ممکن ہے نہ سخاوت کر سکتا ہے نہ حقوق ادا کر سکتا ہے اور ہمیشہ تو منتظر بیٹھا رہتا ہے کہ کچھ مخلوق سے فتوح ہو اگر تو اسباب اختیار کرے تو پھر اور لوگ منتظر رہا کریں گے کہ ان کو تجھ سے کچھ فتوح ہو اور بہت سی باتیں سوجھاتا ہے اور حالانکہ اس شخص کا وقت خوش تھا اور نور کشادہ تھا اور انقطاع خلائق میں راحت ملی تھی ہمیشہ اس کے سر رہتا یہاں تک کہ اسباب کی طرف رجوع کرتا ہے پھر اسباب کی کدورت اس کو پہنچی ہے اور اس کی ظلمت گھیر لیتی ہے اور جو شخص اسباب میں رہتا ہے اس کی حالت اس شخص سے اچھی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ اسباب والا راہ میں چل کر نہیں لوٹا اور مقصود کی طرف متوجہ ہو کر نہیں مڑا۔

(ف) بخلاف اس شخص کے کہ راہ مولا میں قدم اٹھا کر لوٹ آیا اور اعراض کیا **نعوذ باللہ**۔

خوب سمجھ لے اور اللہ کی راہ میں آ جو اللہ[1] کی پناہ میں آیا وہ سیدھی راہ چلا گیا صرف مقصود

---

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیا کی طرف **و من یعتصم باللہ فقد ھدی الیٰ صراط مستقیم** ۔۱۲ (مترجم)

شیطان کا یہ ہے کہ لوگوں کو جو اپنے اپنے حال میں اللہ تعالیٰ سے رضا نصیب ہے اس سے باز رکھے اور یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حالت ان کیلئے پسند فرمائی ہے اس سے جدا کر کے ایسی حالت میں پھنسا دے جس کو یہ لوگ خود اپنے لئے پسند کریں اور اللہ تعالیٰ جس حالت میں داخل فرماتا ہے اس میں مدد فرماتا ہے اور جس میں تو خود داخل ہو تیرے ہی حوالے کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیرا** یعنی دعا کر کہ اے پروردگار داخل کر مجھ کو داخل کرنا اور اچھا اور نکال مجھ کو نکالنا اچھا اور کر میرے واسطے اپنے پاس سے غلبہ حمایت کرنے والا سو مدخل صدق کے یہی معنی ہیں کہ تو اس میں داخل کیا جاوے خود داخل نہ ہو علیٰ ہذا القیاس مخرج صدق کو سمجھو اور اللہ تعالیٰ کو جو امر تجھ سے مطلوب ہے یہ ہے کہ تجھ کو جس حالت میں قائم کر دے وہاں ہی ٹھہر جاوے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی تیرے نکالنے کا سامان کر دے جیسا داخل کرنے کا کیا تھا اور یوں کام نہیں چلتا کہ تو سبب کو چھوڑ دے بلکہ بڑی بات تو یہ ہے کہ سبب تجھ کو چھوڑ دے۔

کسی بزرگ نے فرمایا کہ میں نے اتنے اتنے مرتبہ سبب کو چھوڑا مگر پھر لوٹ پھر کر ادھر ہی آیا پھر مجھ کو سبب نے چھوڑ دیا پھر میں ادھر نہیں آیا میں ایک بار شیخ ابو العباس مرسیؒ کے پاس آیا اور میرے دل میں تجرید کا پختہ ارادہ تھا اور اپنے جی میں کہتا تھا کہ میری جو حالت اب ہے کہ علم ظاہری میں مشغول ہوں لوگوں سے اختلاط ہوتا ہے اس حالت میں تو وصول الی اللہ بہت بعید ہے میں پوچھنے بھی نہیں پایا تھا کہ فرمانے لگے، کہ ایک شخص نے میری صحبت اختیار کی جو علوم ظاہری میں مشغول تھا اور اس میں صدر نشین تھا اس کو کچھ اس طریق کا مذاق ہوا تو میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ یا حضرت جس شغل میں میں ہوں اس کو چھوڑ کر فراغت سے آپ کی صحبت میں رہوں میں نے جواب دیا کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں تم اپنی حالت میں رہو جو کچھ اللہ نے تمہاری قسمت میں ہمارے ہاتھ سے لکھا ہے وہ تم کو پہنچ کر رہے گا۔

پھر شیخ میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے کہ صدیقین کی یہی شان ہے کہ کسی حالت سے خود نہیں نکلتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو نکالے پس میں شیخ کی خدمت میں آیا اور اللہ نے یہ خطرات میرے دل سے دھو ڈالے تھے اور مجھ کو راحت تسلیم میسر ہوئی فی

الحقیقت ایسوں ہی کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔

اجمال فی الطلب کا تیسرا معنی

تیسرے معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہوسکتے ہیں کہ اللہ سے مانگے مگر قصد یہ ہو کہ اللہ سے مناجات کرتا ہوں خود وہ ح۰ مطلوب نہ ہو، صرف طلب کرنا بہانہ مناجات ہوا۔

اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ دعا میں یہ قصد نہ ہونا چاہئے کہ مرادل جائے کہ اس قصد میں تو اپنے رب سے محجوب ہوجائے گا بلکہ مقصود اعظم مناجات مولیٰ ہوا اور منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں پوچھتے پھرا کرتے تھے کہ کوئی شخص خدائے تعالیٰ کو کچھ پیغام دیتا ہے یا صرف اسی واسطے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرا زیادہ باتیں ہوں۔

چوتھا معنی

چوتھے معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہیں کہ طلب کرنے کے وقت یہ مشاہدہ کر کہ جو کچھ تیری قسمت میں ہے وہ خود تجھ کو ڈھونڈتا آئیگا اور تیرا طلب کرنا اس تک نہ پہنچائے گا پس تیری طلب اس حال میں ہونا چاہئے کہ تو دریائے عجز میں غرق ہوا، احتیاط میں غوطہ زن ہوا، کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ حظوظ بشریہ کیلئے طلب نہ ہو بلکہ اظہار عبودیت کیلئے ہو جیسا حکایت ہے کہ حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کبھی ذوق وشوق میں یوں کہتے ہیں۔

جز تیرے مجھ کو کوئی بھاتا نہیں آزمالے جس طرح چاہے مجھے

پس حبس البول (یعنی پیشاب کا بند ہوجانا) کی بیماری میں مبتلا ہوگئے پس صبر کیا اور مستقل رہے یہاں تک کہ ان کا ایک شاگرد آ کر کہنے لگا کہ اے استاد میں نے گذشتہ شب تمہاری آواز سنی کہ اللہ سے شفاء وعافیت مانگ رہے تھے حالانکہ انہوں نے دعا نہیں کی تھی پھر دوسرا شاگرد آیا پھر تیسرا شاگرد آیا پھر چوتھا آیا ان کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ اپنی محتاجی اور ضرورت عافیت ظاہر کروں پھر اللہ سے شفا چاہی پھر مکتب کے بچوں میں گھومتے پھرتے تھے اور فرماتے تھے اپنے چھوٹے چچا کیلئے دعا کرو۔

---

[1] حدیث یہ ہے ھم القوم لا یشقی جلیسھم ۱۲ (تنویر)

پانچواں معنی

پانچویں معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہیں کہ اللہ سے اتنا مانگے جو کافی ہو اور اتنا نہ مانگے جس میں حد سے نکلنے لگے قدر کفایت سے جو زاید ہو اس کی طرف حرص کے ساتھ توجہ نہ ہو نہ رغبت کے ساتھ اس طرف دل کھلنا چاہئے اور یہ بات ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی ہے کہ دعا مانگے **اللّٰھم اجعل قوت ال محمد کفافاً** یعنی یا اللہ محمدؐ کے گھر والوں کو اتنا دے کہ برابر ہو جائے اور کفایت سے زیادہ طلب کرنے والے قابل نکوہش ہیں اور طالب کفایت پر کچھ ملامت نہیں اسی واسطے حدیث میں آیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **ولا تلام علیٰ کفاف** یعنی قدر کفایت پر تجھے ملامت نہیں کی جاتی اور اس مضمون میں تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو ثعلبہ بن حاطب کو فرمایا تھا کافی ہے جب اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو مال دے آپ نے فرمایا اے ثعلبہ بن حاطب وہ قلیل جس کا تو شکر ادا کرتا رہے اس کثیر سے بہتر ہے جو تجھ سے اٹھایا نہ جاوے ثعلبہ نے مکرر عرض کیا آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ جس قلیل کا شکر ادا کرے وہ اس سے اچھا جو تجھ سے اٹھ سکے وہ برابر اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ آپ نے اس کی مرضی کے موافق دعا فرما دی پس اس نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کی ہوئی حالت کی مخالفت کر کے اپنی پسند کی ہوئی حالت کو اختیار کیا، اس کا انجام یہ ہوا کہ اس کا مال بڑھ گیا یہاں تک کہ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے سے بچھڑ جاتا پھر مال اور بڑھا یہاں تک کہ بجز جمعہ کے کوئی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ پڑھتا پھر بکریاں مواشی اس قدر بڑھیں کہ جمعہ کی نماز بھی نہ ہو سکی۔

پھر اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زکوٰۃ لینے والا آیا کہنے لگا کہ میری رائے میں تو یہ جزیہ ہے یا مشابہ جزیہ کے اور زکوٰۃ نہ دی اور اس کا قصہ مشہور ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی شان میں یہ نازل فرمایا **ومنھم من عاھد اللہ الیٰ قولہ یکذبون** یعنی ان منافقوں میں سے بعضے ایسے ہیں کہ اللہ سے عہد کیا کہ اگر ہم کو اپنے فضل سے عطا کرے تو ہم خوب خیرات کریں اور بھلائی والوں میں سے ہو جاویں پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے زیادہ دیا بخل کرنے لگے اور منہ موڑا اعراض

کرتے ہوئے پس بدلہ دیا اللہ نے ان کو کہ دلوں میں نفاق پیدا کر دیا جو اس سے ملنے کے دن تک رہیگا سبب اس کے کہ جھوٹ بولتے تھے۔

اجمال فی الطلب کا چھٹا معنی

چھٹے معنی اجمال فی الطلب کبھی دنیا مانگنے میں ہوتا ہے۔

(ف) یعنی اس طرح کہ اس پر بس نہ کرے بلکہ دعائے آخرت کو بھی ملائے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے **فمن الناس من یقول ربنآ اتنا فی الدنیا وما له فی الاخرة من خلاق** یعنی بعضے تو یوں دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور اس کو آخرت میں کچھ حصہ نہیں ملتا اور بعض یوں دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی[1] بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور بچا ہم کو عذاب دوزخ سے۔

ساتواں معنی

ساتویں معنی کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ اس طرح طلب کرے کہ ملنے میں شک نہ ہو اور حرمت کا پاس رکھے۔

آٹھواں معنی

آٹھویں معنی ایک اجمال فی الطلب یہ ہے کہ طلب کرتا رہے اور تقاضا نہ ہو کہ قبول ہو اور غیر اجمال یہ ہے کہ جلدی کا تقاضا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد ہوا[2] ہے۔

کہ دعا قبول ہوتی ہے جب تک یہ تقاضا نہ ہو کہ میں نے دعا کی مگر قبول ہی نہیں ہوتی اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے فرعون کیلئے بددعا کی جیسا اللہ تعالیٰ نے قصہ بیان فرمایا ہے، **ربنا اطمس علی اموالھم الیٰ قوله الیم** یعنی اے ہمارے رب مٹا دے ان کے مال اور سختی کر دے ان کے دلوں پر بس یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دیکھیں عذاب دکھ دینے والا اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا **قد اجیبت الیٰ قوله لا**

---

[1] یعنی عمل نیک ۱۲ (ملفوظ شریف)

[2] حدیث یہ ہے **یستجاب لاحدکم مالم یقل دعوت فلم یستجب**

یعلمون یعنی تم دونوں کی دعا قبول ہوگئی۔

پس دونوں مستقیم رہو اور راہ مت چلو ان لوگوں کی جو جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمانے میں کہ قد اجیبت دعوتکما اور فرعون کے ہلاک ہونے میں چالیس سال کی مدت تھی۔

شیخ ابوالحسنؒ نے فاستقیما کی تفسیر میں فرمایا کہ مستقیم رہو جلدی مراد نہ مانگنے پر اور الذین لا یعلمون کی تفسیر میں کہا کہ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو قبولیت دعا میں جلدی مچاتے ہیں۔

نواں معنی

نویں معنی کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ طلب کرے پھر اگر مل جاوے شکر کرے اور اگر نہ ملے تو اس کی خوبی اختیار اور عمدہ پسند کو مشاہدہ کرے کیونکہ بہت سے طالب ملنے پر شکر نہیں کرتے اور نہ ملنے پر اللہ تعالیٰ کی مصلحت داری پر نظر نہیں رکھتے بلکہ جو طلب کرتا ہے اسے یقین ہوتا ہے کہ میری مصلحت ملنے ہی میں ہے حالانکہ اس نادان کو کہاں حق پہنچتا ہے کہ علم الٰہی کے مقابلہ میں حکم لگادے اور اللہ کے غیب پر واقف ہو جائے اور بندے کی یہی حالت بس ہے کہ اپنے مولیٰ کے مقابلے میں تجویز لگائے پس جب اس سے سوال کرنا ہو تو ایسی طرح سوال کر کہ اسی کو تفویض کردے اور اس کے آگے نہ تدبیر چلائے نہ تجویز ٹھہرائے خود ارشاد فرمایا وربک یخلق ما یشاء الخ یہ حکم تو اس امر میں ہے جس کا خیر و شر ہونا معلوم نہ ہو۔

اور تفصیل اس میں یہ ہے کہ آدمی جس چیز کیلئے دعا کرتا ہے وہ تین قسم سے ہے

ایک وہ جو یقیناً خیر ہو اس کو تو بے استثناء اللہ سے مانگنا چاہئے جیسے ایمان اور سب طاعتیں۔

دوسرے وہ جو یقیناً شر ہو اس سے بلا استثناء بچنے کی دعا کرنا چاہئے جیسے کفر اور سب گناہ

تیسرے وہ جس کا حال معلوم نہ ہو جیسے غنی ہونا معزز ہونا بلند مرتبہ ہونا اس کو اللہ سے یہ کہہ کر مانگنا چاہئے کہ یا اللہ اگر یہ میرے حق میں بہتر ہو تو عنایت فرما ورنہ خیر ایسا ہی سنا ہے میں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے۔

دسواں معنی

دسویں معنی کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ طلب کے وقت اس کی تقسیم ازلی پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنی دعا کی طرف نسبت نہیں کرتے۔

کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ یہ طلب کر رہے ہیں مگر یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم مستحق نہیں یہ لوگ سزاوار ہیں کہ منت خداوندی کے مستحق ہوں۔

شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اللہ سے کوئی چیز مانگی ہے اپنی برائیاں پیش نظر کر لی ہیں مقصود شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس مراقبے سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ایسے وصف کے ساتھ سوال نہ ہو کہ جس میں استحقاق عطا ہو بلکہ اس کا فضل اس کے فضل ہی کے ذریعہ سے مانگا جائے۔

پس یہ دس توجیہیں اجمال فی الطلب کی ہیں اور انحصار مقصود نہیں کیونکہ اس میں اس سے بھی زیادہ وسعت ہے لیکن ہم نے اسی قدر بیان کیا ہے جتنا غیب سے مولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ نے عنایت کیا اور حدیث کلام صاحب انوار محیط کا ہے۔

(ف) مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

سو لینے والا اپنی نورانیت کے موافق اس سے لے سکتا ہے اور آپ کے دریائے جواہر سے اسی قدر لے گا جس قدر غوطہ لگائے گا اور ہر شخص اپنے مقام کے موافق سمجھتا ہے ایسی مثال ہے جیسے بہت طرح کے درخت ہوں کہ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں پھر بعضوں کو بعضوں پر میوے میں بزرگی دی ہے۔

(ف) یعنی فیاض ایک ہے اختلاف فیوض اختلاف استعداد مستفیضین سے ہے۔

اور جو چیز لوگوں نے نہیں لی وہ لئے ہوئے سے زیادہ ہے اور یہ ارشاد[1] نبوی سن کہ مجھ کو جامع کلمات عنایت ہوئے اور میرے لئے کلام مختصر کیا گیا ہے، اگر علماء الٰہی ابدالآباد تک آپ کے کلام مبارک کے ایک کلمے کے اسرار بیان کریں تب بھی علم میں اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور فہم سے اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

یہاں تک کسی بزرگ کا قول ہے کہ میں نے ستر برس تک اس حدیث پر عمل کیا اور ابھی تک فارغ نہیں ہوا حدیث یہ ہے من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ یعنی آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ غیر مفید چیزوں کو ترک کر دے اور بزرگ نے سچ کہا اللہ اس سے

---

[1] حدیث یہ او تیت جوامع الکلم و اختصرلی الکلام اختصار۔ ۱۲ (تنویر)

خوش رہے اور اگر وہ گروہ بزرگ بقائے دنیا تک زندہ رہتے بلکہ ابدالآباد تک تب بھی اس حدیث کے حقوق سے اور جو کچھ اس میں عجائب عالم اور اسرار مفہوم رکھے ہیں ان سے فارغ نہ ہوتے۔

رجوع بمطلب

دیکھو یہ ارشاد نبوی اگر تم کو اللہ پر بھروسہ ہوتا جیسا ہونا چاہئے تو تم کو اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو دیتا ہے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر جاتے ہیں۔

اس حدیث کو دیکھتے ہو کہ امر بالتوکل پر دلالت کرتی ہے نفی اسباب پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اسباب کے اثبات پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یوں فرمایا کہ صبح کو آتے ہیں شام کو جاتے ہیں سوان کیلئے صبح کا آنا اور شام کا جانا ثابت کیا ان کے حق میں یہی سبب ہے البتہ جمع کر کے رکھنے کی نفی فرمائی گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم کو پورا توکل ہوتا تو تم ذخیرہ نہ کیا کرتے اور تم کو توکل کرنا ذخیرہ رکھنے سے بے نیاز رکھتا اور تم کو اس طرح سے رزق ملتا جیسے پرندوں کو ملتا ہے کہ ایک دن کی روزی مل گئی اگلے دن کے لئے ذخیرہ نہیں کرتے چونکہ ان کو وثوق ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ضائع نہ کرے گا سوائے ایمان والو تم تو اس کے زیادہ مستحق ہو۔

پس آپ نے یہ بات بتلا دی کہ ذخیرہ کرنے کا باعث ضعف یقین ہے اگر کوئی دریافت کرے کہ ہر ذخیرہ کا یہی حکم ہے یا حالت مختلف ہے تو جاننا چاہئے کہ ذخیرہ رکھنا تین قسم پر ہے۔

ذخیرہ رکھنا ظالمین[1] کا ذخیرہ رکھنا مقتصدین کا ذخیرہ رکھنا سابقین کا۔

قسم اوّل

قسم اول یعنی ظالمین وہ لوگ ہیں جو ذخیرہ کرتے ہیں بخل سے اور دولت بڑھانے کو امساک کرتے ہیں شیخی بگھارنے کو اور فخر کرنے کو سو ان لوگوں کے قلوب میں غفلت خوب جم گئی اور ان کے نفوس پر حرص غالب ہو گئی ان کی حرص دنیا سے فراغت نہ پائے گی ان کی ہمت دنیا کے سوا کسی طرف نہ جائے گی ان کی محتاجی ثابت ہے اگرچہ ظاہر میں غنی ہوں ان کی ذلت ظاہر ہے اگرچہ دیکھنے میں معزز ہوں یہ لوگ دنیا سے سیر نہ ہوں گے اور اس کی طلب سے سست نہ ہوں گے اسباب دنیا ان کے ساتھ بازی کرتے ہیں ان کے متفرق رب ہو رہے ہیں

[1] اولئک ھم اضل و اولئک ھم الغافلون ۔۱۲ (مترجم)

یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں یہ لوگ ہیں غافل ان کے دلوں میں عالم کے یاد رکھنے کی اور نصیحت سننے کی جگہ نہیں پس بہت ہی کم ان کے اعمال مقبول ہوتے ہیں ان کے احوال صاف ہوتے ہیں کیونکہ اندیشہ فقر ان کے دلوں میں بس رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کے دل میں اندیشہ فقر جاگزیں ہو اس کا عمل بہت ہی کم مقبول ہوتا ہے پس جو ایماندار اس سے عافیت میں ہو جس میں وہ پھنسے ہیں اور اس آفت سے سالم ہو جس میں وہ بھر رہے ہیں اور اس کدورت سے پاک ہو جس میں وہ بھر رہے ہیں اس پر واجب ہے کہ اللہ کا شکر کرے اس فضل پر جس کے ساتھ اس کو مخصوص کیا اور اپنے عطا سے اس پر انعام کیا اور جب ایسے لوگوں کو دیکھے تو کہے الحمد لله الذی عافانی مما ابتلاهم به وفضلنی علیٰ کثیر ممن خلق تفضیلا جیسا جب کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جس پر مصیبت ہوتی ہو تو اللہ کی حمد کرتا ہے جس نے تجھ کو عافیت دی اور اس وقت اپنے مولیٰ کے انعام کا مشاہدہ کرتا اسی طرح تجھ پر واجب ہے اور سزاوار ہے کہ اللہ کا شکر کرے جب تجھ کو اسباب دنیا اور اس میں پھنسنے سے عافیت عنایت فرمادے اور دوسروں کو مبتلا کرے اور ان کو حقیر نہ سمجھے بلکہ بجائے حقیر سمجھنے کے ان پر رحم کر اور بجائے بددعا کے ان کیلئے دعا کر اور عارف باللہ حضرت معروف کرخیؒ کے فعل کا اتباع کر سراپا معروف یعنی نیکی تھے۔

قصہ حضرت کرخی رحمہ اللہ

قصہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت معروف کرخیؒ اپنے یاروں کے ساتھ دجلہ پر گذرے ان کے یاروں نے دجلہ پر ایک جلسہ دیکھا جو کہ اہل لہو و فسق و نشاط تھے سب نے عرض کیا کہ اے استاد ان کے لئے بددعاء کیجئے آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے عرض کیا یا اللہ تو نے جیسا کہ ان کو دنیا میں خوش کیا ہے آخرت میں بھی ان کو خوش رکھ یاروں نے عرض کیا کہ اے استاد ہم نے تو بددعا کو کہا تھا آپ نے فرمایا کہ جب اللہ کو آخرت میں خوش رکھنا منظور ہوگا تو ان کو توبہ کی توفیق دے گا تمہارا اس میں کیا نقصان ہے اسی وقت اس جلسے کے لوگ خشکی میں آئے اور مرد ایک طرف اترے عورتیں ایک طرف دونوں پاک صاف ہوئے اور توبہ کرتے ہوئے اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان میں حضرت معروف کرخیؒ کی دعا کی برکت سے بڑے بڑے عابد و زاہد ہوئے۔

[1] حدیث یہ ہے من سکن خوف الفقر قلبه قل ما یرفع له عمل ۔۱۲ (تنویر)

پس جب گنہگاروں پر نظر پڑے تو یہ سمجھ کہ علم ازلی اور مشیت قطعی میں ان پر یوں ہی حکم ہو چکا ہے اگر تو ایسا نہ کرے گا تو تجھ پر اندیشہ ہے کہ ایسے ہی امتحان میں تو نہ پھنس جاوے اور ان کی طرف تو بھی دوڑ الدیا جاوے شیخ ابوالحسنؒ کا ارشاد سن کر فرماتے ہیں کہ ایمان والوں کی تعظیم کر اگر چہ وہ عاصی فاسق ہوں اور ان کو نیک بات بتلا اور بری بات سے منع کر اور ان سے ملنا اگر چھوڑے تو وہ بھی شفقت سے ہو نہ اپنی بڑائی جتلانے کو۔

(ف) شفقت یہ کہ ہمارے ملنا چھوڑنے سے اس کو تنبیہ ہوگی اور راہ راست پر آ جاویگا۔

اور یہ بھی شیخؒ کا قول ہے کہ اگر مومن عاصی کا نور ظاہر ہو جاوے تو زمین و آسمان کے درمیان تمام فضا کو بھر دیوے تو مومن مطیع کی کیا کیفیت سمجھتے ہو اور اہل ایمان اگر چہ اللہ سے غافل ہوں۔

ان کی تعظیم کے لئے اللہ تعالیٰ کا قول بس ہے **ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا الیٰ قولہ باذن اللہ** یعنی پھر وارث کیا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو جن کو ہم نے برگزیدہ کیا اپنے بندوں سے بعض تو ان میں اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض بیچ کی چال چلتے ہیں اور بعض نیکیوں میں بڑھے ہوئے اللہ کے حکم سے سوخیال کر کے کہ باوجود ظالم ہونے کے ان کے لئے اصطفا کس طرح ثابت فرمایا اور ظلم کو اس کا سبب قرار نہیں دیا کہ ان کو برگزیدہ سے یا وراثت کتاب سے نکال دے اور ان کو ایمان سے پسند کیا اگر چہ گناہ سے ظالم ہوں پس پاک ہے وسیع رحمت والا بڑی منت والا اور جاننا چاہئے کہ اس کے ملک میں ضرور ایسے بندے بھی ہونے چاہئیں جو مستحق علم اور مظہر رحمت و مغفرت و وقوع شفاعت ہوں اور اس حدیث کو سمجھ کر فرمایا[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو نا پید کر کے دوسری قوم کو ظاہر کرتا جو گناہ کرتے پھر استغفار کرتے پھر اللہ ان کو بخشتا اور فرمایا[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری شفاعت اہل کبائر کیلئے ہے میری امت میں سے۔

(ف) ان حدیثوں میں وسعت رحمت اور حکمت وقوع معاصی کا بیان کرنا مقصود ہے کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ گناہ سے اللہ و رسول خوش ہوتے ہیں حاشا وکلا اور ایک شخص شیخ ابوالحسنؒ

---

[۱] حدیث یہ ہے۔ **والذی نفسی بیدہ لولم تذنبوا للذھب اللہ بکم وجاء بقوم یذنبون فیستغفرون اللہ فیغفرلھم** ۱۲ (تنویر)

[۲] حدیث یہ ہے۔ **شفاعتی لاھل الکبائر من امتی** ۱۲ (تنویر)

کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اے حضرت گذشتہ شب ہمارے پڑوس میں ایسی ایسی بڑی باتیں ہوئیں اور اس شخص سے آثار استبعاد کے ظاہر ہوئے آپ نے فرمایا اے شخص شاید تو یوں چاہتا ہے کہ اللہ کے ملک میں اس کی معصیت نہ ہو جو شخص یوں چاہتا ہے کہ جو معصیت نہ ہو وہ یوں چاہتا ہے کہ اسکی مغفرت ظاہر نہ ہو اور حضرت کی شفاعت نہ ہو ختم ہوا کلام شیخ کا۔

اور بہت سے ایسے گنہگار ہیں کہ انکی کثرت گناہ اور لغزش موجب رحمت پروردگار ہو جاتی ہے پس تو اس پر رحم کر اور اس کے ایمان کی عزت سمجھ اگرچہ گناہ کرتا ہے۔

قسم دوم

قسم دوم ذخیرہ جمع کرنا مقتصدین یعنی بیچ کی چال چلنے والوں کا ہے اور وہ لوگ ہیں کہ دولت بڑھاتے اور شیخی بگھارنے اور بڑائی جتلانے کے لئے ذخیرہ نہیں کیا بلکہ محتاجی میں اپنے اضطراب کا حال معلوم کیا پس سمجھے کہ اگر ذخیرہ نہیں کرتے تو ان کا ایمان ڈھل مل ہوتا ہے اور یقین ڈگمگ ہوتا ہے پس انہوں نے اس لئے ذخیرہ کر لیا کہ متوکلین کے حال کی ان میں ہمت نہیں اور جانتے ہیں کہ ہم مقام یقین سے عاجز ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[1] ہے کہ مومن قوی اللہ کے نزدیک مومن ضعیف سے اچھا ہے اور یوں سب ہی اچھے ہیں۔

پس مومن قوی وہ ہے کہ اس کا نور یقین روشن ہو پس اس نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ میرا رزق ضرور میرے پاس پہنچا دیگا خواہ ذخیرہ کرے یا نہ کرے اور اگر میں ذخیرہ نہ کرونگا تو اللہ میرے لئے ذخیرہ کر لے گا اور ذخیرہ والے اپنے ذخیروں کے حوالے کئے جاتے ہیں اور توکل والے اللہ کے حوالے ہیں اور کسی شئے پر حوالے نہیں کئے گئے سو مومن قوی وہ شخص ہے جو اسباب کا سہارا نہ کرتا ہو خواہ اسباب میں ہو یا نہ ہو اور جو مومن ضعیف ہے وہ اگر اسباب میں داخل ہے تو ان کا کچھ سہارا سمجھتا ہے اور اگر اسباب سے خارج ہے تو ان کی طرف نگراں ہے قسم سوم ذخیرہ رکھنے نہ رکھنے کے اعتبار سے وہ لوگ ہیں جو سابقین ہیں یعنی مراتب میں بڑھے ہوئے وہ لوگ وہ ہیں کہ اللہ کی طرف بڑھ گئے کیونکہ ان کے دل اس کے ماسوا سے خالص ہو گئے پس ان کو موانع اللہ سے نہ روک سکے اور علائق سے غافل نہ کر سکے پس اللہ کی طرف دوڑ پڑے کیونکہ ان کو کوئی امر مانع نہ تھا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے صرف غیر اللہ کے تعلق کی کوشش نے روک رکھا ہے جب ان کے قلوب اللہ کی طرف جانا چاہتے ہیں وہ تعلق اسی چیز

[1] حدیث یہ ہے۔ المؤمن القوی خیر عند اللہ من المؤمن الضعیف وفی کل خیر ۱۲ (تنویر)

کی طرف کھینچتا ہے جس کی طرف تعلق ہے پس وہ واپس لوٹ آتے ہیں اسی چیز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں سو درگاہ بے نیاز ایسے شخص کو نصیب نہیں ہوتی جس کی یہ حالت ہو۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تجھ کو پیچھے سے کوئی کھینچ رہی ہو اور تو خدا کی درگاہ میں پہنچ جاوے۔

اس مقام پر حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد سمجھو **یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم** یعنی نفع نہ دے گا مال اور اولاد اس دن مگر جو لایا اللہ کے پاس قلب سلیم اور قلب سلیم وہ ہے جس کو سوائے حق تعالیٰ کے کسی سے تعلق نہ ہو اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے **ولقد جئتمونا فرادی کما خلقنا کم اول مرۃ** یعنی تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا ہم نے تم کو اول بار پیدا کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے پاس آنا اور وہاں تک رسائی ہونا بدوں اس کے ممکن نہیں کہ کل ماسوا سے جدا ہو جائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے **الم یجدک یتیماً فاوی** یعنی کیا اللہ نے تجھ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس جب ہی ٹھکانا دیتا ہے جب ماسوا سے یتیم ہو جاؤ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **ان اللہ وتر یحب الوتر** یعنی اللہ طاق ہے دوست رکھتا ہے طاق کو یعنی اس قلب کو دوست رکھتا ہے جو مخلوق کی آمیزش کے ساتھ جفت نہ ہو پس یہ قلوب اللہ کے ہیں اور اللہ کے ساتھ ہیں انہوں نے اللہ کو تصرف کرنے دیا پس اس نے ان کو نفوس کے طرف نہیں حوالے کیا اور ان کو ان کی تدبیر پر نہیں چھوڑا سو یہ لوگ دربار والے ہیں جن کے ساتھ احسان سے معاملہ کیا جاتا ہے مخلوقات ان کو اللہ سے جدا نہیں کرتی اور حسن عارضی ان کو اللہ سے غافل نہیں کر سکتا اور اس مضمون میں ہمارے اشعار ہیں۔

کیا حقیقت ہے تیری اے مست ناز ہو اگرچہ حسن میں تو بے نظیر
لیک تجھ میں ایک ہے گنج نہاں اس نے مجھ کو کر لیا اپنا اسیر

بعضوں کا قول ہے کہ اگر مجھ کو غیر کی طرف نظر کرنے کا حکم ہو تو مجھ سے نہ ہو سکے کیونکہ غیر تو ہے ہی نہیں کہ جس کو دیکھ سکوں اور یہ ان لوگوں کا حال ہے کہ حفاظت الٰہی جن کی ذمہ دار اور عنایت الٰہی ان کی نگہبان ہے بھلا ان لوگوں سے کب ہو سکتا ہے کہ ذخیرہ رکھیں وہ تو حاضر باش درگاہ ہیں اور اگر ذخیرہ کرتے ہیں تو اس پر اعتماد نہیں رکھتے اور ان سے کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی اور کا سہارا تکیں وہ اس کی احدیت کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

شیخ ابوالحسنؒ شاذلی نے فرمایا ہے کہ ایک بار مجھ پر شہود غالب ہوا میں نے دعا کی کہ

اس کو مجھ سے چھپا لیا جاوے حکم ہوا کہ جو دعائیں موسیٰ کلیم اللہ عیسیٰ روح اللہ اور محمد حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہیں اگر سب جمع کر کے بھی دعا کرو گے تو قبول نہ ہوگی مگر یہ دعا کرو کہ تم کو اس کے برداشت کی قوت ہو جاوے میں نے دعا کی اللہ نے مجھ کو قوت بخشی سو جس شخص کا یہ حال ہو وہ ذخیرہ رکھنے کا کیوں محتاج ہونے لگا یا اس سے کیسے ہو سکتا ہے کہ غیروں کا سہارا ڈھونڈے اور ایماندار کو یہی بہت ہے کہ اپنے ایمان و توکل کا ذخیرہ جمع کر لے اور جن کو اللہ کی طرف سے سمجھ ہے وہ اس پر توکل کرتے ہیں پس اللہ ان کے لئے ذخیرہ کرتا ہے اور انہوں نے اس کا پاس کیا وہ ان کا نگہبان ہو گیا اور وہ لوگ اللہ کے ہو گئے اور اس کے ساتھ ہو گئے پھر دیکھو اللہ کس طرح ان کا مددگار بن گیا ان کے مہمات میں کفایت فرمائی اور ان کے غم کو ان سے دور کیا وہ لوگ رزق کا اہتمام چھوڑ کر اس کے احکام میں یقین کرنے لگ گئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خود ان کے حوالے نہ کریگا اور اپنے فضل سے ان کو محروم نہ رکھے گا سو یہ لوگ راحت میں داخل ہو گئے اور جنت تسلیم و لذت و تفویض میں واصل ہو گئے پس اللہ تعالیٰ نے ان کا مرتبہ بلند کیا اور ان کے انوار کو کامل فرمایا اور وہ لوگ اس قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان سے حساب بھی اٹھالیں۔

جیسا کہ ارشاد[1] فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ستر ہزار آدمی میری امت میں سے بے حساب جنت میں داخل ہوں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا جو لوگ جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور بدشگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور ایسے شخص کا کیا حساب ہو جس کے پاس کچھ نہ ہو اور ایسے شخص کے فعل سے کیا سوال ہو جو مشاہدہ کرتا ہو کہ میرا کچھ فعل ہی نہیں حساب تو مدعیوں سے ہوگا اور مناقشہ غافلوں سے ہوگا جو سمجھ رہے ہیں کہ ہم مالک ہیں یا اللہ کے آگے کچھ کر سکتے ہیں اور جس شخص نے اللہ پر وثوق و توکل کر کے ذخیرہ نہیں کیا اللہ تعالیٰ اس کا رزق خوشگوار بھیجتا ہے اور اس کے دل میں غنا پیدا کرتا ہے۔

کوئی عارف مفلس ہو گیا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ جو کچھ گھر میں ہے سب نکال کر

---

[1] حدیث یہ ہے سبعون الفا من امتی یدخلون الجنة بغیر حساب قیل منهم یا رسول الله قال هم الذین لا یرقون ولا یسترقون ولا یتطیرون وعلی ربهم یتوکلون. ۱۲ (تنویر)

خیرات کر دے اس نے ایسا ہی کیا مگر ایک چکی رہنے دی اور اپنے دل میں سوچا کہ شاید اس کی ضرورت ہو اور پھر ایسی نہ ملے فوراً کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ یہ گیہوں شیخ کے واسطے آئے ہیں تمام صحن گیہوں سے بھر گیا جب عارف واپس آئے اور دیکھا کہنے لگے کہ تو نے سب چیزیں گھر میں سے نکال دی تھیں وہ بولی کہ ہاں عارف نے کہا ہرگز یہ بات نہیں بیوی نے کہا کہ ہاں ایک چکی رہنے دی تھی اس خیال سے کہ شاید اس کی ضرورت ہو انہوں نے کہا کہ اگر چکی بھی نکال دیتی تو آٹا آتا مگر تو نے چکی رہنے دی ایسی چیز آئی کہ جس سے تو پیسے اگر یہ سابقین ذخیرہ کرتے ہیں تو اپنے لئے نہیں بلکہ امانت کے طور پر رکھتے ہیں کیوں یہ لوگ تحویل دار، امانت دار اور غلامان خاص ہیں اگر دنیا کو رکھتے ہیں تو حق سے رکھتے ہیں اگر دیتے ہیں حق سے دیتے ہیں اور جو حق سے دنیا رکھے وہ رتبے میں اس سے کم نہیں جو حق سے خرچ کرے اور یہ نہیں سمجھتے کہ وہ لوگ اللہ کے آگے مالک ہیں بلکہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کو اللہ کی امانت سمجھتے ہیں اور نہ اس میں تصرف کرتے ہیں یہ حکم سن چکے ہیں **وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ** یعنی خرچ کرو اس چیز سے جس میں تم کو نائب بنایا پس انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ کے آگے ان کی ملک نہیں بلکہ صرف ایک نسبت ہے جو تیری طرف اضافت کی گئی اور ایک ضیافت احسانی ہے جس سے تجھ پر منت رکھی تا کہ تیرا امتحان کرے حالانکہ وہ علیم و خبیر ہے کہ تو کیا عقیدہ رکھتا ہے آیا اس کے ظاہر پر رہ جاتا یا اس کے باطن کی طرف پہنچتا ہے اسی واسطے انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ اللہ کے روبرو ان کی کسی شئے میں ملک[1] نہیں ہوتی کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہو زکوٰۃ تو اس چیز کی واجب ہوتی ہے جو تیری ملک میں ہو وہ حضرات تو اپنے اموال کو اللہ کی امانت سمجھتے ہیں خرچ کے وقت خرچ کرتے ہیں اور بے موقع نہیں دیتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اس واسطے ہے کہ دینے والے سے جو گناہ وغیرہ ہو گیا ہے اس سے پاکی وصفائی ہو جائے فرمایا اللہ تعالیٰ نے **خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا** یعنی ان کے مالوں سے صدقہ لو کہ ان سے ان کو پاک وصاف کر دو اور انبیاء علیہم السلام آلودگی سے پاک ہیں بوجہ معصوم ہونے کے اور اسی واسطے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

[1] زان سلیمان خویش را مسکین بخواند ۱۲ (ملفوظ شریف)

نے نابالغوں پر زکوٰۃ واجب نہیں بتلائی کیونکہ آلودگی گناہ نہیں ہے گناہ تو بعد مکلف ہونے کے ہوتا ہے اور مکلف ہونا بعد بلوغ کے ہے۔

اس مقام میں اس ارشاد نبوی کو سمجھو نحن معاشر الانبیاء لا نورث ماترکناہ صدقة یعنی ہم لوگ جو انبیاء ہیں ہمارا کوئی ورثہ نہیں بنتا جو ہم چھوڑ جاویں وہ صدقہ ہے جو بات ہم نے ذکر کی ہے وہ اس سے ظاہر ہوتی ہے اور جو ہم نے تقریر کی ہے وہ اس سے واضح ہوتی ہے اور اہل معرفت جو اس کی احدیت کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

جب ان کا یہ حال ہے کہ اللہ کے سامنے اپنی ملک نہیں سمجھتے تو انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی نسبت کیا سمجھنا چاہئے کہ اہل توحید و معرفت انہیں کے دریاؤں سے چلو لیتے ہیں اور ان کے انوار سے مستفید ہوتے ہیں۔

حکایت ہے کہ امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہما دونوں بیٹھے تھے یکا یک شیبان راعی آ پہنچے امام احمدؒ نے امام شافعیؒ سے کہا کہ ان کی بڑی شہرت ہے کچھ ان سے پوچھوں امام شافعیؒ نے فرمایا ایسا مت کرو امام احمدؒ نے کہا ضرور پوچھنا چاہئے پھر ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے شیبان تم ایسے شخص کے حق میں کیا حکم دیتے ہو جو چار رکعت میں چار سجدے بھول گیا۔

فرمانے لگے اے احمد یہ دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہے اس کو سزا دینا چاہئے تا کہ وہ دوبارہ ایسا نہ کرے پس امام احمدؒ بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش آیا کہنے لگے کہ اس شخص کے حق میں کیا حکم لگاتے ہو جس کے پاس چالیس بکریاں ہوں ان کی زکوٰۃ کس قدر ہے فرمانے لگے کہ ہمارے مذہب پر یا تمہارے مذہب پر امام احمد نے کہا کیا اس میں دو مذہب ہیں۔

فرمانے لگے ہاں دو مذہب ہیں خیر تمہارے مذہب پر تو چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے اور ہمارے مذہب پر یہ ہے کہ غلام آقا کے ہوتے کسی شئے کا مالک نہیں ہوتا[1]۔

اور حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال کے گذارے کے لائق ذخیرہ رکھا ہے سو یا تو وہ وہی بات ہے جو ہم نے پہلے کہی ہے کہ انبیاء کا ذخیرہ رکھنا بطور امانت کے ہوتا ہے کہ وہ وقت ایسا تجویز کیا کرتے ہیں جس میں خرچ کر دینا مناسب ہو

---

[1] بزرگوں نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی تین قسم ہیں عوام کے لئے چہارم خواص کے حق میں نصف ۱۲

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عیال کے واسطے ذخیرہ رکھا تھا یا یہ وجہ ہے کہ امت کیلئے ذخیرہ رکھنے کا جواز بیان فرمائیں[1] کیونکہ جب ذخیرہ پر بھروسہ نہ ہو تو منافی توکل نہیں۔

اور دلیل اس کی کہ مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان جواز امت کیلئے تھا یہ ہے کہ آپ کی غالب حالت یہی ہے کہ ذخیرہ نہیں رکھا تو صرف اس واسطے ذخیرہ رکھا تھا کہ امت کے وسعت اور رحمت اور ضعفائے امت پر شفقت ہو کیونکہ اگر آپ ذخیرہ نہ فرماتے تو کسی مومن کو آپکے بعد ذخیرہ کرنا جائز نہ ہوتا سو آپ نے یہ اسلئے کیا کہ اس کا حکم بیان فرمادیں اور ارشاد[2] فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں اس لئے بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ قاعدہ مقرر کروں سو آپ نے ظاہر فرما دیا کہ بھولنا میری شان اور صفت نہیں ہے صرف اس واسطے نسیان میں واقع ہوتے ہیں کہ امت کیلئے اس کا حکم اور جو اس کے متعلق ہو ظاہر فرمادیں خوب سمجھ لو حدیث۔

فائدہ یہ جو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ طالب علم کے رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے سو جاننا چاہئے کہ لفظ علم جہاں کہیں قرآن و حدیث میں آیا ہے اس سے مراد علم نافع ہے جس کے ساتھ خوف وخشیت مقرون ہو فرمایا اللہ تعالیٰ نے **انما یخشی اللہ من عبادہ العلمآء** یعنی اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں پس اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ علم کو خوف لازم ہے اور اس سے مفہوم ہوا کہ علماء وہی ہیں جو ڈرتے ہیں اسی طرح یہ آیتیں **قال الذین اوتوا العلم والراسخون فی العلم وقل رب زدنی علما** اور یہ حدیثیں **ان الملئکۃ لتضع اجنحتھا لطالب العلم العلمآء ورثۃ الانبیآء** اور اس مقام پر جو حدیث ہے **طالب العلم تکفل اللہ برزقہ** ان سب آیات و احادیث میں علم نافع مراد ہے کیونکہ اللہ ورسول کا کلام اس سے برتر ہے کہ اور کسی معنی پر محمول کیا جائے ہم نے اس کو اور کتاب میں بیان کیا ہے اور علم نافع وہ ہے جو طاعت الٰہی پر معین ہو اور خشیت الٰہی اور حفظ حدود کو تجھ پر لازم کرے اور یہ علم معرفت ہے اور علم نافع علم ذات و صفات اور علم احکام کو بھی شامل ہے جب اللہ کیلئے سیکھے

---

[1] کیونکہ آپ رحمۃ للعلمین ہیں۔۱۲ (ملفوظ شریف)

[2] حدیث یہ ہے انی لانسی او انسی لا سن۔۱۲ (تنویر)

پس یہ جوفرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ طالب علم کی روزی کا اللہ تعالیٰ کفیل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذمہ کیا ہے کہ اس کو رزق پہنچائے گا خوشگواری سے اور عزت سے اور سالم رکھے گا حجاب سے اور ہم نے یہ تاویل کیوں کی اور کفالت کو ایک خاص طرح کی کفالت کیوں کیا وجہ یہ کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ تو سبھی کی روزی کا ذمہ دار ہے خواہ علم طلب کریں یا نہ کریں اس سے معلوم ہوا کہ یہ کفالت کوئی خاص کفالت ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا کیونکہ اس کو جداگانہ بیان کیا۔

اوراسی وجہ سے شیخ ابوالعباسؒ نے اپنی حزب میں جہاں بہت سی چیزوں کی دعا کی ہے کہ ہم کو فلاں چیز عطا فرما وہاں یہ بھی کہا **والرزق الهنی الذی لا حجاب به فی الدنیا ولا سوال ولاعقاب علیه فی الآخرة علی بساط علم لتوحید والشرع سالمین من الهویٰ والشهوة والطبع**

یعنی ہم کو رزق خوشگوار عطا فرما جس سے دنیا میں حجاب نہ ہو اور آخرت میں اس پر سوال وحساب وعذاب نہ ہو اس حال میں کہ ہم مقام حقیقت وشریعت پر قائم رہیں اور حرص وشہوت وتقاضائے طبع سے سالم رہیں۔

سوانہوں نے اللہ سے رزق خوشگوار مانگا اور وہ رزق وہ ہے جس کی کفالت طالب علم کیلئے ہوئی ہے پھر اس کی تفسیریوں کی کہ اس سے دنیا میں حجاب نہ ہو اور آخرت میں حساب نہ ہو کیونکہ جس سے دنیا میں حجاب ہو جاوے اس میں خوشگواری نہیں کیونکہ حجاب موجب دل شکنی ہے کہ حضوری سے محرومی ہو اور مواجہت سے دوری نہ کہ جیسا عوام سمجھتے ہیں کہ خوشگوار رزق وہ ہے جو بے محنت وبے مشقت مل جائے، خوشگواری غافلین کے نزدیک باعتبار بدن کے ہے اور اہل فہم کے نزدیک باعتبار قلوب کے اور حجاب جو رزق سے ہو جاتا ہے اس کی دو وجہ ہیں یا تو اسباب میں پڑ کر اللہ سے غفلت ہو جاتی ہے یا اس کے برتنے میں یہ قصد نہیں ہوتا کہ طاعت خداوندی پر قوت حاصل کریں سو اول تو حصول میں حجاب ہے اور دوسرا استعمال میں اور یہ جو شیخ نے فرمایا کہ اس پر سوال وحساب وعذاب آخرت میں نہ ہو سو سوال تو نعمتوں کے حقوق سے ہوتا ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم** یعنی پھر تم پوچھے جاؤ گے اس روز نعمت سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بعض صحابہؓ

نے کچھ کھانا نوش جان فرمایا پھر ارشاد ہوا واللہ تم آج کی نعمت سے سوال کئے جاؤ گے۔

اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سوال دو قسم ہے ایک سوال تشریف یعنی واسطے اظہار شرف کے اور دوسرا سوال تعنیف یعنی واسطے لعنت ملامت کرنے کے سو اہل طاعت و مستحقان عنایت تو سوال تشریف ہوگا اور غفلت و اعراض سے سوال تعنیف اور اسباب کو سمجھ اللہ تجھ پر رحم کرے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اگرچہ صادقین کے اخبار اور پوشیدہ اسرار پر مطلع ہے مگر پھر بھی ان سے سوال فرمادے گا تا کہ ان کا مرتبہ صدق اور لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے اور ان کی خوبیاں قیامت میں کھول دے جیسے آقا اپنے غلام سے پوچھے تو نے فلاں فلاں مقدمے میں کیا کیا اور خود واقف ہے کہ اس کو خوب عمدہ پختہ کیا ہے مگر منظور یہ ہے کہ حاضرین بھی جان لیں کہ غلام اس مولیٰ کے حکم کو کیسے اہتمام سے بجالایا اور مولیٰ کو اس کے حال پر کیسی عنایت ہے۔

اور یہ جو شیخ کا قول ہے کہ حساب نہ ہو سو حساب نتیجہ سوال کا ہے جب سوال سے سالم رہیں گے حساب سے بھی سالم رہیں گے اور جب ان دونوں سے سالم رہے تو عقوبت سے سالم رہے سو اگرچہ یہ مضامین باہم لازم و ملزوم تھے مگر پھر بھی شیخ نے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا تا کہ معلوم ہو جاوے کہ رزق خوشگوار میں کتنی منتیں ہیں کہ اگر ان میں ایک بھی ہوتی تب بھی قابل طلب کرنے کے تھی۔

اور یہ جو شیخ نے کہا کہ ہم توحید و حقیقت پر قائم ہیں مطلب اس کا یہ ہے کہ تیری رزق دی ہوئی چیز میں تجھ کو مشاہدہ کروں اور تیری کھلائی ہوئی چیز تجھ کو دیکھوں اور کسی کا مجھ کو مشاہدہ نہ ہو دوسرے کی طرف اس کو نسبت نہ کروں اور اہل اللہ کی یہی حالت ہے کہ اللہ ہی کے خوان پر کھاتے ہیں خواہ ظاہر میں ان کو کوئی کھلا دے کیونکہ ان کو یقین ہے کہ اللہ کے آگے کوئی مالک نہیں اس یقین کے باعث ان کے قلوب سے مخلوقات کا مشاہدہ جاتا رہتا ہے پس غیر اللہ کیلئے محبت کو صرف نہیں کرتے اور کسی کی طرف اپنی مودت کو متوجہ نہیں کرتے کیونکہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ ہی ان کو کھلاتا ہے اور اپنے فضل سے دیتا اور خاطر کرتا ہے۔

شیخ ابوالحسنؒ نے ایک روز فرمایا کہ ہم کو سوائے اللہ کے کسی سے محبت نہیں یعنی ہماری محبت مخلوق کی طرف متوجہ نہیں ہوتی ایک شخص بولا کہ حضرت آپ کے دادا نے اس کا انکار کیا

ہے بدلیل اس حدیث کے جبلت القلوب علی حب من احسن الیہا یعنی قلوب میں یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ محسن سے محبت کریں فرمانے لگے:

بے شک مگر ہم لوگ تو وہ ہیں کہ خدا کے سوا کسی کو محسن نہیں سمجھتے اسی لئے ہمارے قلوب میں اسی کی محبت پیدا ہوئی اور جو شخص یہ سمجھے گا کہ اللہ ہی کھانے کو دیتا ہے سو جس قدر نعمتیں نئی نئی ملتی جاویں گی اسی قدر اللہ کی محبت زائد اور روز بروز تازہ ہوتی جاوے گی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے محبت کرو چونکہ تم کو اپنی نعمتیں کھلاتا ہے اور اس کا بیان پہلے گذر چکا اور جو شخص یہ سمجھے گا کہ اللہ ہی کھانے کو دیتا ہے یہ مراقبہ اس کو مخلوق کے روبرو ذلیل ہونے سے اور غیر خدا کی طرف محبت کے ساتھ قلب کے مائل ہونے سے محفوظ رکھے گا کیا تم نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا قول نہیں سنا والذی ہو یطعمنی ویسقین یعنی ایسا اللہ کہ وہی کھلاتا ہے مجھ کو اور پلاتا ہے مجھ کو سو انہوں نے اسی امر سے اللہ تعالیٰ کے منفرد ہونے کی گواہی دی اور اس کے واحد ہونے کا اقرار کیا۔

اور یہ جو شیخ نے کہا کہ توحید کے ساتھ شریعت پر بھی قائم رہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ جو شخص اطلاق توحید میں چل نکلتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ مالک اللہ ہی ہے اور کسی کی ملک ہی نہیں اور ظاہر شریعت کا پابند نہیں رہتا ایسا شخص اپنے کو دریائے زندیقی میں ڈال دیتا ہے اور اس کا حال اس پر وبال ہو جاتا ہے بڑی بات تو یہ ہے کہ حقیقت کے ساتھ موید ہو شریعت کا مقید ہو اور محقق ایسا ہی ہوتا ہے نہ تو حقیقت کے ساتھ چمٹا چلا جائے نہ صرف ظاہری نسبت شریعت کے ساتھ ٹھہر جائے اس کے درمیان میں رہے سو ظاہر نسبت جو ملک کی مخلوقات کی طرف ہے اس پر ٹھہر جانا شرک ہے۔

(ف) یعنی اصطلاح حقیقت میں۔

اور حقیقت کے ساتھ چل نکلنا کہ شرع کی پابندی نہ رہے معطل ہو جانا ہے اور اہل ہدایت کا مقام دونوں کے درمیان ہے جیسا گوبر[1] اور خون کے درمیان میں سے خالص دودھ نکلتا ہے کہ پینے والوں کے گلے میں اترا چلا جاتا ہے۔

فصل اور جاننا چاہئے کہ مقدمہ رزق میں بہت سے امور وارد ہوتے ہیں اور بہت

---

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیۃ کی طرف من بین فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربین۔۱۲ (مترجم)

سے عوارض پیش آتے ہیں اور شیخ رحمۃ اللہ نے ان میں سے بہت سے اس اپنے قول میں بیان کئے ہیں **سخرلی امر ھذا الرزق واعصمنی من الحرص والتعب فی طلبه وفی شغل القلب وتعلق الھم به ومن الذل للخلق بسببه ومن التفکر والتدبیر فی تحصیله ومن الشح والبخل بعد حصوله** یعنی اے اللہ مسخر کر دے میرے لئے قصہ اس رزق کا اور بچا مجھ کو حرص سے اور اس کی طلب میں مشقت سے اور اس کے ساتھ قلب کے مشغول ہونے سے اور اس کے ساتھ فکر کے متعلق ہو جانے سے اور اس کے سبب مخلوق کے روبرو ذلیل ہونے سے اور اس کی تحصیل میں فکر وتدبیر کرنے سے اور بعد حاصل ہونے کے حرص وبخل سے عوارض جو مقدمہ رزق میں پیش آتے ہیں کچھ منحصر نہیں کہ پورے بیان کئے جاویں سو ہم بھی صرف شیخ کے مضامین پر گفتگو شروع کرتے ہیں۔

سو جاننا چاہئے کہ رزق کی نسبت بندے کی تین حالت ہیں، ایک تو ملنے سے پہلے یہ تو حالت سعی کی ہے دوسری حالت اس کے بعد وہ حصول کی حالت ہے۔

تیسری حالت اس کے گذرنے کے بعد یعنی وہ رزق جب ختم ہو چکے سو جو حالت قابل حصول پیش آتی ہے وہ حرص ہے اور طلب میں مشقت اٹھانا اور اس کے ساتھ قلب کا مشغول ہونا اور اس کے ساتھ فکر کا متعلق ہونا اور اس کے سبب مخلوق کے روبرو ذلت اٹھانا اور اس کی تحصیل میں فکر وتدبیر کرنا۔

سو حرص کی حقیقت تو یہ ہے کہ تحصیل رزق سے نفس کے ساتھ رغبت قائم ہو اور اس پر بالکل اوندھا ہو جاوے اس کا منشا ہے وثوق نہ ہونا اور یقین کا ضعیف ہونا اور ان دونوں کا منشا ہے نور نہ ہونا اور اس کا منشا وجود حجاب ہے کیونکہ اگر قلب انوار مشاہدہ سے معمور ہوتا اور منت الٰہی اس کو گھیرے ہوتی تو اس پر واردات حرص نہ ہوتی اور اگر نور یقین قلب پر پھیلا ہوتا اس کو قسمت سابقہ مکشوف ہو جاتی تو حرص ممکن نہ ہوتی اور یہ شخص یقین کر لیتا کہ اللہ کے پاس میری قسمت کا رزق ہے ضرور میرے پاس پہنچائے گا، اور تعب کرنا طلب رزق میں دو قسم ہے یا تو تعب جسمانی ہے یا تعب روحانی اگر تعب جسمانی ہے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہئے کیونکہ جب طالب رزق پر تعب جسمانی غالب ہوتا ہے اس کو بجا آوری احکام سے

باز رکھتا ہے اور راحت کے ساتھ جو رزق ملتا ہے اس میں فرصت طاعت اور بجا آوری خدمت سہل ہے اور اگر تعب روحانی ہے تو اس سے اور بھی زیادہ پناہ مانگنا چاہئے وجہ اس کی یہ ہے تعب روحانی اس سے ہوتا ہے۔ کہ طلب رزق میں کلفت اٹھائے اس میں فکر کرے اور اس کا بوجھ اس کو گرانبار کر دے اور راحت بدوں توکل میسر نہیں ہوتی کیونکہ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بوجھ اتار دیتا ہے اور اس کے عوض خود اٹھالیتا ہے۔

جیسا فرمایا ومن یتوکل علیٰ اللہ فھو حسبہ پھر شیخ نے دعاء میں کہا کہ قلب کے مشغول ہونے اور اس میں فکر کے متعلق ہونے سے بچا سو قلب کا قصہ رزق کے ساتھ مشغول ہونا حجاب عظیم ہے یہاں تک کہ شیخ ابوالحسنؒ کا قول ہے کہ اکثر جس نے مخلوق کو محجوب کر رکھا ہے وہ دو چیزیں ہیں فکر رزق اور خوف خلق اور دونوں میں فکر رزق بڑا حجاب ہے کیونکہ بہت سے لوگ خوف خلق سے فارغ ہیں مگر رزق سے بہت ہی کم خالی ہیں خصوصاً ایسی حالت میں کہ احتیاج تیرے وجود کے ساتھ قائم ہے اور تو ایسی چیز کا محتاج ہے کہ تیری ترکیب کو قائم رکھے اور تیری قوت کو مضبوط کرے۔

اور یہ جو شیخ نے کہا کہ فکر متعلق ہونے سے بچا اس سے مراد یہ ہے کہ رزق کے ساتھ ہمت اس قدر متوجہ ہو کہ اس میں استغراق کی نوبت آجاوے یہاں تک کہ اور کسی شئے کی گنجائش نہ رہے اور یہ وہ حالت ہے کہ دوری کی موجب ہے اور نور وصال کو تاریک کر دیتی ہے اور بآواز بلند کہتی ہے کہ اس حالت والے کا قلب نور یقین سے اجڑ گیا اور قوت و تمکین سے مفلس ہو گیا اور یہ جو کہا کہ رزق کے باعث مخلوق کے روبرو ذلیل ہونے سے بچا۔

سو جاننا چاہئے کہ جس شخص کا یقین ضعیف ہو اور دولت عقل سے کم نصیب ہو اس کے لئے ذلت ضروری ہے کیونکہ اس کو مخلوق سے طمع ہوگی خالق پر وثوق نہ ہوگا وجہ اس کی یہ ہے کہ اس نے قسمت ازلی کو نہ دیکھا اور اس کے صادق الوعید ہونے کا یقین اس کو نصیب نہ ہوا اس لئے مخلوق کے آگے تملق کر کے ذلیل ہوا اور ان کی لو لگا کر ان کو لپٹا اور یہ سزا اس کی ہے کہ اللہ سے غافل ہوا اور آخرت میں جو سزا ہوگی وہ اور بھی سخت ہے اگر اس شخص کا ایمان اور توکل صحیح ہوتا تو یہ اس سے معزز ہوتا فرمایا اللہ تعالیٰ نے وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین

یعنی اللہ ہی کی ہے عزت اور رسول اللہ کی اور مومنین کی سو مومن اپنے رب سے عزت حاصل کرتا ہے اور کسی سے عزت نہیں لیتا کیونکہ یقین رکھتا ہے کہ عزت سب اللہ ہی کی ہے اور وہی عزت والا ہے اس کے سامنے کوئی عزت والا نہیں اور وہی عزت دینے والا ہے کوئی دوسرا عزت دینے والا نہیں سو اس شخص کو اعتماد نے عزت دی اور توکل نے حمایت کی پس اس کو خواری نہیں کیونکہ اس کو اپنے پر اپنی قسمت میں سچا بھروسہ ہے اور اس کو غم نہیں کیوں کہ اللہ کی منت پر اس کو پورا اعتماد ہے اور وہ اس ارشاد خداوندی کو سن رہا ہے **ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین** یعنی نہ ذلیل ہو تم نہ مغموم ہو تم ہی اونچے رہو گے اگر ایماندار ہو، سو مؤمن کی عزت اس میں ہے کہ مخلوق سے طمع نہ کرے اور بادشاہ حقیقی پر وثوق کرے اس کا ایمان نہیں مانتا کہ وہ اپنی حاجت غیر رب کی طرف لے جائے یا اپنے قلب کو ماسوا کی طرف متوجہ کرے اسی واسطے بعضوں نے کہا ہے۔

ہو جو مومن اس کو ہے قطعاً حرام	رکھے اوروں سے جو امید عطا
ٹھہر جا اے یار اور کر ذکر حق!	ہو فنا اس میں اسی میں ہو بقا
ملک گیری بادشاہوں کو نصیب	یہ وہ شاہی ہے نہیں جس کو فنا

اور جس کو اللہ تعالیٰ نے طمع کی غلامی سے آزاد کیا ہو اور تقویٰ کی عزت دی ہو اس پر بڑا احسان فرمایا اور اس پر کامل انعام کیا اور یوں جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو متعدد خلعت عنایت کئے خلعت ایمان خلعت معرفت خلعت طاعت خلعت سنت مخلوق سے طمع کر کے اور غیروں کا آسرا لگا کر ان کو میلا مت کر۔

شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ارشاد فرمایا اے علی اپنے کپڑے میل کچیل سے صاف رکھ ہر دم تجھ کو اللہ کی مدد پہنچے گی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے کپڑے کونسے ہیں فرمایا جان کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو خلعت ایمان خلعت معرفت خلعت توحید خلعت محبت عنایت فرمایا ہے۔

شیخ کہتے ہیں اس وقت میری سمجھ میں اس آیت کے معنی آئے **وثیابک فطھر** پس جو شخص اللہ کو پہچانے گا اس کی نظر میں سب چیزیں چھوٹی معلوم ہوں گی اور جو اللہ سے محبت

رکھے گا اس کے روبرو سب چیزیں بے قدر ہو جائیں گی اور جو اللہ کو واحد سمجھے گا وہ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرے گا اور جو اللہ پر ایمان لاوے گا وہ ہر بلا سے مامون رہے گا اور جو اللہ کا مطیع ہوگا اس کی نافرمانی نہ کرے گا اور اگر نافرمانی ہوگی تو عذر کرے گا اور عذر کرے گا تو مقبول ہوگا اور جان تو تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ سالک آخرت کو مخلوق سے امید اٹھانا اور ان سے کچھ واسطہ نہ رکھنا ایسی زینت ہے کہ دلہن کیلئے زیور بھی نہیں اور ان لوگوں کو اس امر کی اس سے بھی زائد حاجت ہے جیسے جان کو پانی کی اور جس شخص کو شاہی خلعت پہنایا جاوے اور وہ اس کو محفوظ رکھے تو زیبا ہے کہ ہمیشہ اس کے پاس رہے اور اس سے نہ چھینا جائے اور جو خلعت عنایت کو میلا کر دے تو مناسب ہے کہ اس کے پاس نہ رہنے دیں سوائے بھائی اپنے ایمان کو طمع مخلوق سے میلا مت کر اور سوائے رب العالمین کے کسی پر اعتماد مت کر اگر تو اللہ سے عزت حاصل کرے گا تو اس کے دوام سے تیری عزت بھی دائم رہے گی اور اگر غیر سے عزت حاصل کی تو چونکہ اسے دوام نہیں عزت بھی دائم نہ ہووے گی ایک فاضل نے مجھ کو اپنا شعر سنایا۔

مانگ عزت رب سے جس کو ہو قرار — مردے کی عزت ہے سب ناپائیدار

اور کوئی شخص کسی عارف کے پاس روتا ہوا گیا اور انہوں نے وجہ پوچھی کہنے لگا میرا استاد مر گیا عارف نے کہا کہ تو نے ایسے کو کیوں استاد بنایا جو مر گیا[1] اور تجھ سے کہا جاتا ہے کہ جب تو غیر اللہ سے عزت ڈھونڈے گا نہ پائے گا اور جب غیر کا سہارا چاہے گا نہ ملے گا جیسا موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو فرمایا تھا کہ اپنے معبود[2] کو دیکھ جس پر لگا بیٹھا تھا ہم اس کو جلا دیں گے پھر اس کی راکھ دریا میں اڑا دیں گے تمہارا معبود تو وہ ہے جس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں گھیر لیا اس نے ہر چیز کو علم سے اے شخص ابراہیمی بن جا تیرے باپ ابراہیم علیہ السلام لا احب الافلین فرما رہے ہیں یعنی میں فانیوں سے محبت نہیں کرتا اور اللہ کے سوا سب فانی ہیں یا بالفعل یا بالامکان اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ملت[3] ابراہیم یعنی اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو۔

[1] یعنی آدمی کو کیوں استاد بنایا حی لا یموت کو بنانا تھا۔۱۲ (ملفوظ شریف) [2] یہ مضمون ہے آیت کا وانظر الیٰ الھک الذی ظلت علیہ عاکفاً لنحرقنہ ثم لننسفنہ فی الیم نسفا ۔۱۲ (مترجم) [3] یہ مضمون ہے آیت کا ملۃ ابراھیم۔۱۲ (مترجم)

سو مومن پر واجب ہے کہ ملت ابراہیمی کا اتباع کرے اور ملت ابراہیمی میں سے یہ بھی ہے کہ اپنی امید خلقت سے اٹھائے کیونکہ وہ جس روز منجنیق میں بٹھلا کر دور سے آگ میں پھینکنے گئے ہیں جبرئیل علیہ السلام نے کچھ ذکر چھیڑا آپ نے یہی فرمایا کہ تم سے تو کچھ حاجت نہیں ہاں اللہ سے ہے انہوں نے کہا خیر اللہ ہی سے دعاء کیجئے۔

آپ نے فرمایا اس کا علم میری سوال سے کفایت کرتا ہے دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے مخلوق سے اپنی ہمت کو کس طرح بلند رکھا اور اس کو بادشاہ حقیقی کی طرف متوجہ کیا نہ جبرئیل علیہ السلام سے مدد چاہی نہ دعا پر حوالہ رکھا بلکہ حق تعالیٰ کو جبرئیل اور دعا دونوں سے قریب تر دیکھا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو نمرود اور اس کی عقوبت سے بچالیا اور اپنے عطاو فضل سے ان پر انعام کیا اور توجہ کی ساتھ ان کو مخصوص فرمایا اور منجملہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے غافل کرے اس سے عداوت کرے اور ہمت کو اللہ کی طرف متوجہ کر دے جیسا کہ ان کا قول اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے **فانھم عدو لی الا رب العلمین** یعنی سو ارب العالمین کے سب سے میری عداوت ہے اور غنا کی راہ اگر چاہتے ہو سو وہ تو اس میں ہے کہ لوگوں سے امید قطع کر دے۔

اور شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں خود اس سے مایوس ہو چکا ہوں کہ میں اپنے کو نفع پہنچاؤں تو اس سے کیوں نہ مایوس ہونگا کہ اور کوئی مجھ کو نفع پہنچا دے اور اللہ سے اوروں کے لئے امید رکھتا ہوں تو اس سے اپنے لئے یہ کیسے امید رکھوں یہی بڑی کیمیا اور اکسیر ہے کہ جس کو مل گئی اس کو ایسی تو انگری حاصل ہو گئی جس میں محتاجی نہیں اور وہ عزت ملی جس میں ذلت نہیں اور وہ خرچ ملا جس کا خاتمہ نہیں اور یہ ان لوگوں کی کیمیاء ہے جن کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے۔

شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص میرے ساتھ ہوا وہ مجھ کو گراں معلوم ہوتا تھا میں نے اس کو بتکلف کیا وہ بے تکلف ہو گیا میں نے اس سے پوچھا کہ اے صاجزادے تم کو کیا حاجت ہے اور تم میرے ساتھ کیوں ہوئے کہنے لگا حضرت میں نے سنا ہے کہ آپ کیمیا جانتے ہیں میں اس لئے ساتھ ہوا ہوں کہ اس کو سیکھوں میں نے اس

سے کہا تو سچا ہے اور جس نے تجھ سے کہا وہ بھی سچا ہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ تو اس کو قبول نہ کرے گا کہنے لگا کیوں نہیں ضرور قبول کروں گا میں نے کہا کہ میں نے جو مخلوق کو دیکھا تو دو قسم کے لوگ پائے ایک دشمن دوسرے دوست دشمنوں کو جو خیال کیا تو یقین کیا کہ بے حکم خداوندی کے ایک کانٹا بھی نہیں چبھا سکتے میں نے اپنی نظر ان سے ہٹالی پھر دوستوں سے تعلق کیا تو ان کو دیکھا کہ وہ بھی بے حکم خدا مجھ کو ذرہ برابر نفع نہیں پہنچا سکتے ان سے بھی قطعی ناامید کر لی اللہ کے ساتھ تعلق کیا تو مجھ سے کہا گیا کہ اس امر کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو گی یہانتک کہ ہمارے معاملے میں بالکل شک نہ رہے اور غیر سے بالکل مایوس نہ ہو جاوے کہ وہ قسمت کے علاوہ تجھ کو کچھ دے سکے۔

اور ایک مرتبہ فرمایا اس وقت بھی کسی نے کیمیا پوچھی تھی فرمایا اپنے قلب سے طمع کو نکال دے اور اس سے قطعاً ناامید ہو جا کہ قسمت سے زائد کچھ مل سکے اور یہ جامہ بندگی نہیں کہ عمل بہت سے ہوں وظائف پر دوام کرے اس کی نورانیت کی دلیل تو یہ ہے کہ اپنے رب کے ساتھ اوروں سے غنی ہو اور اپنے قلب سے اسکا مقید ہو جائے اور غلامی طمع سے بچے اور زینت تقویٰ سے آراستہ ہو اسی سے اعمال میں خوبی اور احوال میں صفائی آتی ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے انا جعلنا ما علی الارض زینة لها لنبلوهم ایهم احسن عملا یعنی ہم نے زمین پر کی چیزیں اس کی سجاوٹ بنائیں تا کہ ہم جانچیں کہ ان میں کون اچھے عمل والا ہے۔

پس اعمال کی خوبی اس سے ہے کہ اللہ کی طرف کی سمجھ ہو اور وہی ہے کہ اللہ کے ساتھ غناء حاصل ہو اس پر اکتفا کرے اس پر بھروسہ ہو اسی سے حاجت پیش کرے اسی کے روبرو ہمیشہ رہے یہ سب ثمرے اسی کے ہیں کہ اللہ کی طرف کی سمجھ ہو اور ورع کو اپنے نفس میں اور اوصاف سے زیادہ ڈھونڈا کر اور مخلوق سے طمع رکھنے سے پاک رہ کیونکہ طامع مخلوق اگر سات دریاؤں سے پاک ہونا چاہے تو کوئی چیز اس کو پاک نہیں کر سکتی بجز اس کے کہ ان سے مایوس ہو اور ان سے اپنی ہمت بلند رکھے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ میں تشریف لائے جامع مسجد میں آ کر واعظوں کو دیکھا کہ وہ وعظ کہہ رہے ہیں سب کو اٹھا دیا یہاں تک کہ حسن بصریؒ کے پاس تشریف لائے

اور فرمایا اے نوجوان! میں تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں اگر جواب دیدیا تو تجھے رہنے دونگا نہیں تو تجھے بھی اٹھادوں گا جیسے اوروں کو اٹھادیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کچھ آثار رشید دیکھے تھے حضرت حسنؓ نے عرض کیا پوچھئے جو آپ کا جی چاہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بتلاؤ دین کی جڑ کیا ہے؟ کہا ورع۔

فرمایا دین کی خرابی کیا چیز ہے؟ کہا طمع، فرمایا تو بیٹھا رہ[1] تجھ جیسا شخص لوگوں کو وعظ کہہ سکتا ہے اور میں نے اپنے شیخ ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میں اوائل زمانے میں حدود اسکندریہ میں تھا کسی شناسا کے پاس جا کر کوئی چیز آدھے درہم کو خریدی پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید یہ شخص مجھ سے دام نہ لے اسی وقت ایک ہاتف نے آواز دی کہ دین کی سلامتی اس میں ہے کہ

مخلوق سے طمع نہ رکھی جائے اور میں نے ان سے سنا کہ طمع والا کبھی سیر نہیں ہوتا طمع کے حرفوں کو دیکھو سب خالی ہیں طا، میم، عین۔

(ف) شیخ سعدیؒ کا قول مشہور ہے شعر۔

طمع راسہ حرفست وہرسہ تہی   ازیں نیست مرطا معانرا بہی

سوارے مرید تجھ کو لازم ہے کہ مخلوق سے اپنی ہمت کو بلند رکھ اور مقدمہ رزق میں ان کے سامنے خوار مت بن کیونکہ وہ تیرے وجود سے پہلے قسمت میں لکھا گیا اور تیرے ظہور سے پہلے ثابت ہو چکا اور ایک بزرگ کا مقولہ سن کر اے مرد آدمی جو چیز تیری ڈاڑھوں کے چبانے کیلئے مقدر ہو چکی ہیں وہ ڈاڑھیں ضرور اس کو چبائیں گی سو کم بختی مارے اس کو عزت سے کھا ذلت سے مت کھا۔

جاننا چاہئے کہ جو اللہ کو پہچانے گا اس کی ضمانت و کفالت پر وثوق رکھے گا اور جب تک کہ اللہ کے پاس کی چیز پر اس سے زیادہ بھروسہ نہ ہو جتنا اپنے پاس کی چیز پر ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی ذمہ داری پر اس سے زیادہ وثوق نہ ہو جتنا مخلوق کی ذمہ داری پر ہوتا ہے اس وقت تک بندے کی سمجھ کامل نہیں ہوتی اور جاہل ہونے کے لئے یہی بہت ہے کہ یہ حالت نہ ہو اور کسی شخص نے ایک آدمی کو جو کہ عارف تھا دیکھا کہ ہر وقت جامع مسجد میں رہتا ہے باہر

---

[1] اس سے تائید ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت امام بصری کو اپنا خلیفہ بنایا۔ (ملفوظ شریف)

نہیں جاتا اس شخص نے اس قدر اس کی پابندی سے تعجب کیا اور اپنے دل میں سوچا کہ یہ کہاں سے کھاتا ہے وہ عارف اس شخص کے خطرے پر مطلع ہو کر ایک روز اس سے پوچھنے لگے کہ تو کہاں سے کھاتا ہے اس شخص نے کہا کہ میرا کوئی دوست یہودی ہے اس نے مجھ سے دو روٹی روزانہ کا وعدہ کیا ہے وہ دے جاتا ہے اس عارف نے کہا کہ اے غریب تو نے اپنے لئے ایک یہودی کے وعدے پر وثوق کیا اور میرے لئے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر وثوق نہیں کیا حالانکہ اس کا ایسا سچا وعدہ ہے جو کبھی خلاف نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وما من دآبة فی الارض الا علی الله رزقها ویعلم مستقرها ومستودعها** وہ شخص شرما کر چلا گیا۔

کسی اور بزرگ کا قصہ ہے کہ چند روز کسی امام کے پیچھے نماز پڑھتے رہے امام کو ان کے ہر وقت مسجد میں بیٹھے رہنے اور اسباب کے چھوڑنے سے تعجب ہوا پوچھا تم کہاں سے کھاتے ہو انہوں نے کہا ذرا ٹھہر جا میں پہلے اپنی نمازیں لوٹا لوں پھر بتاؤں گا کیونکہ میں ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتا جو اللہ میں شک رکھتا ہو اور حکایتیں اس بارے میں بہت ہیں۔

کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کو ایک کوٹھڑی میں بند کر کے اوپر سے گارا لیس دیا جائے تو اس کا رزق کہاں سے آئے گا۔

فرمایا رزق وہاں سے آئے گا جہاں سے موت آتی ہے اس حجت کو دیکھ کیسی روشنی ہے اور یہ دلیل کیسی واضح ہے۔

اور یہ جو شیخ نے کہا کہ بچا ہم کو فکر و تدبیر کرنے کے اس کے حاصل کرنے میں سو تفکر تو یہ ہے کہ اپنے دل میں یہ مضمون حاضر کرے کہ کوئی غذا ضرور چاہئے جس سے یہ جثہ قائم رہے اور تدبیر یہ ہے کہ دل میں کہے کہ فلاں فلاں طریقے سے رزق ملے گا پھر کہے نہیں بلکہ فلاں فلاں اسباب سے میسر ہوگا اور یہی ادھیڑ بن یہاں تک بڑھے کہ نماز میں خبر نہ ہو کہ کتنی پڑھی اور تلاوت قرآن میں خبر نہ ہو کہ کیا پڑھا، پس وہ طاعت جس میں تو لگا تھا مکدر ہو جاوے اور اس کے انوار سے تو بے نصیب رہے اور اس کے اسرار سے تو محروم رہے سو جب یہ خیال تجھ کو گھرے تو کدال توکل سے اس کی بناء کو منہدم کر دے اور وجود یقین سے اس کو ریزہ ریزہ کر دے اور جان تو تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ اللہ تعالیٰ تیری تدبیر کا انجام تیرے ہونے سے پہلے کہہ چکا ہے اور تو

اگر اپنے نفس کی خیر خواہی چاہتا ہے تو اس کے لئے تدبیر مت کر کیونکہ اس کے لئے تیرا تدبیر کرنا ضرر ہے کہ کیونکہ اس تدبیر کے سبب سے تجھ کو تیرے ہی حوالے کر دیا جائے گا اور مدد لطف تجھ تک نہ پہنچے گی اور حق تعالیٰ ایماندار کو تدبیر اور مقابلہ تقدیر نہیں کرنے دیتا ہے اگر تجھ کو یہ پیش آوے یا اس کا خطرہ آئے تو اس پر قائم مت رہ کیونکہ نور ایمان اس کو نہیں رہنے دیتا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے وکان حقا علینا نصر المومنین یعنی ہمارے ذمے ہے حمایت ایمان والوں کی اور فرمایا بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو زاهق یعنی بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں حق کو ناحق پر پس وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے، پھر وہ جاتا رہتا ہے۔

اور یہ جو شیخ نے کہا کہ بعد حصول کے حرص و بخل سے بچا سو یہ دونوں عوارض بعد حصول کے ہیں اور یہ دونوں ضعف یقین اور بے اطمینانی سے پیدا ہوتے ہیں اس وقت حرص اور بخل واقع ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں حرص و بخل دونوں کی مذمت فرمائی ہے فرمایا ومن یوق شح نفسه فاولئک هم المفلحون یعنی جو شخص حرص سے محفوظ رہا ایسے لوگ فلاح پانے والے ہیں اس سے مفہوم ہوا کہ صاحب شح کو فلاح نہیں یعنی اس کو نور نہیں اور فلاح نور کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حال میں فرمایا اشحة علی الخیر اولئک لم یؤمنوا فاحبط الله اعمالهم یعنی وہ لوگ مال پر حریص ہیں یہ لوگ ایمان نہیں لائے پس اکارت کر دیئے اللہ نے ان کے کام اور فرمایا ومنهم[1] من عاهد الله الیٰ قوله معرضون اور فرمایا ومن یبخل فانما یبخل عن نفسه یعنی جو بخل کرتا ہے وہ حقیقت میں اپنے سے بخل کرتا ہے کیونکہ نفع نفاق کا اسی کو ملتا ہے اور لفظ حرص و بخل تین قسم پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

اول قسم

اول قسم یہ ہے کہ اپنے مال کو واجبات میں خرچ کرنے سے بخل کرے دوسری قسم یہ ہے کہ مال ایسی جگہ خرچ کرنے سے بخل کرے جہاں لوگوں پر خرچ کرنا واجب نہیں تیسری

[1] آیت پوری مع ترجمہ کے اوپر گذر چکی ہے۔۱۲ (مترجم)

قسم یہ کہ اپنی جان کو اللہ کے واسطے خرچ کرنے میں بخل کرے۔

سو قسم اول بخل کی یہ ہے کہ بخل کر کے زکوٰۃ نہ دے حالانکہ اس کا حکم ہے یا کوئی ایسا حق جو تجھ پر معین ہو گیا ادا نہ کرے مثلاً ماں باپ کو دینا جب وہ محتاج ہوں اور اولاد کو دینا جب وہ محتاج ہوں یا نابالغ ہوں اور بیوی کو دینا غرض جو حق تجھ پر اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے اس سے کوتاہی کرنا زبان ملامت کو تجھ پر کشادہ کریگا اور تو مستحق عقوبت ہوگا اور اس باب میں یہ آیت آئی ہے **والذین یکنزون الیٰ قولہ عذاب الیم** علماء نے فرمایا کہ کنز اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ نہ دی جائے جب زکوٰۃ دیدی کنز نہ رہا مطلب یہ ہے کہ اس وعید میں داخل نہ ہوگا اور اس پر ملامت کی زبان نہ کھولی جائے گی۔

دوسری قسم

دوسری قسم بخل کرنا ایسی جگہ خرچ کرنے سے جس کے ساتھ وجوب متعلق نہیں جیسے ایک شخص نے مال کی زکوٰۃ تو نکالی مگر اس کے بعد پھر کچھ خرچ نہیں کیا اور اس شخص نے اگرچہ حکم خداوندی کی تعمیل کی جو واجب تھا نکال کر دے دیا مگر صرف اس پر بس کرنا مناسب نہیں کیونکہ صرف واجبات پر کفایت کرنا اور نفل خیرات کو ترک کرنا یہ کم ہمت لوگوں کا کام ہے سو جو شخص مومن ہوا اپنا حال اللہ کے ساتھ درست کرنا چاہتا ہو اس کو زیبا نہیں کہ جو چیز اس پر اللہ نے واجب نہیں کی اس میں اللہ کے ساتھ بالکل معاملہ نہ رکھے کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس کی حالت اس شخص کی سی ہے کہ فرائض تو پڑھتا ہے مگر سنن نہیں بجالاتا۔

اور اے شخص تجھ کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد[1] جو حدیث قدسی میں وارد ہوا کافی ہے کہ قرب ڈھونڈھنے والوں کو میرے ساتھ کسی عمل سے ایسا قرب نہیں حاصل ہوتا جیسا ادائے فرض سے ہوتا ہے اور ہمیشہ میرا بندہ نوافل سے میرا قریب ڈھونڈھتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو اپنا پیارا بنالیتا ہوں جب میں اس کو پیارا بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان اور آنکھ اور دل اور زبان اور عقل اور ہاتھ اور مددگار بن جاتا ہوں۔

---

[1] حدیث یہ ہے کہ ماتقرب الی المتقربون مثل اداء فرضت علیھم ولا یزال عبدی بتقریب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احبه کنت سمعاً وبصراً ولساناً وقلباً وعقلاً ودا مویدا ۔۱۲(تنویر)

سو حق تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ تکرار نوافل اور اس کا اہتمام بندے کو اللہ کا محبوب بنا دیتا ہے اور نوافل وہ اعمال ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے بطور وجوب کے طلب نہیں کیا خواہ نماز ہو یا صدقہ یا حج یا کچھ اور جو شخص صرف فرض نمازیں پڑھتا ہے اور دوسرا شخص فرض و نفل دونوں بجالاتا ہے یا ایک شخص صرف زکوٰۃ دیتا ہے دوسرا شخص زکوٰۃ کے ساتھ کچھ بھی سخاوت کرتا ہے ان دونوں آدمیوں کی ایسی مثال ہے جیسے کسی مالک کے دو غلام ہوں اور اس مالک نے دونوں غلاموں پر دو دو درہم روزانہ خراج مقرر کر دیا سو ایک غلام تو اتنا ہی لا کر مالک کو دیتا ہے اور اس سے زیادہ نہیں لاتا نہ کچھ ہدیہ دیتا ہے نہ کچھ محبت کرتا ہے۔

اور دوسرا غلام وہ مالک کے لئے وہ بھی لاتا ہے جو اس کا یار لاتا ہے اور علاوہ خراج معین کے ظروف و میوہ جات ہدیہ لاتا ہے پس یہ غلام بلاشک مالک کے نزدیک زیادہ بہرہ ور اور حصہ محبت کا زیادہ مستحق اور اس کی عنایت سے زیادہ نزدیک ہوگا۔

کیونکہ جو غلام صرف اسی قدر لاتا ہے جتنا معین کر دیا اس کو مالک سے محبت نہیں صرف خوف سزا سے دیتا ہے اور جو غلام علاوہ خراج معین کے ہدیہ وغیرہ بھی لاتا ہے وہ مالک سے محبت کی راہ چلتا ہے اور اس کی محبت کو پیش نظر رکھتا ہے یہی غلام مالک کے قرب و محبت نصیب ہونے کا زیادہ مستحق ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندوں پر صرف اسی وجہ سے واجب کر دیا کہ ان کا ضعف و کسل کہ جو ان کی حالت و صفت سے اس کو معلوم تھی سو جو کچھ واجب کیا اس لئے واجب کیا کیونکہ انہیں چیزوں میں جواب واجب کی ہیں اختیار دیدیئے کہ تو اس کو ہرگز نہ بجالاتے مگر قدرے قلیل اور ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں اس لئے ان پر اپنی طاعت واجب کر دی اور حقیقت میں دخول جنت کو واجب کیا پس ان کو وجوب کی زنجیروں میں باندھ کر جنت کو روانہ کیا[1] حدیث میں ہے کہ تیرا پروردگار ایسے لوگوں سے تعجب فرماتا ہے جو زنجیروں میں باندھ کر جنت میں بھیجے جاتے ہیں۔

تنبیہ و اعلام

تنبیہ و اعلام جان تو کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرماوے کہ ہم نے واجبات کو غور کر کے دیکھا

[1] حدیث یہ ہے عجب ربک من قوم یساقون الی الجنۃ بالسلاسل ۱۲ (تنویر)

تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے جتنی عبادتیں واجب کی ہیں انہیں کی جنس سے کچھ نفل بھی مقرر کی ہے تا کہ اس نفل سے اس خلل کو تدارک ہو جاوے جو ادائے واجب میں مکلف سے ہو جاتا ہے اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ اول بندے کی فرائض نماز کو دیکھا جاوے گا اس میں کچھ نقصان ہوا تو نوافل سے اس کی تکمیل کر دی جائے گی اس کو خوب سمجھ لے اللہ تجھ پر رحم فرماوے اور صرف اسی عمل پر اکتفامت کر جو اللہ نے تجھ پر فرض کیا ہے بلکہ تجھ میں ایک مستعد کرنیوالی محبت بھی ہونی چاہئے جو اس امر پر تیرے متوجہ ہونے کا باعث ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز تجھ پر واجب نہیں فرمائی اس میں بھی اللہ سے معاملہ ہونا چاہئے اور اگر بندے اپنی میزان عمل میں صرف واجبات کے کرنے اور حرام کے چھوڑنے کا ثواب دیکھیں تو ان کو اس قدر خیر و منت فوت ہو جائے گی جس کو کوئی گننے والا گن نہیں سکتا اور اندازہ کرنے والا اندازہ نہیں کر سکتا پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں کے لئے دروازہ معاملہ کا کشادہ فرمایا اور اسباب وصال کو بیان کر دیا۔

اور جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کو معلوم ہے کہ میرے بندوں میں کم ہمت بھی ہیں اور ہمت والے بھی اس لئے واجبات کو واجب کیا اور حرام کو بیان کیا جو کم ہمت تھے انہوں نے صرف ادائے واجبات اور ترک محرمات پر بس کیا اور ان کے دلوں میں غلبہ محبت اور شیفتگی نہیں ہے جو ان کو باعث ہو کہ بدوں واجب کئے بھی معاملہ کریں سو ان کی مثال اس غلام کی سی ہے جس کا حال مالک کو معلوم ہے کہ اگر اس پر خراج مقرر نہ کروں گا تو یہ کچھ نہ لائے گا اسی واسطے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اوراد کو موقوف فرمایا اور اعمال عبودیت کو مقرر کیا اور طلوع و غروب اور سایہ کے برابر ہو جانے سے نماز کے اوقات بتلائے اور نقد اور تجارت اور مواشی میں جو مال بڑھتا ہے اس میں سال گذرنے پر مقرر کیا اور کھیتی میں جب پیداوار ہو جیسا فرمایا واتوا حقه یوم حصاده یعنی کھیتی کا حق کاٹنے کے دن دو اور حج کو عشرہ ذی الحجہ میں مقرر کیا اور روزے رمضان میں ٹھہرائے پس ان اعمال کو معین کیا ان کا وقت مقرر کر دیا اور ان سے جو وقت بچے اس میں حظوظ البشریہ اور سعی اسباب کے لئے فرصت دی اور جو اہل اللہ ہیں اور ان کو اللہ کی طرف سمجھ ہے انہوں نے تمام اوقات کو ایک وقت کر دیا اور تمام عمر کو اللہ کی طرف قصد کرنے کا

راستہ بنایا اور جان لیا کہ سارا وقت اسی کا ہے اس کا کچھ حصہ بھی غیر کے لئے نہیں ٹھہرایا۔

اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے کہ بس ایک وظیفہ اختیار کرلو اور وہ ترک کرنا ہے خواہش نفسانی کا اور محبت کرنا مالک سے پھر محبت اس محب کو بجز طاعت محبوب کے کوئی کام نہ کرنے دے گی اور وہ لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے سانس میں حق تعالیٰ کی امانتیں اور ودیعتیں ہمارے پاس ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ان کے لحاظ رکھنے کا مطالبہ ہم سے کیا جائے گا پس انہوں نے اپنی ہمتیں اس طرح متوجہ کردیں اور جیسا اللہ کی ربوبیت بھی دائم ہے اسی طرح تجھ پر حقوق ربوبیت بھی ایسے کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں اس کے حقوق ربوبیت بھی ایسے ہی ہونے چاہئیں۔

شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ ہر وقت کے عبودیت کا ایک حصہ ہے جس کا حق تعالیٰ تجھ پر بحکم ربوبیت فرماتا ہے اب ہم کو لازم ہے کہ کلام کی باگ روک لیں تاکہ مقصود کتاب سے علیحدہ نہ ہو جائیں۔ تیسری قسم سخاوت کی وہ جان دینا ہے راہ مولیٰ میں یہ سب اقسام میں افضل ہے اور دوسری قسمیں سخاوت کی اسی کے حاصل کرنے کے لئے ہیں پس جو شخص اللہ کے ساتھ واجب میں دریغ نہیں کرتا کبھی غیر واجب خیرات میں دریغ کرتا ہے اور جو غیر واجب میں دریغ نہیں کرتا کبھی جان دینے میں دریغ کرتا ہے اور اس کے خرچ کرنے میں سخی نہیں بنتا کیونکہ جان کی سخاوت کرنا اور اس کو خرچ کرنا یہ اخلاق صدیقین اور حالات اہل یقین سے ہے جن کو اللہ کی معرفت ہوگئی انہوں نے اپنی جانیں دے ڈالیں کیونکہ ان کو یقین ہے کہ غلام مالک کے آگے کسی شئے کا مالک نہیں ہوتا اور جب جان کی سخاوت سب اقسام میں کامل تر ہے تو اس کا بخل بھی سب سے بدتر ہوگا اس بیان سے شیخ کے اس قول کے معنی واضح ہوگئے کہ ہم کو حرص و بخل سے بعد حصول رزق کے بچا اور یہ اشارۃً و اجمالاً بیان ہوا ہے نہ تفصیلاً کیونکہ کتاب اس مضمون کیلئے نہیں بنائی گئی۔

تیسری قسم ان عوارض کی جو مقدمہ رزق میں پیش آتے ہیں کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ عوارض جو مقدمہ رزق میں پیش آتے ہیں وہ تین طرح کے ہیں ایک قبل الحصول دوسری وقت الحصول ان دونوں کا ذکر تو کلام شیخ میں ہو چکا اور ہم نے اسکو بیان کردیا یہ

تیسری قسم وہ عوارض ہیں جو بعد حصول اور ختم ہو چکنے رزق کے پیش آتے ہیں یعنی افسوس ہونا پچھتانا ہمیشہ اس کا نگراں رہنا سو اس سے بھی پاک ہونا چاہئے اور یہ ارشاد خداوندی سنو لکیلا تاسوا علیٰ مافاتکم ولا تفرحوا بمآ اٰتکم یعنی تاکہ نہ مغموم ہو تم اس چیز سے جو تم سے جاتی رہی اور نہ اتراؤ اس پر جو تم کو دے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی کا بچہ انتقال کر گیا آپ نے فرمایا۔

(ف) یعنی قاصد سے۔

کہ ان کو یہ بات بتلا دو کہ اللہ ہی کا تھا جو لے لیا اور اسی کا ہے جو دے رکھا ہے اور جو شخص بجز اللہ کے کسی چیز کے نہ ملنے پر افسوس کرے وہ بآواز بلند اپنی جہالت اور خدا سے دوری کی خبر دے رہا ہے کیونکہ اگر اللہ کو پاتا تو ماسوا کو ڈھونڈھتا نہ پھرتا پس جو شخص اللہ کو پالیتا ہے پھر وہ کسی شے کو نہیں پاتا کہ اس کو تلاش کرے اور بندے کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو چیز اس کے ہاتھ میں نہیں آتی وہ اس کا حصہ نہ تھا یا کوئی چیز اس کے پاس تھی اور گم ہوگئی وہ اس کا حق نہ تھا کیونکہ وہ اگر اس کا رزق ہوتا تو دوسرے کے پاس نہ جاتا بلکہ اس کے پاس عاریت تھی جس نے عاریت دی تھی اس نے لے لی اور جس نے ایجاد کیا تھا اس نے واپس کر لیا اور کسی شخص کی ایک چچازاد بہن تھی بچپن سے اس کے نامزد تھی یہ شخص بڑا ہوا ایسے امور پیش آئے کہ اس سے نکاح نہ ہوا اس لڑکی کا اور کسی سے نکاح ہو گیا ایک سمجھدار آدمی اس کے پاس آیا اور کہا کہ جس شخص نے تیری چچازاد بہن سے نکاح کیا تھا تجھ کو مناسب ہے کہ اس سے جا کر معذرت کر کیونکہ تو اس لڑکی کو لینا چاہتا تھا اور وہ ازل میں اس کی زوجہ تھی۔

(ف) یعنی یہ معذرت کر کہ میں نے تمہارے حق لینے کا ارادہ کیا تھا نادانستگی میں مجھ سے یہ خطا ہوئی اب تم معاف کردو اور کدورت نہ رکھو۔

اور ایماندار کو اس مضمون میں کہ فوت ہوئی چیز پر نادم نہ ہو یہ آیت بس ہے ومن الناس من یعبد اللہ علیٰ حرف فان اصابه خیرن اطمان به وان اصابته فتنة انقلب علیٰ وجهه خسر الدنیا والاخرة ذلک هو الخسران المبین یعنی بعض آدمی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے اگر اس کو کوئی مال مل گیا تو اس میں مطمئن ہو جاتا ہے

اور اگر کوئی آزمائش آنے لگی تو الٹے منہ لوٹ جاتا ہے گھاٹے میں پڑا یہ شخص دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یہ کھلا گھاٹا ہے، سوحق تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت فرمائی ہے جو چیزوں کے ملنے کے وقت اس کے ساتھ دل بھی لگائے دیکھو کس طرح فرمایافان اصابه خیرن اطمان به یعنی اس مال پر جی لگا بیٹھا اور اگر اس کو سمجھ ہوتی تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز سے دل نہ لگاتا اور صرف اللہ ہی کے ساتھ اس کا جی لگتا اسی طرح اس شخص کی بھی مذمت فرمائی جوان چیزوں کے گم ہوجانے کے وقت مغموم ہو کیونکہ فرمایاو ان اصابته فتنة اور فتنے کی تفسیر ہے اس مرغوب چیز کا گم ہوجانا جس سے جی لگاتا انقلب علیٰ وجهه یعنی اس کی عقل متحیر ہوتی ہے اور نفس بھول جاتا ہے اور قلب غافل ہوجاتا ہے اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ کی معرفت اس کو نصیب نہیں اور اگر اللہ کو پہچانتا تو اس کا موجود ہونا تمامی موجودات سے بے پرواہ کردیتا اور اس کے باعث ہر مفقود سے مستغنی ہوجاتا اور جس نے اللہ کو نہ پایا اس نے کچھ بھی نہ پایا اور جس نے اللہ کو پالیا اس نے کسی چیز کو گم نہیں کیا اور جس نے ایسی ذات کو پالیا جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اس کو کیوں کر کہیں کہ اس نے کسی چیز کو گم کیا ہے اور جس نے موجد اشیاء کو پالیا اس کو کیسے کہیں کہ اس نے کسی چیز کو گم کیا ہے اور جس نے ایسی چیز کو پالیا جو ہر چیز کو جلوہ گر ہے اس کو کیسے کہیں کہ اس کی کوئی چیز گم ہوگئی پس ماسوا اللہ اہل معرفت کے نزدیک یافت و نایافت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا وجہ یہ کہ اس کے آگے کوئی موجود ہی نہیں کیونکہ اس کی احدیت ثابت ہے اسی طرح کوئی چیز مفقود بھی نہیں کیونکہ مفقود وہ چیز ہوتی ہے جو پہلے موجود ہوئی ہو اور اگر حجاب وہم پھٹ جائے تو معائنہ ہوجائے کہ اشیاء عالم موجود نہیں اور نور یقین چمک اٹھے اور وجود کائنات کو ڈھانپ لیوے اور جب تو اس کو سمجھ چکا تو تجھ کو لازم ہے کہ کسی چیز کے گم ہونے پر غم مت کر اور کسی شے کے موجود ہونے کی طرف میل مت کر کیونکہ جو شخص ایسا ہو کہ چیز پائے تو میلان کرے اور نہ پائے تو مغموم ہو اس نے ثابت کردیا کہ وہ اس چیز کا بندہ ہے جس کے ہونے نے خوشنود، اور گم ہونے نے غم آلود کیا ہے۔

اور اس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد[1] سنو۔ برباد ہوجائے بندہ دینار کا

[1] حدیث یہ ہے تعس عبد الدينار تعس عبدالدرهم تعس عبد الخميصة تعس وانتكس واذا شيك فلا انتقش۔۱۲ (تنویر)

برباد ہو جائے بندہ درہم کا برباد ہو جائے بندہ کملی کا برباد ہو جائے اور سرنگوں ہو جائے اور اگر اس کے کانٹا لگے تو نکلنا نصیب نہ ہو سو اپنے دل میں بجز اللہ کی محبت اور دوستی کے کسی چیز کو محکم مت کر کیونکہ تیرا رتبہ اس سے زیادہ ہے کہ تو غیر کا بندہ بنے اللہ نے تو تجھ کو لائق غلام بنایا تو نالائق غلام کیوں بنتا ہے اور جن کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے ان کی فہم ان کو کسی شئے کے ہونے کی طرف مائل نہیں ہونے دیتی اور نہ کسی شے کے نہ ملنے سے نگراں ہونے دیتی ہے تا کہ ان کی عبودیت محفوظ رہے اور ماسوا سے آزادی درست رہے۔

میں نے اپنے شیخ ابو العباس سے سنا ہے فرماتے تھے کہ اہل حال دو قسم ہیں ایک تو وہ شخص جو حال میں حال کا ہو رہا ہے اور ایک وہ شخص جو حال میں حال پیدا کرنے والے کا ہو رہا ہے سو جو شخص حال میں اپنے حال کا ہو رہا ہے وہ بندۂ حال ہے اور اس کی یہ کیفیت ہے کہ اگر حال کو پاتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور جب نہیں پاتا تو غمگین ہوتا ہے اور جو شخص کہ حال میں حال پیدا کرنے والے کا ہو رہا ہے وہ بندۂ خدا ہے نہ کہ بندۂ حال ہے اور اس کی یہ کیفیت ہے کہ اگر حال کو نہ پائے گا غمگین نہیں ہوتا اور جو پائے تو خوش نہیں ہوتا۔

پس یہ ارشاد خداوندی ہے **ومن الناس من یعبد اللہ علیٰ حرف** اس کی تفسیر یہ ہے کہ عبادت کرتا ہے اللہ کی ایک کنارے پر یعنی ایک جہت پر وہ جہت اگر زائل ہو گئی اس کی طاعت بھی زائل ہو گئی اور اس کی اطاعت منقطع ہو گئی اور اگر اس کو ہماری طرف کی سمجھ ہوتی تو ہر حالت اور ہر جہت میں ہماری عبادت کرتا جیسا وہ تیرا ہر حال میں رب ہے اسی طرح تو ہر حال میں اس کا بندہ رہ، فرمایا **فان اصابہ خیرن اطمان بہ** یعنی اس کو اگر کوئی خیر پہنچی ہے جو اس کے نفس کے موافق ہو کہ اس کی نظر میں خیر ہے اور کبھی واقع میں شر ہوتی ہے **وان اصابتہ فتنہ انقلب** یعنی اگر وہ خیر جاتی رہے جس سے مطمئن ہوا تھا اور اس کو فتنہ یعنی آزمائش فرمایا کیونکہ نعمت کے گم ہونے میں مومن کے ایمان کا امتحان ہوتا ہے اور نہ ہوت میں لوگوں کے حال معلوم ہوتے ہیں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو گمان کرتے ہیں کہ ہمارا غنا اللہ کے ساتھ ہے حالانکہ انکا غنا اسباب سے اور طریق اکتساب سے ہے اور بہت سے لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم کو اپنے رب سے انس ہے اور حالانکہ انکا انس اپنے حال سے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حال جاتے رہنے سے

ل مسکن از بحر فنا پر نہ بنا اے ناشاد صورت بلبلہ پانی میں ہے تعمیر عبث (ملفوظ شریف)

انس بھی جاتا رہتا ہے پس اگر رب سے انس ہوتا تو وہ دائم وباقی ہے انس بھی دائم وباقی رہتا ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے خسر الدنیا والاخرۃ دنیا کا تو یہ نقصان ہوا کہ مراد دنیوی حاصل نہ ہوئی اور آخرت کا اس لئے نقصان ہوا کہ اس کے لئے عمل نہیں کیا سو جو کچھ اس کا مطلوب تھا جاتا رہا اور اس نے ہم کو تو طلب کیا نہ تھا کہ ہم اس کے ہو جاتے خوب سمجھ لو۔

فصل، اس فصل میں مثالیں ذکر کرینگے اللہ کے آگے تدبیر چلانے کی اور تدبیر چلانے والوں کی اور مثالیں رزق کی اور اللہ تعالیٰ کے کفیل ہونے کی کیونکہ مثال سے خوب حال کھلتا ہے۔

اللہ کے آگے تدبیر چلانے والوں کی مثالیں

پہلی مثال

جو اللہ کے آگے تدبیر چلائے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی شخص نے سمندر کے کنارے پر مکان بنایا ہو وہ جس قدر عمارت میں کوشش کرتا ہے موجیں بڑھتی جاتی ہیں اس کے سارے حیلے رخصت ہو جاتے ہیں یہی حال اس شخص کا ہے جو اللہ کے آگے تدبیر کرتا ہے کہ وہ تدبیر کی عمارتیں تیار کرتا ہے اور تقدیر آ کر اس کو گرا دیتی ہے اسی واسطے کہا گیا ہے کہ مدبر تدبیر کرتا ہے اور تقدیر ہنستی[1] ہے اور شافع نے کہا ہے۔

عمارت کب وہ پوری ہو کہ تو اس کو بناتا ہو ۔۔۔ مگر ہو دوسرا اس جا کہ وہ اس کو گراتا ہو

دوسری مثال

مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص ریگ کے ڈھیر میں آ کر اس پر مکان چنے آندھی جو آئی سب ریگ اڑ گیا جو بنایا تھا وہ گر گیا جیسا کہا گیا ہے۔

مٹ گئے گھر ان کے مل کر ریگ میں ۔۔۔ کب رہے قائم جو ہو گھر ریگ میں

تیسری مثال

مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے ایک لڑکا اپنے والد کے ساتھ سفر کرے اور دونوں رات کو چلیں اور باپ چونکہ اپنے لڑکے پر غایت درجہ کا شفیق ہے وہ لڑکے کی بے خبری میں دیکھ

---

[1] کمال قال العارف الرومی: رو زہا گرفت گور دو باک نیست ۔۔۔ تو بمان اے آنکہ چوں تو پاک نیست

بھال کر رہا ہے مگر لڑکا بوجہ حائل ہونے تاریکی کے باپ کو نہیں دیکھتا۔

اس لئے وہ لڑکا اپنی فکر میں مبتلا ہے کہ کس طرح کرے یکا یک چاند نکل آیا اور باپ کو دیکھا کہ پاس ہے اسکا جی ٹھہر گیا اور دل کو سکون ہو گیا چونکہ اپنے باپ کو پاس دیکھا اس وقت باپ کی تدبیر پر اپنی تدبیر سے مستغنی ہو گیا ایسا ہی جو شخص اپنے لئے تدبیر کرتا ہے وہ اس لئے تدبیر کرتا ہے کہ شب دوری میں مبتلا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا قرب معلوم نہیں اگر ماہتاب توحید یا آفتاب معرفت طلوع کرے تو اللہ کا قرب مشاہدہ کرے پھر تدبیر کرتا ہوا شرمائے اور اللہ کی تدبیر پر اپنی تدبیر سے مستغنی ہو جائے۔

چوتھی مثال

تدبیر ایک درخت ہے پانی اس کا بدگمانی ہے پھل اس کا اللہ سے دوری ہے کیونکہ اگر بندے کو اپنے رب سے حسن ظن ہوتا تو درخت تدبیر بوجہ اس کی غذا موقوف ہو جانے کے اس کے قلب میں خشک ہو جاتا اور اس کا پھل اللہ سے دوری اس لئے ہے کہ جو شخص اپنے لئے تدبیر کرتا ہے وہ اپنی عقل پر اکتفا کرتا ہے اور اپنی تدبیر پر راضی ہوتا ہے اور اپنی ہستی پر حوالہ کرتا ہے اس کی سزا یہ ہے کہ اسی پر حوالہ کر دیا جاوے اور منت الٰہیہ کو اس کے پاس نہ جانے دیا جاوے۔

پانچویں مثال

تدبیر کی ایسی مثال ہے جیسے کسی غلام کو اس کے مالک نے ایک شہر میں واسطے درستی کسی متاع کے بھیجا وہ غلام اس شہر میں گیا اور کہنے لگا میں کہاں رہوں کس سے شادی کروں غرض وہ اسی میں لگا رہا اور اپنی ہمت کو اس جگہ صرف کر دیا اور جو مالک نے حکم کیا تھا اس کو معطل چھوڑ دیا جب وہ مالک اس کو اپنے پاس بلائے گا تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو دوری اور مہجوری کا مزہ چکھائے گا کیونکہ وہ اپنے بکھیڑوں میں مالک کے حق سے غافل ہو گیا پس اے مومن ایسا ہی تیرا حال ہے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اس دنیا میں بھیجا اور اپنی خدمت کا حکم دیا اور تیرے لئے تدبیر کا سرانجام کیا اور اگر تو اپنی تدبیر میں لگ کر اپنے مالک کے حق سے غافل ہو گیا تو طریق ہدایت سے تو نے روگردانی کی اور ہلاکی کی راہ چلا۔

چھٹی مثال

مدبر اور غیر مدبر کی ایک ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ کے دو غلام ہوں ایک تو اپنے آقا کے احکام میں لگا ہے کھانے پہننے کی طرف التفات نہیں کرتا اس کو بڑی فکر آقا کی خدمت گذاری کی ہے اس امر نے اس غلام کو اس کے حظوظ وضروریات کی فرصت سے غافل کر رکھا ہے اور ایک دوسرا غلام ہے جب اس کو آقا بلاتا ہے کبھی اپنے کپڑے دھو رہا ہے کبھی اپنے جانوروں کو مل دل رہا ہے کبھی اپنا بناؤ سنگار کر رہا ہے سو پہلا غلام عنایت آقا کے زیادہ مستحق ہے بہ نسبت دوسرے غلام کے جو کہ اپنے حظوظ وضروریات میں لگ کر آقا کے حقوق سے غافل ہے اور غلام کو اس لئے خریدا جاتا ہے کہ آقا کی خدمت کرے نہ کہ ہر وقت اپنے کام لگا رہے ایسا ہی حال ہے بندۂ دانا کو اس کو ہمیشہ اسی حال میں دیکھو گے کہ اپنے نفس کے مرغوبات اور مہمات کو چھوڑ کر اللہ کے حقوق اور احکام کی نگہداشت میں لگا رہتا ہے جب اس کا یہ حال ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے سارے کام بنا دے گا اور اس کی طرف اپنی عطائے جزیل سے متوجہ ہوگا کیونکہ وہ توکل میں صادق ہے اور جو اللہ پر بھروسہ[1] کرتا ہے۔

اللہ اس کو بس کرتا ہے اور غافل کا یہ حال نہیں بلکہ اس کو جب دیکھو گے اپنے دنیا کے اسباب حاصل کر رہا ہے اپنی خواہش نفسانی کے ذریعے جمع کر رہا ہے اپنے نفس کی تدبیر کر رہا ہے اور اس پر حوالہ کر دیا گیا ہے خوبی وثوق صدق توکل سے دور پڑا ہے۔

ساتویں مثال

مدبر کی ایسی مثال ہے جیسا پھیلا ہوا سایہ جب کہ آفتاب برابر نہیں ہوتا اور جب آفتاب ٹھیک سر پر آ جاتا ہے تو وہ سایہ فنا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ یوں ہی سایہ ایک نشان رہ جاتا ہے کہ استواء کے وقت محو نہیں ہوتا یہی حال ہے آفتاب معرفت کا جب قلوب کے مقابل آتا ہے وجود تدبیر کو محو کر دیتا ہے البتہ کچھ تدبیر بندے کی اس لئے رہ جاتی ہے کہ اس پر احکام شرعی جاری ہو سکیں۔

---

[1] یہ مضمون ہے آیت کا ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔ (مترجم)

آٹھویں مثال

مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے کوئی گھر یا کوئی غلام فروخت کیا پھر جب سودا پورا ہو چکا تو بائع مشتری کے پاس آیا اور کہا کہ اس میں کوئی مکان بنانا یا فلاں کوٹھڑی اس کی گرا دینا اس میں فلاں بات کرنا یا خود بائع ان کاموں کو کرنے چلا پس اس سے کہا جائے گا کہ تو تو فروخت کر چکا ہے اب فروخت کرنے کے بعد بیع میں تیرا تصرف نہیں رہا کیونکہ بیع کرنے کے بعد منازعت نامعقول ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] ہے کہ اس نے سب کی جانیں اور اموال بعوض جنت کے خریدے ہیں سو مومن پر لازم ہے کہ اپنے اور اپنے نام لگی چیز کو اللہ کے سپرد کر دے کیونکہ اسی نے پیدا کیا اور اسی نے خرید لیا اور سونپنے کو یہ بات لازم ہے کہ جو چیز سونپ دے اس کی تدبیر ترک کر دے۔

رہ گیا رزق سو بندے کی رزق کی مثال دنیا میں ایسی ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلام سے کہے کہ اس گھر میں فلاں کام میں لگا رہ سو یہ نہیں ہو سکتا کہ کام کرنیکا حکم کر دے اور کھانے پینے پہننے کی خبر نہ لے اور اس کی کفایت و رعایت کا سرانجام نہ کرے اسی طرح بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں طاعت و بجا آوری احکام کا حکم فرمایا ہے اور اس کی روزی کا کفیل ہو گیا سو بندے کو خدمت کرنا چاہئے مالک اپنی عنایت سے اس کا خبر گیراں ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے **وأمر اهلک الیٰ قوله للتقویٰ** اور اس کا بیان اوپر گذر چکا۔

نویں مثال

بندے کی مثال دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا بچہ اپنی ماں کے ساتھ ماں اپنی کفالت سے کبھی بچہ کو نہیں چھوڑتی اور رعایت سے نہیں نکالتی ایسی ہی اللہ تعالیٰ مومن کی کفالت فرماتا ہے اور اس کو نعمتیں بھیجتا ہے اور محنتیں دفع کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا جس کے پاس بچہ تھا آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ یہ اپنے بچہ کو آگ میں پھینک دے لوگوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ یہ ماں اپنے بچے پر جس قدر مہربان ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندے مومن پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔

---

[1] یہ مضمون ہے آیت کا ان اللہ اشتری من المومنین انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة ۔ (مترجم)

دسویں مثال

بندے کی مثال دنیا میں ایسی ہے جیسا ایک غلام ہو اس کو مالک نے حکم کیا ہو کہ فلاں جگہ جا اور اپنا کام پکا کرے کیونکہ یہاں سے فلاں طرف کو تجھے سفر کرنا ہے اور اپنا سازوسامان لے لے جب مالک نے اس کو یہ اجازت دیدی تو یقینی بات ہے کہ اس کے لئے مباح کر دیا کہ جس چیز سے اپنی ترکیب جسمانی قائم رکھنے میں مدد ملے اس کو کھائے پئے تاکہ سازوسامان کے طلب کرنے میں سعی و اہتمام کر سکے اسی طرح حق تعالیٰ نے بندے کو اس دنیا میں پیدا کیا اور حکم فرمایا کہ یہاں سے سفر آخرت کے لئے توشہ لے لے چنانچہ ارشاد ہوا وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ یعنی توشہ لے لو پس سب سے اچھا توشہ تقویٰ ہے پس معلوم ہو گیا کہ جب آخرت کے لئے توشہ لینے کا حکم فرمایا تو دنیا سے ایسی چیزوں کا لینا مباح کر دیا جس سے توشہ کے جمع کرنے اور سفر کے لئے آمادہ ہونے اور آخرت کے لئے سامان درست کرنے میں مدد پہنچے۔

گیارہویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی مالک نے کہ اس کے پاس ایک باغ ہے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس باغ میں درخت لگا دے زراعت کرے اور اس کی درستی کا اہتمام کرے سو اگر یہ غلام حکم پاتے ہی مالک کے حکم کو بجالائے اور کسی ساعت باغ سے نہیں نکلتا سو اگر یہ غلام اس باغ میں سے کچھ کھا پی لے تو مالک نہ ملامت کرے گا نہ اس کھانے سے منع کرے گا کیونکہ جب اس سے کھائے گا تو اس میں محنت بھی کرے گا لیکن اس غلام کو یہ چاہئے کہ اسی قدر کھائے جس سے کاروبار میں سہارا لگے لذت اور خواہش کے واسطے نہ کھائے۔

بارہویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے بہت بڑا باغ لگایا اور بہت بڑا مکان بنایا کسی نے پوچھا کہ کس کے لئے یہ سامان کیا ہے اسنے کہا اپنے لڑکے کے لئے کیا ہے جس کے پیدا ہونے کی امید ہے سو اس نے بوجہ محبت کے لڑکے کی ضرورت کی چیزیں اس کے پیدا ہونے کے پہلے مہیا کر دیں کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ جب اس کے ہونے

سے پہلے سب کچھ تیار کر رکھا ہے کیا اس کے ہونے کے بعد اس کو نہ دیگا۔

اسی طرح بندے کی حالت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے پیدا ہونے سے پہلے دنیا میں نعمت مہیا کر رکھی ہے اگر فہم ہو تو نعمت تیرے ہونے سے پہلے ہو چکی ہے کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اس کی عطا تیرے وجود سے پہلے اور اس کے نعمت تیرے ظہور سے پہلے ہو چکی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل میں عطا فرما چکا ہے قبل اس کی کہ بندہ موجود ہو اور اس کا کچھ عمل وقوع میں آوے سو جو چیز اللہ نے ازل سے تیری قسمت میں لکھ دی ہے اور تیرے لئے جمع کر دی ہے اس سے تجھ کو محروم نہ کریگا کیا ہو سکتا ہے کہ ہونے سے پہلے مہیا کر دے اور ہونے کے بعد نہ دے۔

تیرہویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا بادشاہ کسی نوکر کو اپنے گھر لایا اور حکم دیا کہ فلاں کام کر سو یہ نہیں ہو سکتا کہ بادشاہ نوکر کو لائے اور اس سے گھر میں کام لے اور بے کھلائے اس کو چھوڑ دے کیونکہ بادشاہ کی شان اس سے رافع ہے کہ ایسا ہی بندے کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے سو دنیا تو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور تو نوکر ہے اور کام اطاعت کرنا ہے اور اجرت جنت ہے سو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو کام کرنے کو فرما دے پھر تیرے پاس وہ سامان نہ بھیجے جس سے تو مدد لے سکے۔

چودھویں مثال

بندے کی مثال اللہ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایک بادشاہ کریم کے گھر مہمان ہوا سو اس مہمان کو سزاوار ہے کہ اپنے کھانے پینے کی فکر نہ کرے کیونکہ اگر ایسا کیا تو بادشاہ پر تہمت و بدگمانی ہے اور یہ مضمون شیخ ابو مدینؒ کا مقولہ اوپر گذر چکا ہے اسی طرح دنیا اللہ کا گھر ہے اور اس میں جو لوگ ہیں وہ اللہ کے مہمان ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بندوں کو تو مہمانداری کا حکم فرمائے اور خود مہمان کی خبر نہ لے سو جو شخص دنیا میں اپنے کھانے پینے کی دھن میں ہے وہ بادشاہ حقیقی کی نظر میں مبغوض ہے کیونکہ اگر اس کو اللہ میں شک نہ ہوتا اپنے حال کی کیوں فکر کرتا۔

پندرہویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک غلام کو بادشاہ نے حکم دیا کہ فلاں جگہ جا کر رہے اور اس جگہ جو غنیم ہے اس سے لڑے اور اپنی ہمت اس کے مقابلے میں صرف کرے اور اس کے مقابلے میں ہمیشہ لگا رہے سو یقینی بات ہے کہ جب بادشاہ نے اس کو یہ حکم دیا ہے تو اس کے لئے یہ بھی مباح کر دیا ہے کہ اس شہر کی تحائف و خزائن سے امانت داری کے ساتھ کھایا کرے تا کہ جس کے مقابلے کا حکم بادشاہ نے دیا ہے اس کے مقابلے میں قوت حاصل کرے اسی طرح بندوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ شیطان سے لڑیں۔

چنانچہ فرمایا و جاھدوا فی اللہ حق جھادہ یعنی اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرو جیسا مجاہدہ کا حق ہے اور فرمایا ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا یعنی بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو اس کو دشمن ہی سمجھو پس جب بندوں کو شیطان سے لڑنے کا حکم دیا تو اس کی بھی اجازت دی کہ اس کی نعمتوں سے اس قدر کھالیویں جس سے محاربہ شیطان میں قوت حاصل کریں کیونکہ اگر کھانا پینا چھوڑ دو تو طاعت کا بجالانا اور خدمت میں آمادہ ہونا ممکن نہ ہو پس بادشاہ کا مجاہدہ کے لئے حکم فرمانا اس کو بھی شامل ہے کہ جتنی چیزیں بادشاہ کی کہلاتی ہیں جن کو تیرے لئے تیار کر رکھا ہے اس کا برتنا مباح ہے لیکن بطریق امانت و حفاظت حقوق کے ہو۔

(ف) یعنی کسی اور کا حق نہ کھائے۔

سولہویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا کسی شخص نے ایک درخت لگایا اس ارادے سے کہ یہ بڑھے اس کی پودہ پھیلے سو درخت کو اگر علم ہو تو وہ خود جان سکتا ہے ورنہ ہم اس کی نسبت یقیناً جانتے ہیں کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ اس کو لگائے اور پانی نہ دے کیسے ہوسکتا ہے اس کو تو شوق ہے کہ اس کی پودہ بڑھے یہ تو ہوا اسی طرح اے شخص تو درخت ہے اللہ تعالیٰ تیرا بونے والا اور ہر دم سینچنے والا ہے تیری غذا پہنچانے کا سامان کرنے والا ہے تو اس پر یہ بدگمانی مت کر کہ تیرے درخت وجود کو بوئے اور بونے کے بعد پانی نہ دے کیونکہ وہ غافل نہیں۔

سترہویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک بادشاہ نے جس کے بہت سے غلام ہیں ایک گھر بہت عمدہ بنایا اور اس کو خوب سجایا اور اس میں باغ لگایا اور اس میں جمیع مرغوبات پورے طور سے رکھے مگر ابھی یہ غلام دوسری جگہ ہیں اور بادشاہ کو منظور ہے کہ ان کو اس گھر میں لاوے کیا گمان کر سکتے ہو کہ یہ بادشاہ جس کی نظر میں اس تمام تر ذخیرہ اور سامان کے علت غائی یہی غلام ہیں وہ ان لوگوں کو ان کی معمولی جگہ میں اپنی نعمت اور فضلہ طعام سے منع کرے گا اسی طرح بندوں کی حالت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے ان کو دنیا میں پیدا کیا اور جنت کو مہیا کیا جیسا آخرت کو مہیا کیا اور اس کو منظور ہے کہ دنیا میں سے وہ چیز برتوائے جن سے اس کا وجود قائم رہے۔

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کلوا واشربوا من رزق اللہ اور فرمایا کلوا من رزق ربکم واشکروا لہ اور فرمایا یایھا الرسل کلوا من اطیبات واعملوا صالحا اور فرمایا یایھا الذین امنوا کلوا من الطیبات ما رزقنکم سو جب کہ تیرے لئے نعمت باقی کو ذخیرہ فرمایا اور تجھ پر اس سے احسان کیا تو فانی سے تجھ کو محروم کریگا اور اگر محروم کرے تو اسی خیر سے محروم کریگا جو تیری قسمت میں نہیں وہ تیرا حق نہیں سو ایسا نہ دینا یہ بھی عطاء شفقت سے اس کو معلوم ہے کہ اس میں تیری مصلحت اور تیرے کام کی درستی ہے جیسا درخت سے لگا تار پانی آنے کو روک دیتے ہیں تا کہ ہر وقت کا پانی اس کو تلف نہ کردے۔

اٹھارہویں مثال

جو شخص دنیا کی فکر میں زاد آخرت سے غافل ہو جائے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک شخص ہو کہ درندہ اس پر چڑھا آتا ہے اور قریب ہے کہ اس کو پھاڑ ڈالے اور ایک مکھی بھی آ کر بیٹھ گئی یہ شخص مکھی کے ہٹانے میں لگ کر شیر سے کچھ بچاؤ نہیں کرتا سو ایسا شخص بڑا احمق ہے بالکل عقل کو کھوئے بیٹھا ہے اور اگر یہ عقل کے ساتھ موصوف ہوتا تو اس کو شیر کا اور اس کے حملے کا اور اس کے چڑھے چلے آنے کا اتنا بڑا دھندا تھا کہ مکھی کے قصے میں مشغول ہونے کی فکر بھی نہ کر سکتا یہی حال اس شخص کا ہے جو دنیا کی فکر میں آخرت کے

توشے جمع کرنے سے غافل ہو جائے یہ اس کی حماقت کی دلیل ہے کیونکہ اگر صاحب فہم و عقل ہوتا تو آخرت کے لئے سامان کرتا جس کی اس سے باز پرس ہوگی وہاں کھڑا کیا جائے گا اور مقدمہ رزق کے اہتمام میں مشغول نہ ہوتا کیونکہ اس کا اہتمام کرنا آخرت کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے شیر کے سامنے مکھی۔

انیسویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا باپ کے آگے بچہ کی باپ کے ہوتے کچھ غم نہیں پالتا اور نہ افلاس سے ڈرتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ باپ میرا کفیل ہے اس کے اعتماد نے اس کی زندگی خوش کر دی اور اس کا غم زائل کر دیا اسی طرح مومن کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ وہ کچھ غم نہیں پالتا اور اس کے میدان قلب میں رزق کی بابت غموم نہیں آتے کیونکہ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو مہمل نہ چھوڑے گا اور اپنے فضل سے جدا نہ چھوڑے گا اور اپنے جود و احسان سے محروم نہ کریگا۔

بیسویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک غلام ہے اس کا مالک تو انگر صاحب ثروت ہو اور غلاموں کے احسان کرنے کے ساتھ موصوف ہو انکار کرتا ہوا کبھی نہ دیکھا گیا ہو جود و عطا میں معروف ہو اور غلام کو اس کے فضل پر اعتماد اس کے احسان پر نظر رکھتا ہے اپنے مالک کی تو انگری معلوم ہے اس لئے تمام رنج و محن سے علیحدہ ہے۔

اور یہی مضمون حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ کا باعث ہوا فرماتے ہیں کہ ایک بار قحط کے ایام میں کسی جگہ میرا گذر ہوا ایک غلام کو دیکھا کہ خوش و خرم ہے اس مصیبت کی خبر نہیں جس میں لوگ گرفتار ہیں میں نے پوچھا اے جوان! تجھ کو خبر نہیں لوگ کس بلا میں مبتلا ہیں کہنے لگا مجھ کو تو پرواہ نہیں میرے مالک کے پاس ایک پورا گاؤں ہے ہر روز کے خرچ کے لائق ہمارے یہاں آ جاتا ہے۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اس کے مالک کے پاس ایک پورا گاؤں ہے تو

میرے مالک کے پاس تمام آسمان و زمین کے خزانے ہیں مجھ کو اس کی نسبت اپنے مالک کے ساتھ وثوق کرنا زیادہ زیبا ہے سبب میری آگاہی[1] کا ہوا۔

اکیسویں مثال

جو شخص سبب میں مشغول ہے اور اسباب سے روزی لیتا ہے اس کی مثال تو اس غلام کی سی ہے کہ اس سے مالک نے کہا کہ کام کر اور اس میں سے کھا اور جو شخص اسباب کا تارک ہے اس کی مثال اس غلام کی سی ہے جس سے مالک نے کہا تو میری خدمت میں رہا کر میں اپنی نعمت تجھ کو دیتا رہوں گا۔

بائیسویں مثال

جو شخص اسباب میں اللہ تک نظر پہنچائے اس کی مثال ہے کہ جب آسمان سے بارش ہونے لگے تو کوئی آدمی پرنالے کے نیچے بیٹھ جائے پس وہ صرف اللہ ہی کا شکر کرتا ہے اور پرنالے کے نیچے بیٹھ جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ شخص بارش کو اس کی طرف نسبت کرے بلکہ یقیناً جانتا ہے کہ اگر پرنالے میں پانی نہ آئے تو خاک نہ ملے اسی طرح اسباب نعم الٰہی کے پرنالے ہیں پس جو شخص اسباب میں داخل ہو مگر ہمت اللہ کے ساتھ متعلق رہے نہ کہ اسباب کے ساتھ اس کو اسباب سے کچھ ضرر نہیں اور اس پر اندیشہ دوری درگاہ نہیں اور جو شخص اسباب پر کھڑا رہ جائے اور مالک اسباب سے غافل ہو۔

اس کی مثال چوپائے کی سی ہے کہ جب مالک اس کے پاس ہو کر گذرتا ہے تو وہ اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتا اور حالانکہ وہ مالک ہے اور سائیس کو اس جانور کا خرچ وہی دیدیتا ہے اور جب سائیس آتا ہے تو نظر خوشامد سے اس کو دیکھتا ہے اور شوق ظاہر کرتا ہے چونکہ اس کے ہاتھ سے کھانے کا خوگر ہے بندے کی بھی یہی حالت ہے کیونکہ جب خلقت کے ہاتھ سے احسان جاری ہوا اور یہ ان ہی کی طرف سے مشاہدہ کرے اور ان سے گذر کر آئے اپنی نظر نہ ڈالے اس کی مثال چوپایہ کی سی ہے بلکہ چوپایہ کی حالت اس سے اچھی ہے جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے **اولٰئک کالانعام بل ھم اضل اولٰئک ھم الغفلون.**

---

[1] ان کے یہاں بہت بڑی تجارت ہوتی تھی سب ترک کردی۔ (ملفوظ شریف)

تیئیسویں مثال

جو شخص اسباب پر کھڑا رہ جائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ تک نظر پہنچاوے ان کی مثال ان دو شخصوں کی سی ہے کہ حمام میں گئے ایک تو کامل العقل ہے دوسرے پر حماقت غالب ہے یکا یک پانی بند ہوگیا جو عاقل ہے اس کو معلوم ہے کہ اس پانی کا کوئی پیچھے سے پھیرنے والا ہے کہ پھیر رہا ہے اور کوئی چلانے والا ہے کہ چلا رہا ہے وہ اس کے پاس آئے گا تاکہ جس کو بند کرلیا اس کو چھوڑ دے یا اور جو مرضی ہو وہ کرے اور دوسرا شخص جو ہے وہ نل کے پاس آکر کہتا ہے اے نل ہمارے لئے پانی جاری کردے تجھ کو کیا ہوا کہ اپنا پانی بند کردیا اس سے یہی کہا جائے گا کہ تو احمق ہے اور نل کچھ سن سکتا ہے یا کچھ کرسکتا ہے وہ تو ایک محل اور پانی کا راستہ ہے جو اس میں جاری کیا جاتا ہے وہ ظاہر ہوجاتا ہے۔

چوبیسویں مثال

ذخیرہ کرنے والے کی ایسی مثال ہے جیسے کسی بادشاہ کا ایک غلام ہے اس کو باغ میں مقرر کردیا تاکہ اس کو بنائے سنوارے سو غلام کو اس باغ کے پھل میں سے اس قدر رکھانا جائز ہے کہ درخت لگانے کھیتی بونے میں مدد پہنچے اور جمع کرکے رکھنا جائز نہیں کیونکہ اس باغ کا پھل ہمیشہ رہتا ہے اور اس کا مالک غنی قدرت والا ہے پس اگر بدوں اجازت مالک کے اپنے لئے جمع کرکے رکھا اور مالک پر بدگمانی کی تو خائن ہوا اور جو شخص ذخیرہ نہیں رکھتا۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک غلام ہے مالک کے گھر میں یا باغ میں اور جانتا ہے کہ میرا مالک مجھ کو نہ بھولے گا اور نہ مہمل چھوڑے گا بلکہ میرے لئے مال خرچ کرے گا اور اپنا احسان مجھ کو پہنچائے گا سو اپنے مالک کے باعث ذخیرہ رکھنے سے مستغنی ہوگا اور اس کی توانگری کے سبب محتاجی کی پرواہ نہ کرے گا اور اس کے سوا کسی شیء پر اعتماد نہ کریگا ایسا غلام لائق اس کا ہے کہ اس پر توجہ کی جائے اور عطا سے اس کے کام پورے کئے جائیں۔

پچیسویں مثال

جو شخص امانت کے طور پر ذخیرہ کرے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی بادشاہ کا ایک غلام ہے کہ مالک کے آگے کوئی چیز اپنی نہیں سمجھتا اور جو کچھ اس کے پاس ہے نہ اس کے ذخیرہ کرنے

پر اعتماد کرتا ہے نہ خرچ کرنے پر اعتماد کرتا ہے بلکہ وہی بات اختیار کرتا ہے جو مالک اس کے لئے پسند کرے سو جب یہ سمجھے کہ مالک کو اس چیز کا رکھنا مقصود ہے تو مالک کے لئے رکھتا ہے نہ کہ اپنے لئے یہاں تک کہ موقع صرف کا منتظر رہتا ہے جب مالک کی مرضی خرچ کرنے کی سمجھتا ہے اس میں صرف کر دیتا ہے سو اس شخص پر رکھنے میں کچھ ملامت نہیں کیونکہ اس نے اپنے مالک کے لئے رکھا ہے اپنے لئے نہیں رکھا یہی حال ہے اہل معرفت کا اگر خرچ کرتے ہیں تو اللہ کے لئے اور اگر رکھتے ہیں تو اللہ کے لئے اسی کی رضا مندی طلب کرتے ہیں انفاق و امساک سے وہی مقصود ہے پس یہ لوگ امین تحویلدار اور بڑے مرتبے کے غلام اور کریم آزاد ہیں حق تعالیٰ نے ان کو غلامی مخلوق سے آزاد فرمایا ہے پس انہوں نے مخلوق کی طرف محبت سے میلان نہیں کیا نہ مودت سے متوجہ ہوئے ان کے دلوں میں جو اللہ کے محبت و مودت بس گئی اور ان کے سینوں میں اس کی عظمت بھر گئی وہ اس سے مانع ہوئی اور جو اللہ کے لئے رکھے وہ کسی طرح رتبے میں اس شخص سے کم نہیں جو اللہ کے لئے خرچ کرے ان کے ہاتھ میں اشیاء کا وہی حال ہے جیسا ان کے پاس پہنچنے سے پہلے خزائن الٰہی میں حال تھا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا اور ہماری ملک کا مالک ہے اور جو اللہ کے لئے اچھی طرح رکھنا نہیں جانتا وہ اللہ کے لئے اچھی طرح خرچ کرنا بھی نہیں جانتا خوب سمجھ لو فصل اس میں ہم اس مضمون کا ذکر کریں گے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ہاتفان حقائق کی زبانی مقدمہ رزق و تدبیر میں خطاب فرماتا ہے۔

(ف) یعنی حقائق زبان حال سے منجانب حق تعالیٰ کے بندے سے کہہ رہے ہیں۔

خطاب اول

اے بندے اپنے کان کو حضور دل سے میری جانب متوجہ کر میری جانب سے تجھ کو زیادہ نعمت ملے گی اور اپنے گوش دل کو ادھر جھکا میں تجھ سے دور نہیں ہوں[1]۔

خطاب-۲

اے بندے میں تیری تدبیر میں اس وقت تھا کہ تو اپنا بھی نہ تھا سو اپنا اس طرح بن کہ اپنا نہ رہے اور میں نے تیرے ظہور سے پہلے تیری رعایت کی اور اب بھی رعایت میں ہوں۔

---

[1] مگر چشم حقیقت درکار ہے قال العارف الرومیؒ

خطاب-۳

اے بندے میں ایجاد و تصویر میں یکتا ہوں میں حکم و تدبیر میں یگانہ ہوں تو خلق و تصویر میں میرا شریک نہ ہو سو میرے حکم و تدبیر میں بھی شریک مت ہو میں اپنے ملک کا مدبر ہوں اور میرا کوئی پشتیبان نہیں میں اپنے حکم میں اکیلا ہوں کسی وزیر کا محتاج نہیں۔

خطاب-۴

اے بندے جو شخص ایجاد سے پہلے تیری تدبیر میں ہو اس سے مراد میں نزاع مت کر اور جس نے خوبی و شفقت کا خوگر کر رکھا ہو۔ اس کا مقابلہ عناد سے مت کر۔

خطاب-۵

اے بندے میں نے تجھ کو اپنی خوبی شفقت کا خوگر کیا ہے تو بھی میرے آگے تدبیر کو ترک کر دے[1]۔

خطاب-۶

اے بندے کیا تجربہ کے بعد شک ہے اور بیان کے بعد حیرت ہے اور ظہور ہدایت کے بعد گمراہی ہے کیا یہ اعتقاد بھی تجھ کو میرے حوالے نہیں کرتا کہ میرے سوا کوئی مدبر نہیں کیا میری خیر سابق بھی تجھ کو میرے ساتھ منازعت کرنے سے برکنار نہیں کرتی۔

خطاب-۷

اے بندے میری کائنات کے ساتھ اپنی نسبت کر کے دیکھ معلوم ہوگا کہ تو مخلوق فانی کے روبرو بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور خالق جو فانی نہیں اس کے ساتھ کیا نسبت سمجھتا ہے اور تو میرے انتظام سلطنت کو تسلیم کر چکا ہے اور تو بھی میرے سلطنت میں داخل ہے سو میری ربوبیت میں نزاع مت کر اور میرے آگے اپنی تدبیر چلا کر میری الوہیت سے مخالفت مت کر۔

خطاب-۸

کیا تجھ کو یہ بات کافی نہیں کہ میں تجھ کو کافی ہوں کیا تجھ کو مجھ پر اس سے بھی اطمینان نہیں ہوتا کہ میرے سابق احسان تیرے ساتھ کتنے ہو چکے ہیں۔

---

[1] بادبیں چشمے بود نوع دگر چشم خاکی را بخاک افتد نظر (ملفوظ شریف)

خطاب-۹

میں نے تجھ کو تیرا محتاج کب بنایا ہے کہ اب تو اپنے حوالے کردیا جائے گا اور میں نے اپنے ملک کی کوئی چیز کسی غیر کے کب سپرد کی ہے جس کو تیرے سپرد کر دوں گا۔

خطاب-۱۰

اے بندے میں نے تجھ کو اپنے وجود کا مظہر بھی نہ بنایا تھا اس وقت اپنے کرم کو تیرے ساتھ مہیا کیا تھا اور میں ہر شئے میں اپنی قدرت سے ظاہر ہوں تجھ کو میرا انکار کرنا کیسے ممکن ہے۔

خطاب-۱۱

اے بندے میں جس کا مدبر بنا اور اس کو کب ٹوٹا ہوا اور جس کا میں حامی ہوا وہ کب بے ساتھی رہا۔

خطاب-۱۲

اے بندے تو قسمت کی جستجو چھوڑ کر میری خدمت میں لگا رہ اور ربوبیت پر بدگمانی سے باز آ کر میرے ساتھ نیک گمان رکھ۔

خطاب-۱۳

اے بندے یہ سزاوار نہیں کہ محسن پر بدگمانی کی جائے یا قدرت والے سے منازعت کی جائے یا حکمت والے کے حکم پر اعتراض کیا جائے یا لطف کرنے والے کے سامنے غم پالا جائے۔

خطاب-۱۴

اے بندے وہ شخص مراد کو پہنچا جو میرے سامنے اپنے ارادے سے علیحدہ ہوا اور آسانی کی راہ بتلایا گیا جس نے مجھ پر حوالہ کیا اور اس کو خزانہ غنا مل گیا جو سچے طور سے میری طرف حاجت لایا اور میری حمایت کا مستحق ہو گیا جس نے میرے ساتھ جنبش کی جب کبھی جنبش کی اور بڑی مضبوط رسی پکڑی جس نے میری رسی پکڑی میں نے بذات خود قسم کھائی کہ اہل تدبیر کو یہ بدلا دوں گا کہ ہمیشہ مکدر رہیں اور جو بنائیں اسکو گرا دوں جو باندھیں اس کو کھول دوں اور ان کو ان ہی کے حوالے اور سپرد کر دوں ان کو راحت رضا اور نعمت تفویض نصیب نہ ہو سو اگر ان کو میری طرف کی سمجھ ہوتی تو میری تدبیر جو ان کے لئے ہے اس پر قناعت کر کے اپنے لئے تدبیر نہ کر دے اور میں جو ان کی نگہداشت کرتا ہوں اس کو کافی سمجھ کر اپنے لئے نگہداشت نہ کرتے اس وقت میں ان کو رضا کی راہ چلاتا اور ہدایت کا راستہ

بتلاتا اور روشن طریق میں ان کو دوڑاتا اور اپنی عنایت کو تمام خوف کی چیزوں سے ان کیلئے سپر نگہبان بنادیتا اور تمام امید کی چیزیں حاصل کر دیتا اور یہ مجھ کو آسان ہے۔

خطاب-۱۵

اے بندے ہم تجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو چاہ اور ہمارے آگے اور کسی چیز کا اراہ مت کر اور ہم تیرے لئے یہ بات تجویز کرتے ہیں کہ ہم کو اختیار کر اور ہمارے آگے اور کسی کو اختیار مت کر اور ہم تیرے لئے یہ بات پسند کرتے ہیں کہ ہم کو پسند کر اور ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تو غیروں کو پسند کرے۔

خطاب-۱۶

اے بندے اگر میں تجھ کو جتادوں سو اس وجہ سے کہ اپنا فضل تجھ پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں اور اگر تجھ کو ہرادوں تو اس وجہ سے کہ اپنے قضا میں تیرے پاس اپنے اسرار لطف بھیجنا چاہتا ہوں۔

خطاب-۱۷

اے بندے جو کچھ میں نے اپنی نعمت تیرے اندر ظاہر فرمائی اس کا یہ بدلہ مت کر کہ مجھ سے منازعت کرنے لگے اور میں نے تجھ پر عقل دے کر احسان کیا جس سے تجھ کو اوروں سے ممتاز کیا اس کا عوض یہ مت کر کہ مجھ سے مخالفت کرے۔

خطاب-۱۸

اے بندے جیسا زمین و آسمان میں میری تدبیر کرنا اور حکم و قضا میں یکتا ہونا تو نے تسلیم کر لیا ہے اسی طرح اپنا میرے ملک میں ہونا بھی تسلیم کر لے کیونکہ تو میرے ملک میں ہے اور میرے سامنے تدبیر مت کر کیونکہ تو میرے ساتھ معیت رکھتا ہے اور مجھ کو کارساز سمجھ اور میرے کفیل ہونے پر وثوق کر تجھ کو عطائے کثیر اور فخر کبیر دوں گا۔

خطاب-۱۹

اے بندے میں ازل میں حکم کر چکا ہوں کہ میرے بندے کے دل میں نور تسلیم اور ظلمت منازعت جمع نہ ہوں گے جب ایک ہوگا دوسرا نہ ہوگا اب اپنے لئے جو چاہئے پسند کر لے کم بختی مارے ہم نے تو تیرا مرتبہ اس سے بڑا بنایا ہے کہ تو اپنے ذاتی کام میں لگے سو اپنی قدر مت گھٹا اے وہ شخص جس کو ہم نے بلند قدر کیا اور میرے غیر پر حوالہ کر کے ذلیل مت ہو

اے وہ شخص جس کو ہم نے معزز کیا کم بختی مارے تو ہمارے نزدیک اس سے بلند قدر ہے کہ غیروں کے ساتھ مشغول ہو میں نے تجھ کو اپنی ہی درگاہ کے لئے پیدا کیا اور اسی کی طرف بلایا اور اپنے جذبات عنایت سے تجھ کو کھینچا اگر اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہوگا تجھ کو محجوب کر دوں گا اور اگر اس کی خواہش کا اتباع کیا تجھ کو نکال دوں گا اور اگر نفس سے جدا ہوا تجھ کو مقرب بنالوں گا اور اگر ماسوا سے اعراض کر کے مجھ سے محبت کی تجھ کو قبول کرلوں گا۔

خطاب-۲۰

اے بندے اگر تو کفایت اور ہدایت چاہے تو کیا یہ امر کافی وہادی نہیں ہے کہ میں وہ ہوں کہ میں نے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا اور صدقہ دیا پھر عطا دی میرے احکام میں منازعت کرنی اور میرے افعال میں معارضہ کرنے سے کیا یہ امر مانع نہیں ہوسکتا۔

خطاب-۲۱

مجھ پر ایمان نہیں رکھتا جو مجھ سے منازعت کرتا ہے مجھ کو واحد نہیں سمجھتا جو میرے آگے تدبیر کرتا ہے وہ مجھ سے خوش نہیں جو میری نازل کی ہوئی بلا پر اوروں سے شکایت کرتا ہے اور اس شخص نے مجھ کو اختیار نہیں کیا جس نے میرے سامنے اختیار رکھا اور میرا حکم بجا نہیں لایا جس شخص نے میرے قہر کے آگے گردن نہ جھکائی اور مجھ کو نہیں پہچانا جس نے اپنا کام میرے سپرد نہیں کر دیا اور مجھ سے ناواقف رہا جس نے مجھ پر توکل نہیں کیا۔

خطاب-۲۲

اے بندے تیری یہی جہالت بہت ہے کہ اپنے قبضے کی چیز پر تو دل کو قرار ہو اور میرے قبضے کی چیز پر قرار نہ ہو اور میں تو تیرے لئے یہ بات پسند کروں کہ تو مجھ کو اختیار کرے اور تو میرے مقابلے میں اوروں کو اختیار کرتا پھرے کمبختی مارے عبودیت اور اختیار جمع نہیں ہوتے نہ تاریکی اور انوار نہ یہ بات کہ میری طرف بھی متوجہ ہو اور مخلوق کی طرف بھی سو یا تو میں تیرا رہوں گا یا تو اپنا رہے گا سو خوب سمجھ کر ایک بات اختیار کرلے اور ہدایت کے عوض زیاں مت لے۔

خطاب-۲۳

اے بندے خود اگر مجھ سے اپنے لئے تدبیر کو طلب کرے تو تیرا جہل ہے اور تو اپنی تدبیر کرے اس کا تو کیا ذکر اور اگر میرے آگے کسی چیز کو اختیار کرے تو تیری بے انصافی ہے

چہ جائے کہ مجھ کو چھوڑ کر کسی کو اختیار کرے۔

خطاب-۲۴

اے بندے اگر میں تدبیر کی اجازت بھی دے دیتا تب بھی تجھ کو لازم تھا کہ تدبیر کرتا ہوا شرماتا چہ جائے کہ تجھ کو یہ حکم کر چکا ہوں کہ تدبیر مت کر، اے وہ شخص جو اپنے نفس کی فکر میں لگا ہے اگر تو اس کو ہمارے حوالے کر دیتا تو آرام پاتا کمبختی کے مارے تدبیر کے بوجھ بجز ربوبیت کے کوئی برداشت نہیں کر سکتا بشریت کو اس کی قوت نہیں کمبختی مارے تجھ کو تو کوئی اور اٹھا رہا ہے تو کیوں بوجھ اٹھاتا ہے ہم کو تیری راحت منظور ہے تو اپنی جان کو مشقت میں مت ڈال پیٹ کے اندھیرے میں تیری کس نے تدبیر کی تھی بعد موجود ہونے کے جو تو نے چاہا تجھ کو دے دیا تجھ کو زیبا نہیں کہ اب وہ جو چاہتا ہے اس میں منازعت کرے۔

خطاب-۲۵

اے بندے تجھ کو میں نے اپنی خدمت کا حکم دیا اور اپنے رزق کا تیرے لئے ذمہ دار ہوا تو نے میرا حکم مہمل چھوڑا اور جس چیز کی ذمہ داری کی تھی اس میں شک کیا اور میں نے صرف ذمہ داری پر اکتفا نہیں کیا اس پر قسم بھی کھائی پھر قسم پر بھی اکتفا نہیں کیا اس کی مثال بھی بیان کی اور سمجھ دار بندوں کو خطاب کیا پس کہا میں نے **وفی السمآء رزقکم وما توعدون فورب السمآء والارض انه لحق مثل ما انکم تنطقون.**

(ف) اس آیت میں ہے ذمہ داری اور قسم اور مثال جیسا اوپر گذر چکا۔

اور عارفین نے میرے اوصاف پر اکتفا کیا اور اہل یقین نے میرے کرم پر حوالہ کیا سو اگر میرا وعدہ بھی نہ ہوتا تب بھی وہ یقین کرتے کہ میں ان سے اپنی واردات عطاء کو بند نہ کروں گا اور اگر میری ضمانت بھی نہ ہوتی تو میری صفت احسان پر وہ لوگ وثوق کر لیتے اور میں ان لوگوں کو رزق دیتا ہوں جو غفلت و معصیت میں مبتلا ہیں تو ان کو کیسے رزق نہ دوں گا جو میری اطاعت اور رعایت کرتے ہیں ارے کمبختی مارے جو درخت کو بوتا ہے وہی سینچتا بھی ہے اور خلقت کا مدد کرنے والا وہ ہی ہے جس نے اس کو پیدا کیا اور مخلوق کے لئے یہی بات بہت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہے اور پاداش دینے والا ہے مجھ سے ایجاد ہوا میرے ذمے دوام امداد بھی ہے مجھ سے تخلیق ہوئی میرے ہی ذمے ہمیشہ رزق دینا بھی ہے ارے کمبختی مارے تو اپنے گھر میں کسی کی بھی دعوت کرتا ہے سوائے اس کے جس کو کھانا کھلانا منظور ہو اور

کسی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے سوائے اس کے جس کی خاطر منظور ہو۔

خطاب-۲۶

اے بندے تو بجائے فکر رزق کے ہماری فکر رکھ کیونکہ جو چیز میں اپنے ذمے لے چکا ہوں تو اس میں کیوں تعب اٹھاتا ہے اور جس چیز کو تو اپنے ذمے لے چکا ہے یعنی عبادت تو اس کا ہورہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم تجھ کو اپنے گھر میں لائیں اور اپنے احسانوں سے محروم رکھیں تجھ کو وجود میں ظاہر کریں اور تیری مدد نہ کریں تجھ کو ہستی کی طرف لائیں اور اپنا کرم نہ کریں کیا اپنا حق تو تجھ سے طلب کروں گا اور اپنا رزق تجھ کو نہ دوں گا کیا تجھ سے خدمت چاہوں گا اور حصہ نہ دوں گا ارے کمبختی مارے میرے پاس تیرے لئے طرح طرح کی بخششیں ہیں اور تجھ کو اپنا مظہر رحمت بنایا اور میں نے تیرے لئے صرف دنیا پر بس نہیں کیا یہاں تک کہ جنت کو ذخیرہ کر کے رکھا اور اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ اپنے دیدار سے تحفہ دیا پس ہرگاہ میرے یہ افعال ہیں پھر میرے افضال میں کیسے شک کرتا ہے۔

خطاب-۲۷

اے بندے میری نعمت کا کوئی لینے والا اور میرے فضل کا کوئی قابل ضرور چاہئے اور میں اس سے غنی ہوں کہ منافع سے نفع حاصل کروں اس پر دلیل قطعی قائم ہے سو اگر تو مجھ سے یہ بھی درخواست کرے کہ تجھ کو اپنا رزق نہ دوں تب بھی تیری بات نہ مانوں اگر تو مجھ سے یہ دعاء کرے کہ تجھ کو اپنے فضل سے محروم کروں تب بھی محروم نہ کروں اور اس وقت تو کیوں کر محروم کر دوں گا کہ ہمیشہ تو مانگا کرتا ہے اور اکثر اوقات طلب کیا کرتا ہے سو مجھ سے اب حیا کر اگر ابھی تک حیا نہ کرتا تھا اور میری طرف کی بات سمجھ اس کو سب کچھ ملا جو میری طرف کی بات سمجھا۔

خطاب-۲۸

اے بندے مجھ کو اختیار کر اور مجھ کو چھوڑ کر اور کسی کو مت اختیار کر اور اپنے دل کو صدق سے میری طرف متوجہ کر اگر تو ایسا کرے گا تو تجھ کو غرائب لطف اور عجائب کرم دکھلاؤں گا اور تیرے باطن کو اپنے مشاہدہ سے متمتع کروں گا میں نے اہل تحقیق کے لئے راستہ ظاہر کر دیا ہے اور صاحبان توفیق کے لئے نشان ہدایت کے واضح کر دیئے ہیں سو اہل یقین نے تحقیق کے ساتھ میری طرف تسلیم کیا ہے اور اہل ایمان نے دلیل کے ساتھ مجھ پر توکل کیا ہے انہوں نے یقین کر لیا ہے کہ میں ان کے لئے اس سے بہتر ہوں کہ وہ اپنے لئے ہوں اور میری تدبیر ان کے لئے

زیادہ کارآمد ہوگی بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنے لئے تدبیر کریں پس انہوں نے گردن جھکا کر میری ربوبیت کو مان لیا اور اپنے کو میرے سامنے تفویض کر کے ڈال دیا میں نے اس کے عوض ان کی جانوں میں راحت دی اور عقلوں میں نور اور قلوب میں معرفت اور باطن میں یقین قرب یہ تو اس دنیا میں ہوا اور جب میرے پاس آویں گے اس وقت ان کے منصب کو بڑا کروں گا ان کا مرتبہ بلند کروں گا اور بزرگی کے جھنڈے ان پر کھول دوں گا اور جب ان کو اپنے گھر میں داخل کروں گا تو ان کے لئے ایسی چیزیں ہیں جو نہ آنکھ نے دیکھی اور کان نے سنی نہ کسی بشر کے قلب پر گذری۔

خطاب-۲۹

اے بندے جو وقت آگے آتا ہے میں نے اس میں تجھ سے خدمت طلب نہیں کی تو مجھ سے اس وقت کی روزی کیسے مانگتا ہے جب میں تجھ کو عبادت کی تکلیف دوں گا تو رزق کا بوجھ خود اٹھاؤں گا اور جب تجھ سے خدمت طلب کروں گا تو کھانا بھی کھلاؤں گا اور یقین کر میں تجھ کو نہ بھولوں گا اگرچہ تو مجھ کو بھلا دے اور میں تجھ کو یاد کرتا ہوں قبل اس کے کہ تو مجھ کو یاد کرے اور میرا رزق تجھ پر جاری رہے گا اگرچہ تو میری نافرمانی کرے میں حالت اعراض میں جب تجھ سے ایسا ہوں سو اگر میری طرف تو متوجہ ہو اس وقت مجھ کو اپنے ساتھ کس طرح سمجھتا ہے تو نے میری قدر کما حقہٗ نہیں پہچانی اگر میرے قہر کے آگے گردن نہ جھکائے اور میرے احسان کی تو نے رعایت نہیں کی اگر میرا حکم نہ بجالایا سو مجھ سے اعراض مت کر تجھے ایسا کوئی نہ ملے گا جو میرا بدل ہو سکے کسی سے مل کر مجھ سے بے پروائی مت کر کوئی مجھ سے تجھ کو بے نیاز نہیں کر سکتا میں اپنی قدرت سے تیرا پیدا کرنے والا ہوں میں اپنی نعمت تجھ پر فراخ کرنے والا ہوں سو جیسا کوئی میرے سوا خالق نہیں ایسا بھی میرے سوا کوئی رازق ہیں کیا پیدا خود کروں گا اور غیروں پر ٹال دوں گا اور میں بڑے فضل والا ہوں اور بندوں کو غیروں سے روکتا ہوں سوائے بندے مجھ پر وثوق کر میں رب العالمین ہوں اور میرے آگے اپنی مراد سے علیحدہ ہو جا میں تجھ کو عین مراد کو پہنچا دوں گا اور میرے الطاف سابقہ یاد کر اور حق محبت مت بھلا۔

(ف) اس کے بعد مصنف کہتے ہیں۔ ہم کو منظور ہوا کہ اس کتاب کو ایسی دعاء پر ختم کریں جو اس مضمون کے مناسب ہو جس کے لئے یہ کتاب بنائی گئی ہے اور وہ دعاء یہ ہے۔

یا الٰہی ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ محمد اور آل محمد پر رحمت بھیج جیسا تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر اہل عالم رحمت بھیجی بیشک تو محمود ہے بزرگ ہے۔ یا الٰہی! ہم کو ان لوگوں میں

سے کردے جو تیری اطاعت کرنے والے ہیں تیرے آگے خدمت میں کھڑے ہونے والے ہیں اور ہم کو اس سے علیحدہ کر کہ تیرے آگے یا تیرے مقابلے میں تدبیر کریں اور ہم کو اہل تفویض سے کردے۔ یا الٰہی! تو ہمارا اس وقت تھا کہ ہم بھی اپنے نہ تھے پس ہمارے ہونے کے بعد بھی ہمارا اسی طرح بنا رہ جیسا ہمارے ہونے سے پہلے تھا اور ہم کو اپنے لطف کی خلعت پہنا اور اپنی عنایت و مہربانی سے ہم پر متوجہ ہو اور تدبیر کے اندھیرے ہمارے دلوں سے نکال اور ہمارے باطن میں نور تفویض کو روشن کرا اور اپنا حسن اختیار ہم کو مشاہدہ کرا دے یہاں تک کہ جس چیز کا تو ہمارے لئے حکم فرمادے اور پسند کرے وہ ہم کو اس سے زیادہ پیاری ہو جائے جس کو ہم اپنے لئے پسند کریں یا الٰہی جس چیز کی تو نے ہمارے لئے ذمہ داری کی ہے اس میں ہم کو مت لگا کہ تیرے حکم سے غافل ہو جائیں یا الٰہی تو نے ہم کو اپنی اطاعت اور دوام خدمت کے لئے بلایا اور ہم کو یہ طاقت نہیں مگر ہاں اگر تو قدرت دیدے اور ہماری یہ ہمت نہیں مگر ہاں اگر تو قوت دیدے اور جب تک کہ تو ہم کو کسی حالت میں نہ کردے ہم اس حالت میں کہاں ہو سکتے ہیں اور جب تک تو نہ پہنچائے ہم کسی مطلب کو کہاں پہنچ سکتے ہیں اور جب تک کہ تو ہماری اعانت نہ کرے ہم کو کسی شے کی قدرت کہاں ہے سو ہم کو اپنے حکم بجالانے کی توفیق دے اور منہیات سے بچنے پر مدد فرما۔ یا الٰہی! ہم کو روضۂ تفویض اور جنت تسلیم میں داخل فرما اور ہم کو اس جنت میں چین سے رکھ اور ہمارے باطن اپنے ساتھ مشغول رکھ کہ اس کی نعمت ولذت کے ساتھ ہم کو اپنی لذت دے نہ اس کی زینت و رونق کی یا الٰہی ہم پر اپنی فرماں برداری اور توجہ کے ایسے انوار روشن فرما جس سے ہمارے باطن پر رونق اور ہمارے انوار کامل ہو جائیں۔

یا الٰہی! تو نے سب چیزوں کے ہونے سے پہلے ان کی تدبیر فرمائی اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہی ہوگا جو چاہے گا اور اس یقین سے ہم کو جب ہی فائدہ ہوگا کہ تو چاہے گا سو ہم کو اپنی خیر دے کر رخصت کرا اور اپنے فضل سے ہماری شان بلند کرے اور اپنی عنایت سے ہماری طرف قصد فرما اور اپنی رعایت سے ہم کو گھیر لے اور اپنے اہل ولایت کے خلعت ہم کو پہنا اور اپنی حمایت میں ہم کو داخل فرما بیشک تجھ کو ہر شے پر قدرت ہے یا الٰہی ہم جانتے ہیں کہ تیرے حکم کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور تیری قضا کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا اور ہم تیری قضا کے ہٹانے سے اور تیرے حکم کے ٹال دینے سے عاجز ہیں سو ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی قضا میں لطف فرما اور حکم میں تائید فرما اور ہم کو اس باب میں ان لوگوں میں سے کردے جن کی تو رعایت فرماتا ہے اے رب العالمین یا الٰہی تو ہمارا حصہ لگا چکا ہے جس کو ہمارے پاس پہنچائے گا سو اس کو

ہمارے پاس خوشگواری اور بے مشقتی کے ساتھ پہنچائے گا کہ حجاب سے محفوظ رہیں انوار وصل ہم کو گھیرے ہوں اس کو تیری جانب سے دیکھیں تا کہ شکر کریں اور اس کو تیری طرف منسوب کریں اور عالم میں سے کسی طرف نسبت نہ کریں یاالٰہی تمام رزق تیرے ہاتھ ہے دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی ہم کو دونوں میں سے اس قدر عنایت فرما جس میں تو ہماری مصلحت ومنفعت جانے اور یاالٰہی ہم کو ان لوگوں میں سے کر کہ جنہوں نے تجھ کو اختیار کرلیا ہے اور ان لوگوں میں سے مت کر جو تجھ کو چھوڑ کر اور کسی چیز کو اختیار کرتے ہیں اور ہم کو ان لوگوں میں سے کر جو تیری طرف تفویض کرنے والے ہیں ان لوگوں میں مت کر جو تجھ پر اعتراض کررہے ہیں یاالٰہی ہم تیرے محتاج ہیں تو ہم کو عطا فرما اور ہم طاعت سے عاجز ہیں ہم کو قدرت دے اور ہم کو اپنی طاعت کی ہمت دے اور اپنی نافرمانی سے عاجز کردے اور اپنی ربوبیت کے آگے گردن جھکانا نصیب کر اور اپنے احکام الوہیت پر پابندی عنایت فرما اور اپنی طرف نسبت کئے جانے کی عزت بخش اور توکل کی راحت روزی کر اور ہم کو ان لوگوں میں سے کردے جو رضا کے میدان میں جاتے ہیں اور تسنیم تسلیم سے منہ لگا کر پیتے ہیں اور معارف کے پھل چنتے ہیں اور خلعت خصوصیت پہنائے گئے ہیں اور قرب کے تحفے اور دربار عشق کے عطیات دیئے گئے ہیں جو ہمیشہ تیری خدمت میں رہتے ہیں تیری معرفت کا یقین رکھتے ہیں تیرے رسول کے متبع ان کے وارث ہیں ان سے فیض لیتے ہیں ان ہی کے ہو رہے ہیں ان کی نیابت کو بجالاتے ہیں اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرما یارب العالمین ختم ہوئی دعا وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وسلم تسلیما۔ (فقط)

خاتمہ ترجمہ مع قطعتین تاریخ مترجم

الحمدللہ کہ آج بتاریخ ۲۱ محرم الحرام روز سہ شنبہ وقت ظہر ۱۳۱۲ ہجری مقام مکہ معظمہ میں رسالہ اکسیر ترجمہ تنویر اتمام کو پہنچا دو قطعہ تاریخ ایک فارسی دوسرا اردو نذر ناظرین با تمکین ہے۔

بالفارسیة

چوں بامداد الٰہی وفیض او ختم شد ایں نسخہ بر طرز نکو
گفت دل چوں جستم از وے سال ختم مبحث تقدیر ازلی خوش بگو

بالهندیه

جب بامداد فضل رب قدیر ہوا تیار نسخہ اکسیر
سر بیدین اڑا کے ہاتف نے لکھی تاریخ ترجمہ تنویر

نظم مناجات خاتمہ کتاب

از مولانا سید حمزہ صاحب دہلوی حسب ارشاد حضرت قبلہ و کعبہ پیر و مرشد مولانا الحافظ الحاج الشیخ الشاہ محمد امداد اللہ صاحب ضوعفت برکاتہم برائے سہولت حفظ اہل ذوق وشوق کہ بوقت مناجات آں را تکرار کنند وحفظ گیرند:

اے خدائے قابل حمد و سپاس   تجھ سے اب یہ ہے ہماری التماس
بھیج تو رحمت شہ لولاک پر   بعد ان کے ان کی آل پاک پر
جس طرح بھیجی ہے ابراہیم پر   اور ان کی آل با تکریم پر
شک نہیں اس میں کہ تو محمود ہے   سب سے اعلیٰ یعنی تو معبود ہے
یا الٰہی ہم کو ان لوگوں میں کر   جو اطاعت سے تری ہیں بہرہ ور
تیری خدمت کے لئے استادہ ہیں   تیری طاعت کے لئے آمادہ ہیں
دے ہمیں تفویض کا اعلیٰ مقام   تاکہ ہم تدبیر سے رکھیں نہ کام
یا الٰہی جب کہ ہم معدوم تھے   تیرے افضال وکرم قیوم تھے
اب جو ہم موجود دنیا میں ہوئے   اب بھی وہی فضل کا سایہ رہے
اے خدا پہنادے خلعت لطف کا   کر عنایت کی نظر ہم پر ذرا
ظلمت تدبیر قلبوں سے نکال   نور بھر تفویض کا اے ذوالجلال
اے خدا اے حاکم حکمت شعار   ہم کو دکھلا اپنا حسن اختیار
تاکہ ہو تیرے پسندیدہ سے کار   ہو پسند اپنی نظر میں اپنی خوار
تو نے ہے جس چیز کا ٹھیکہ لیا   اس میں یا رب ہم کو ایسا مت لگا
جو تیرے احکام میں غفلت کریں   تیرے ذمہ کی نہ کچھ وقعت کریں
یا الٰہی حکم ہے تیرا ہمیں   دائما تیری اطاعت میں رہیں
لیک ہم کو اس قدر طاعت نہیں   بازوئے ہمت میں کچھ ہمت نہیں
پر سہارا دے تیری توفیق گر   قوت و ہمت ہو میری پیشتر
جب تلک تو دے نہ ہم کو کوئی حال   ہم کو ہو اس حال کی کیسے مجال
تو نہ جب تک ہم کو پہنچائے بھلا   ہم در مقصود تک پہنچیں گے کیا
تو ہماری جب اعانت میں نہ ہو   کوئی بھی شے اپنی قدرت میں نہ ہو
پس الٰہی ہم کو یہ توفیق دے   ہو تعلق حکم کی تعمیل سے
اور منہیات سے یا رب بچا   روضۂ فردوس کی سیریں دکھا
اور اس جنت میں رکھ اطاعت کے ساتھ   اور دل مشغول رکھ راحت کے ساتھ
نے تعلق ہم کو ہو لذت کے ساتھ   نے علاقہ کچھ رہے نعمت کے ساتھ
اپنی لذت یا رب ہم کو تو چکھا   دے نہ اس کی زینت و رونق مزا
نور طاعت اور اطاعت کا دکھا   اور دلوں کو اس سے پر رونق بنا
تاکہ ہو انوار کو اپنے کمال!   یعنی حاصل ہو ہمیں قرب و وصال
جب کہ تھی ہر چیز بے نام ونمود   نام کو بھی وہ نہ رکھتی تھی وجود
تو نے کی تدبیر اس کے واسطے!   فائدے ان کے مہیا کر دیئے
ہے یقین ہم کو جو مرضی ہے تری   پیش سب کو آنے والا ہے وہی
اس یقین کا فائدہ بھی جب ملے   جب نظر اس پر پڑی خواہش کرے
ہم کو اپنی خیر پر فائز بنا   اور اپنے فضل سے رتبہ بڑھا
کر عنایت اپنی تو ہم پر بسیط   کر رعایت اپنی تو ہم پر محیط

ہم کو پہنا خلعتِ اہل ولا
اور دے اپنی حمایت میں بھی جا

تجھ کو ہے ہر شے پہ قدرت بے گماں
تجھ کو ہے ہر شے پہ قوت بے گماں

ہو مقابل کون تیرے حکم کا
ہاں یقیناً ممکن نہیں ضد قضا

ہم سے ہو سکتی نہیں رد قضا
ہم سے ٹل سکتا نہیں جو ہو چکا

التجا ہے اس لئے اے ذوالمنن
لطف کر اپنی قضا میں بے محن

حکم میں اپنا مدد کر پروردگارا
اپنے ان لوگوں میں کر پروردگار

جن کی کرنی ہے رعایت ہی تجھے
یعنی کرنی ہے عنایت ہی تجھے

تونے قسمت میں لکھا ہے جو اللہ
وہ ہمیں پہنچائے گا بے اشتباہ

اس کو اچھی طرح پہنچا اے خدا
ہو مشقت کا نہ ہم کو سامنا

تا حفاظت ہم کو دوری سے رہے
روشنی نور حضوری سے رہے

اس کو تیری طرف سے جانیں گر
شاکروں میں تاکہ ہو اپنا مقر

اس کی نسبت تیری ہی جانب کریں
دوسرے کو اس سے نسبت ہی نہ دیں

یا الٰہی روزی دنیا ودیں!
ہے تمامی پاس تیرے بالیقیں

بس ہمیں تو اس قدر دے مائدہ
جس قدر سمجھے ہمارا فائدہ

ہم کو ان لوگوں میں کر اے کردگار
کر لیا تجھ کو جنہوں نے اختیار

ہم کو ان لوگوں میں مت کر اے خدا
دوسرے کے ہو گئے جو بے وفا

ان میں جو تفویض کے ہیں مفترض
کر نہ ان میں جو ہیں تجھ پہ معترض

ہیں تیرے محتاج دے حاجت ہمیں
عاجز طاعت ہیں دے قدرت ہمیں

ہمت طاعت ہمیں دے اے کریم
معصیت میں عاجزی مستدیم

وہ ہمیں توفیق دے بار خدا
دیں ربوبیت کے آگے سر جھکا

پھر الوہیت کے سب احکام پہ
استقامت سے رہیں بستہ کمر

ذات والا سے ہمیں دے انتساب
تاکہ عزت سے بنیں ہم بہرہ یاب

دے توکل سے ہمارے دل کو چین
اور گر اس میں خدائے مشرقین

جن کو تسلیم ورضا دونوں مقام
ہو گئے حاصل علیٰ وجہ التمام

اور عرفان میں تیرے کامل ہوئے
خاص لوگوں میں تیرے داخل ہوئے

قرب سے تیرے ہوئے جو بہرہ ور
چکھ چکے جو عشق کا اپنے ثمر

جو ہمیشہ تیرے ہیں خدمت گذار
ہیں یقین معرفت سے کام گار

جو کہ پیرو ہیں رسول پاکؐ کے
اور وارث ہیں شہ لولاک کے

فیض سے ان کے سدا ہیں بہرہ یاب
صرف ان سے رکھتے ہیں وہ انتساب

حق نیابت کا ادا کرتے ہیں وہ
حق وراثت کا ادا کرتے ہیں وہ

کر میسر ہم کو حسن خاتما!
ہے دعاء کا بھی یہ حسن انتہا

بھیج آقا پہ ہمارے تو مدام
کاملہ رحمت خدا یا اور سلام

ہے محمد جن کا نام مفتخر!
اور ان کی آل اور اصحاب پر

ناظم و قاری کے حق میں اے خدا
کیجیو مقبول یہ ساری دعاء

الحمدللہ! ''مقالات حکیم الامت'' کی جلد 104 مکمل ہوئی۔

بحمداللہ